رنگارنگ کہانیوں سے آراستہ دلچسپ جریدہ
ماہنامہ
نئے افق
کراچی
اک سوسائٹی ڈاٹ کام
aanchalpk.com aanchalnovel.com
READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
PAK Society
LIBRARY OF PAKISTAN
ONE SITE ONE COMMUNITY
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Downloaded from https://paksociety.com

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

ڈاکٹر صاحب مرحوم 50 سال سے زائد عرصہ طب کے شعبے سے وابستہ رہے اور 20 سال سے زائد عرصہ "ماہنامہ آنچل" کے معروف سلسلے "آپ کی صحت" کے ذریعے قارئین کو ہومیوپیتھک طریقہ علاج کے مطابق طبی مشورے فراہم کرتے رہے۔ ہومیوپیتھی کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب یونانی طریقہ علاج کی سند بھی رکھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے یونانی طریقہ علاج کے مطابق مردوں اور خواتین کے بالوں کے مسائل کے حل کیلئے بھی 2 دوائیں Aphrodite Hair Inhibitor غیر ضروری بالوں کے خاتمے کیلئے جبکہ Aphrodite Hair Grower سر کے بالوں کے مسائل، خاص کر گنج پن کے حل کیلئے متعارف کرائیں جو کہ 15 سال سے زائد عرصے سے بہت کامیابی کے ساتھ بالوں کے مسائل کے حل کیلئے استعمال کی جارہی ہیں۔ اپنے جادوئی اثر کی بناء پر یہ دوائیں نہ صرف پورے ملک بلکہ بیرون ملک بھی جیسا کہ برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، روس، فرانس، جرمنی، عرب ممالک و دیگر ترقی یافتہ ممالک میں بھی کامیابی سے استعمال کی جارہی ہیں۔

قدرتی بال، سر کی رونق بحال

اسپیشل آفر

Rs. 400/= بچت کریں 2 بوتلیں بذریعہ منی آرڈر صرف Rs. 1000/= میں حاصل کریں

آنچل از عرصہ مدت چلنے سے۔

ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت =/700 روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر
قیمت =/500 روپے

چہرے و دیگر غیر ضروری بالوں کا مستقل خاتمہ

اسپیشل آفر

Rs. 400/= بچائیں 2 بوتلیں صرف Rs. 1400/= میں حاصل کریں

آنچل از عرصہ دراز سے چل رہا ہے۔

ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت =/900 روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر
قیمت =/800 روپے

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک

ایڈریس: دوکان نمبر C-5، کے ڈی فلیٹس فیز 4،
شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14، نارتھ کراچی 75850
فون نمبر: 021-36997059، صبح 10 تا رات 9 بجے
منی آرڈر کی سہولت میسر نہ ہونے کی صورت میں فون پر رابطہ کریں

منی آرڈر بذریعہ
پاکستان پوسٹ بھیجے
منی آرڈر کرنے کے بعد فارم نمبر، نام، ایڈریس، مطلوبہ دوا، بھیجی گئی رقم
0320-1289119 پر SMS کریں

زیر نگرانی
محمد عاصم مرزا
محمد آصف مرزا
محمد عامر مرزا

Downloaded from https://paksociety.com

نئے افق

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز
رکن چیمبر آف کامرس

NAFEES PUBLICATION

پاکستان (فی پرچہ)	..........50 روپے
پاکستان (سالانہ)	..........600 روپے

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
naeyufaqonlinemagzine
aanchal.com.pk/blog
onlinemagazinepk.com/recipes
editorufaq@aanchal.com.pk

جلد	41
شمارہ	01
فروری	2017

[illegible] — ذیشان احمد قریشی — 10

گفتگو — اقبال بھٹی — 12

اقرا — طاہر قریشی — 22

خیرآباد شہر کا بوڑھا درخت — امین صدر الدین بھایانی — 24

ایک سو سولہ چاند کی راتیں — عشنا کوثر سردار — 36

[illegible] کی دھوا — [illegible] — 58

عیار ناگن — خلیل جبار — 66

[illegible] — [illegible] — 78

ہیرو کون — حسیب جراد — 110

[illegible]

دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ صدر کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY

www.paksociety.com

[illegible]	شہباز اکبر الفت	122
ڈیول	زرین قمر	128
آنا اری	انجم فاروق ساحلی	172
روپ محبت کے	محمد ریاض بٹ	178
علم لاحاصل	جاوید احمد صدیقی	190
فن پارے	ادارہ	194
ذوق آگہی	سباس گل	222
خوش بو ئے سخن	نوشین اقبال نوشی	220
چہرہ	شبینہ گل	230

فیکس: 021-35620773 [illegible] info@aanchal.com.pk

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY | f PAKSOCIETY

Downloaded from https://paksociety.com

دستک

مشتاق احمد قریشی

اردو کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

جناب رئیس امروہوی صاحب نے یہ مصرعہ اردو بولنے والوں کی حمایت میں لکھا تھا (گو کہ آج کل اردو والے خود اپنا جنازہ نکالنے میں لگے ہوئے ہیں) یہ یونہی نہیں لکھ دیا گیا تھا اس کے پیچھے بہت سے حقائق اس کا موجب تھے وہی عوامل آج بھی کراچی میں آباد اردو بولنے والوں کو درپیش ہیں۔ اس وقت بھی سندھ میں خصوصاً پیپلز پارٹی کی حکومت تھی آج بھی سندھ پر پیپلز پارٹی کی حکومت ہے جبکہ مرکز میں نواز لیگ حکمران ہے کراچی کی بدنصیبی یہ ہے کہ یہاں اردو بولنے والوں نے اپنی شناخت اور اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنا ووٹ بینک اپنے طریقے سے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے کراچی میں نہ پیپلز پارٹی کو نہ نواز لیگ کو یا کسی اور سیاسی جماعت کو صوبائی اسمبلی اور قومی اسمبلی کی نشستوں پر کامیابی حاصل نہیں ہوتی جبکہ مرکز اور صوبوں میں حکومت میں اردو بولنے والے شریک اتحادی کے طور پر شامل تو ہو جاتے ہیں لیکن کراچی کے مسائل اس طرح حل نہیں کرپاتے جس طرح کراچی کی ضروریات اور حق ہے اب موجودہ حکومت سندھ نے بڑی کراہیت کے ساتھ کراچی اور سندھ میں بلدیاتی انتخابات تو کرا دیے وہ بھی مجبوراً کیونکہ عدالت عظمیٰ کا حکم جو آ گیا تھا تمام بڑے اور اہم شہروں میں حکمران جماعت کی تمام تر کوشش کے باوجود اردو بولنے والوں نے میدان مار لیا اور حکمران جماعت اپنا سا منہ لے کر رہ گئی اس باعث وہ بلدیاتی نمائندوں کو نہ تو اختیارات سونپ رہی ہے نہ ہی فنڈ فراہم کر رہی ہے کیونکہ اگر فنڈ اور اختیارات دے دیے جاتے ہیں تو اس کا تمام تر فائدہ اردو بولنے والوں کی جماعت ایم کیو ایم کو پہنچے گا جو سندھ کی حکمران جماعت کو کسی صورت گوارا نہیں پارٹی کا تو می اور صوبائی اسمبلی کی نشستوں کے نہ ملنے کا انتقام کراچی سے لیا جا رہا ہے۔

کراچی جو اپنی آبادی کے لحاظ سے پاکستان کے تمام شہروں سے ہی نہیں بلکہ دنیا کے کئی ممالک سے بہت بڑا ہے اسی سبب اس شہر کے شہری مسائل بھی کہیں زیادہ ہی ہیں جن میں حکمران جماعت کی بے اعتنائی نے مزید اضافہ کر دیا ہے سب سے اہم مسئلہ صاف پینے کا پانی کا ہے اور گندے استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا ہے اس کے علاوہ کچرے کے ڈھیر جو اٹھانے کے باوجود بڑھتے ہی جا رہے ہیں کراچی میں صرف اردو بولنے والے ہی آباد نہیں ہیں یہاں دیگر زبانیں بولنے والے پاکستان کے طول وارض میں بسنے والے افراد بھی بڑی تعداد میں رہتے بستے ہیں کراچی کو دانستہ طور پر سزا دی جا رہی ہے مرکزی حکومت کی جماعت ہو یا صوبائی حکومت کی جماعت دونوں کو ہی کراچی سے قطعی دلچسپی نہیں ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ کراچی ان کے لیے علاقہ غیر کی حیثیت رکھتا ہے شاید اسی باعث کراچی کے مسائل حل ہونے کے بجائے بڑھتے ہی جا رہے ہیں کراچی کے مسائل کے پیش نظر ہی سپریم کورٹ آف پاکستان کو کہنا پڑا ہے کہ کراچی کو پینے کے لیے گٹر کا پانی اور کھارا پانی دیا جا رہا ہے کیونکہ کراچی واٹر بورڈ کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ وہ کراچی کی تمام آبی ضروریات بروقت مہیا کر سکے واٹر بورڈ والوں کے مطابق پانی سپلائی کرنے والی تمام مشینری اس قدر پرانی اور خستہ ہو چکی ہے کہ اس کا تبدیل

Downloaded from https://paksociety.com

ہونا ضروری ہے لیکن اس کی تبدیلی اس لیے ممکن نہیں کہ حکومت فنڈ فراہم نہیں کر رہی یہی حال تمام بلدیاتی اداروں کا ہے عدالتی حکم پر بلدیاتی انتخابات تو کرا دیے گئے لیکن وہ بے اختیار ہیں نہ انہیں ان کے بلدیاتی اختیار سونپے گئے اور نہ ان اختیارات کو استعمال کرنے کے لیے فنڈ ہی مہیا کیے گئے ہیں حکمران جماعت اور بلدیاتی ارکان کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی ہو رہی ہے جس کا تمام تر نقصان اہل کراچی کو ہو رہا ہے کراچی میں نہ تو پینے کا صاف پانی میسر ہے نہ ہی گندے پانی کی نکاسی کا معقول انتظام ہو رہا ہے اور نہ ہی سیوریج کے پانی سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار سڑکوں کی تعمیر و مرمت کی جا رہی ہے اور نہ بجلی کی لوڈشیڈنگ کم ہو رہی ہے اور نہ ہی گیس گھریلو صارفین کو پوری طرح فراہم کی جا رہی ہے بس ایک قدرتی ہوا ہے جس پر حکمرانوں کا بس نہیں چل رہا ورنہ وہ بھی پابند کر دی جاتی ہاں اس کی شفافیت کو ضرور متاثر کیا جا رہا ہے۔ کراچی بذات خود مسائل کا گڑھ بن چکا ہے اور اب سیاسی معاملات کے باعث سیاسی عدم استحکام کا شکار ہو رہا ہے دو سیاسی جماعتوں کے مفادات کے باعث کراچی زبوں حال ہو رہا ہے کوئی اس کا پرسان حال نہیں ایم کیو ایم جس کی حمایت کی سزا اہل کراچی کو دی جا رہی ہے اسے بھی اہل سیاست کی طاقتور جماعتوں نے اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے ٹوٹ پھوٹ کا شکار کر دیا ہے کچھ وہ اپنی نادانی یا زیادہ اعتماد کے باعث غلطیوں پر غلطیاں کیے جا رہے ہیں اپنے مخالفین کی توقعات پر پورا اترنے لگے ہیں اب جبکہ نئے انتخابات کی ہوا چل پڑی ہے اور تمام سیاسی جماعتیں کر کسنے لگی ہیں، سندھ کی حکمران جماعت نے بھی نہ صرف آنے والے انتخابات کی تیاری شروع کر دی ہے بلکہ اس کو پراثر کرنے کے لیے اپنے حقیقی سربراہ جناب زرداری صاحب کو بھی وطن واپس بلا لیا ہے تاکہ الیکشن مہم کو بھرپور انداز میں چلایا جا سکے جو کام بلاول بھٹو زرداری نہیں کر پا رہے تھے اسے پورا کرنے کے لیے زرداری صاحب کو اپنی خود اختیار جلا وطنی ختم کر کے وطن واپس آنا پڑا کیونکہ ان کے اور ان کے رفقا کے خیال کے مطابق بلاول بھٹو ابھی بچہ ہے وہ اپنے حریف سیاسی گرگوں کا اس طرح مقابلہ نہیں کر سکتا جیسا اسے ایک بڑی سیاسی جماعت کے سربراہ کے طور پر کرنا چاہیے کراچی سندھ کے تمام اہم اور بڑے شہروں میں اردو بولنے والوں کی جماعت ایم کیو ایم لاکھ منتشر اور اختلافات کا شکار ہونے کے باوجود انہیں ڈر رہی ہے کہ آنے والے انتخابات میں انہیں ہمیشہ کی طرح منہ کی کھانا پڑے گی کیونکہ انہوں نے بڑے شہروں کے مسائل تو اپنی جگہ دیہی آبادیوں کے مسائل بھی حل کرنے کی کبھی ضرورت نہیں سمجھی، اس لیے ضروری ہے کہ اردو بولنے والوں کی جماعت چاہے جتنے حصوں میں بھی تقسیم ہو اسے آگے نہیں آنے دینا چاہیے یہی وجہ ہے کہ بلدیاتی اداروں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا ہے خصوصاً کراچی، سکھر، میرپور خاص جہاں جہاں سندھ کی حکمران جماعت پیپلز پارٹی اور مرکز کی حکمران جماعت نون لیگ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا انقلاب بھی وہ ان علاقوں میں کامیابی حاصل کرنے سے خوف زدہ ہے اس ہی سبب وہ ایم کیو ایم کو گندہ کرنے کے لیے اس کے ووٹ بینک کو اپنی جماعت سے ناواقف کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کر رہے ہیں بلدیاتی نظام کو چوپٹ کر کے رکھ دیا گیا ہے دراصل یہ اردو بولنے والوں کو اپنے حق کے حصول کی کوششوں کی سزا دی جا رہی ہے ایسے ہی حالات نے جناب رئیس امروہوی صاحب کو یہ کہنے پر مجبور کیا تھا کہ اردو کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے۔ اللہ ہمارے وطن عزیز کا حامی و ناصر ہو اور اہل خرد کو عقل سلیم عطا فرمائے آمین۔

Downloaded from https://paksociety.com

گفتگو

اقبال بھٹی

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی سب کے سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک امت کے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سی امت ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔" (الترمذی، ابو داؤد و احمد)

عزیزان محترم...... سلامت باشد۔

فروری 2017ء کا نئے افق حاضر مطالعہ ہے۔

ابھی جنوری کے شمارے کی تکمیل درون ہوئی کہ سرگزشت کے مدیر ہمارے پیارے بھائی محترم پرویز بلگرامی نے محترم سلیم فاروقی کے انتقال کی اطلاع دی۔ اس خبر پر اب بھی یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا بار بار سلیم فاروقی کا ہنستا مسکراتا چہرہ نظروں کے سامنے آ جاتا ہے بہرحال یہ قانون قدرت ہے کہ جو دنیا میں آتا ہے اسے ایک نہ ایک دن واپس بھی جانا ہے اللہ تعالیٰ سلیم فاروقی کو غریق رحمت کرے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

اس ماہ امین صدر الدین بھایانی کا خاص افسانہ خیرآباد کا بوڑھا برگد شامل اشاعت ہے۔ محترم امین بھایانی جب بھی اور جو بھی لکھتے ہیں وہ ایسا لگتا ہے کہ لفظ ان پر اوپر سے اترتے ہیں، ان کے کردار ہمیں اپنے اردگرد چلتے پھرتے محسوس ہی نہیں بلکہ نظر بھی آتے ہیں اس کے علاوہ محترمہ شبینہ گل کا ایک ناول چہرہ بھی شامل اشاعت ہے ان دونوں تحریروں کا تعارف بہت مختصر رہا گیا ہے کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کچھ تحریریں ایسی ہوتی ہیں جن کو تعارف کی ضرورت نہیں ہوتی جن کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خود آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ ان تحریروں کو دل کی آنکھ سے پڑھیں اور پھر اپنے تاثرات سے آگاہ کریں۔

اب آیئے اپنے تیغ و شیریں نامہ نویسوں کی طرف

احسن ابرار رضوی...... ساہیوال۔ السلام علیکم! امید ہے خیریت سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم کی بارشیں برسائے رکھے آمین۔ ماہ جنوری 2017ء کا نئے افق رخصت ہوتے دسمبر میں مل گیا۔ یہ اپنا معمول نہیں بھولا۔ اللہ کرے پابندی وقت قائم رہے۔ آمین۔ آج جمعتی کا دن اور یکم جنوری 2017ء ہے۔ موبائل فون پر اور فیس بک سال نو کی مبارک باد کے ایس ایم ایس چل رہے ہیں۔ ہمارے غیرے سال 2016ء میں کیے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے اور دعاؤں کے نذرانے پیش ہو کر رہے ہیں۔ جب دل میں بغض ہو اور ظاہری طور پر لاکھ معافیاں مانگی جائیں تو کسی کام کی نہیں۔۔۔ یہی حال جنوری 2017ء کے نئے افق میں نظر آ رہا ہے۔ گفتگو کی محفل یوں گرم ہے جیسے ملک کی باگ ڈور انہی کے ہاتھوں میں ہے اور ایک دوسرے سے کرسی چھیننے کی کوشش میں سرگرم عمل ہیں۔ جب ادب ہی بے ادب ہو جائے تو قوم تو بد حر گئی۔ شعور کی بلندیوں پر بیٹھے لوگ یوں کرتے ہیں تو اپنے لاکھ سلام۔ بار ایک دوسرے کے دست گریبان ہونے سے پہلے اپنے اردگرد تو دیکھیں۔ انگریز مریخ سے بھی آگے نکل گیا اور ہم خود کو خود میں تلاش نہ کر سکے۔ افسوس! نئے افق سال نو کا پرچہ بہترین ہے اور سرورق بھی کمال ہے۔ گفتگو کی محفل سے اختلاف کرتے ہوئے دیکھا گے

Downloaded from https://paksociety.com

بڑھتے افراء سے دل کے زنگ اُتارنے کی کوشش کی۔ یاسین صدیقی نے ڈاکٹر عبدالرب بھٹی سے ملاقات کروائی۔ انٹرویو بڑا خاصے کا ہے اور میرا نہیں خیال جو یہ انٹرویو پڑھ لے وہ کسی جھگڑے فساد کا سبب بنے۔ خاص کر میرے ادیب حضرات۔ تفتیش، تاریک راہیں، آب زر، چسکا، وام اجل، نقلی نوٹ، خاصے کی تحریریں ہیں۔ فن پارے کی تحریریں بھی عمدہ ہیں اور تمام مستقل سلسلے بھی متاثر کن ہیں۔ ڈیول اور ایک سو سولہ چاند کی راتیں، آگے کو بڑھ رہی ہیں۔ اس بار ریاض بٹ کی کہانی نہ پا کر دل پریشان سا ہوا۔ اللہ خیر فرمائے آمین۔

ایس ..... اے ..... راحیل ..... آداب! سال نو مبارک کے سندیسے سناتا نئے افق جاتے دسمبر میں مل گیا۔ سرورق جاذب نظر اور دل کش ہے۔ دستک "یہ تو ہونا ہی تھا" محترم مشتاق احمد قریشی نے خوب لکھا۔ بھارت اور اس جیسے ممالک پاکستان کو میلی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور دیکھ بھی رہے ہیں۔ گفتگو کا آغاز حدیث مبارک ﷺ سے کیا عمران احمد کی جگہ اقبال بھٹی براجمان ہیں۔ مدیر بھائی اس سال کو امن و سکون کا سال ثابت ہونے کی دعا کررہے ہیں اور گفتگو کی محفل میں "جنگ" چھڑی ہوئی ہے۔ مدیر رضا معافی مانگ رہے ہیں اور مدنی سینہ تان کر کھڑے ہیں اور شاہد سولی پر لٹکانے کی قسم اُٹھائے کھڑے ہیں۔ روز ہزاروں کہانیاں لکھی جارہی ہیں اور روز ہزاروں واقعات پیش آرہے ہیں۔ کس کو پڑی ہے کہ دوسرے کی طرف توجہ کرے لیکن نئے افق کے پلیٹ فارم کو استعمال کرتے ہوئے اپنے من کی آگ ٹھنڈی کی جارہی ہے۔ ریاض حسین قمر بھائی، بہت شکریہ آپ نے میرے ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو سراہا۔ محمد رفاقت آپ کا خط جاندار بھی ہے اور شاندار بھی۔ عمر فاروق ارشد کسی کی بڑائی تب نظر آتی ہے جب وہ دوسروں سے ہم کلام ہوتا ہے، یا اس کے ساتھ سفر کرتا ہے۔ مجھے آپ کے ساتھ نئے افق میں سال ہونے کو ہے۔ آپ کی ذہانت اور قابلیت واضح نظر آتی ہے۔ عنبرین اختر اور غلام اویس بہترین خط لائے۔ غلام یاسین نوناری صاحب، گناہ کیا ہے؟ میں بخوبی جانتا ہوں اور کیا آپ کے پاس ثبوت ہے کہ سکان بھٹی زمانے بے مروانہ..... گریبان اللہ تعالیٰ اس لیے بنائے تاکہ اس میں جھانک سکوں نہیں کہ فیشن بنالو..... کسی پر تنقید کرنے کی بجائے بندہ خود کو دیکھے وہ کتنے پانی میں ہے۔ حاتم نورا آپ کو بھی سال نو بھسوی مبارک ہو۔ مجید احمد جائی یوں منظر سے غائب نہیں ہونے مجھے لاکھ مصروفیات کیوں نہ ہوں۔ پرنس افضل شاہین آپ نے عمر فاروق کو درست فرمایا، اللہ کرے عقل سے سوچیں۔ سکان ظفر بھٹی صاحب۔ میرا ایڈریس تو ادارہ کے پاس ہے اپنی فکر کریں۔ کہیں یہ پھندا آپ کے گلے ہی نہ پڑ جائے۔ آپ کی زبان دوسروں کی طرف بہت چلتی ہے، میں آپ کے کم از کم باپ کی عمر کا ہی ہوں گا۔ میرا نہیں تو اپنے باپ کا خیال کیا ہوتا۔ عبدالجبار رومی انصاری ویری گڈ کیا شاندار خط لکھا۔ انٹرویو میں یاسین صدیقی نے معروف و مشہور ادیبوں سے ملوانے کا بیڑہ ٹھیک اُٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمتیں برسائے آمین۔ کہانیوں میں بے سائبان لوگ، نقلی نوٹ، وام اجل، چسکا، تفتیش، تاریک راہیں اچھی رہیں۔ قسط وار ابھی پڑھنی باقی ہیں فن پارے کی تحریریں بھی قابل ستائش ہیں۔ ذوق آگہی، خوش بو سخن بھی کمال محنت سے سجائے گئے ہیں۔

صائمہ مجید ..... ملتان شریف۔ آداب! امید کرتی ہوں بحیثیت مسلمان دین اسلام کی پیروی کرتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پر ہمیشہ قائم و دائم رکھے اور خوشیوں کا سماں ہر وقت رہے۔ صحت اور امن و سکون کی زندگی بسر کرنے اور دوسروں کے لئے خوشیوں کا سبب بنے رہیں آمین! سال نو کی مبارک باد دیتا نئے افق جنوری 2017ء وقت پر مل گیا۔ سرورق پر بیرون ملک کی دوشیزہ ہاتھوں میں سفید کلر کی بلی اُٹھائے اور شاید ستارے کو قید کرنے کے لئے ہاتھ کو جال بنائے ہوئے ہے۔ کھلے بالوں، لبوں پر مسکراہٹ اور تیکھی نظروں سے گھورتی بھلی لگ رہی ہے۔ دستک میں انکل مشتاق احمد قریشی بھارت کے اندرونی حالات سے باخبر کررہے ہیں۔ مکار ہمسائے کی چالاکیاں کس کو پتا نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

۔۔ ہمسائے اچھے ہوں تو زندگی سہل گزرتی ہے اور اگر ہمسائے خبیث ہوں تو اُس کے شر پھیلانے سے پہلے ہی اُن کا سدباب کر لینا چاہیے۔ پاکستان کو سنجیدہ ہو کر عمل کرنا ہوگا اور بھارت کو دوٹوک کہنا ہوگا کہ اگر اُس نے پاک سرزمین پر اپنے ہتھکنڈے آزمائے تو ناکوں چنے چبانے پڑیں گے۔ تاریخ شاہد ہے بھارت نے ہمیشہ منہ کی کھائی ہے پھر بھی اسے شرم نہیں آتی۔ گفتگو میں ڈرامہ نگار امجد بخاری کی آمد کی زبردست انٹری ہوئی۔ خوش آمدید۔۔۔ ساتھ ہی ایک بار پھر مجید احمد جائی کو وضاحت کرنے کا کہا گیا۔ یہ سب لوگ ایک دوسرے کے پیچھے کیوں پڑ جاتے ہیں۔؟ جب دوسروں کی اصلاح کرنے والے ایک دوسرے کی ٹوہ میں لگ جائیں تو معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا جو کہ اچھا نہیں ہے۔ ریاض حسین قمر تجدید ہوتے ہیں۔ بھیا آپ نمبت سے اگست کا شمارہ پڑھ لیں۔ آپ نے میرے خیالات کو سراہا نوازش۔ ریاض بٹ صاحب آپ نے میرے خیالات اور کہانی کی پسندیدگی پر مہربانی کا کہا۔۔۔ مہربانی کیوں؟ قاری کا حق ہوتا ہے، بلکہ فرض ہوتا ہے کہ وہ کہانی پر اپنے ذہن کے مطابق رائے دے لیکن زیادہ تر لوگ ذات پر تنقید کرنے لگتے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے۔ اس طرح نفرتوں کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ سدرہ عاقب کے لئے اتنا ہی کہ انکل اقبال بھٹی کو چاہیے کہ جو بھی قاری گفتگو کا حصہ بنے، پہلے خط کے ساتھ اُس کے آئی ڈی کارڈ کی کاپی لی جائے تا کہ جعلی اور فرضی ناموں سے چھٹکارا مل جائے۔ ایسے لوگ دو تین خطوط کے بعد منظر عام سے ہٹ جاتے ہیں اور گفتگو کی فضا زہر آلودہ کر جاتے ہیں۔ چند ماہ سے دیکھ رہی ہوں کہ گفتگو میں دوست پرچے پر تبصرہ نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے کی دم دبانے کے چکر میں لگے ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ کر گناہوں میں اضافہ کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ زندگی مختصر سی ہے یہاں نیکیاں کرنی چاہئیں اور ہم اپنے ہی عمل سے اپنے ہی گلے کا پھندہ تیار کر رہے ہیں۔۔۔ محمد رفاقت کا خط بہترین تھا۔ عمر فاروق ارشد بھیا، مجید احمد جائی کے خلاف ادارے کو حکم دے کر قائل کر رہے ہیں کہ توپ کا رُخ مجید احمد جائی کی طرف کیا جائے۔۔۔ عنبرین اختر مختصر لیٹر کے ساتھ حاضر ہیں۔ غلام ادریس کے لیٹر کی طرف انکل اقبال بھٹی کو توجہ دینی چاہیے۔ غلام یاسین نوناری لگتا ہے آپ مجید احمد جائی کے دیوانے ہیں جو میرے انداز تحریر کو اُن کے ساتھ ملا رہے ہیں۔ ہمیں اپنی غلطیوں کی طرف نظر کرنی چاہیے دوسرے کیا کر رہے ہیں اُن پر چھوڑ دیں۔۔۔ پرنس افضل شاہین خوبصورت خط کے ساتھ حاضر ہیں۔ شجاعت حسین شجاع بخاری جعفری، امتنان بھی، عبدالجبار رومی انصاری عمدگی کے ساتھ حاضر ہیں۔ اقراء نے ہمیشہ کی طرح متاثر کیا۔ انٹرویو میں یاسین صدیق اور اُس کے گروپ نے کمال انٹرویو لیا اور ڈاکٹر عبدالرب بھٹی نے خوبصورتی کے ساتھ دلائل بھرے جوابات دیئے۔ اُن کے انٹرویو نے حیران کر دیا۔ کہانیوں میں چسکا، دام اجل، نقلی نوٹ، آب زدہ تفتیش، بے سائبان لوگ، تاریک راہیں، اُمید وغیرہ۔ جمہوری انقلاب، بچوں کی کہانی لومڑی اور بکری انڈین ریڈیو فلم سے اخذ کی گئی ہے اور غالباً بھی دوبارہ اشاعت ہوئی شاید۔۔۔ اس بارے میں پرانے رسالے دیکھ کر آگاہی دوں گی۔ یا خاص ور ہے یہ نئے افق کے پلیٹ فارم پر دوبارہ چھپنے کو ملی ہے۔ ذوقِ آگہی، خوش بوئے سخن، مڈیول فن پارے کی تحریریں بھی زبردست تھیں۔ جاتے جاتے گزارش یہی کہ گفتگو کی فضا کو امن پسند بنایا جائے اور ایک دوسرے کے خلاف زہر اگلنا بند کیا جائے۔ نہیں تو ہم اچھے اچھے قاری اور لکھاری کھو دیں گے۔

مجید احمد جائی۔۔۔۔ملتان شریف۔ مزاج گرامی! یہ خط لکھ رہا ہوں تو اذان عشاء ہو رہی ہے۔ اُسی رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ جس نے زمین پر بھیج کر بے شمار نعمتوں، رحمتوں سے نوازا ہے۔ اُمید کرتا ہوں ذات رحیمی و کریمی کے فضل و کرم سے خوشحال زندگی بسر کرتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ خوشیوں بھری زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دوسروں کو خوش رکھنے اور خدمت خلق کی توفیق عطا فرمائے رکھے آمین ثم آمین! ماہ جنوری 2017ء کا سال نو کی مبارک دیتا نئے افق ملا سرورق دیکھ کر دل خوش ہوا اور سنگ میں مشتاق احمد قریشی کا قلم تلوار ا ور دلیر ہے۔ جس بھی موضوع

Downloaded from https://paksociety.com

برائے حقائق سامنے لاتے ہیں۔ گفتگو میں پہنچا تو یہ جان کر دل مغموم ہوا کہ میرے خصوصی دوست دل آزاری کی آخری حد بھی کراس کر رہے ہیں۔ یہ خط میں صرف اس لیے لکھ رہا ہوں کہ ادارہ نے وضاحت طلب کی، ورنہ میں نے تبصرہ نگاری چھوڑ دی ہے۔ چھوڑنے کی وجہ بھی وضاحت کر دوں کہ سال بھر بار یک بینی سے رسالے پڑھو پھر عرق ریزی سے تبصرہ کرو تو دوست کہتے ہیں بس تعریفیں ہی ہوں۔۔۔ لیکن میں حق سچ کہنے، سننے والا ہوں۔۔۔ اب وضاحت کی طرف آتا ہوں۔ میرے لکھاری دوست عمر فاروق ارشد نے نہ صرف الزامات کے انبار لگا دیئے ہیں بلکہ دھمکانا ہے، دھمکی بھی صادر فرما دی کہ اس شخص کو بچ کر جانے نہیں دوں گا۔ میرے بھائی میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ عمر فاروق ارشد نے الزامات لگاتے ہوئے فرمایا: "ہر کتاب و رسالے کے شروع میں لکھا ہوتا ہے، جملہ حقوق محفوظ ہیں" اور ادارہ پر زور دیا بلکہ حکم صادر کیا کہ میرے خلاف سخت سے سخت کارروائی کی جائے۔ آپ نے ثبوت بھی فراہم کیے۔ عرض کروں گا میرے بھائی شاید آپ نے ہر کہانی کے شروع ہونے سے پہلے یہ نہیں پڑھا "اس کہانی کے کردار، نام، جگہیں، مقامات، واقعات کا کسی سے ان کی مماثلت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا لکھاری اور ادارہ ذمہ دار نہیں ہوگا"۔ آج تک نہیں پڑھا تو ادارے سے رابطہ کریں اور کسی بڑے مصنف سے معلوم کر لیں۔۔۔ آپ کی ان الفاظ پر نظر پڑنی تو یوں برہم نہ ہوتے۔۔۔ میں اقبال بھٹی صاحب سے عرض کروں گا دونوں کہانیوں "لغزش" اور "انگوری بیٹی" بغور مطالعہ کریں اور پھر منصف کے طور پر فیصلہ کریں۔۔۔ درست کیا ہے؟ چوری یا نقل کرنا وہ ہوتا ہے۔۔۔ جو۔۔۔ ہو بہو من و عن حروف، جملے لکھیں جائیں۔۔۔ جس کا عمر فاروق ارشد صاحب نے لکھا ہے۔ "انگوری بیٹی" میں کوئی ایسا جملہ بتا دیں جو میں نے لغزش سے چوری یا نقل کیا ہو۔۔۔؟ میرے بھائی چوری اور نقل کے مفہوم کو سمجھیں اور پھر الزامات کی بوچھاڑ بھی کریں۔۔۔ اگر میں چور ہوتا تو آپ کی کہانی کیوں چراتا، اشفاق احمد، ممتاز مفتی، شوکت صدیقی، پریم چند، کرشن چندر، احمد ندیم قاسمی جیسے کسی بڑے لکھاری کی تحریر چراتا۔۔۔ الحمدللہ! میں نئے افق کا نہ صرف لکھاری ہوں بلکہ ریگولر قاری بھی ہوں۔ اس کے علاوہ عرصہ سولہ سال سے کالم نگار، اور افسانہ نگار کی حیثیت سے لکھ رہا ہوں، اخبارات اور مشہور و معروف رسائل یونہی میری تحریریں شائع نہیں کر رہے اور معاوضہ بھی دے رہے ہیں۔ ملتان کے رسالے کرن کرن روشنی ڈائجسٹ کا ایڈیٹر بھی ہوں۔۔۔ میں چوری اور نقل کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھتا ہوں، میرا مطالعہ زیادہ ہوتا ہے اور لکھتا کم ہوں۔۔۔ ہر ماہ دس ڈائجسٹ زیر مطالعہ ہوتے ہیں اور جب تک کوئی کتاب نہ پڑھوں تو نیند نہیں آتی۔۔۔ رہی بات چرب زبانی کی۔۔۔ میرے بھائی۔۔۔ میں کیا۔۔۔ میری اوقات کیا۔۔۔! نہ ہی مجھے چرب زبانی کرنے کا شوق ہے نہ ہی عادت اور میں انسانوں کے آگے نہیں روتا۔۔۔ میں صرف اور صرف اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے روتا ہوں۔۔۔ اس کے سامنے رونے سے آپ کیا کوئی بھی نہیں روک سکتا۔۔۔ اسی رب کی عدالت میں اپنے فیصلے چھوڑ دیتا ہوں، وہ بہتر انصاف کرنے والا ہے۔۔۔ میں اسی سے انصاف مانگتا بھی ہوں۔۔۔ میں اس کی عدالت سے کبھی مایوس نہیں لوٹا۔۔۔ میرے بھائی آپ گھبرائیں مت، میں کوہ قاف سے کچھ نہیں لانے والا، نہ ہی کوئی ہتھکنڈے استعمال کرتا ہوں۔۔۔ بقول آپ کے، میں نئے افق سے مواد چرا کر اپنے نام سے چھپوانے کا عادی ہو چکا ہوں۔۔۔ میرے بھائی کیوں بہتان باندھتے ہو۔۔۔ حقائق سامنے لائیں۔۔۔ آپ نے خط لکھتے ہوئے جذبات کا اثر لیا ہے اور غصے کی لہروں میں پور پور ڈوب چکے تھے اور غصے میں عقل کام نہیں کرتی۔۔۔ ٹھنڈے دماغ سے میری باتوں پر غور کیجیے گا ہو سکتا ہے کوئی پہلو آپ کی سمجھ میں آ جائے۔۔۔ آپ نے تار عنکبوت سے اپیل نہ کر کے خود ہی اپیل کر دی۔۔۔ ہر ماہ نئے افق کے خطوط کا بغور مطالعہ کریں حقائق کیا ہیں معلوم ہو جائیں گے۔۔۔ میرے بھائی کسی کا بھلا نہیں کر سکتے تو اس کی راہوں میں رکاوٹیں کیوں کھڑی کرتے ہو۔۔۔ اگر ادارہ وضاحت نہ مانگتا تو شاید میں آپ کو کوئی جواب بھی نہ دیتا۔۔۔ کیوں کہ میرے پاس

Downloaded from https://paksociety.com

اتفاق نہیں ہوتا۔۔۔اللہ تعالیٰ آپ کو حق اور سچ کی راہ پر گامزن رکھے آمین۔ادارہ سے توقعات ہیں کہ حق اور سچ کی کسوٹی پر فیصلہ کرے گا۔۔۔۔ریاض حسین قمر بھائی میرے پاس اگست کا ایک شمارہ ریکارڈ میں موجود ہے ورنہ بھیج دیتا۔۔۔کوشش کرتا ہوں فوٹو کاپی کروا کر بھیج سکوں۔۔مصروفیات اتنی ہیں کہ سر کھجانے کی فرصت نہیں۔۔۔شہر میں جس دن بھی چکر لگا تو یہ کام پہلے۔۔۔غلام یاسین نوناری۔۔۔اپنی عمر سے بڑی باتیں نہ کیا کرو۔۔۔غلط کیا درست کیا۔۔۔اس کسوٹی پر ابھی تم نہیں پہنچے۔۔۔اور فیصلہ رب کرنے والا ہے تمہیں کوئی اختیار نہیں۔۔۔مجھے ایسا شخص بتادیں جس پر کبھی بھی کوئی الزام نہ لگا ہو۔۔۔انسان خطا کا پتلا ہے۔قرآن مجید میں واضح ارشاد ہوا۔۔۔میں بھی انسان ہوں۔۔۔اپنے رب کے حضور اپنے سر کو جھکاتا ہوں اور اپنی خطاؤں کی معافی مانگتا رہتا ہوں۔۔۔بس اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہ کرے۔پرنس افضل شاہین تو آپ کی درخواست اپنی جگہ درست ہے لیکن کیا کریں۔۔۔مجبور ہاں۔۔۔ظہور احمد صائم بھائی، میں انسان ہوں حیوانوں والے کام مجھ سے کیوں کروانے کا سوچ رہے ہیں۔۔۔میں خود تو چھری سے زخمی ضرور دیتا ہوں کسی کو چھرا گھونپنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔۔۔۔باتیں بہت سی ہیں۔لیکن طوالت بڑھتی جاتی ہے۔۔۔اجازت چاہوں گا۔

پرنس افضل شاہین..... بہاولنگر۔ محترم جناب مشتاق احمد قریشی صاحب جناب عمران احمد جناب اقبال بھٹی السلام علیکم، اس بار نئے افق 27 دسمبر کو ملا سرورق پر نیلی روشنائی بہت استعمال کی گئی جو کہ آنکھوں کو بھی بھلی لگی خوب صورت دوشیزہ نے بلی کو گلے سے لگایا ہوا تھا ایک ہاتھ میں جھکتا ہوا ہیرا تھا ہمیں ایسا لگا جیسے وہ کہیں کہہ رہی ہو،

سنہرے خواب دے دیں گے جس تعبیر دے دیں گے
محبت سے جو مانگو گے تو ہر جاگیر دے دیں گے

دستک میں آپ بھارت کے لتے لے رہے تھے ان شاء اللہ تعالیٰ پاکستان رہتی دنیا تک قائم و دائم رہے گا بھارت کو جواب دینے کے لیے ہمیں چین ہی کافی ہے کیونکہ چین سے دوستی ہماری ہمالیہ سے بھی بلند اور چٹان سے زیادہ مضبوط ہے گفتگو میں آپ مجید احمد جائی کے بارے میں بتا رہے تھے ان کے بارے میں آپ جو بھی فیصلہ کریں گے ہمیں قبول ہوگا کیونکہ آپ ہم سے بہتر اور زیادہ جانتے ہیں میری نگارشات اور خط پسند فرمانے پر ریاض حسین قمر، ریاض بٹ، شجاعت حسین شجاع بخاری، عبدالجبار رومی کا شکریہ آپ لوگوں کے خطوط بھی اور مسکان ظفر بھٹی، صائمہ نور، غلام یاسین نوناری، عمر فاروق ارشد، محمد رفاقت کے خطوط بھی کمال کے تھے افراہیں طاہر احمد قریشی اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام الرب کے بارے میں بتا رہے تھے ڈاکٹر عبدالرب بھٹی کا انٹرویو واقعی بھرپور تھا ان کے بارے میں جاننے کا موقع ملا کہانیوں میں دام اجل، آب زدہ، تفتیش، بے سائبان لوگ، تاریک راہیں پسند آئیں۔ذوق آگہی میں اسما بنت حسن، احسان سحر، حسین جاوید، طیب خان، سیدہ سحر، محمد کمال، خوش بوئے سخن میں عاکف غنی، عمر فاروق ارشد، عبدالجبار رومی، جاذبہ عباسی، وسیم علی، صائمہ ناز چھائے رہے اس بار خطوط کی تعداد بہت ہی کم تھی کیا خطوط ہی آپ کو کم ملے تھے یا آپ نے ہی خطوط کے لیے مخصوص صفحات کی تعداد کم کر دی ہے دیسے ایک بات ماننی پڑے گی نئے افق کا سرورق بنانے والے مصور کمال کا سرورق بناتے ہیں ہر سرورق پہلے سے بڑھ کر دلکش اور خوب صورت ہوتا ہے۔اجازت دیں دعا ہے نئے افق اور ترقی کرے آمین

محمد رفاقت..... واہ کینٹ۔ محترم جناب اقبال بھٹی صاحب السلام علیکم جناب اس سال کا پہلا شمارہ ملا پڑھ کر خوشی ہوئی میری طرف سے آپ کو آپ کے تمام اسٹاف کو دل کی گہرائیوں سے نیا سال مبارک ہو اور آپ تمام اسٹاف کو خدا سدا خوش رکھے، آمین، گفتگو میں اپنا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی میں ہر ماہ نئے افق کا بے چینی سے انتظار کرتا ہوں اور جب شمارہ مل جاتا ہے تو اسے مکمل پڑھ کر ہی چین لیتا ہوں اس دفعہ کی کہانیاں دام اجل، نقلی نوٹ، چسکا، آب زدہ،

Downloaded from https://paksociety.com

تشنگی، شبنم، جمہوری انقلاب، تاریک وادیاں، سب ہی اچھی کہانیاں تھیں اور تمام حضرات نے بہت محنت سے لکھی ہیں میری طرف سے سب کو مبارک باد قبول ہو اس دفعہ ریاض بٹ حسن ابدال والے نظر نہیں آئے ان کی کمی محسوس ہوئی سلسلے وار کہانی بے سائبان لوگ اچھا سلسلہ مبارک ہو نے ہیں خط کی جانب، جناب ریاض حسین قمر صاحب اور ریاض بٹ صاحب نے میرے خط کی تعریف کی جس کے لیے میں ان کا احسان مند ہوں شکریہ، پرچے میں فن پارے، خوش بوئے سخن، ذوق آگہی، اقرا بھی اپنی مثال آپ تھیں اس سے بھی پرچے کی رونق میں اضافہ ہوا، ذیول بھی اچھی کہانی تھی عرض ہے کہ اس پرچے کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے امید ہے کہ ہمیں ایسا ہی پرچہ ہر ماہ ملتا رہے گا اجازت والسلام۔

عمر فاروق ارشد...... فورٹ عباس۔ السلام علیکم۔ جنوری کا نئے افق وقت پر ملا تھا شکر ہے اللہ کرم کرے بک اسٹال پر بے چارے اندھی دھند میں لاہور جا کے ہمارے لیے میگزین لاتے ہیں اور جو جلد ہی ہو جائے تو ہزاروں صلواتیں بھی سماعت فرماتے ہیں نائٹ کل سال نو کی آمد کا اعلان کرتے ہوئے اچھا لگا، حسینہ اپنی بلی سمیت معصوم لگ رہی تھی، مشتاق قریشی صاحب نے اپنے پسندیدہ موضوع پر خوب لکھا۔ انڈین لابی پوری دنیا میں پاکستان کے متعلق بہت ہی خوفناک پراپیگنڈہ کرتی پھر رہی ہے جس کا ادراک ہمارے کرتا دھرتاؤں کو شاید نہیں ہے، گفتگو میں اس دفعہ بہت بھیگا پن تھا بجائے اس کے گزشتہ شمارے پر بھرپور تبصرہ کیا جائے لوگ یہاں اپنی حاضری لگوانے کے چکر میں رہتے ہیں حاضری تب واقعی ضروری ہے جب آپ میگزین پر اظہار [illegible] بھی گیت کا حق ادا کر رہے ہیں، صبا خوش دیکھے ان [illegible] لکھتے وقت اس بات کو [illegible] سے میں متفق ہوں لوگ واقعی صرف اپنے مفاد کے وقت رابطہ کرتے ہیں ان میں ہم بھی شامل ہیں [illegible] پیدا فرمائے، عبدالجبار رومی صاحب جوہنگ میں اللہ کے فضل سے میرے چکر لگتے رہتے ہیں کیونکہ شورکوٹ جاب تعلیمی وجوہات کی بنا پر اکثر آنا جانا رہتا ہے۔ اگر کبھی آئے تو ملتان کی مٹھائی ضرور کھا کے جائیں گے مولا خوش رکھے۔ کہانیوں کی طرف بڑھتے ہیں، عشنا کوثر کا ناول اس بار کم صفحات پر شائع کیا گیا اس لیے تشنگی رہ گئی اس طرح کے ناول کے صفحات کافی زیادہ ہونا چاہئیں تاکہ قاری کی ادبی پیاس بجھ سکے عارف شیخ صاحب مختصر پیرائے میں لکھتے ہیں اور کمال کر دیتے ہیں کہانی مس لومڑی سے لے کر گدھے تک جو کردار و بیان کیے گئے ان کی اور جنگل کا پی میں آپ کو پاکستانی سیاست میں رکھا سکتا ہوں اس طرح کی ایک آدھ کہانی ہر دفعہ موجود ہونی چاہیے امجد جاوید صاحب قسط وار ناول سے ہٹ کر بھی اچھا لکھتے ہیں اس دفعہ بھی جاندار کہانی بھی اللہ کرے زور قلم اور زیادہ، نادیہ بخاری کا ناول مختلف اتار چڑھاؤ کے ساتھ بہترین جا رہا ہے اور معاشرتی ناسوروں کی نشاندہی اچھی طرح کی جا رہی ہے جنہیں ہم اپنی جہالت سے خوفناک سرنگوں میں تبدیل کر دیتے ہیں امید ہے کہ اگلے ماہ ناول کا اختتام بھی شاندار ہوگا، یاسین صدیق بھائی نے انٹرویو والا سلسلہ شروع کر کے گویا ہم غریبوں پر احسان کر دیا ہے اور اب تو وہ بڑے بڑے نامور لکھاریوں کو چھاپہ ڈالنے لگے ہیں ان کی ہمت کی داد دینا ہوگی ڈاکٹر بھٹی صاحب کا انٹرویو بلا مبالغہ ایک شاندار نسخہ جاں فزا تھا جو کہ ہم جیسے نو مولود مبر اصطلاب نوآموز رائٹر کے لیے بڑے کام کی چیز ہے یاسین صدیق صاحب سے عرض کروں گا کہ براہ مہربانی اب کسی طرح طاہر جاوید مغل اور احمد اقبال صاحب کو گھیر گھار کر لے آئیں تاکہ سونے پر سہاگہ چل سکے نوازش ہوگی، بھٹی صاحب اندرون سندھ کی پیداوار ہیں اور سندھ کے وڈیرہ کلچر کو اندر تک جانتے ہیں یہی ایک وجہ ہے کہ میں ان کو بڑے شوق سے پڑھتا ہوں ریاض بٹ صاحب غیر حاضر تھے لگتا ہے تشنگی کی گاڑی میں بیٹری دل ختم ہو گیا ہے دیگر تمام ساتھیوں کی کہانیاں عمدہ تھیں، لکھتے رہیں۔ خوش بوئے سخن میں تو شعر بہت اچھے انتخاب کے ساتھ موجود تھیں، اس دفعہ غزلیں ایک نئے انداز کے ساتھ کمپوز کی گئی تھیں سو دل کو بھلی لگیں ریاض قمر، ثنا اسد شاعر ہیں

Downloaded from https://paksociety.com

جن کی غزل ڈھونڈ کر پڑھتا ہوں اس بار بھی امیدوں پر پورا اترے۔ نوشین اقبال صاحب نئے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی خاطر کبھی کبھی معیار پر سمجھوتہ بھی کر لیتی ہیں جو کہ ان کے اعلیٰ ظرف ہونے کی دلیل ہے اللہ بہنا کو مزید عزت و احترام سے نوازے، نیر بھائی آف کراچی بھی اس دفعہ غائب تھے کدھر ہو یار کوئی غزل لے کر آؤ خیر مجموعی طور پر شمارہ بہترین رہا آخر میں گزارش کروں گا کہ مجید جانی کی جو یہ سازی کے خلاف دیگر لوگ بھی اس دفعہ احتجاج کناں تھے اس لیے اب حق بنتا ہے کہ ان کو بلیک لسٹ کر دیا جائے باقی میرا ان سے کوئی ذاتی عناد نہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کی یہ بری عادت چھوٹ جائے تا کہ ادب کے میدان میں آگے چل کر ان کو ذلت نہ اٹھانی پڑے مجھے یقین ہے کہ ان کا ایک لمبا صفائیوں بھرا تبصرہ جلد ہی نئے افق کی زینت بنے گا جس میں وہی دکھڑے ہوں گے سو لا خوش رکھے، والسلام۔

مسکان ظفر بھٹی..... شام کے بھٹیاں، لاہور۔ محترم انکل اقبال بھٹی صاحب السلام علیکم، نئے افق ملتے ہی خوشیوں کی پھوار سے کپڑے گیلے ہونے لگتے ہیں، محترم بزرگوار مشتاق احمد قریشی صاحب دستک اور اقرا کے جناب طاہر قریشی صاحب کو محبتوں اور مفصل، مدلل باتوں اور علمی تجزیے کے درختوں تلے آ کر سکھ اور سکون کا سانس لیتی ہوں، سرورق کی باجی بلی کو کاندھے پر بٹھائے بڑی مسرور نظر آ رہی تھی۔ دستک میں بہت کچھ کہا گیا لیکن افسوس اب تو بھارت دریاؤں کا پانی بھی بند کرنے کی دھمکیاں دے رہا لیکن میڈیا کے علاوہ حکومتی ایوانوں میں مکمل خاموشی ہے بلکہ شادی پیا نے کے شکریے کے ساتھ تحائف بھیجے جا رہے ہیں گلھوتن یادیوں مہارو پر ورلڈ زکی کشمیر میں خون کی ہولی سر عام کھیلی جا رہی ہے مگر یہاں ایک چپ ہزار سکھ۔ گفتگو میں انکل اقبال بھٹی ذہانت کے پھول برسانے کے ساتھ قارئین کی کڑوی کسیلی باتیں سنتے نظر آئے، عمر فاروق کی محبت سے تخلیق کی گئی لغزش کی چوری کو صرف [illegible] ہے، مجید احمد موصوف پرانے چوری کرنے والے ادیب لگتے ہیں [illegible] رضوی، صائمہ نور، بشریٰ کنول [illegible] آپ۔ ڈاکٹر خادم حسین کھیڑا کی [illegible] جو تو اب ادیب کا نام کرے، غلام یاسین [illegible] موصوف کی شان میں لکھا افضل شاہین اگر آپ نے وکالت کر لی ہے تو ایم اے راحیل کے شناختی کارڈ کی کاپی ادارے کے دفتر بھیجو انعام نہ ملے تو میں ہزار روپے دوں گی آخر میں مجید جانی سے التماس ہے ادب کی دنیا میں کافی ذلیل ہو چکے ہو اب نئے آنے والوں کے لیے جگہ چھوڑ دو، عبدالرب بھٹی سے ملاقات کر کے جی نہال ہو گیا کیا ادب کا درخشندہ ستارہ ہیں جناب امجد بخاری کیا خوب اغوا کی روداد لائے عمیرا سلام استادوں کے استاد نے خوب جیب گرم کی، خلیل جبار کے چسکے میں بہت سبق ہے عورت کو پانی کی طرح بغیر بند باندھے چھوڑنے والوں کے لیے عارف رمضان نے نام نہاد مسلمانوں کا حقیقی چہرہ دکھانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

ایم حسن نظامی..... قبولہ شریف۔ قابل قدر اقبال بھٹی صاحب آداب عرض، سلام عقیدت امید ہے آپ اور نئے افق سے جڑے سبھی احباب بخیریت ہوں گے سال نو کا تازہ شمارہ ملا سبھی ساتھیوں کو نیا سال مبارک ہو، قابل قدر عمر فاروق ارشد نے مجید احمد جائی کے بارے میں جو انکشاف کیے وہ نا صرف مجھے بلکہ ادب پڑھنے والوں کے لیے چونکا دینے کے لیے کافی ہیں۔ یہ ایک نہایت افسوسناک اور قابل مذمت قدم ہے جو موصوف نے نہایت دیدہ دلیری سے اٹھایا اور تمام لکھنے والوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ موصوف مجید جائی کے بارے میں جو میں جانتا ہوں وہ تمام قارئین کے سامنے عیاں کرنا ضروری سمجھتا ہوں، مجید جائی کو لکھنے کے میدان میں ابھی سات آٹھ سال کا ہی مختصر عرصہ گزرا ہے، انہوں نے میرے استاد محترم آداب عرض کی دنیا کے نامور لکھاری جناب ریاض حسین شاہد کی ایک کاوش پل صراط عشق کی چھ اقساط ابھی چند ماہ قبل نئے افق کی زینت بنی ہے۔ ان کی بطور استاد شاگردی حاصل کی بلکہ انہیں ایک بلند مقام بھی دیا مجھے

Downloaded from https://paksociety.com

اچھی طرح یاد ہے ساہیوال کے ایک مشاعرے میں جس کی صدارت جناب ریاض حسین شاہد کر رہے تھے مجید احمد جائی بھی وہاں موجود تھا جب ریاض شاہد صاحب مشاعرے کے آخر میں اسٹیج پر تشریف فرما ہوئے تو جنھی وہ بروہ مائیک پر بولتے رہے مجید جائی اپنی نشست چھوڑ کر ان کے ادب و احترام میں کھڑا رہا وہاں موجود بھی شعرا نے اس کے اپنے استاد کے ادب کو ادب کی نگاہ سے دیکھا پھر 2014ء میں مجید جائی کی شادی پر میرے استاد محترم نے مجید جائی کے سر پر دست پدری رکھا اور چار دن تک شرکت کی اور اسے ذرہ احساس نہ ہونے دیا کہ وہ یتیم ہے 2013ء میں رشیم رائٹرز تقریب میں ریاض حسین شاہد صاحب مجید احمد جائی کو اپنے ساتھ اسلام آباد لے گئے وہاں نامور لکھاری جناب سلیم اختر صاحب نے ان کی مہمان نوازی کی اپنی گاڑی میں لے کر انہیں اسلام آباد ND4 لے گئے اور تقریب سے واپسی پر رات گئے واپس لا کر اپنے ہاں ان کا قیام رکھا یوں استاد محترم نے جائی کی اہم سلیم اختر سے پہچان کرائی پھر سلیم اختر صاحب نے مجید جائی کو لاہور سے شائع ہونے والے ایک ماہنامہ ساگر ڈائجسٹ میں متعارف کرایا اس فرشتہ صفت انسان کا بدلہ جائی صاحب نے یہ چکایا کہ ساگر ڈائجسٹ میں سلیم اختر کی ایک کہانی شائع ہوئی جس پر موصوف جائی نے طارق اسماعیل ساگر کو خط لکھا کہ سلیم اختر کی تحریر بوریت سے دوچار ہے اس کہانی کا نہ سر ہے اور نہ پاؤں وہ ایک بے ربط تحریر ہے ایڈیٹر صاحب نے سلیم اختر کو کال کر کے ساری تفصیل بتائی تو سلیم اختر نے کال کر کے میرے استاد محترم ریاض حسین شاہد کو بتایا کہ آپ اپنے شاگرد سے میری اچھی وضاحت کرائی ہے تب میرے استاد نے مجید جائی کو کال پر پوچھا کہ یہ بات کہاں تک سچ ہے بجائے نادم اور پشیمان ہونے کے اس نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا کہ استاد محترم یہ تحریر قطعی بے ربط اور بے معنی تھی میں نے تو سچ بات کی ہے میں صاف گو آدمی ہوں۔ تب ریاض صاحب نے اس کو دماغ واش کرتے ہوئے کہا ابھی تمہیں آئے ادبی دنیا میں جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں اور تم اپنے آپ کو بہت بڑا رائٹر سمجھنے لگے ہو اگر مجھے استاد سمجھتے ہو تو سلیم اختر بھی تمہارا استاد ہے اور تم نے یہ انسلٹ سلیم اختر کی نہیں کی یہ میری توہین کی ہے بیٹا ابھی پیدا تو ہو لو پھر بڑوں کے پر کھینچنا تب موصوف جائی نے نہایت ہٹ دھرمی سے جواب دیا کہ میں آپ کو سوری کر سکتا ہوں سلیم اختر کو نہیں تب استاد صاحب نے اسے کہہ دیا جاؤ تم زندگی میں کبھی عزت نہیں پاؤ گے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ استاد صاحب کی بددعا کا ہی اثر ہے کہ اس دن سے آج تک یہ ہر پیج میں رسوائی اور بے عزتی کرا رہا ہے اور پھر منہ چھپا کر معافیاں مانگتے ہوئے دوبارہ آن وارد ہوتا ہے۔ ہم تو آج بھی اپنے استادوں اور سینئرز سے اصلاح لیتے ہیں اور جو لوگ اپنے استادوں اور بڑوں کا احترام نہیں کرتے وہ سدا راندہ درگاہ ہوا کرتے ہیں بقول سیال صاحب۔

بے ادباں مقصود نہ حاصل نہ درگاہیں ڈھوئی
باجھ ادب دے منزل جگر پہنچ نہ سکیا کوئی

ریاض بٹ...... حسن ابدال۔ السلام علیکم! نئے سال جنوری 2017ء کا شمارہ 24 دسمبر کو ملا سرورق خوب صورت تھا اشتہارات کو دیکھتے ہوئے میں نے حسب معمول محترم مشتاق احمد قریشی صاحب کی دستک کو بغور پڑھا بڑے اچھے اور موثر الفاظ میں انہوں نے بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کی پالیسیوں کی وجہ سے بھارت کا جو جنگی جنون بڑھ رہا ہے اس پر روشنی ڈالی ہے ہماری تو ہر وقت دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ باری تعالیٰ پاکستان کی حفاظت کرے اور دشمنوں کو منہ کی کھانی پڑے اب بڑھتے ہیں اپنی محفل کی طرف کرسی صدارت پر پیارے اور ہر دلعزیز دوست ریاض حسین قمر براجمان ہیں بہت عمدہ تبصرہ ہے آپ نے ہوڑھوں اور ہالی کی جو مثال تحریر کی ہے لیکن حسب حال ہے آپ ذرا کچھ لکھنا چاہتے ہیں لکھ دیتے ہیں آپ کی گرفت قلم پر مضبوط ہوئی ہے میرا خط اور تفتیشی کہانی پسند کرنے کا شکریہ سدرہ عاقب جن گمنام کہانیوں کا آپ نے حوالہ دیا ہے اگر ان کے نام اور لکھاری کا نام بھی آئندہ لکھ دیں تو ادارہ ان کے خلاف کارروائی کر سکتا ہے محمد رفاقت صاحب

Downloaded from https://paksociety.com

اس بار آپ نے جی خوش کر دیا بڑا اچھا اور بہترین تبصرہ ہے اب آپ قدم قدم آگے بڑھ رہے ہیں اللہ کرے زور قلم اور زیادہ میری کہانی حسب معمول آپ کے ذوق پر پوری اتری جس کے لیے مہربانی عمر فاروق ارشد بھائی میں آپ کی اگلی کہانی کا منتظر ہوں آپ اچھا لکھتے ہیں عنبرین اختر بہن کیسی ہو میری کہانی آپ کو اچھی لگی یہ میرے لیے باعث اطمینان بات ہے آپ کا بھی شکریہ، غلام یاسین نوناری بھائی آپ کا خط بھی قابل تعریف ہے صائمہ نور، لیکن سب سے پہلے بھائی کی طرف سے پر خلوص سلام قبول کریں، آپ کے احساسات اپنی مثال آپ اور انمول ہیں پرنس افضل شاہین بھائی آپ کا قطعہ قابل تعریف ہے آپ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ آپ کے جذبات کی ترجمانی کر رہے ہیں اللہ آپ کی دعا میں قبول کرے آمین، میرا خط ذوق آگہی میں انتخاب اور تفتیشی کہانی دہکتی دلدل پسند کرنے کا شکریہ۔ ظہور عالم میں آپ کے ذوق کی داد نہ دوں تو زیادتی ہوگی، اچھے لوگ اچھی کہانیاں ہی پسند کرتے ہیں میری اتنی زیادہ حوصلہ افزائی کرنے کا شکریہ۔ شجاعت حسین جعفری بھائی آپ کی بھی مہربانی شکریہ اور نوازش کہ آپ نے میرا خط اور کہانی دہکتی دلدل پسند کی مسکان ظفر بہتی آپ کے خط اور تبصرے کے کیا کہنے باقی بھائی ذرا حوصلے سے کام لیں بے شک آگ گرم پانی سے بھی بجھ جاتی ہے لیکن ٹھنڈے پانی سے کیا کہنے امید ہے آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔ میری تحریر کردہ کہانی آپ نے بھی پسند کی جس نے میرے اندر مزید لکھنے کی جستجو جگا دی عبدالجبار رومی انصاری آپ نے بھی بہت خوب لکھا ہے ہر بات پر روشنی ڈالی ہے آپ نے نئے سپہ سالار (فوج) سے جو توقعات وابستہ کی ہیں مجھے امید ہے وہ ہماری توقعات پر ضرور پورے اتریں گے (ان شاء اللہ) آپ نے جن الفاظ میں میری تفتیشی کہانی کی تعریف کی ہے اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں اب ذرا بات ہو جائے یاسین صدیقی صاحب سے بھائی آپ نے حسب معمول محترم ڈاکٹر عبدالرب بھٹی صاحب سے بہت اچھا انٹرویو کیا ہر طرف سے ان پر سوالات کی بوچھاڑ برسائی، کچھ سوال برف کی طرح سرد بھی تھے کچھ گرم پانی کی طرح تھے بھٹی صاحب نے بڑے تحمل اور بردباری سے سوالات کے جواب دیے جنھوں نے پردوں میں لپٹی (میرے جیسوں کے لیے) ان کی شخصیت کو اجاگر کر کے ہمارے سامنے لا کھڑا کیا باقیوں کی اپنی رائے ہوگی لیکن میری رائے میں آپ نے نہ صرف ایک منجھے ہوئے رائٹر ہی نہیں ہیں بلکہ ایک سچے کھرے اور مخلص انسان بھی ہیں اسی ماہ آپ کی ایک کہانی سسپنس میں پڑھی جس نے مجھے بہت متاثر کیا آپ کے الفاظ نے میرے حساس دل میں بھی دو کیلیں ٹھونک دیں اب بڑھتے ہیں کہانیوں کی طرف امجد بخاری کی، ادھ جلا ایک پراسرار کہانی ہے نقلی نوٹ عمیر اسلم کی لکھی ایک مختصر کہانی ہے یہ کہانی چوروں کو پڑ گئے مور کی عملی تفسیر پیش کر رہی ہے تفتیش ایک زبردست کہانی ہے جسے عارف رمضان جتوئی نے اچھے طریقے سے لکھا جب انسان کا ضمیر جاگتا ہے تو ایسی ہی کہانیوں کو جنم دیتا ہے جمہوری انقلاب عارف شیخ کی طنز کے نشتر چلاتی تحریر ہے اور سمجھنے والوں کے لیے ایک سبق ہے لیکن جن سیاستدانوں کے لیے ہے وہ عبدالخالق کی تاریک راہیں دل و دماغ کو جھنجھوڑنے والی تحریر ہے تاریک راہوں پر بھٹکنے والوں کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے باقی تحریریں ابھی زیر مطالعہ ہیں اب بات ہو جائے باقی سلسلوں کی ذوق آگہی میں سارا انتخاب ایک سے بڑھ کر ایک ہے خوشبوئے سخن میں کنول خان، ظریف احسن، پرنس افضل شاہین، عمر فاروق ارشد، ریاض حسین قمر، عبدالجبار رومی انصاری، سید عبداللہ توفیق اور صائمہ نور کا انتخاب لاجواب ہے صفحہ صفحہ بکھری کتر نیں پرچے کی شان بڑھا رہی ہیں اب اجازت یار زندہ صحبت باقی۔

محمد اسحاق انجم..... کنگن پور۔ السلام علیکم امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے ایک عرصے کے بعد آپ کی محفل میں حاضر ہوں شمارہ دسمبر 2016، خوب صورت سرورق کے ساتھ میرے پاس ہے چند دن پہلے ملا کافی تبدیلیاں آچکی ہیں نئے لکھنے والے بھی اچھے ساتھی نئے افق میں محفل سجائے ہوئے ہیں سب کو خلوص دل سے سلام، کچھ پرانے لکھنے والے نظر نہیں آ رہے کہاں غائب ہیں آجاؤ بھئی اب تو نئے افق کے رنگ ہی نرالے ہو چکے ہیں۔ محبت

Downloaded from https://paksociety.com

سے نفرت، رجال، دو نکلی والا، ڈیول، خبر بن جاؤ اور بیسٹ آ میں ابھی باقی پر تبصرہ باقی ہے۔

عبدالجبار رومی انصاری ..... لاہور.

عجیب ہے منظر ساحرانہ
دوشیزہ کا انداز بھی ہے جداگانہ
سرورق پہ چھایا ہے جادو کا اثر
اس کے سحر میں کھو جاؤ کرو نہ بہانہ

نئے سال کی مبارک باد دیتا نئے افق کا سرورق بہت اچھا لگا دستک کی اہم بات جو پاکستان میں نہایت پر اثر طریقے سے دستک دے چکی ہے وہ ہے سی پیک منصوبہ جو پاکستان کے لیے تو سود مند ہے تو اس کے لیے ایران اور روس بھی پاکستان سے ہاتھ ملانے آگئے ہیں جو بہت ہی خوش آئند بات ہے بھارت جو سی پیک کی راہ میں روڑے اٹکائے جا رہا تھا اور ابھی بھی سازشوں سے باز نہیں آ رہا خود اس کے اندر سے اب آواز اٹھ رہی ہے کہ مودی سرکار سی پیک کی سازشوں سے باز آ جائے اور اس سے فائدہ اٹھائے لیکن یہ سب تو تبھی ہوگا جب بھارت جھوٹ اور مکر و فریب اور کشمیر میں اپنی دہشت گردی ختم کرے گا تبھی خطے میں امن قائم ہوگا لیکن بغل میں چھری منہ میں رام رام جپنے والا بھارت یہ سب کبھی کو تیار نہیں ہوگا اور وہ یہ بھی یاد رکھے پاکستان کے خلاف جتنی مرضی سازشیں کرے مگر یہ پاکستان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ گفتگو میں ریاض حسین قمر کا مدلل تبصرہ بہت اچھا لگا ریاض بٹ کا بھرپور انداز میں محبت نامہ بھی عمدہ رہا سدرہ عاقب نے نشاندہی خوب کی پر اتنا مختصر تبصرہ؟ غلام یاسین نوناری کہاں رہ گئے تھے بھئی بہت اچھا تبصرہ ہے ساجدہ نے بھی مصروفیت میں حاضری لگوائی بہت اچھے جی پرنس افضل شاہین بھی شاعری کے ساتھ زبردست رہے شجاعت حسین ہاشمی، غلام اویس عنبرین اختر اور عمر فاروق ارشد نے بھی عمدہ تبصرہ نگاری کی ساتھ میں ظہور احمد صائم اور سکان ظفر بھٹی کی تنقید بھی خوب رہی ماہ فرا کی دوستی دل و جان کو معطر کر گئی اور ہزار شکر اس رب کا جس نے ہمیں ایک جان سے پیدا کیا اور دنیا میں رہنے کا سلیقہ دیا۔ بڑے سے اخبار میں چھوٹی سی خبر بن جاؤ گے ناقابل یقین داستان نے عرفان کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ادام اجل حیران کر دینے والی اچھی اسٹوری تھی خوش نما نے تھین کو عین موقع پر بچا لیا۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف اور خوشخط لکھیں۔
☆ صفحے کے دائیں جانب کم از کم ڈیڑھ انچ کا حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔
☆ صفحے کے ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں صرف نیلی یا سیاہ روشنائی کا ہی استعمال کریں
☆ خوشبوئے سخن کے لیے جن اشعار کا انتخاب کریں ان میں شاعر کا نام ضرور تحریر کریں۔
☆ ذوق آگہی کے لیے بھیجی جانے والی تمام تحریروں میں کتابی حوالے ضرور تحریر کریں۔
☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ اصل مسودہ ارسال کریں اور فوٹو اسٹیٹ کروا کر اپنے پاس محفوظ رکھیں کیونکہ ادارے نے ناقابل اشاعت کہانیوں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اردو میں اپنا مکمل نام پتا اور موبائل فون نمبر ضرور خوشخط تحریر کریں۔
☆ "گفتگو" کے لیے آپ کے ارسال کردہ خطوط ادارے کو ہر ماہ کی 3 تاریخ تک مل جانے چاہییں۔
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔

Downloaded from https://paksociety.com

اقراء

ترتیب: طاہر قریشی

الرحمان

(بے حد مہربان)

رحمٰن کے معنی ہیں بڑا مہربان، بہت بخشش کرنے والا۔ اس لفظ رحمٰن کے معنی صرف ذات الٰہی پر ہی صادق آتے ہیں۔ اس لئے یہ اسم وصفت الٰہی کسی کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مشتق ہے اور مبالغہ پر مبنی ہے۔ اس کے معنی رحمت والے کے ہیں۔ اس سلسلے میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ لفظ رحمٰن کی نہ تثنیہ ہے نہ ہی جمع ہے۔ اسلام سے پہلے یہ لفظ عربوں میں مستعمل نہیں تھا صرف یہود ونصاریٰ اور بعض دیگر مذاہب کے لوگ بولتے تھے۔ اس لئے ابتدائے اسلام کے وقت جب اللہ کا یہ نام رحمٰن لیا گیا تو قریش کو بڑی حیرت ہوئی تھی کہ یہ کونسا نام ہے۔ صلح حدیبیہ کے وقت جب حضرت علی وجہہ رضی اللہ عنہ نے عہد نامہ کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو قریش نے اسے ماننے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔ کہ ہم رحمٰن کو نہیں مانتے۔

رحمٰن اور رحیم دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور ان دونوں کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ وہ تاکید کے لئے ہے یا باعتبار تعلق، دونوں میں باہم مغائرت یعنی اجنبیت ہے۔ صفت رحمٰن دنیا کے لئے ہے اور رحیم آخرت کے لئے ہے کیونکہ دنیا میں اللہ کی رحمت مومن، کافر سب کے لئے عام ہے اور آخرت میں صرف مومن کے لئے مخصوص ہوگی، مغائرت کسی اور پہلو سے ہے۔ رحمٰن تو اس حیثیت سے زیادہ بلیغ ہے کہ وہ بڑی بڑی نعمتوں اور ان کے اصولوں پر مشتمل ہے۔

علامہ ابن خالویہ لغوی کے مطابق رحمٰن کو رحیم پر اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ رحمٰن اللہ تعالیٰ کا اسم خاص ہے اور رحیم اسم مشترک ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن اور رحیم دو ایسے اسم ہیں جن میں رقت کے معنی ہیں اور ایک میں دوسرے کی نسبت رقت کا مفہوم زیادہ ہے۔ رحمٰن میں مدح زیادہ ہے رحیم میں رقت زیادہ ہے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رحمٰن اور رحیم دونوں نعتیں ہیں۔ رحمٰن کا اشتقاق رحمت سے ہے اور یہ عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ لفظ اللہ کی طرح ذات باری کا علم ہوگا۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ ترپن (۵۳) مقامات پر آیا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اس کا استعمال بطور صفت نہیں بلکہ بطور علم ہوا ہے۔ (لغات القرآن)

ترجمہ۔ ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں جن کا غائبانہ وعدہ اللہ مہربان نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ پورا ہونے ہی والا ہے۔ (مریم۔ ٦١)

یعنی جو لوگ اللہ کے غائبانہ وعدے پر ہی اس کے حصول کے لئے ایمان وتقویٰ کا راستہ اپنا لیتے ہیں یہ ان کے ایمان کی پختگی اور یقین کی علامت ہے کہ انہوں نے جنت کو دیکھا بھی نہیں اور صرف اللہ کے وعدے پر ہی سیدھی راہ اختیار

Downloaded from https://paksociety.com

کرلی۔

ترجمہ:۔ جو رحمٰن ہے (وہ) عرش پر قائم ہے۔ (طٰہٰ۔۵)

اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ رحمٰن کے ساتھ اپنے تخت پر جلوہ افروز ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس نے اس عظیم کائنات کو پیدا کیا اور جا کر اپنے تخت پر آرام کرنے بیٹھ گیا ہو بلکہ اپنے تخلیق کردہ اس کارخانۂ قدرت کو اس کے سارے انتظام کو خود چلا رہا ہے خود اس بے کراں سلطنتِ الٰہی کی فرمانروائی کر رہا ہے۔ وہ خالق ہی نہیں بالفعل حکمران بھی ہے۔

ترجمہ:۔ رحمٰن نے قرآن سکھایا (تعلیم دی) اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اور اسے بولنا سکھایا۔ (الرحمٰن۔ ۱تا۴)

دور دور تک پھیلنے والی یہ آواز الرحمٰن نہایت بلند آواز ہے۔ یہ تمام مخلوقاتِ الٰہی سے مخاطب ہے۔ زمین آسمان کو اپنی گونج سے بھر دیتی ہے اور ہر کان اور ہر دل تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ گنگناتی بے نغمہ آواز پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے یہ مطلع ہے اس لفظ کا جو اسم ذات الٰہی ہے۔ رحمت وہ صفتِ الٰہی ہے جو اس کے رحم و کرم اس کی بخشش و عطا سے منسلک ہے اللہ الرحمٰن کے بے پناہ انعامات اور نعمتوں کی بخشش و عطا کا مظہر ہے۔ اللہ رحمٰن کا انسانوں پر یہ بھی احسانِ عظیم ہے کہ اس نے انہیں زندگی بسر کرنے کے لئے قرآنِ حکیم کی صورت میں ایک ضابطۂ حیات ایک ضابطۂ اخلاق اور نظام قانون کی صورت عطا کیا۔ درحقیقت قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے بندوں پر ایک عظیم رحمت اور نعمت ہے۔ قرآنِ حکیم الٰہی فطرت کا ترجمان ہے اور تمام انسانیت کے لئے ایک روشن ہدایت ہے جو انسان کو فطرتِ الٰہی سے قریب کرتا ہے ناموسِ فطرت کے ساتھ مفاہمت اور ہم آہنگی عطا کرتا ہے۔ قرآن نے ہی انسان کو آگاہ کیا کہ وہ زمین پر رحمٰن کا خلیفہ ہے اور اللہ کے نزدیک اشرف و مکرم ہے۔

انسان کیا ہے؟ اس کی اصلیت کیا ہے؟ اسے کس طرح پیدا کیا گیا ہے اور کیسے بولنا سکھایا ہے؟ انسان رحمان کی مصنوعات میں سے ایک ہے۔ انسان کی تمام صلاحیتیں، دیکھنا، سونگھنا، چھونا، شعور و الہام یہ سب کچھ اسے رحمٰن سے ملا ہے یہ سب اس کی عطا و مہربانی و بخشش ہے۔

ترجمہ:۔ اس نہایت مہربان پروردگار کی طرف سے جو زمین اور آسمان اور ان کے درمیان ہر چیز کا مالک ہے۔ (النباء۔ ۳۷)

یہ اس عظیم حقیقت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت زمین و آسمان پر حاوی ہے۔ اللہ کی رحمت، ربوبیت بڑی ہی رحیمانہ ہے۔ اہلِ تقویٰ اہلِ ایمان کو ان کے اعمال و افعال کی جزا اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے اور احکامِ الٰہی سے انحراف و بغاوت کا نتیجہ سزا یہ اللہ کی رحمت کا ہی تقاضہ ہے کہ سرکشوں کو جہنم میں جھونکا جائے۔ کیونکہ یہ عین رحمت ہے کہ سرکشوں کو ان کے شر کی سزا ملے اس لئے کہ خیر و شر برابر نہ ہو ورنہ یہ ظلم ہوگا۔ اللہ کی رحمت اپنے اندر جلال لئے ہوئے ہے۔

فضائل و اعمال۔ روز ہر نماز کے بعد ایک تسبیح (سو مرتبہ) بار رحمٰن پڑھنے والے کے دل سے ہر قسم کی تنگی اور غفلت اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اور ذہانت اور یادداشت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com

خیرآباد شہر کا بوڑھا درخت

امین صدر الدین بھایانی

معاشرہ کی ایک تصویر، امین صدر الدین بھایانی کے حساس قلم سے ان لوگوں کا احوال، تکبر بڑھنا جس کی فطرت بن گیا تھا۔

دل کی آنکھوں سے پڑھی جانے والی تحریر

اس کہانی میں آپ خود کو دیکھنے پر مجبور ہو جائیں گے

خیرآباد سٹی میونسپل کارپوریشن کی عمارت میں میئر کے دفتر کے باہر لگے سرخ بلب کے روشن ہوتے ہی بند دروازے پر مسنود چپراسی کچھ ایسے چاک و چوبند ہو گیا کہ اگر اب کوئی اندر داخل ہو گیا تو اُسے نوکری سے ہی تو نکال باہر کیا جائے گا۔ سرخ بلب کے روشن ہونے کا مطلب تو ظاہر ہے یہی تھا کہ میئر کسی انتہائی اہم ترین میٹنگ میں مصروف ہے۔ بظاہر ایسی کوئی خاص بات نہ تھی......! لیکن کچھ تو ایسا خاص ضرور تھا......!!!

میئر چیدہ چیدہ عمائدین شہر، سماجی، سیاسی، مذہبی لیڈران اور اخباری نمائندگان کے ہمراہ محض اس لیے میٹنگ میں مصروف تھا کہ شہر کا سب سے پرانا اور بوڑھا برگد کا درخت دن بدن زرد پڑتا جا رہا تھا۔

خیرآباد شہر کم و بیش دو ڈھائی کروڑ نفوس کی آبادی پر مشتمل ملک کا سب سے بڑا شہر ہے۔ آج سے کوئی دو سو برس قبل مچھیروں کے ایک چھوٹے سے قبیلے کے سردار خیر بخش نے پچاس پچپن میل طویل ساحلی پٹی کے مغربی سرے پر قائم مچھیروں کی متعدد چھوٹی چھوٹی بستیوں سے کوئی چالیس ایک میل دور جنوبی سرے پر اپنے تمام قبیلے والوں کے ساتھ پڑاؤ ڈالا۔ تب سے اُن مچھیروں نے اس علاقے کو خیرآباد کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ یہ قبیلہ پہلے بھی ساحل کے قریب اپنے روزگار کی تلاش میں سرگرداں رہا کرتا۔ البتہ دیگر قبیلوں کے ساتھ روز افزوں بڑھتی مسابقت کے سبب ایک روز سردار نے قبیلے کے سمجھ بوجھ رکھنے بڑے بوڑھوں کے ساتھ مشاورت کے بعد فیصلہ کیا کہ اُنہیں کہیں دور جا کر اپنا پڑاؤ ڈالنا چاہیے تاکہ مسابقت اور اس کے نتیجے میں ہونے والی دشمنیوں سے بچا جا سکے۔ قبیلہ جب وہاں آباد ہوا تو انہوں نے ساحل سے چار چھ فرلانگ کے فاصلے پر ایک بہت گھنا، چھتنار اور اونچا برگد کا پیڑ دیکھا۔ یوں اُن کو اپنے فارغ اوقات میں بیٹھک جمانے اور گپیں ہانکنے کے لیے ایک بہترین جگہ میسر آ گئی۔

دن گزرتے گئے۔ خیرآباد ملک کے سب سے بڑے صنعتی و تجارتی شہر میں تبدیل ہو گیا۔ شہر اس قدر پھیل گیا کہ وہ طویل ساحلی پٹی شہر ہی کا حصہ ٹھہری۔ خیرآباد شہر کو صنعتوں کے حوالے سے ملک بھر میں ایک اہم مقام حاصل ہو گیا۔ اب یہاں کی صنعتوں کا تیار کردہ سامان دنیا بھر میں برآمد ہو کر ملک کا نام روشن کر رہا ہے۔

اس دوران برگد کا وہ پیڑ بھی ایک خاص اہمیت اختیار کر گیا۔ شہر کے قیام کی پچاسویں سالگرہ پر میونسپل کارپوریشن کا قیام عمل میں آیا۔ شہر کی تزئین و آرائش کے لیے جو اقدامات کیے گئے اُن میں ایک تفریحی پارک بھی شامل تھا۔ اس مقصد کے لیے بھلا اور کون سی جگہ مناسب قرار پا سکتی تھی جہاں وہ گھنا چھتنار برگد کا پیڑ ایستادہ تھا۔ ویسے بھی وہ جگہ ساحلِ سمندر سے قریب ہونے کے سبب

Downloaded from https://paksociety.com

خصوصاً شام سے رات دیر گئے لوگوں کی تفریح کا سبب بنی رہتی۔

پارک میں متعدد اقسام کے درخت اور پھولوں سے لدی کیاریاں و جھاڑیاں لگائی گئیں۔ پارک کا مرکز پرانا بوڑھا برگد کا درخت ہی تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی وسعت میں بھی بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ پہلے سے ہی گھنی جٹائیں مزید گھنی ہو چکی تھیں۔ جٹاؤں نے زمین میں جڑیں پکڑ لیں اور پرانے تنے کے ساتھ جڑ کر نئے تنوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ سارے تنے یوں باہم پیوست ہو گئے تھے کہ جیسے ایک ہی تنے کا حصہ ہوں۔ پیڑ کے گرد ایک بڑا سا گول چبوترا قائم کر کے اس کے اطراف اور ملحقہ وسیع احاطے میں آہنی بینچ نصب کر دیے گئے جو کہ سارا دن آباد رہتے۔ لوگ بانگ پیڑ کی ٹھنڈی چھاؤں اور مہک بھری تیز ہواؤں کا لطف اٹھاتے۔ احاطے میں ہر وقت بے فکری سے گوٹغوں گوٹغوں کرتے کبوتر خراماں خراماں چہل قدمی کرتے وہاں آنے والوں کی طرف سے بکھیرے دانے دنکے چگتے نظر آتے۔ لوگ گھنٹوں بینچوں پر بیٹھ کر دن بھر کے معمولات کی تکان دور کرتے۔ اردگرد چائے، ٹھنڈے مشروبات، پان، سگریٹ، سموسوں، پکوڑوں، دہی بھلے اور چٹ پٹی چاٹ والے اپنی اور اپنے گھر والوں کی روزی روٹی کا اہتمام کرتے۔

برگد کے پیڑ کی شہرت صرف شہر تک ہی محدود نہ رہ گئی۔ خیر آباد آنے والا کوئی بھی شخص خواہ کسی بھی مقصد سے کیوں نہ آیا ہو۔ ممکن ہی نہ تھا کہ وہاں سیر کو نہ جائے اور برگد کے اطراف لگی بینچوں پر بیٹھ کر حسین ماحول سے لطف اندوز نہ ہو۔ اس شہرت کے سبب سالوں قبل میونسپل کارپوریشن نے ایک اجلاس میں متفقہ قرارداد منظور کر کے درخت کو شہر کا امتیازی نشان قرار دے دیا۔ اس کے عکس کو ایک لوگو کی شکل

Downloaded from https://paksociety.com

دے کر خط و کتابت میں استعمال ہونے والی دفتری اسٹیشنری پر چھپوایا گیا۔ مرکزی میونسپل آفس کے باہر خوبصورت ساچوبی آرائشی نمونہ بھی نصب کر دیا گیا۔

اچانک دو تین برس قبل برگد کا بوڑھا درخت مرجھانا شروع ہو گیا۔ جیسا کہ معمول ہے سرکاری ادارے اس وقت تک کسی بھی بات کا نوٹس نہیں لیتے جب تک معاملہ اخبارات یا میڈیا تک نہ جا پہنچے۔ سو اعلیٰ حکام کے کانوں پر جوں اس وقت رینگی جب کثیر الاشاعت اخبار "خیر آباد ٹائمز" کے ملک گیر شہرت یافتہ کالم نگار اطہر صدیقی نے اپنے کالم "آوازِ خیر" میں بڑے ہی پُر اثر انداز میں برگد کے تاریخی پس منظر اور اس کی ثقافتی اور سماجی اہمیت کو اجاگر کیا۔ اطہر صدیقی کوئی معمولی کالم نویس نہ تھا۔ اس کے لکھے زندگی کے عیاں و نہاں گوشوں کو وا کرتے چونکا دینے والے کالم ملک بھر میں شوق سے پڑھے جاتے تھے۔

اگلے ہی روز میئر نے تمام اخبارات میں ایک عدد پریس ریلیز جاری کر دی۔ جس کے مطابق متعلقہ شعبے کے ماہرین کی ایک سہ رکنی کمیٹی تشکیل دی جا رہی ہے جو پیڑ کی مکمل جانچ، مٹی، درخت کی جڑوں کا گہرائی سے تجزیہ اور تمام متعلقہ لیب ٹیسٹ کے بعد پندرہ روز میں اپنی سفارشات پیش کرے گی۔ ماہرین کی پیش کردہ سفارشات پر عمل درآمد کروانے کی غرض سے مزید ایک سہ رکنی کمیٹی کا بھی قیام عمل میں لایا جا رہا ہے جو متاثرہ پیڑ کی مکمل دیکھ بھال و نگرانی کے لیے ماہر و تجربہ کار مالیوں و متعلقہ کارکنوں کا پانچ رکنی اسٹاف بھی مقرر کرے گی۔ ایک پندرہ رکنی کمیٹی میئر کی سربراہی میں دونوں مذکورہ کمیٹیوں کی سرگرمیوں کی نگرانی کے لیے بھی تشکیل دی گئی جس میں شہر کی سماجی، ثقافتی، سیاسی اور مذہبی تنظیموں کے ساتھ صحافیوں کو بھی نمائندگی دی گئی۔ نگران کمیٹی کا اجلاس ہر پندرہ دن کے بعد ہونا قرار پایا۔ اولین اجلاس کے لیے تاریخ کا اعلان بھی کر دیا گیا جس میں اس وقت تک ہونے والی پیشرفت کا جائزہ لیا جائے گا۔ ان تمام کمیٹیوں کی سرگرمیوں اور دیگر متعلقہ امور کی انجام دہی کے لیے مالی ضروریات کو پورا کرنے کی خاطر وزیر اعلیٰ کی آشیرباد سے فوری طور پر پچیس کروڑ روپے کی خطیر رقم کا ہنگامی فنڈ بھی قائم کر دیا گیا۔

چار و ناچار بیت گئے۔

تمام تدابیر کے باوجود صورت حال بگڑتی ہی جا رہی تھی۔ پیڑ تیزی سے زرد و بے رونق ہو کر پژمردگی کا شکار ہوتا چلا جا رہا تھا۔ پتے نصف سے بھی زائد جھڑ چکے تھے۔ ٹہنیاں جا بجا سے ٹوٹ ٹوٹ کر بے ہنگم چھدری سی شکل اختیار کر گئی تھیں۔ سرخی مائل بھورے بڑے بیر نما پھل سیاہ رنگت اختیار کر گئے جن سے ہر وقت سیاہی مائل گاڑھا بدبودار سیال قطرہ قطرہ ٹپک کر اردگرد کی فضا کو متعفن زدہ بنائے رکھتا۔ اس دگرگوں صورت حال کے پیشِ نظر کارپوریشن نے پیڑ کے اطراف دائرہ بنانی بینچوں کو خاردار آہنی باڑ لگا کر ان پر بیٹھنا اور احاطے میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ تیز بو اور دانہ دنکا نہ ملنے کے سبب وہاں ٹھہلتے کبوتر بھی کہیں اور کوچ کر گئے۔

اطہر صدیقی نے ایک بار پھر اپنے کالموں کا رخ برگد کے پیڑ کی طرف پھیر دیا۔ کچھ ایسی شعلہ بیانی سے کام لیا کہ پڑھنے والوں نے جانا کہ جیسے اس ایک درخت کے مٹ جانے سے شہر بھر میں سبزے کا نام و نشان باقی نہ رہے گا اور شہر مہلک وباؤں کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ ان کالموں نے شہر بھر کی سماجی، ثقافتی حتیٰ کہ سیاسی و مذہبی تنظیموں کے کرتا دھرتاؤں کو بھی جگا دیا۔ تنظیمیں اپنے رنگ برنگے بینروں سے لیس کارکنوں سمیت میدان میں کود پڑیں۔ حکومت کی بے حسی کے خلاف احتجاجی جلسے اور دھرنے شروع ہو گئے۔ ٹی وی نیوز چینلوں کی تو جیسے لاٹری ہی نکل آئی ہو۔ بیٹھے بٹھائے مفت کی کوریج میسر آنے لگیں۔ بریکنگ نیوز میں احتجاجی جلسوں کی کوریج کر کے بلیٹنوں کے پیٹ بھرے جانے لگے۔ نیوز اینکرز اور ٹاک شوز کے میزبانوں نے اس مسئلے کو اپنی اولین ترجیحات میں شامل کر کے آنشی گیجوں میں بھرپور ڈور بیان صرف کرنا شروع کر دیا۔

سیاسی لیڈران نے پیڑ کو لاحق پُراسرار بیماری کو ملک و قوم کی سالمیت سے جا ملایا۔ یہاں تک دعویٰ کر دیا کہ یہ پیڑ جو کہ شہر کا امتیازی نشان ہے، نہ رہا تو پھر یہ شہر بھی نہ رہے گا۔ اگر جو شہر نہ رہا تو پھر خدانخواستہ ملک بھی قائم نہ رہ سکے گا۔

مخالف سیاسی لیڈران نے درخت کی بیماری کے ڈانڈے حکومت کی کمزور خارجہ و داخلہ پالیسیوں داندرونی

Downloaded from https://paksociety.com

وبیرونی دشمنانِ وطن کی ناپاک سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے جاملائے۔ حکومت کو متنبہ کیا جانے لگا کہ اگر اس سلسلے میں جلد ہی کوئی ٹھوس مثبت قدم نہ اٹھایا گیا تو طویل ملکی ہڑتالوں اور دھرنوں کی کال دے کر حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اس کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔

مذہبی لیڈران نے اپنے ولولہ انگیز خطابات میں پیڑ کو رحمتِ خداوندی اور برکاتِ الٰہی کے نشان کے طور پر پیش کیا۔ اس کی بیماری کو دین ومذہب سے دوری، بے پردگی اور مرد وزن کے آزادانہ باہمی اختلاط کے سبب عنقریب آنے والے شدید عذابِ خداوندی کی نشانی قرار دیتے ہوئے اپنے معتقدین کو توبہ واستغفار، خصوصی عبادات اور دعائیں کرنے پر زور دینے لگے۔

باقی رہ گئے شہر بھر کی ثقافتی وسماجی تنظیموں کے کرتا دھرتا۔ سو انھوں نے اس درخت کو شہر کی آن، بان وشان قرار دیتے ہوئے پُراسرار بیماری کو سماج اور معاشرے کے باطن میں سرایت کر گئیں سماجی واخلاقی برائیوں، اعلیٰ اقدار اور شرم وحیا سے دوری جیسی خرابیوں کے علاوہ قومی وملکی تشخص سے روگردانی کی علامت بتایا۔

روحانیت وعملیات کے ماہرین بھی بھلا کہاں پیچھے رہنے والوں میں سے تھے۔ انہوں نے اخبارات میں بیانات پر بیانات جاری کرنا شروع کر دیے۔ جن کے مطابق اسے جنات وپلید روحوں کی کارستانی بتایا جانے لگا۔

ایک روحانی مفکر نے تو یہ دعویٰ کر دیا کہ پیڑ کو ملک وقوم کا دکھ کھائے جا رہا ہے۔ وہ اس غم میں روحانی کرب میں مبتلا ہو گیا ہے۔ الغرض جتنے منہ اتنی باتیں۔

ادباء وشعراء اپنے قلم کا جادو جگانے لگے۔ شہر کے ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ ادبی جریدے نے پیڑ کو "بیمارِ شہر" کا خطاب دے کر "بیمارِ شہر" نمبر کی خاص اشاعت کا اعلان کر دیا جسے ادبی حلقوں میں بے حد قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

پھر ایک نئی بات ہوئی۔

ملک کے بڑے ہی نامور اور بین الاقوامی شہرت یافتہ ادیب اور شاعر نے پیڑ کی دن بدن بگڑتی صورت حال پر جاری حکومتی بے حسی پر اپنا احتجاج ریکارڈ کروانے کی خاطر

نماز میں دو سجدے

نماز میں دو سجدے کیوں کیے جاتے ہیں؟

جب اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے نہیں کیا تو اس کو مردود قرار دے کر جنت سے نکال دیا۔ ابلیس کی یہ حالت دیکھ کر فرشتوں نے سجدہ شکر ادا کیا اور کہا۔

"اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں اپنا حکم بجالانے اور اپنی عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔" وہ دو سجدے آج تک نماز میں ادا کیے جا رہے ہیں۔

سجدہ حکم...... سجدہ شکر

سیدہ امبر اختر بخاری...... چندی کا پور

لفظ لفظ موتی

☐ جب نیکی کر کے تجھے خوشی ہو اور برائی کر کے پچھتاوا ہو تو تو مومن ہے (ارشاد نبوی ﷺ)

☐ اللہ پاک ہے اور صرف پاک مال قبول کرتا ہے۔

☐ آخرت کی لذت ہرگز اس کو نہیں ملتی جو شہرت اور عزت کا چاہنے والا ہو (حضرت بشر حافیؒ)

☐ تعجب ہے اس پر جو تقدیر کو پہچانتا ہے اور پھر جانے والی چیز کا دکھ بھی کرتا ہے (حضرت عثمانؓ)

☐ صدقہ رب کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بُری موت کو دفع کرتا ہے (ترمذی)

☐ یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں میرے ساتھ ہوگا (ارشاد نبوی ﷺ)

یاسمین...... کراچی

Downloaded from https://paksociety.com

کچھ عرصہ قبل ملنے والا سرکاری تمغۂ حسن کارکردگی احتجاجاً واپس کرنے کا اعلان کردیا۔ بس صاحب پھر کیا تھا۔ شہر بھر کے ادباء و شعراء نے بھی اپنے اعزازات واپس کرنے کے نہ صرف اعلانات کرنا شروع کر دیے بلکہ اس کا بھرپور عملی مظاہرہ بھی دیکھنے میں آنے لگا۔

یہ صورت حال دیکھ میئر نے فوری طور پر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس بلوا لیا۔ جس میں اطہر صدیقی سمیت چیدہ عمائدین شہر، سماجی سیاسی و مذہبی راہنماؤں کو مدعو کیا گیا تاکہ کسی طور اس حوالے سے شہریوں کی بے چینی و اشتعال اور شہر کے امتیازی نشان برگد کے پیڑ کی دگرگوں صورت حال میں کچھ بہتری لائی جا سکے۔ سو اس وقت میئر کے کمرے میں وہی اعلیٰ سطحی خصوصی اجلاس جاری تھا۔

اجلاس کے ختم ہوتے ہی میئر کے دفتر سے شہر بھر کے اخبارات اور ٹی وی چینلوں کے لیے اعلامیہ جاری کر دیا گیا۔ جس کے مطابق کافی غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ برگد کے درخت کو لاحق پُراسرار بیماری کی تحقیق و شافی علاج کی خاطر فوری طور پر دارالحکومت میں مقیم ملک کے مشہور اور قابل ترین ماہر زراعت و نباتات ڈاکٹر معراج احمد وہائی کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔ جو کہ ماہرین کی پہلے سے ہی قائم کمیٹی کے سربراہ کی حیثیت سے کام کریں گے۔

میئر اس معاملے کو اپنے اگلے انتخاب سے منسلک کر رہا تھا۔ خاص دلچسپی لیتے ہوئے اسی دور اب تک کی جملہ پیش رفت کی مفصل رپورٹ میں منسلک کروا کر سرکاری طور پر خیرآباد کے میئر کی حیثیت سے تمام تر شہریوں کی نمائندگی کرتے ہوئے ڈاکٹر معراج احمد وہائی کے نام ماہرین کی ٹیم کی سربراہی کرنے کی استدعا کا خصوصی خط جاری کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب کا شمار ملک کے نامور ترین زرعی ماہرین میں ہوتا ہے۔ اپنے کم و بیش نصف صدی پر محیط علمی و عملی تجربے کے سبب اب بھی وہ گزشتہ آٹھ برس سے محکمہ زراعت اور متعلقہ شعبے سے وابستہ حکومتی و نجی اداروں کو اپنے تجربے کی روشنی سے مستفید کرتے رہتے۔ حکومت سے اعلیٰ حسن کارکردگی کے اعتراف کا تمغہ بھی حاصل کر چکے تھے۔ ماشاء اللہ ستر سال کی عمر کے باوجود بھی جسمانی و ذہنی لحاظ سے مکمل طور پر فٹ تھے۔ میئر کا خط پاتے ہی معراج احمد وہائی نے خود میئر کو فون کر کے ماسوائے گاڑی و ڈرائیور دیگر تمام سرکاری پروٹوکول وصول نہ کرنے کی شرط پر آمادگی ظاہر کر دی۔

سچ تو یہ ہے کہ خود وہ بھی اس دعوت کو قبول کر کے کافی اچھا محسوس کر رہے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کا اپنا تعلق اسی شہر سے تھا۔ اپنے کیریئر کے ابتدائی چند برس خیرآباد شہر میں بسلسلہ ملازمت متعین بھی رہے تھے۔ ان کا قیام ستر کی دہائی کے اولین پانچ سالوں تک اسی شہر میں رہا۔ وہ حسین دن ان کو بھلائے نہ بھولتے جو انہوں نے وہاں گزارے۔ بچپن، لڑکپن اور اوائل جوانی کی یادیں لہروں کی طرح ان کے ذہن کے کسی نہاں جزیرے کے ساحلوں سے ٹکراتیں۔ شہر کی صاف ستھری و کشادہ سڑکیں، سمندر کی شور مچاتی لہریں، ساحل سمندر پر خراماں خراماں چلتی ٹھنڈی مخمور ہوائیں، شہر میں بستے گوناگوں ذات، نسل اور طبقات کے افراد کے مابین قائم بھائی چارگی کی پُرتہذیب و پُرخلوص فضا اور دن کی رونقوں کے بعد رات کی پُرنور روشنیوں میں ڈوب کر شب بھر جاگتا روشنیوں کا شہر بھلا کیسے بھلایا جا سکتا تھا۔

عملی زندگی کی ابتداء اور سستے زمانوں کے سبب بہت سے دوسرے لوگوں کی مانند ان کی جیب تو بلاشبہ ہمیشہ ہلکی ہی رہا کرتی مگر پھر بھی وقت مزے سے کٹ رہا تھا۔ دفتر وہ شہر میں چلنے والی بسوں پہ چلے جایا کرتے۔ واپسی لازماً لوکل ٹرین سے ہی ہوا کرتی۔ صبح کے جن اوقات میں وہ گھر سے نکلتے، ٹرین اس سے کہیں پہلے نکل جایا کرتی اور اگلی ٹرین کافی دیر بعد آتی۔ لوکل ٹرین اسٹیشن دفتر کے عین سامنے ہی واقع تھا۔ ٹرین کا سفر انہیں بہت ہی بھلا معلوم ہوتا۔ لہذا وہ ٹرین میں سوار ہو کر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاتے پٹریوں کے دونوں اطراف تاحد نگاہ پھیلے دلکش مناظر کا لطف لیتے گھر واپسی کو ترجیح دیتے۔ گھر سے کوئی میل بھر کی مسافت پر جو ٹرین اسٹیشن تھا وہاں سے اتر کر مزے سے پیدل چلتے گھر پہنچ جاتے۔

چھٹی کے روز وہ یا تو ساحل سمندر یا دیگر تفریحی مقامات کا رخ کرتے یا ٹرام سے شہر بھر کی سیر کرتے پھرتے۔ شہر میں چلنے والی ٹرام شہریوں کے لیے آسان اور ارزاں وسیلہ سفر تھا۔ جب سڑکوں پر عدم گنجائش کا عذر لگا کر

Downloaded from https://paksociety.com

ٹرام سروس بند کی جانے لگی تو ایک دو نوٹس جو کہ اتوار کا دن تھا، یہ سوچ کر اپنے مرحوم والد کے ہمراہ سارا دن ٹرام کی سیر کرتے ہوئے گزرا کہ ٹرام بند ہو جانے کے بعد ویسے بھی ٹرام کی سیر نہ کر پائیں گے، سو یہ سیر ایک یادگار بن جائے گی۔ ایسا ہی ہوا۔ آج چالیس برس بیت جانے کے باوجود بھی اُن کو وہ دن روزِ اول کی طرح سے یاد تھا۔ پھر اُن کا تبادلہ دارالحکومت ہو گیا۔ وہیں اُن کا گھر بھی بس گیا سو وہ وہیں کے ہو رہے۔ کام سے بے لوث لگن اور انتھک محنت نے اُن کو سر اٹھا کر دیکھنے کی بھی فرصت میسر نہ آنے دی۔ ساتھ اعلیٰ تعلیم و تحقیق سے بھی اپنا دامن جوڑے رکھا اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ شبانہ روز کی عرق ریزی سے کیے گئے تحقیقاتی کام اور مختلف موضوعات پر انگنت تحقیقاتی مقالہ جات کو بے انتہا قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا جو کہ ملکی شعبہ زراعت کے متعدد شعبہ جات میں انقلابی نوعیت کی تبدیلیوں اور بہتریوں کا سبب بنے۔ فصلوں کو لگنے والے کیڑوں، سنڈیوں اور کئی بیماریوں کا خاتمہ ہوا۔ زرعی اجناس کی پیداوار بڑھ کر دو گنی تگنی ہو گئی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہیں اپنی بقیہ زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ ویسے بھی پیشہ ورانہ زندگی کے چالیس سال وہاں گزار دیے تھے۔ اُن کی دوستیاں اور رشتہ داریاں تو پہلے ہی سے تھیں۔ اب تو ماشاءاللہ بچوں کے سبب نئے رشتے بھی استوار ہو چکے تھے۔

اب ایسا بھی نہ تھا کہ اِن گزشتہ برسوں میں وہ خیرآباد شہر نہ گئے ہوں۔ وہ دوران ملازمت اکثر کسی کانفرنس میں اپنا مقالہ پیش کرنے یا اسی نوعیت کی دیگر سرگرمیوں کے سبب آنا جانا لگا رہا۔ اپنی شدید منصبی مصروفیات کے سبب علی الصباح پہنچے تو رات کی فلائٹ سے واپسی۔ سو بااختیار دو روزہ کانفرنس میں شرکت کرنا مقصود ہوا تو کانفرنس کی کارروائی نمٹا کر موصوف یہ جا اور وہ جا۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد تو جیسے وہ اپنے شہر کے ہی ہو کے رہ گئے۔ مقامی طور پر کسی سیمینار یا کانفرنس میں شرکت کر لی تو کبھی کسی سرکاری یا نجی ادارے کی دعوت پر اِدھر اُدھر کا کوئی دورہ کر لیا۔ گزشتہ آٹھ دس برس سے خیرآباد جانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ لہٰذا اب یہ دعوت انہیں موقع فراہم کر رہی تھی کہ وہ اس شہر میں جہاں انہوں نے اپنا بچپن، لڑکپن اور جوانی کے اولین خوبصورت سال بتائے تھے، کام سے فراغت کے بعد ایک بار پھر اس کی پرانی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو سکیں جو کہ اُن کے ذہن کے نہاں گوشوں میں اب بھی تازہ تھیں۔

خیرآباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے ڈومیسٹک ارائیول لاؤنج میں پہنچتے ہی انہوں نے ایک باوردی نوجوان ڈرائیور کو اپنے نام کا بلے کارڈ لیے منتظر پایا۔ چند ہی لمحات میں وہ گاڑی میں سوار ایئرپورٹ سے باہر نکل رہے تھے۔ گو کہ ڈرائیور نے اپنے پیشہ ورانہ فرائض کا مظاہرہ کرتے ہوئے پچھلی نشست کا دروازہ وا کر دیا تھا مگر وہ خود ہی ڈرائیور کے ساتھ والی نشست کا دروازہ کھول کر اندر جا بیٹھے۔ ڈرائیور کو یہ بات عجیب سی محسوس ہوئی مگر وہ کچھ کہے اپنی نشست پر آ بیٹھا۔ گاڑی ایئرپورٹ سے باہر آ کر مرکزی شاہراہ پر تیزی سے جاری ٹریفک کی رو میں مدغم ہوتی چلی گئی۔

آسمان ابرآلود ہو رہا تھا اور تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ سڑک کے دونوں اطراف اور درمیان کے گرین بیلٹ پر حدِ نگاہ تک لگے اونچے اونچے جہازی قامت کے اشتہاری بورڈ لرز رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو وہ دیوہیکل اشتہاری بورڈ بڑے عجیب لگے۔ انہوں نے خیرآباد شہر میں پہلے بھی اور وہاں دارالحکومت میں تو اب بھی اس قدر بڑے جہازی قامت کے بورڈ نہیں دیکھے تھے۔ گاڑی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ شہر بھر کی دیواروں پر برگد کے پیڑ کے حوالے سے مختلف سیاسی، سماجی اور مذہبی جماعتوں کے پیغامات پڑھ پڑھ کر حیران ہو رہے تھے۔ چند مذہبی اور سیاسی جماعتوں کی طرف سے برگد کے پیڑ کی صورت حال کے حوالے سے اشتہاراتی بورڈز بھی نصب کیے گئے تھے۔

ایک بورڈ کو دیکھ کر تو وہ حیران ہی رہ گئے۔ ایک سیاسی جماعت کے راہنما کی تصویر نمایاں تھی جو کہ اس بیمار درخت کو بڑی تشویشناک نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنا ایک ہاتھ جس کی مٹھی بندھی ہوئی تھی ہوا میں یوں لہرا رہا تھا جیسے کوئی نعرہ لگا رہا ہو۔ اس پر بڑے بڑے جلی حروفوں میں ایک نعرہ درج تھا۔

"اے خیرآباد شہر گواہ رہنا، اللہ کے فضل و کرم سے ہم تیری، آن، بان اور شان پر قربان ہونے والوں میں سے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں“۔

مخالف سیاسی جماعت کا سربراہ تھوڑے ہی دور لگے بورڈ پر دونوں ہاتھوں کو اُٹھا کر نعرے لگاتا نظر آ رہا تھا۔ اُس کے سامنے عوام کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر عالمِ وارفتگی میں محوِ رقصِ رندانہ تھا۔ بورڈ پر نعرہ درج تھا۔

”زندہ ہے برگد..... ! زندہ ہے..... !!!“۔

اگلے بورڈ پر ایک سیاسی راہنما فرماتے نظر آ رہے تھے۔

”ہم پیڑ بچانے آ نہیں رہے..... ! آ چکے ہیں..... !!!“۔

ابھی تھوڑا ہی آگے بڑھے تو ایک اور بورڈ نظر آیا۔ اس بورڈ پر ایک مذہبی تنظیم کے مرکزی راہنما کی بہت بڑی تصویر نمایاں تھی۔ اُس کے ہاتھ میں بہت ساری سلگتی اگربتیاں تھیں جن کے دھوئیں نے درخت کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اس بورڈ پر بھی ایک نعرہ درج تھا۔

”اس عظیم پیڑ کی بقاء کے لیے آخری دم تک جہاد..... ! ہر اہلِ ایمان کا فرض..... !!!“۔

مخالف فرقے کے مذہبی و سیاسی راہنما جس کا ایک ہاتھ اپنی ڈاڑھی اور دوسرا اسوٹی توند پر تھا، اس نعرے کے ہمراہ بورڈ پر جلوہ افروز تھا۔

”خیرآباد شہر کو ہمارے فرقے ’صراط المستقیم‘ کے بزرگوں نے آباد کیا تھا اور اس شہر کے نشان کو بھی ان شاء اللہ العزیز ہم ہی بچائیں گے“۔

کچھ ہی آگے ایک بہت بڑی این جی او کی طرف سے ایک بورڈ نصب کیا گیا تھا۔ جس میں اُس کے چار پانچ کرتا دھرتا درخت کو سلامی دے رہے تھے اور اُس بورڈ پر اُن کا نعرہ کچھ یوں درج تھا۔

”یہ درخت ہمارا ہے، ہم ہیں پاسباں اس کے“۔

اگلا بورڈ شہر کی میونسپل کارپوریشن کی طرف سے نصب کیا گیا تھا جس میں برگد کے پیڑ کے اچھے دنوں کی ہری بھری بے حد خوبصورت سی تصویر تھی اور شہریوں کو مخاطب کر کے کہا گیا تھا۔

”خیرآباد میونسپل کارپوریشن شہر کے فخر و افتخار پر کوئی آنچ نہ آنے دے گی“۔

اگلا بورڈ شہر کے ایوانِ صنعت و تجارت کا تھا۔

”خیرآباد شہر کے افتخار برگد کے پیڑ کو سربلند رکھنے کے لیے ہماری جانب سے شہریوں کے لیے پانچ کروڑ کا حقیر تحفہ“۔

شہر کے محنت کشوں کی یونینوں کی فیڈریشن کی جانب سے بھی ایک بڑا سا بورڈ نصب کیا گیا تھا جس میں بہت سارے محنت کشوں کو ہاتھوں میں ہتھوڑے، درانتیاں، کدال و پھاوڑے سمیت دیگر اوزار پکڑے درخت کو گھیرے دکھایا گیا تھا۔ ساتھ یہ نعرہ درج تھا۔

”ہمیں قسم ہے اپنی محنت کی..... ہم اپنے خون پسینے کا آخری قطرہ تک بہانے سے گریز نہ کریں گے“۔

یہ سارے بورڈ ڈاکٹر معراج یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے جیسے انہوں نے آٹھواں عجوبہ دیکھ لیا ہو۔ ”یہ سب کیا ہے؟“۔ ایک بڑبڑاہٹ سی اُن کے منہ سے برآمد ہوئی۔ ”صاحب، کیا آپ نہیں جانتے سارا شہر اس برگد کے بوڑھے درخت سے کس قدر عقیدت رکھتا ہے؟ بس یہ اُسی عقیدت و احترام کا مظاہرہ ہے“۔ ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے فخریہ لہجے میں کہا۔ ”ہاں مجھے اندازہ ہو رہا ہے“۔ ڈاکٹر صاحب فقط بڑبڑا کر رہ گئے۔

”ویسے صاحب جی، یہ میرے لیے پہلا موقع ہے کہ میں اس طرح اکیلا کسی بڑے افسر کو لینے آیا ہوں۔ ورنہ تو کوئی چھوٹے سے چھوٹا افسر بھی کسی دوسرے شہر سے آئے تو کچھ اور نہ سہی، کم از کم دفتر والے ہی استقبال کرنے آ پہنچتے ہیں۔ چار پانچ گاڑیوں کے جلو میں افسر کی گاڑی ائیرپورٹ سے برآمد ہوتی ہے“۔

”میں ان سب باتوں کو قومی دولت کا ضیاع سمجھتا ہوں، اور میرے ہی کہنے پر کوئی لینے نہیں..... ! ارے ارے..... ! یہ کیا کر رہے ہو؟..... !!!“۔ ڈاکٹر معراج اپنی جاری بات کو کاٹ کر بے اختیار چیخ پڑے۔ سامنے ٹریفک اشارے پر بتی سرخ تھی۔ ڈرائیور نے سرخ بتی کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا اور رفتار مزید بڑھاتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

”ارے صاحب، آپ فکر نہ کریں ہماری گاڑی پر ویسے بھی سرکاری نمبر پلیٹ نصب ہے۔ کوئی مائی کا لال روکنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ یہ خیرآباد شہر ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں ان چھوٹی موٹی باتوں سے کوئی فرق نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

پڑتا"۔ ڈرائیور دانت نکالتا ہوا بولا۔" ویسے بھی سرخ بتی پر کوئی رُکا تھا کیا......؟ تو بھلا میں رُک کر کیوں آپ کا قیمتی وقت کیوں برباد کرتا؟"۔

"خبردار جو آئندہ بھی ایسی کوئی حرکت کی......!" ڈاکٹر معراج کی آواز میں ایک واضح خفگی تھی۔

"مگر......! دوسرے صاحب لوگ تو اس بات پر خوش ہو کر مجھے شاباشی دیا کرتے ہیں اور آپ تو ناراض......!!!"۔ ڈرائیور نے اپنی بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔

"مجھے یہ سب کچھ بالکل پسند نہیں۔ تم گاڑی بھی حد رفتار سے کہیں تیز اور اِدھر اُدھر لہرا لہرا کر چلا رہے ہو۔ آہستہ اور سیدھے اپنی لین میں چلو"۔

"مگر صاحب لین میں کیسے چلوں......؟ آپ خود دیکھیں کہ سڑک پر کوئی ایک گاڑی ہے جو اپنی لین میں اور مقررہ رفتار پر چل رہی ہو؟"۔ ڈرائیور کی آواز میں احتجاج تھا۔

اب جو ڈاکٹر معراج نے غور سے سڑک پر دیکھا تو احساس ہوا کہ ساری کی ساری سڑک ایک طوفانِ بدتمیزی کا مظاہرہ پیش کر رہی ہے۔ گاڑیاں، موٹر سائیکلیں اور رکشے بنا کسی لین کی پروا کیے من چاہی رفتار میں جہاں جگہ میسر آئے اِدھر اُدھر کٹی پتنگ کی طرح ڈول رہے ہیں۔ "یہ آج ٹریفک کو کیا ہوا ہے جو اس بے ترتیبی اور بے ہنگم انداز میں جدھر سینگ نائے اُدھر کو جا رہا ہے؟"۔

"ہونا کیا ہے صاحب، یہ تو روز کا معمول ہے"۔

"کیا مطلب......؟ یہاں روز سڑکوں پر ٹریفک اسی بے ہنگم اور بے ترتیب انداز میں چلا کرتا ہے؟"۔ ڈرائیور نے سڑک پر نگاہیں جمائے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلا دیا۔ "کمال ہے......! یہ ٹریفک پولیس محض کھڑی تماشہ ہی دیکھ رہی ہے......!!!"۔ ڈاکٹر معراج کے ہونٹوں سے ایک بڑبڑاہٹ سی برآمد ہوئی۔ "یہ ٹریفک پولیس والے تو فقط بس روڈ پلی کے ایک پتے کی مار ہیں"۔ ڈرائیور کے لہجے میں بلا کا تمسخر تھا۔

ابھی وہ اس دھچکے کے اثرات کو جذب کرنے کی کوشش میں ہی مصروف تھے کہ ان کی نظر شاہراہ کی بائیں جانب سڑک کے ساتھ متوازی چلتی دھوپ میں چمکتی ریلی کی

منفی سوچ

○ منفی سوچ رکھنے والا ذہن کبھی بھی آپ کو مثبت زندگی نہیں دے سکتا۔

دو لوگ

○ دنیا میں بس دو لوگ مقدر والے ہوتے ہیں ایک وہ جنہیں وفادار دوست ملتا ہے اور دوسرا وہ جس کے ساتھ ماں کی دعائیں ہوتی ہیں۔ (حضرت علیؓ)

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

لطیفہ

ایک کالج میں رزلٹ کا دن تھا ایک دوست دوسرے دوست سے "یار میرے ساتھ میرے ابو کھڑے ہیں تو جلدی سے جا اور رزلٹ دیکھ کر آ۔ اگر میں ایک پیپر میں فیل ہوا تو کہنا ایک مسلمان بھائی سلام کہتا ہے اگر دو میں فیل ہوا تو کہنا دو مسلمان بھائی تمہیں سلام کہتے ہیں"۔

دوست گیا اور تھوڑی دیر بعد آ کر بولا۔ "یار پوری امت مسلمہ تمہیں سلام کہتی ہے"۔

ثنا ریاض...... بوسال سکھا

صحبت

نیک لوگوں کی صحبت میں ہمیشہ بھلائی ملتی ہے

کیونکہ

جب ہوا پھولوں سے گزرتی ہے تو وہ بھی خوشبودار بن جاتی ہے۔

کنول چوہدری...... شادیوال گجرات

Downloaded from https://paksociety.com

پٹریوں پر پڑی۔ اُنہیں یاد آیا کہ وہ اُنہی پٹریوں پر دوڑتی ریل سے ہر شام دفتر سے واپس گھر جایا کرتے تھے۔

"ارے میاں ڈرائیور، اب تو پہلے کی نسبت زیادہ تعداد اور کم کم وقفوں سے لوکل ٹرینیں چلا کرتی ہوں گی؟"۔

"لوکل ٹرین.....؟" ڈرائیور کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔

"کس زمانے کی بات کر رہے ہیں صاحب، کونسی لوکل ٹرین.....؟ کم از کم میں نے تو ہوش سنبھالنے کے بعد سے یہاں شہر میں کبھی کوئی لوکل ٹرین چلتی نہیں دیکھی.....!!!"۔

"اوہ اچھا، سمجھا سمجھا....." ڈاکٹر صاحب سر ہلاتے ہوئے بولے۔ "بھلا لوکل ٹرین کون کہتا ہے۔ اب تو دنیا بھر میں میٹرو کہا جاتا ہے۔ سو یہاں بھی میٹرو ہی کہتے ہوں گے.....، ہیں نا؟"۔

"صاحب یہاں نہ لوکل ٹرین چلتی ہے نہ ہی میٹرو۔ شہر بھر میں چنگ چیوں کا راج ہے"۔ ڈرائیور کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"چنگ چیوں کا راج.....!!!" ڈاکٹر نے حیرت بھرے لہجے میں دہرایا۔

"چنگ چی.....، یہ کیا بلا ہے؟.....!!!"۔

"یہ دیکھیں، یہ آپ کے برابر سے جو چیز گزر رہی ہے نا، اسے ہی چنگ چی کہتے ہیں"۔ اس رکشہ نما شے کو دیکھ کر تو ڈاکٹر صاحب کے ہوش ہی اڑ گئے۔ دیکھنے میں تو رکشہ ہی لگتا تھا مگر اس میں اضافی سیٹیں جوڑ کر کوئی دس بارہ لوگوں کو ٹھونس دیا گیا تھا۔ دو سواریاں تو آگے ڈرائیور کے پہلوؤں سے لگ کر یوں چپکی بیٹھی تھیں کہ جانو جیسے ابھی تیز رفتاری سے چلتے رکشے سے کسی بھی لمحے باہر ہی تو گر پڑیں گی۔ رکشے کے آخری سرے پر سڑک کے رخ جو سیٹیں نصب تھیں ان پر تین خواتین براجمان تو تھیں ہی مگر ساتھ ہی تین دوسری خواتین رکشے کی چھت کو دونوں ہاتھوں سے تھامے پائیدان پر کھڑے ہو کر بھی سفر کر رہی تھیں۔ "اوہ خدایا.....، اس کبوتر کی کابک سے رکشے میں ظالموں نے بھیڑ بکریوں کی طرح سے سواریوں کو بھر رکھا ہے۔ اللہ کی پناہ خواتین پائیدان پر کھڑی ہیں۔ میں نے ایسا منظر آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا"۔ وہ ایسے بولے جیسے کوئی خواب دیکھ رہے ہوں۔

"صاحب جی، آپ دارالحکومت سے آئے ہیں اور روز موٹر وے پر سفر کرتے ہیں جہاں موٹر وے پولیس قانون پر سختی کے ساتھ عملدرآمد کرواتی ہے۔ اسی لیے یہ سب آپ کو عجیب لگ رہا ہے۔ ورنہ خیرآباد شہر کے شہریوں کے لیے تو یہ ایک عام سی بات ہے"۔

"پبلک بسیں بھی نظر نہیں آ رہیں؟"۔

"بسیں.....!" ڈرائیور ایک طویل سانس لیتا ہوا بولا۔ "صاحب.....! آپ شہر میں امن وامان کے مسائل سے واقف ہی ہوں گے۔ آئے دن کی ہڑتالوں، مظاہروں اور دنگے فساد میں مظاہرین اور فسادی سب سے پہلے اِن بسوں ہی کو تو آگ لگاتے ہیں۔ سو بس مالکان نے بھی اپنی اچھی بسیں اندرون ملک بھجوا کر وہاں کے مقامی روٹوں پر چلانا شروع کر دی ہیں جہاں اُن کی بسیں محفوظ رہتی ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے غنڈوں کو بھتہ شتہ بھی نہیں دینا پڑتا تو رقم بھی اچھی کما لیتے ہیں۔ یہاں تو بس اب بسوں کے نام پر شہر میں کچھ اکا دکا پرانے ٹوٹے پھوٹے چھکڑے ہی چلتے ہیں۔ بندے کا اسٹاپوں پر کھڑے کھڑے دم ہی نکل جاتا ہے مگر بسیں آ کر نہیں دیتیں۔ البتہ ویگنیں قدرے زیادہ تعداد میں ہیں۔ مگر دو کروڑ کی آبادی والے شہر میں یہ چند ٹوٹی پھوٹی بسیں اور ویگنیں عوام کی آمدورفت کا مسئلہ حل کرنے کے قابل کہاں.....! ارے ارے.....! یہ دیکھیں صاحب.....! یہ رہی وہ آپ کی ویگن اور اُس کے پیچھے آتی چھکڑا بس۔ خود ہی دیکھ لیں چھتیں تک لوگوں سے کچھا کھچ بھری ہوئی ہیں"۔ ڈاکٹر معراج کو وہ منظر دیکھ کر اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ "کولی ماریں صاحب، ان بسوں اور چنگ چیوں کو۔ ذرا دیکھیں تو، خیرآباد شہر نے کتنی ترقی کر لی ہے۔ یہ فلائی اوورز اور انڈر پاس دیکھ رہے ہیں.....؟ اب تو یہاں باہر جیسے بڑے بڑے شاندار شاپنگ مال بھی بن گئے ہیں"۔ ڈرائیور نے بڑے ہی فخریہ لہجے میں کہا۔

"یہ چند سڑکیں، گارے اور پتھر کے فلائی اوورز اور انڈر پاس۔ آٹے میں نمک کے تناسب سے کروڑوں کی عوام میں موجود چند مراعات یافتہ طبقوں کے لیے اونچے اونچے

Downloaded from https://paksociety.com

اور مہنگے ترین شاپنگ مال جہاں غریب آدمی قدم تک نہیں رکھ سکتا، بنا کر یہ سمجھ لیا ہے کہ شہر ترقی کر گیا ہے۔ عوام کو تو بسوں کی چھتوں اور چنگ چیوں پر چڑھا رکھا ہے۔ سڑکوں کے کناروں اور گرین بیلٹ سے درخت کاٹ کاٹ کر ان کی جگہ دیوہیکل اشتہاری بورڈ نصب کر دیے ہیں۔ جگہ جگہ تعفن زدہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر بکھرے پڑے ہیں۔ تھوڑی بہت جو کسر باقی رہ گئی ہے وہ آدھی سڑک گھیرتی ناجائز تجاوزات نے پوری کر دی ہے۔ ٹریفک قوانین کو بیس بیس روپوں میں خرید لیا گیا ہے۔ یہ بھلا کس قسم کی ترقی ہے......؟" ڈاکٹر ربانی کی بڑبڑاہٹ میں بے حد تلخی تھی۔

اچانک گاڑی ایک زوردار جھٹکے سے رک گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑبڑاتے ہوئے باہر دیکھا تو آگے تمام تر ٹریفک بری طرح جام تھا۔ ڈرائیور نے سرعت کے ساتھ گاڑی کو سڑک کی مخالف سمت موڑنے کی کوشش کی مگر پیچھے اس قدر ٹریفک جمع ہو چکا تھا کہ گاڑی کو پیچھے لے جانے کی کوئی صورت باقی بچ نہ رہی تھی۔ قدرے دور سے اسی سمت آتی ٹریفک نے جب یہ منظر دیکھا تو وہیں سے گاڑیوں کا رخ مخالف سمت موڑ دیا۔ مگر ان کی یہ تدبیر بھی کارگر ثابت نہ ہو سکی۔ تھوڑی ہی دیر میں ساری سڑک تاحد نگاہ شدید ٹریفک جام سے اٹی پڑی نظر آ رہی تھی۔ کچھ ٹریفک سڑک کی سیدھی سمت اور ان کی گاڑی سمیت کچھ مخالف سمت ایک دوسرے کے مقابل کھڑا تھا۔ کان پھاڑ دینے والے ہارنوں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ لوگ باگ اپنی سواریوں سے نکل نکل کر ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ کر صورت حال کا ذمہ دار قرار دے رہے تھے۔ بات کرخت لہجوں سے گالی گلوچ اور پھر ایک دوسرے کے گریبانوں تک جا پہنچی۔ معاملات مزید سنگینی اختیار کر جاتے مگر چند بھلے مانسوں نے فوری طور پر بیچ بچاؤ کروا دیا۔

یہ ہنگامہ محشر کسی قدر تھما تو لوگوں کو احساس ہوا کہ ٹریفک میں پھنسی ایک ایمبولینس مسلسل سائرن بجا کر اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ ایمبولینس کو خالی دیکھ کر لوگ ڈرائیور پر برس پڑے۔ جس پر اس نے بتایا کہ کوئی تین چار کلومیٹر آگے تیز ہواؤں کے

چار بادشاہوں کے مقولے

ابوبکر بن عیاشؒ نے فرمایا۔ چار بادشاہوں نے اپنے اپنے زمانے میں بالکل یکساں باتیں کہیں۔

کسریٰ:۔ میں نہ بولنے پر کبھی نادم نہیں ہوا بولنے پر اکثر نادم ہوا۔

شاہِ چین:۔ جب تک میں نے بات نہ کہی اس وقت میں اس کا مالک ہوں اور کہنے کے بعد اس کا مالک تو ہے۔

قیصر (شاہ روم):۔ جو بات میں نے کہی نہیں اس کے لوٹانے پر زیادہ قادر ہوں بمقابلہ اس کے جو کہہ دی۔

شاہ ھند:۔ وہ شخص قابل تعجب ہے جو (عجلت کے ساتھ) اپنی بات کہہ دے کیونکہ اگر بات پھیل گئی تو نقصان ہوگا نہ پھیلی تو فائدہ کچھ نہیں۔

لاریب...... کراچی

کل اور آج

☆ پہلے اولاد والدین کا سہارا ہوتی تھی اب خسارہ ہوتی ہے۔

☆ پہلے محبوب کو شالا مار باغ دکھاتے تھے اب سبز باغ دکھائے جاتے ہیں۔

☆ پہلے لڑکی کی صورت اور سیرت دیکھی جاتی تھی اب لڑکی کا جہیز۔

☆ پہلے انسان سے محبت کی جاتی تھی اب اس کی جیب سے۔

ریاض بٹ...... حسن ابدال

Downloaded from https://paksociety.com

سبب ایک بہت بڑا اشتہاری بورڈ سڑک پر چلتی گاڑیوں پر آ گرا ہے جس سے متعدد لوگ زخمی ہوگئے ہیں۔ میں وقوعے پر جانے کی کوشش کر رہا ہوں مگر اس شدید ٹریفک جام کے سبب یہیں پھنس کر رہ گیا ہوں۔ زخمیوں میں سے چند کی حالت بے حد تشویشناک ہے اور اگر انہیں جلد از جلد ہسپتال نہ پہنچایا گیا تو......!!!۔

یہ سارا منظر دیکھ اور آگے ہوئے حادثے کے بارے جان میں کر ڈاکٹر معراج کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔ فضاء میں ارد گرد پھیلے گاڑیوں کے سیاہ بدبودار دھوئیں سے سانس لینا مشکل تھا۔ ڈرائیور نے صورت حال جاننے کی غرض سے اتارے گئے گاڑی کے دو کار شیشے چڑھا کر اے سی تیز کر دیا۔

"اُف خدایا......! اتنا شدید حادثہ ہوگیا ہے۔ نہ معلوم کتنی معصوم جانیں داؤ پر لگی ہوں گی اور یہاں ایمبولنس اس بے مقصد ٹریفک جام میں پھنسی ہوئی ہے۔ کسی کو اس ت کی پروا تک نہیں۔ سب کو اپنی پڑی ہے کہ کسی طرح سے میری گاڑی کسی کونے کھدرے، کسی فٹ پاتھ، سروس روڈ اور نہیں تو رانگ سائیڈ سے ہی نکل جائے۔ غضب خدا کا چلتی سڑک پر گاڑیاں موڑ کر مخالف سمت جانے کے چکر میں اس شدید ترین ٹریفک جام کا مزید بیڑا غرق کر کے رکھ دیا ہے۔ کوئی ایمبولنس تک کو راستہ دینے کو تیار نہیں"۔ ڈاکٹر معراج کی آواز میں شدید افسوس تھا ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی رو ہی تو پڑیں گے۔

"ارے صاحب، آپ تو جذباتی ہوگئے۔ یہ تو خیر آباد شہر میں روز کا معمول ہے۔ ایسے ٹریفک جاموں میں جانے کتنے مریض اسپتال پہنچنے سے پہلے ایمبولنسوں ہی میں دم توڑ دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ بیٹھے عزیز و اقارب چلاتیاں دیتے رہ جاتے ہیں۔ کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی"۔ ڈرائیور نے یوں بے پروائی سے بتایا جیسے کوئی بہت ہی معمولی سی بات ہو۔

"اُف خدایا......!"۔ ڈاکٹر معراج کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ "کس قدر بے حس ہو چکے ہیں لوگ۔ اپنی ذرا سی جلدی کے لیے سرخ بتی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ رانگ سائیڈ گاڑیاں چلاتے ہیں۔ جانتے بھی ہو سرخ بتی کا مطلب کیا ہوتا ہے؟"

"ہاں صاحب، جانتا ہوں، کیوں نہیں جانتا۔ سرخ بتی کا مطلب ہوتا ہے رُکنا"۔ ڈرائیور نے فخر سے گردن اکڑاتے ہوئے کہا۔

"رُکنا......مگر کیوں؟" شدتِ جذبات سے وہ چیخ پڑے۔ "تاکہ سڑک پر سارا ٹریفک ایک وقت میں ہی کسی جگہ پر اکٹھا نہ ہو جائے۔ گاڑیاں مناسب وقفہ لیں اور اس دوران مخالف سمت کی گاڑیاں دوسری طرف کو جا سکیں۔ لال بتی پر رکی گاڑیوں کو آگے جانے کے لیے مطلوبہ جگہ میسر آ سکے۔ سڑک پر ٹریفک کی روانی برقرار رہے۔ اس جلد بازی اور سرخ بتی کی خلاف ورزی کے سبب ہی تو ٹریفک جام ہوتا ہے۔ پھر سڑک کی مخالف سمت گاڑیاں دوڑا کر نکل جانے کے چکر میں ٹریفک مزید جام کر دیتے ہیں۔ ٹریفک جام میں پھنسی کسی ایمبولنس میں کوئی مریض مر جائے تو کس قدر بے حسی سے کہتے ہو یہ خیر آباد شہر ہے۔ یہ تو یہاں کا روز کا معمول ہے......! استغفراللہ......! استغفراللہ......!!!"

"صاحب، معلوم ہوتا ہے شاید آپ کو اس شہر کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں"۔ ڈاکٹر کی اس قدر جذباتی تقریر کے باوجود بھی ڈرائیور کا لہجہ بالکل پُرسکون تھا۔ "ٹریفک جام میں دو ایک مریضوں کی موت، ٹریفک حادثات میں مرنے والے آٹھ دس لوگ، لوٹ مار و چھینا جھپٹی کی وارداتوں میں مرنے والے دو پانچ لوگ، راہ چلتے گولی کا نشانہ بن کر اور کسی دہشت گردی کی واردات میں پچیس پچاس لوگوں کے مرنے سے خیر آباد کے لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لوگ مرتے رہتے ہیں اور خیر آباد کے لوگ اپنی زندگیوں میں مگن سر جھکائے چلتے رہتے ہیں کہ یہ تو یہاں روز کا معمول ہے۔ آپ نے اخبارات میں پچھلے ماہِ رمضان میں گرمی کی شدت سے پیدا شدہ امراض سے صرف تین روز میں مرنے والے سولہ سو افراد کے بارے میں کچھ نہیں پڑھا کیا......؟ ابھی کچھ ہی روز پہلے ایک چند ماہ کی بیمار معصوم بچی نے فقط اس سبب اپنے مجبور باپ کے ہاتھوں میں تڑپ تڑپ کر جان دے دی کہ ایک سیاسی جماعت کے لیڈر کا بیٹا اسپتال میں کسی نئی عمارت کا افتتاح کرنے آیا تو سیکورٹی کے لیے اسپتال کے اطراف کو پولیس نے عام آدمی کی آمد و رفت کے لیے

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا

ہے پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ایڈ فری لنکس

ڈاؤنلوڈاور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بُک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

Downloaded from https://paksociety.com

ممنوع قرار دے دیا۔ کوئی شور ہوا.....؟ کوئی کچھ بولا.....؟ کسی پر کچھ بھی اثر ہوا.....؟ لوگ ان سولہ سو لوگ اور اس ننھی بیمار بچی کے مرنے سے پہلے جیسے جیا کرتے تھے اس کے بعد بھی ویسے ہی تو جی رہے ہیں.....!'' ڈاکٹر معراج آنکھیں پھاڑے ڈرائیور کے پرسکون چہرے کو دیکھتے ہوئے یہ ساری باتیں یوں سن رہے تھے جیسے ننھا بچہ کوئی طلسم ہوش ربا کا کوئی دیو مالائی قصہ سن رہا ہو۔

کچھ دیر فضاء میں ایک بوجھل سا سناٹا چھایا رہا۔ پھر ڈاکٹر معراج نے سر کو جھٹکتے ہوئے چند گہرے گہرے سانس لیے اور دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکل پڑے۔ ساتھ کھڑی گاڑی جس میں چار نوجوان سوار تھے کی کھڑکی کا شیشہ اپنی انگلی سے بجانا شروع کر دیا۔ گاڑی کا شیشہ فوری طور پر کھلا۔ انہوں نے نجانے کیا کہا کہ فوری طور پر وہ چاروں نوجوان گاڑی سے باہر آ گئے۔ اب وہ ایمبولینس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ قریب پہنچ کر ڈاکٹر صاحب کا اشارہ پاتے ہی ان چاروں نوجوانوں نے ایمبولنس کے اطراف میں کھڑی دوسری گاڑیوں کے ڈرائیوروں سے ایمبولنس کو جانے کے لیے رستہ دینے کی درخواست کرنا شروع کر دی۔ یہ دیکھ چند اور گاڑیوں سے بھی لڑکے بالے ان کی تقلید میں اتر پڑے۔ کچھ ہی دیر میں وہاں ڈاکٹر صاحب کی کمان و ہدایات میں کام کرتے پندرہ بیس نوجوان ایک تربیت یافتہ کارکنان کی ٹیم کا منظر پیش کر رہے تھے۔ جس گاڑی کو جس قدر جگہ میسر آئی ادھر ادھر کھسکتی چلی گئی۔ کچھ ہی دیر میں ٹریفک سے گھری سڑک کے درمیان اس قدر جگہ بن گئی کہ ایمبولنس گزر جائے۔ چند نوجوان ایمبولنس کے آگے آگے موٹر سائیکل پر ہاتھ ہلا ہلا کر مزید آگے کی گاڑیوں کو ایک جانب ہو کر جگہ دینے کا اشارہ کرتے بالکل یوں چل رہے تھے جیسے حکمرانی کے خمار میں مدہوش طبقے کی سواری کے آگے باوردی پولیس والے موٹر سائیکلوں پر عوامی سواریوں کو روکتے ہیں۔ یہ منظر دیکھ وہاں ٹریفک میں پھنسی ایک نیوز ٹی وی کی رپورٹنگ ٹیم نے علمندی شروع کر دی۔ ایمبولنس کے روانہ ہوتے ہی وہ سارے نوجوان ڈاکٹر معراج کی قیادت میں سڑک پر پھنسی دوسری گاڑیوں کو آگے جانے کا راستہ فراہم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ کوئی گھنٹہ بھر بعد رکا ہوا ٹریفک سڑک پر یوں رواں دواں تھا کہ جیسے کبھی رکا ہی نہ ہو۔ ڈاکٹر معراج جب گاڑی میں داخل ہونے تو تھکن ان کے چہرے سے عیاں تو ضرور تھی مگر ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں بھرپور چمک تھی۔ ''اس سے پہلے کہ یہ ننھا نیم میری جان کو آ جائے فوری طور پر نکل چلو.....!!!''

ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ ابھی کچھ ہی آگے گئے ہوں گے تو سامنے سڑک پر دھواں سا اٹھتا دکھائی دیا۔ معلوم ہوا کہ کسی سیاسی تنظیم کے کارکنان نے سڑک کے عین بیچوں بیچ بہت سارے ٹائروں کو آگ لگا کر سڑک بند کر دی ہے۔ اچانک ڈرائیور کے سیل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ڈرائیور نے سیل فون کان سے لگا کر ہیلو کہا۔

''اوہ.....! اچھا.....! کب؟.....! کیسے؟.....!!''

ڈرائیور مزید کچھ دیر تک فون سنتا رہا اور پھر تھکے تھکے انداز میں فون بند کر دیا۔ ''کیا ہوا میاں ڈرائیور..... سب خیریت تو ہے نا؟'' ڈاکٹر معراج نے اس کے پریشان چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں خیریت ابھی تو نہیں صاحب.....!'' ڈرائیور کے لہجے میں زمانے بھر کا ملال اور آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ ''سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے کارکنان نے جگہ جگہ احتجاج شروع کر دیا ہے۔ شہر کے حساس علاقوں میں تو دکانیں بند کروانے، پتھراؤ، توڑ پھوڑ، جلاؤ گھیراؤ اور نہ معلوم افراد کی طرف سے فائرنگ کا سلسلہ شروع بھی ہو گیا ہے۔ لوگ زخمی اور جاں بحق بھی ہوئے ہیں.....!''

''مگر کیوں.....! ایسا کیا ہوا بھلا؟.....!'' ڈاکٹر صاحب نے حیرت بھرے سوالیہ لہجے میں دریافت کیا۔

''صاحب.....! ابھی چار گھنٹے قبل شہر بھر میں جو تیز ہوائیں چل رہی تھیں نا.....! ان کی زد میں آ کر برگد کا بوڑھا پیڑ گر گیا.....!''

ایک سو سولہ چاند کی راتیں

عشنا کوثر سردار

یہ ناول 1947ء کے تقسیم ہندوستان کے پس منظر میں ہے، اس کے تمام کردار تقریباً 69 سال قبل کے ہیں جنہوں نے Partition سے ایک سو سولہ دن قبل جنم لیا، انڈو پاک کی تقسیم جب ہونے جا رہی تھی اس دوران اپنا سفر شروع کیا، جہاں ایک پاک سرزمین کی تاریخ رقم ہوئی ہمیں ایک آزاد مملکت کا احساس ملا وہیں محبت نے دلوں میں گھر بھی کیا، یہ سفر تب شروع ہوتا ہے جب ناول کے دو کردار پہلی بار 18 اپریل 1947ء کو ملے۔ اس سے آگے کی ایک سو سولہ راتیں ان کی ان کہی محبت کا ایک سفر ہے۔ جب تاریخ رقم ہو رہی تھی زمین ٹکڑوں میں تقسیم ہو رہی تھی تب خاموشی میں کہیں محبت دلوں کو جوڑ رہی تھی۔ زمین کی تقسیم نے دلوں کو تقسیم نہیں کیا تھا دلوں کو جوڑ دیا تھا اس تقسیم کی جو صعوبتیں ہماری ان نسلوں نے سہی تھیں ان کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے مگر میں نے اس تکلیف کو اپنے اندر محسوس کیا ہے۔ میرے ناول کے کردار ان مصائب سے گزرے ہیں اور ان کے ساتھ میں نے بھی ان مصائب کی تکلیف کو محسوس کیا ہے وہ ڈر..... وہ خوف..... تمام احساسات میرے اندر کہیں مجھے محسوس ہوتے رہے ہیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded from https://paksociety.com

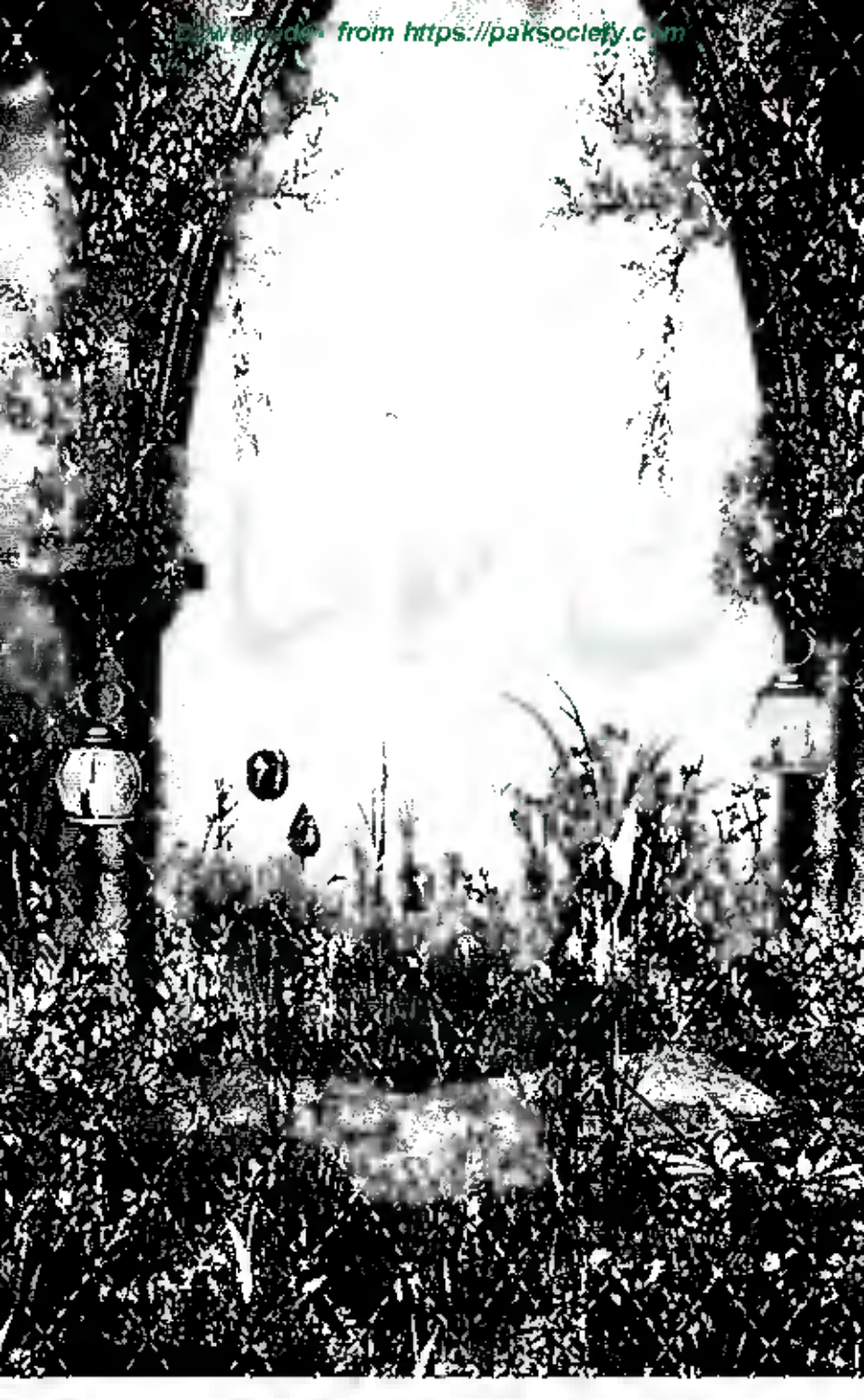

Downloaded from https://paksociety.com

"عین آپ ایسے ہمت کیسے ہار سکتی ہیں۔ آپ ایک بہادر لڑکی ہیں ہاتھ دیجیے پلیز، ہمارا یہ سفر ہمارے لیے نہیں ہے ہم اپنے لیے پاکستان جانے کا قصد نہیں کررہے، یہ سفر ہم نے آپ کے لیے آغاز کیا ہے اس سفر کا باعث آپ ہیں، ہم آپ کے بنا اس سفر کو جاری نہیں رکھ سکتے۔ آپ کو اپنے حیدر میاں سے ملنا ہے نا، آپ کو اپنی آئندہ کی زندگی ان کے ساتھ گزارنا ہے نا؟" تیمور نے پوچھا تھا۔ عین النور نے انہیں کم ہمتی سے دیکھا تھا اور ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

"گڈ گرل۔" تیمور اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا ٹرین قریب آتی دکھائی دے رہی تھی قریب ہی جھاڑیوں میں چھپا ہجوم بھی متحرک ہوتا دکھائی دے رہا تھا، تیمور نے عین کا ہاتھ تھام کر ٹرین کی سمت دوڑنے لگا تھا ٹرین تیزی سے ان کی سمت بڑھ رہی تھی۔

عین کی سانسیں جیسے رک رہی تھیں تیمور کا ہاتھ تھام کر سرپٹ دوڑتے ہوئے اسے جانے کیوں احتمال تھا کہ اس ٹرین کی زنجیر کوئی نہیں کھینچے گا وہ اپنے اندر انتہائی خوف محسوس کررہی تھی اسے موت کا ڈر نہیں تھا مگر اپنی آبرو بچا کر انڈیا کی سرحد پار کرنا چاہتی تھی ان چند لمحوں کے دورانیے کے دوران وہ ٹھان چکی تھی اگر وہ اس ہجوم کے ہاتھوں پکڑی گئی تو وہ مرنے کو ترجیح دے گی اور اپنی آبرو بچالے گی وہ بلوائیوں کے ہاتھوں یرغمال نہیں بننا چاہتی تھی ایک تو بھاگنے کے باعث دھڑکنیں بے ترتیب تھیں دوسرا خوف بلوائیوں کا تھا اور اس ڈر کے باعث عین النور کو اپنا دل ڈوبتی رفتار سے دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا اس خوف میں لمحہ بھر کو آنکھیں میچیں تھیں تو کتنے اپنے پیارے چہرے دکھائی دیے تھے۔

بلوائیوں کے باعث علاقے میں خوف وہراس پھیلا تھا وہ دبک کر ایک کونے میں بیٹھی تھی جب محل کا بیرونی گیٹ توڑ کر بلوائی محل کے اندر داخل ہوئے تھے اور بیرونی احاطے کا گھیراؤ کرلیا تھا ان میں سے بہت سے بلوائی محل کے اندر داخل ہوئے تھے اور لوٹ مار مچا دی تھی کوئی تجوری کھول کر مال و دولت لوٹ رہا تھا کسی کو قیمتی سامان درکار تھا اور کچھ کو دہشت پھیلانا مقصود تھی چار سکھ بلوائی آگے بڑھے تھے اور ابا کا گلا دبوچ لیا تھا وہ تیزی سے ابا کی طرف بڑھی تھی لیکن ابا نے اس کی سمت دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں بھاگ جانے کا اشارہ کیا تھا بلوائی اس کی سمت پشت کیے کھڑے تھے سو وہ اسے دیکھ نہیں پائے تھے جانے کس نے عین کے پاؤں جکڑ لیے تھے اماں نے آگے بڑھ کر اسے حویلی کے تہہ خانے کی طرف دھکیلا تھا وہ بامشکل اس خوف کے لمحے میں اپنے حواس بیدار کر پائی تھی۔

"عین، اللہ کے واسطے بھاگ جاؤ یہاں سے یہ تمہیں بھی مار دیں گے۔" دادی جان کی بوڑھی کانپتی ہوئی آواز اس کی سماعتوں میں پڑی تھی وہ تہہ خانے میں جانے والی سیڑھیوں کی سمت دوڑی تھی مگر یکدم رک گئی تھی اور پلٹ کر دیکھا تھا بلوائیوں نے بے دردی سے دادی جان کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا تھا ایک نے تلوار سے اماں پر وار کیا تھا۔

"بڑا لیڈر بنا پھرتا تھا کتنے بیان دیتا رہا کہ ہم اونچی ذات والوں کے خلاف ہم ہندوؤں کی برتری قبول نہیں تھی تجھے، بلا اپنے مسلمان بھائیوں کو آکر تجھے پاکستان لے جائیں۔" ایک اونچی ذات کے ہندو نے ابا کے منہ پر تماچہ مارا تھا عین تہہ خانے میں جانے کی بجائے ابا کی طرف دوڑی تھی۔

"ابا۔" وہ چیخی تھی دادا جان اور دادی اماں کے وجود زمین پر ڈھیر تھے اماں ذرا ہوش میں تھیں ہاتھ نفی میں ہلا کر عین کو وہاں سے بھاگ جانے کو کہہ رہی تھیں مگر عین ان کا اشارہ نظر انداز کرتی ہوئی دیوار پر لگی ابا کی تلوار کھینچ کر آگے بڑھی تھی اور ایک سکھ بلوائی کے پیٹ میں تلوار گھسا دی تھی، باقی کے چار بلوائی اسے حیرت سے دیکھنے لگے تھے، ابا نے اسے پکارا تھا۔

"عین، بیٹا بھاگ جا یہاں سے کوئی آرہے۔" ابا چیخے تھے۔ مگر وہ یونہی ساکت سی کھڑی رہی تھی بلوائی جو ایک بلوائی کے مارے جانے پر اسے خوف سے دیکھ رہے تھے ان کی حیرت اور خوف میں کچھ کمی ہوئی تھی کیونکہ عین ایک بلوائی کا قتل کرکے خود کو مجرم محسوس کررہی تھی اس کا خون دیکھ کر اور اپنے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر وہ ساکت کھڑی تھی۔

"اوئے لیڈر، بیٹی تو بہت خوب صورت ہے تیری۔" ایک بلوائی ابا کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا اس کی ہوس سے بھری نظریں عین کو دیکھ رہی تھیں عین نے ابا کی طرف دیکھا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''بھاگ عین پتر اوتھوں آ وے، لکا وے۔'' ابا نے اسے چیخ کر پکارا تھا وہ تب بھی جیسے ساکت تھی اماں کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں دادی جان کا بوڑھا وجود بے جان ہو چکا تھا۔

''نواب صاحب مال تو بڑا جمع کر رکھا ہے قبر میں ساتھ لے کر جانا تھا کیا، اور یہ بیٹی کیا ابھی تیرے ساتھ قبر میں جاتے گی اس کو بچانے کو اتنا پاگل کیوں ہو رہا ہے تو؟'' ایک اونچی ذات کے ہندو نے عین کو میلی نظروں سے دیکھا تھا۔

''اوئے ابھو تے میں اپنی وہٹی بناؤں گا، اتو کوئی نہ ویکھے۔'' ایک سکھ اس کی طرف بڑھا تھا عین نے اس کی طرف سرعت سے تلوار کا وار کیا تھا مگر اس نے تلوار کو پکڑ لیا تھا اور اسے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا تھا۔

''سوہنیو اوہ پھل ورگے ہتھاں وچ تلوار جچ دی، نسی تا چوڑیاں ہی پاؤ، اے تلوار ساڈے لئی چھڈ دیو اسی تساں دی حفاظت جان تو ودے کراں گے۔'' وہ خباثت سے ایک آنکھ دبا کر بولا تھا۔ عین نے اس کے ہاتھ سے تلوار کھینچنے کی کوشش کی تھی مگر وہ سکھ اونچا لمبا اور زور آور تھا ابا نے اس کی طرف آنے کی اپنی سی کوشش کی تھی مگر بلوائیوں نے انہیں دبوچ رکھا تھا۔

''بھاگ جاؤ عین۔'' ابا نے چیخ کر کہا تھا۔

عین نے غصے سے تلوار کھینچی تھی، سکھ بلوائی کے مضبوط وجود اور طاقت نے اس تلوار کو دو حصوں میں بانٹ دیا تھا تلوار کا اگلا حصہ اس سکھ بلوائی کے ہاتھ رہ گیا تھا اور پیچھے کا حصہ عین کے ہاتھ میں۔

''بھاگ میری بچی۔'' ابا چیخے تھے اور تب عین نے اس تلوار کو اس سکھ کے سر کے درمیان اتارتے ہوئے پلٹ کر اندر کی سمت دوڑ لگا دی تھی ایک بلوائی اس کے پیچھے دوڑا تھا مگر وہ تیزی سے ایک روم کے اندر گھس گئی تھی اور خود کو پلنگ کے نیچے چھپا لیا تھا بلوائی طیش میں آ گئے تھے انہوں نے ابا پر اٹیک کر دیا تھا ان کا سر تن سے جدا کر دیا تھا اسے دکھائی دیا تھا وہ اس کی تلاش میں یہاں وہاں دوڑ رہے تھے وہ خود پر قابو پائی ہوئی خوف کے مارے سانس روک کر بیڈ کے نیچے لیٹی ہوئی تھی جب کسی کے قدم وہاں آ کر رکے تھے عین کی سانس بند ہونے کو تھی وہ اندھیرے میں بیٹھ کے نیچے ہوئی ایسی شے ٹٹولنے لگی جس کا وار کر کے وہ خود کو ان بلوائیوں سے بچا سکے کسی نے جھک کر اس کا ہاتھ تھاما اور عین کی چیخ نکل گئی تھی۔

❀......❀......❀

عین بھاگتے ہوئے اپنی تیز دھڑکنوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے ٹرین کی طرف دوڑ رہی تھی تیمور کا اندازہ درست تھا کسی نے ٹرین کی زنجیر کھینچ دی تھی ٹرین کی رفتار سست پڑنے لگی تھی تیمور جوش سے چیخا تھا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا عین یہ ٹرین رکے گی اس ٹرین کے رکنے سے قبل ہمیں اس ٹرین میں سوار ہونا ہے۔'' وہ چیخا تھا۔

''نہیں تیمور، ہم اس ٹرین میں سوار ہو بھی گئے تو ہم زندہ نہیں بچیں گے ہم مارے جائیں گے بلوائیوں کی ایک فوج وہاں آگے جھاڑیوں میں چھپی ہوئی اس ٹرین پر حملہ کرنے کی منتظر ہے وہ اس ٹرین کو با حفاظت پاکستان نہیں جانے دیں گے۔'' سست پڑتی ٹرین کی طرف دوڑتی ہوئی عین النور ایک یاسیت سے بولی تھی اس کا لہجہ بے جان اور مایوس کن تھا۔

''آپ زندہ رہیں گی عین اس کا یقین ہم آپ کو دلاتے ہیں جب تک ہم زندہ ہیں آپ خود کو محفوظ سمجھ سکتی ہیں ہم نہ رہے تو آپ جو مناسب سمجھیے گا، کیجیے گا۔'' تیمور نے کہا تھا اس کا لہجہ پر یقین تھا وہ تیاری کے ساتھ اس کے ساتھ آیا تھا اس کے لہجے کی مضبوطی بتا رہی تھی وہ ان خطرات سے نمٹ سکتا تھا عین اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''آپ اس ٹرین میں سوار ہو جائیں۔'' تیمور بہادر بار جنگ نے اسے ٹرین میں سوار ہونے کے لیے اکسایا تھا۔

''نہیں ہم اکیلے اس ٹرین میں سوار نہیں ہوں گے تیمور۔'' وہ اڑ گئی تھی۔

''ہم کہہ رہے ہیں نا آپ سے، ہمارا یقین کیجیے عین النور ہم آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے، آپ اس ٹرین میں سوار ہوں ہم آپ کے ساتھ ہی ہیں۔'' تیمور نے کہا تھا عین نے خوف سے بھری آنکھوں سے تیمور کی طرف دیکھا تھا تیمور نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی ہمت بڑھائی تھی۔

''کم آن عین النور، ہو کین مینج اٹ، آپ اتنی بہادر

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں آپ اپنی حفاظت خود بھی کرسکتی ہیں مگر آپ کو تنہا نہیں چھوڑ رہے ہم آپ کے ساتھ ہیں پلیز ٹرین میں سوار ہو جائیے۔" تیمور نے درخواست کی تھی اور اسے ٹرین میں سوار ہونے کے لیے اکسایا تھا عین نے ایک نیم جاں سی نظر تیمور پر ڈالی تھی اور سست پڑتی ٹرین میں سوار ہوگئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی اب اگر وہ تیمور سے دوبارہ مل بھی سکے یا نہیں۔ اسے یقین نہیں تھا اپنے بہت تنہا رہ جانے کا احساس ہوا تھا ٹرین میں موجود لوگوں نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

"ڈریے مت، ہم مسلمان ہیں بلوائیوں سے جان بچا کر اس ٹرین میں سوار ہوئے ہیں ہم آپ کی طرح پاکستان جانے کے خواہش مند ہیں ایک خوف کے باعث عین نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیر کر کہتے ہوئے ان لوگوں کے تاثرات دیکھنا چاہے تھے شاید وہ سہمے ہوئے تھے ٹرین کی زنجیر کھینچنے کے باعث ہر چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں، عین دوپٹے سے چہرہ چھپاتی ہوئی ایک سیٹ پر بیٹھ گئی تھی تیمور جانے کہاں گیا تھا ٹرین کی رفتار سست پڑ رہی تھی۔

"بیٹا آپ یہاں ویرانے میں کیا کر رہے تھے ہمیں تو لگا یہ بلوائیوں کی کوئی چال ہے کیا یہ ٹرین آپ کے باعث رکوائی گئی ہے۔" ایک خاتون نے اس کی سمت دیکھ کر پوچھا تھا عین نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا تھا اور ٹرین کے دروازے کی سمت تکتی ہوئی تیمور کو ڈھونڈنے لگی تھی تیمور کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"کہیں تم بلوائیوں کا حصہ تو نہیں، انہوں نے کسی سازش کے تحت تمہیں ٹرین میں سوار کرا دیا ہو تا کہ لڑکی کو دیکھ کر کوئی شک نہ کرے اور ٹرین پر حملہ آسان ہو جائے۔" ایک بزرگ نے اس کی سمت شکی نظروں سے دیکھا تھا وہ سہم گئی تھی اور سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں، ہم بلوائیوں کا حصہ نہیں ہیں ہم لکھنؤ کے نواب سیف الدین پٹوڈی کی دختر ہیں ہم بھی آپ کی طرح جان بچا کر بھاگے ہیں۔" عین النور نے انہیں یقین دلانا چاہا تھا ہر نگاہ اسے گھور رہی تھی جیسے وہ اس کے کہے کا یقین نہیں کر رہے تھے۔

ٹرین کی رفتار سست سے سست تر ہوتی محسوس ہوئی تھی تیمور جانے کہاں رہ گیا تھا کہیں وہ اس سے بچھڑ تو نہیں گیا تھا دانستہ تو ہاتھ نہیں چھڑا گیا تھا عین سانس روکے بیٹھے دل ہی دل میں دعا کرنے لگی تھی۔

بلوائی کسی بھی لمحے ٹرین پر حملہ آور ہو سکتے تھے وہ ٹرین کے مسافروں کو بلوائیوں کی اس فوج کے بارے میں آگاہ نہیں کرسکتی تھی جو اس وقت کچھ فاصلے پر جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے وہ آنکھیں بند کیے پوری شدت سے دعائیں مانگنے لگی تھی۔

خوف اس طور طاری تھا کہ دھڑکنوں کی رفتار سست پڑ رہی تھی بلوائی کسی بھی وقت اس ٹرین کو موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے وحشت سے ہر کوئی سہما ہوا تھا اگر چہ ٹرین کے مسافران بلوائیوں کے بارے میں نہیں جانتے تھے مگر بس کسی نہ کسی طرح اس خطرے کو محسوس کر رہے تھے۔

"یا اللہ خیر ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔" اس کے ساتھ بیٹھی ادھیڑ عمر خاتون نے باآواز بلند کہا تھا ٹرین میں اردگرد بیٹھے لوگوں نے باآواز بلند آمین کہا تھا۔

"اس لڑکی سے چوکنا رہنا ضروری ہے مجھے اس پر شک ہے ٹرین رکنے کا باعث یہی ہے اور مانو یا نہ مانو اس کا تعلق بلوائیوں سے ہے۔" اس بزرگ نے اس کی طرف اشارہ کرکے کہا تھا۔

وہ آنکھیں کھولے بنا زور و شور سے دعائیں مانگنے لگی تھی۔

تبھی سست ہوتی ٹرین کی رفتار یکدم رفتار پکڑنے لگی تھی ہر کوئی حیرت سے اس صورت حال پر حیران تھا ٹرین کی رفتار بڑھتی گئی تھی جھاڑیوں کے پاس سے گزرتے ہوئے بلوائیوں کا شور سنائی دیا تھا مگر بلوائی ٹرین کی رفتار کے باعث ٹرین میں سوار نہیں ہو پائے تھے ٹرین میں خوشی سے ایک شور بلند ہوا تھا ایک اطمینان کی لہر دوڑ گئی تھی چہروں پر اطمینان آ گیا تھا عین النور نے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور منتظر نظروں سے یہاں وہاں دیکھا تھا۔

"شکر الحمدللہ ہم بلوائیوں کے حملے سے بچ گئے سازش ناکام ہوگئی ٹرین ڈرائیور یقیناً ایک نیک انسان ہے جس نے بروقت اقدام کرکے ٹرین کو یکدم آگے بڑھا دیا تھا اور اس سازش کو ناکام بنا دیا تھا۔

"تیمور تم کہاں ہو۔" عین بے قراری سے اٹھ کر

Downloaded from https://paksociety.com

دروازے کے پاس جانے لگی تھی جب ایک خاتون نے اس کا ہاتھ تھام کر روک دیا تھا۔

"بیٹا کہاں جا رہی ہو، چلتی ٹرین سے کودنے کا ارادہ ہے کیا۔"

"نہیں...... وہ...... وہ تیمور۔" وہ بولنے کی کوشش کرتی وہیں رک گئی تھیں۔

"بیٹا شوہر ہیں آپ کے پچھلے اسٹیشن پر چھوٹ گئے ہیں کیا؟" خاتون نے ہمدردی کر کے پوچھا تھا۔

"نہیں وہ تیمور ہمارے ساتھی تھے انہوں نے ہمیں ٹرین پر سوار کروایا تھا اور خود پتا نہیں کہاں چلے گئے۔"

"آؤ ادھر بیٹھو ابھی ٹرین اگلے کسی جنکشن پر رکے گی تو اپنے خاوند کو دیکھ لینا، شاید وہ کسی اور ڈبے میں سوار ہو گئے ہوں گے۔" خاتون نے اسے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا عین خاموش سی بیٹھ کر دروازے کی سمت دیکھنے لگی تھی جیسے تیمور ابھی یہاں سے آ جائے گا۔

"کہیں ٹرین کو تمہارے خاوند نے تو نہیں چلا کر آگے بڑھایا۔" خاتون نے کہا تھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

تمہارے کپڑوں پر تو کئی جگہ خون کے دھبے ہیں کیا تمہارا باقی خاندان بلوائیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔" ان خاتون نے پوچھا تھا عین النور کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے مگر وہ کچھ بول نہیں پائی تھی تب خاتون نے اسے تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

"بیٹا ہم سب کی کہانی ایک ہی ہے ہم میں سے ہر کوئی کسی نہ کسی کو کھو کر یہاں سے جا رہا ہے اس تقسیم نے جہاں ایک نئی سرزمین کی نوید دی ہے وہیں ان بلوائیوں کو بھی آفت بنا کر ہم مسلمانوں پر مسلط کر دیا ہے حوصلہ رکھو بچی۔" خاتون نے عین النور کو تسلی دی تھی۔

"دیکھو اس ٹرین کے سارے ڈبے کھچا کھچ لوگوں سے بھرے ہیں اور ان میں سے ہر کوئی ایسے ہی حالات سے سامنا کر کے اس ٹرین تک پہنچا ہے ہر کوئی کسی نہ کسی کو گنوا کر ہی آیا ہے شاید اللہ کو یہی منظور تھا۔" خاتون نے تسلی دی تھی اور عین النور کے آنسو پونچھے تھے۔

"اللہ تمہیں تسلی دے اور تمہارے خاوند کی حفاظت کرے۔" خاتون نے اسے دعا دی تھی عین النور نے فی الفور کوئی وضاحت نہیں دی تھی خاموشی سے ٹرین کے

غزل

تمہارے ساتھ نے مجھے دیا کیا ہے جفاؤں کے سوا
زندگی کچھ ایسی ہی گزری ہے سزاؤں کے سوا
تیرے دکھوں کا مرے پاس کوئی مداوا نہیں
میں تم کو دوں اور کیا دعاؤں کے سوا
بدل بدل کے نئے روپ جو اپنانے لگو تم
میرے پاس کیا رہ جائے گا وفاؤں کے سوا
وہ نہیں دے سکتا اپنا آپ مجھے تو کیا ہوا
کچھ اور مجھے نہ چاہیے بس نگاہوں کے سوا
وفا پر اس کی نگاہ کب پڑے گی اے صفی
اسے تو کچھ بھی نہ بھائے فقط اداؤں کے سوا

غزل

ہاں تیرے قدموں کے نشان ہم چھوڑ آئے
مت پوچھو کیا ستم ہوا جنت سے منہ موڑ آئے
صبح کے اجالوں اور رتجگوں میں وہ تیرا ذکر
ناتہ تو اس جہاں سے اب توڑ آئے
وہ ہمارے خواب ہماری آرزوؤں کا ہوا؟
بریدہ لبوں سے شاید رشتہ جوڑ آئے
جی میں اپنے بھی تھا کہ یہ تعلق رہے باقی
ہاں مگر رسم دنیا کے لیے آج اصول توڑ آئے
رسم زمانہ نبھانے کی خاطر کیوں اے صفی
بار ہا تیری گلی آج بس وہیں چھوڑ آئے

غزل

زندگی کہیں روٹھ نہ جائے
ساتھ اپنا کہیں چھوٹ نہ جائے
وقت نازک کو دیکھ کر دل تھام لیا
وچھوڑا ہم دل کہیں ٹوٹ نہ جائے
نہیں ہے مجھ کو ایسی وفاؤں پہ جبر
بات اتنی سی ہے نصیب کہیں روٹھ نہ جائے
ساتھ اپنا ہے سلامت رہے سدا لیکن
وفاؤں کے ہیں دل کہیں ٹوٹ نہ جائے
صفی دل سے بھی دعا کر لے اب تو
خدا دل سے بھی دعا کر لے اب تو
صفی دل سے بھی دعا کر لے اب تو
خدا را ہاتھ تیرا یہ بھی چھوٹ نہ جائے

صفیہ انور صفی

Downloaded from https://paksociety.com

دروازے کی سمت دیکھنے لگی تھی جسے تیمور چلتی ٹرین سے کود کر اندر آتا جائے گا کیا یہ سچ تھا کہ تیمور نے اس ٹرین کو چلا کر آگے بڑھایا تھا عین النور نے سوچا تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی اگر اس کا قیاس درست ہے کہ نہیں۔ مگر اس نے گہری سانس لے کر سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکا دیا تھا اور کئی یادیں ذہن کے خانوں پر دستک دینے لگی تھیں۔

❁......❁......❁

عین النور کی چیخ اس سے قبل کہ کسی کو اپنی سمت متوجہ کرتی کسی نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور تب وہ اندازہ کر پائی تھی کہ لمس کوئی اجنبی نہیں تھا اس میں ایک خاص تحفظ تھا اور اس کی موجودگی سے اور گرد کا خوف کم ہونے لگا تھا عین نے اندھیرے میں پہچان کرنا چاہا اس کے قریب کون ہے۔" تبھی بولی تھی۔

"کو......کون ہے......جلال؟"

"نہیں میں تیمور ہوں۔" تیمور نے مدہم لہجے میں کہتے ہوئے اسے بیڈ کے نیچے سے نکلنے میں مدد دی تھی عین النور نے بیڈ کے نیچے سے نکل کر اسے دیکھا تھا۔

"تم ٹھیک ہو نا۔" تیمور نے اس کا چہرہ فکرمندی سے چھوا تھا عین نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا وہ بہت خوفزدہ اور نڈھال لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جیسے پتھرائی ہوئی تھیں۔

"سب......سب مار گئے تیمور۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا تیمور نے نرمی سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے اس کے آنسو پونچھے تھے۔

"جلال کہاں ہے۔" تیمور نے پوچھا تھا۔

"اس کی کل رات سے خبر نہیں۔" عین النور بھائی کو تلاش کرنا چاہتی تھی تبھی بولی تھی۔

"میں جلال کے بنا کہیں نہیں جاؤں گی تیمور۔"

"ہاں لیکن حیدر تمہیں ساتھ لے جانے کا منتظر ہے اور سیف انکل کی مرضی تھی کہ اگر کچھ ہو جائے تو آپ کو بحفاظت حیدر کے ساتھ پاکستان جانے دیا جائے کیا آپ چاہتی ہیں ہم جلال کو تلاش کریں۔" تیمور نے دریافت کیا تھا وہ نڈھال سے سر انکار میں ہلانے لگی تھی۔

"ہم جلال کے بنا یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے ہمارا بھائی ہماری دنیا ہے ہم سب رشتے گنوا چکے ہیں ہم جلال کو گنوانا نہیں چاہتے ہمارا بھائی ہمارے لیے ہر رشتے سے زیادہ اہم ہے ہم ان کے بنا پاکستان نہیں چھوڑ سکتے۔" عین ضدی لہجے میں بولی تھی۔

"ہاں ہم سمجھتے ہیں آپ کے جذبات کی قدر کرتے ہیں ہم مگر آپ کی باقی ماندہ زندگی آپ کے حیدر میاں کے ساتھ ہے آپ کی تو یہی خواہش تھی نا۔" تیمور نے مدہم لہجے میں اسے یاد دلایا تھا عین نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ہاں ایسا تھا مگر جلال بھی ہمارے لیے اہم ہیں ابا نہیں رہے اماں نہیں رہیں جلال نہیں ہم ان کو نہیں کھو سکتے۔ ہم پاکستان نہیں جائیں گے حیدر کو جانا ہے تو جائیں۔" اس نے مدہم لہجے میں کہا تھا۔ آنسو آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔

"بلوائیوں نے بے دردی سے سب ختم کر دیا ہماری دادی جان کو ہماری اماں کو اور ہمارے ابا کو بھی کیا باقی رہا ہے تیمور۔ یہ سوچا تھا ہم نے ایسے پاکستان جائیں گے ہم نہیں تو اپنے کنبے کے ساتھ پاکستان جانا تھا ہماری خوشی تو ان سب چیزوں سے تھی نا، خوشی کیا ہوتی ہے تیمور ہماری خوشی وہ لوگ تھے جنہوں نے ہمیں پیدا کیا ہمیں پروان چڑھایا کوئی دشمن ان رشتوں سے بڑھ کر نہیں ہوتا اگر ہمیں جلال نہ ملے تو ہم انڈیا سے کہیں نہیں جائیں گے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے تیمور نے ہاتھ بڑھا کر ان کی آنکھوں کو پونچھا تھا۔

"آپ ہمارے ساتھ چلیے جو ہماری ذمہ داری ہے ہم وہ پورا کر دیں سیف چاچا نے کہا تھا کچھ بھی ہو آپ کو بحفاظت حیدر میاں تک پہنچا دیں آپ ہمیں اپنا وعدہ ایفا کرنے دیں عین النور۔" تیمور نے گویا درخواست کی تھی عین نے انہیں خاموشی سے دیکھا تھا۔

"چلیے ہمارے ساتھ۔" تیمور نے اس کا ہاتھ تھام کر کھڑا کیا تھا وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی پھر خوف سے بولی تھی۔

"باہر بلوائی ہیں وہ آپ کو بھی نقصان پہنچائیں گے آپ یہاں سے جائیے ہماری پروا مت کریں اس کل کو نقصان پہنچا ہے انہوں نے وہ کسی کو نہیں چھوڑیں گے ان کے سر پر خون سوار ہے۔" وہ ایک خوف کے عالم میں بول رہی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"اور ہم آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے نواب زادی عین النور ہم نے سیف الملک سے وعدہ کیا ہے ہم آپ کو بحفاظت حیدر میاں کے ساتھ پاکستان جانے والی ٹرین پر بٹھائیں گے ٹرین چل جانے پر تسلی کر کے ہی لوٹیں گے آپ ہمیں چاہے کتنا ہی منع کردیں اور جلال کی پروا آپ نہ کریں ہم نہیں ہیں۔ ہماری فیملی ایک ہفتے بعد کسی ٹرین سے پاکستان جانے والی ہے ہم ان کے ساتھ جانے تک یہیں رکیں گے جلال کو ڈھونڈنا ہماری ذمہ داری ہے ہم جلال کو ساتھ لے کر پاکستان آئیں گے ہمارا وعدہ ہے۔"

تیمور نے مدہم لہجے میں وعدہ کیا تھا۔

"اور آپ ان بلوائیوں کی پرواہ مت کریں ہمارے حفاظت کرنے والوں نے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے ہمیں اطلاع مل گئی تھی کہ محل پر حملہ ہوا ہے ہم اپنے آدمی ساتھ لے کر آئے تھے۔" تیمور نے بتایا تھا۔

عین نے اسے دیکھا تھا وہ اس کے سامنے مضبوطی سے تنا کھڑا تھا جیسے وہ واقعی اسے محفوظ کرسکنے کی صلاحیت اور ذمہ داری رکھتا تھا۔

"ہم نہیں چاہتے تیمور آپ کو ہماری وجہ سے کوئی تکلیف ہو۔" وہ مدہم لہجے میں بولی تھی۔

"آپ ہماری فکر نہ کریں ہم بلوائیوں سے نمٹنا جانتے ہیں اتنے کمزور نہیں ہیں ہم جن ہتھیاروں سے یہ ہندو اور سکھ آج کھیل رہے ہیں ان سے ہم اپنے بچپن سے کھیلتے آئے ہیں فریڈم فائٹر خاندان سے ہیں ہم ان بلوائیوں سے ڈرنے والے نہیں یہ نامرد ہیں جو نہتے لوگوں پر حملہ آور ہوتے ہیں خواتین اور بچوں کو اپنا شکار بناتے ہیں۔

بھیڑیوں کی طرح جھنڈ میں آتے ہیں اور شکار کرتے ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے بزدلوں سے ڈرنا سب سے بڑی بزدلی ہے اور تیمور بہادر یار جنگ بزدل نہیں ہے آپ نے کبھی بھیڑیوں کے جھنڈ سے شیر کو ڈرتے دیکھا ہے نہیں نا سو آپ یہ کیسا اخذ کررہی ہیں کہ ہم ان بھیڑیوں کے جھنڈ سے ڈر جائیں گے۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا تھا عین النور اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

تیمور بہادر یار جنگ نے اس کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلایا تھا اور تب عین نے جانے کیا سوچ کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا تیمور اسے لے کر باہر کی سمت بڑھنے لگا تھا عین النور ڈبڈبائی پتھرائی آنکھوں سے یہاں وہاں بکھرے خون کو دیکھ رہی تھی شاید تیمور نے اپنے آدمیوں سے کہہ کر اماں ابا اور دادی جان کی لاشیں دفن ہونے کو دے دی تھیں کتنی یادیں اس محل سے جڑی تھیں۔

ان کے بچپن کے قہقہے، شرارتیں ابا جان سے جلال کی شکایتیں کتنی آوازیں گونج رہی تھیں۔

دادی جان کی نصیحتیں محبت بھری ڈانٹیں ان کی شفقتیں اور اماں جان کا محبت بھرا لہجہ ان کی فکریں محبت سے لبریز باتیں کتنی آوازیں رستہ روک رہی تھیں وہ ٹھٹک کر رکی تھی تیمور نے ان کی طرف دیکھا تھا۔

عین النور نے سرنفی میں ہلا دیا تھا ان کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"ہم نہیں جائیں گے۔" وہ حوصلہ ہار رہی تھی تیمور نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ان کو حوصلہ مند رہنے کی تلقین کی تھی اور ان کو لے کر چلتا ہوا موٹر کار میں آ بیٹھا تھا لکھنؤ کے اسٹیشن پر حیدر ان کا انتظار کررہے تھے اور تیمور کو ہر صورت میں عین النور کو بحفاظت ان تک پہنچانا تھا۔

"آپ باہمت لڑکی ہیں آپ اس طرح حوصلہ نہیں ہار سکتیں، جو لڑکی بلوائیوں سے لڑسکتی ہے وہ زندگی کے ہر خطرے سے لڑسکتی ہے۔" تیمور نے اس کا حوصلہ بڑھایا تھا وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھی پتھرائی سی بیٹھی تھی مگر ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے جارہے تھے۔

❁......❁......❁

"کیا ہم پاکستان کی سرحد کے پاس پہنچ گئے ہیں کیا ہم کہیں آس پاس ہیں۔" آنکھ کھلنے پر عین النور نے ساتھ بیٹھی خاتون سے پوچھا تھا۔

"نہیں بیٹا ابھی کہاں ابھی تو ہم انڈیا کی سرحدوں میں ہی ہیں، دشمن کا خطرہ تو ابھی بھی سر پر منڈلا رہا ہے پاکستان تو ابھی دور ہے۔" خاتون نے بتایا تھا۔

"اوہ...... تیمور نے تو کہا تھا ہم قصور کے پاس ہیں۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی تھی۔

"اوہ، تمہارے خاوند نے قیاس کیا ہوگا رات کی تاریکی میں پتا نہیں چلا ہوگا تم اپنے خاوند کے لیے پریشان ہو کیا نہیں بتایا یہ خاوند اور زوجہ کا رشتہ ہی ایسا ہے دل میں جیسے بندھے ہوتے ہیں اک ڈور سے ہماری دعا ہے تم

Downloaded from https://paksociety.com

اپنے خاوند سے جلد مل جاؤ۔ اتنا تو یقین ہے کہ تمہارے خاوند اس ٹرین پر سوار ہیں بلوائیوں کا حملہ نہیں ہوا کہ ٹرین نے بروقت بجائے رکنے کے یکدم آنا فانا رفتار پکڑی اگر ٹرین نے تب رفتار نہ پکڑی ہوتی تو ہم سب مارے جاتے موئے فرنگی تو دشمن تھے ہی یہ بلوائی بھی جان کو آ گئے ہیں جانے کب کی دشمنی نکال رہے ہیں ہندو تو خیر دشمن تھے یہ سکھ بھی مل کر ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ان کے دلوں میں کس درجہ کدورت اور نفرت تھی اب کھل کر سامنے آئی ہے مسلمان صدیوں سے ان کے سروں پر راج کرتے رہے یہ نفرت اسی باعث دلوں میں پنپتی رہی اور اس بات کا بدلا موئے یہ ہندو ہم سے لے رہے ہیں مجھے لگتا تھا ہندوؤں کی قوم کمزور ترین ہے چیونٹی سے ڈرتی ہے اب تو یقین بھی ہو گیا کتوں کی طرح گروہوں میں اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور ہندو تو کمزور ہیں موئے جو سکھ خود کو مضبوط ظاہر کرتے رہے ہیں وہ بھی ان کے ساتھ مل گئے ہیں کتوں کی فوج بڑھتی جا رہی ہے۔" خاتون کا جانے کون چھڑا اتنا وہ دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں عین النور چپ ہو کر بیٹھ گئی تھی منزل جانے کیوں کوئی ناممکن خواب لگ رہی تھی۔

کسی سراب کی طرح، جس کا کوئی وجود ودحقیقت نہ تھا عین نے کبھی نہیں سوچا تھا وہ اس سفر پر اس طور نکلے تھے اس طرح جائے گی اس نے اپنی فیملی کو کھونے کا خواب میں بھی نہیں سوچا تھا اور حیدر میاں وہ سمجھ نہیں پائی تھی انہوں نے قصداً ان کا ہاتھ چھوڑا تھا یا بھیڑ کے باعث ایسا ہوا تھا اسے بس اتنا یاد تھا کہ ہاتھ سے ان کا ہاتھ بھری بھری ریت کی طرح یکدم پھسل گیا تھا کیا تھی زندگی اور کیا ہو گئی تھی جو سوچا نہیں ہوتا وہ کیوں ہوتا ہے اور جو سوچا ہوتا ہے وہ کیوں نہیں ہوتا۔ اماں، ابا اور دادی جان کتنے چہروں کو اس نے کھو دیا تھا۔

جو پھر کبھی دکھائی نہیں دینا تھے وہ کتنا پیچھے اس دنیا کو چھوڑ آئی تھی جو دنیا اس کی زندگی کا اہم ترین حصہ تھی اس دنیا کے بنا اس کی دنیا کی حیثیت کیا تھی صفر سے زیادہ نہیں۔

"جلال میرے بھائی تم کہاں ہو۔" وہ درد سے نڈھال جلال کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

"یقین کا خواب دیکھا تھا تو معلوم نہیں تھا کیا کچھ گنوا دوں گی کتنے پیاروں کو کھونا ہوگا، یہ نہیں سوچا تھا یا اللہ اتنی بڑی سزا کیوں دی تقسیم کی اگر اماں ابا اور دادی جان کو مارنا تھا تو ہمیں بھی مار ڈالا ہوتا ہم جی کر کیا کریں گے ہر کوئی ہمیں آہستہ آہستہ کر کے چھوڑ سے جا رہا ہے جلال۔

اماں ابا دادی جان اور پھر حیدر سراج الدولہ اور اب تیمور..... تیمور کہاں ہو آپ؟ کہاں ڈھونڈیں ہم آپ کو؟ آپ یک دم کہاں چلے گئے قسمت ہم سے سب کو دور ہو کر دیا ہمارا کیا قصور ہے اگر تیمور اس سفر میں ہمارے ساتھ نہیں تو وہ اس سے آگے نہیں سوچ سکی تھی جانے اور کتنے خطرات اس راہ میں باقی ہیں۔

تقسیم کا یہ بھیانک سفر جانے اور کیا کیا ختم کرے گا جانے یہ تقسیم اور کتنی دل سے جڑی باتوں کو تقسیم کرے گا دکھ درد اور تقسیم کرے گا اور کتنے دل کتنے حصوں میں تقسیم کرے گا اور ہم اس تقسیم کے ساتھ کیسے جئیں گے ہم سے تو سانس لینا ابھی سے محال ہو رہا ہے۔" وہ درد سے نڈھال تھی۔

تیمور کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ کس سمت جا رہی تھی کچھ اندازہ نہیں تھا منزل دور لگ رہی تھی حد نگاہ سے پرے...... بہت دور۔

حیدر جانے پاکستان پہنچے ہوں گے کہ نہیں۔

کتنی ٹرینوں پر تمام مسافروں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا خبر نہیں تھی کی حیدر میاں پاکستان صحیح سلامت پہنچے ہوں گے کہ نہیں مگر وہ اپنے ہم سفر کے بارے میں پر امید رہنا چاہتی تھی حیدر کے بارے میں کچھ غلط سوچنا نہیں چاہتی تھی خود کو تسلی دیے رہنا چاہتی تھی۔

حیدر سراج الدولہ زندہ ہیں اور صحیح سلامت ہیں۔

"یا اللہ آپ نے کئی پیاروں کو چھین لیا ہم سے اب حیدر میاں کو مت چھیننا ہم ان کے بنا نہیں جی سکیں گے ہماری زندگی کی آس پاکستان جانے کا مقصد صرف حیدر میاں ہیں ان کے بنا یہ سفر بے معنی ہوگا ہم خالی ہاتھ رہ جائیں گے، یا اللہ ان کو کچھ نہ ہو حیدر جہاں ہوں بخیر ہوں۔" وہ دل ہی دل میں کتنی دعائیں مانگ رہی تھی۔

❁......❁......❁

جلال نشے کے عالم میں دھت پڑا تھا خوش نما نے

Downloaded from https://paksociety.com

جھک کر اسے پکارا تھا۔

''جلال آپ ہوش میں آیئے آپ کے لیے ہوش میں آنا ضروری ہے آپ دنیا سے بے خبر پڑے ہیں۔'' خوش نما نے نرمی سے جلال کا شانہ تھام کر ہلایا تھا جلال نے بامشکل آنکھیں کھول کر خوش نما کو دیکھا تھا اور ان کی آنکھیں دوبارہ بند ہونے لگی تھیں۔

''جلال اٹھیے جاگیے بہت بری خبر ہے آپ کے لیے۔'' خوش نما کو سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ کس طرح اسے مطلع کرے وہ بے ہوشی سے جاگنے کی حالت میں نہ تھا اور اسے لگا کہ حالات سے آگاہ کرنا ضروری تھا اس صورت میں جب نواب سیف الدین پٹوڈی اور ان کا کنبہ بلوائیوں کے حملے میں مارے گئے تھے اور ان کی مذمت بھی عمل میں آگئی تھی۔

''جلال خوش نما نے اسے جھنجوڑ دیا تھا جلال نے آنکھیں کھول کر خوش نما کا دھندلا چہرہ دیکھا تھا اور اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر وہ لڑکھڑا کر رہ گیا تھا۔

''محبت کی موت واقع ہو جائے تو باقی کیا رہ جاتا ہے خوش نما۔'' بوجھل ہوتی آنکھوں کے ساتھ جلال نے خوش نما کا چہرہ دیکھا تھا خوش نما کچھ بولی نہیں تھی۔

''وہ خوب صورت بھی بہت دلکش نازنین تھی حسن بے مثال تھا عشق لاجواب تھا..... مگر.....!'' وہ ادھورا جملہ چھوڑ کر خوش نما کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''اس نے ایسا کیوں کہا خوش نما؟'' وہ عجب مدہوشی میں دریافت کر رہا تھا خوش نما کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا اس کے پاس جو خبر تھی وہ اسے اس سے مطلع کرنا چاہتی تھی مگر جلال الدین پٹوڈی کوئی ذکر سننے کو مائل ہی نہیں تھا۔

''اس نے نظر ہی نظر میں جادو کیا اختیار جتا بے چین کیا بے چین کر کے بے سکون کر دیا اور بے سکونی میں جنا دیا کہ وہ محبت کرنا نہیں جانتی تھی یقین نہیں ہوتا اس کے تیور ایسے ہوں گے معصوم چہرہ تھا فرشتوں سی پاکیزگی۔ وہ باتیں کرتی تھی تو اس کے لفظ دل میں گھر کرنے لگتے وہ دل جیت کر دل کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟'' وہ ایک درد سے نبرد آزما ہو رہا تھا جانے کیا گزری تھی مگر وہ اتنا سمجھ رہی تھی کہ وہ خوش نہیں تھا کسی نے جلال الدین کا اعتبار توڑا تھا۔

''کیوں۔'' وہ نہیں جانتی تھی مگر اس نے ان کو سنبھالا ہوا تھا اور پھر ان کی طرف قہوہ بڑھاتے ہوئے انہیں چند سپ لگانے کو کہا تھا جلال نے ہاتھ سے پیچھے کر دیا تھا اور چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا؟

''جلال۔'' خوش نما نے پکارنا چاہا تھا مگر وہ سنے بنا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا وہ کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔

''میں جانتی ہوں چھوٹے نواب آپ کا درد بڑا ہے جانے کس درد سے گزر رہے ہیں آپ اور کس سکون میں ہیں مگر اس سے بڑی بے سکونی آپ کی منتظر ہے آپ گھر کو لوٹیں گے تو ایک بری خبر آپ کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لے گی آپ کے والدین نہیں رہے، اللہ آپ کو اس درد سے گزرنے کا حوصلہ دے اور آپ کے والدین اور دادی جان کی مغفرت فرمائے۔'' خوش نما نے مدہم لہجے میں کہا تھا۔

❁.....❁.....❁

جلال چلتا ہوا گھر کے اندر داخل ہوا تھا ویرانی کمال عروج پر تھی ملازم نے سامنے آ کر کچھ بتانا چاہا تھا اس نے ہاتھ اٹھا کر سننے سے انکار کر دیا تھا اور پھر چلتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔ اس نے موٹر کار میں بیٹھ کر کار کا رخ فتح النساء کے گھر کی سمت موڑ دیا تھا۔

بلوائیوں کے حملوں کے باعث شہر ویران تھا اور سائیں سائیں کر رہا تھا جانے وہ کہاں تھی۔

کیا وہ اسے اب بھی معاف کرنے کا حوصلہ رکھتا تھا اتنی بڑی حرکت کے بعد، جب اس نے اس کے بھروسے کو توڑا تھا اور اس کے اعتبار کی دھجیاں بکھیر دی تھیں وہ تب بھی اسے ڈھونڈنا چاہتا تھا سامنے فتح النساء کی بوا جی بیٹھی تھیں۔

''فتح النساء کہاں ہے وہ؟'' اس نے حواسوں کو سنبھالتے ہوئے ایک نام پکارا تھا جو اسے از بر تھا نشے کی حالت میں بھی وہ اس ایک نام کو بھلا نہیں پایا تھا بوا خاموش رہی تھیں۔

''ہم نے کچھ پوچھا ہے بوا فتح النساء کہاں ہیں۔'' اس نے دوبارہ الجھ کر پوچھا تھا۔

''فتح النساء سے ضروری کئی کام ہیں آپ کی زندگی میں نواب زادہ آپ کو جا کر اپنے والدین کے بارے میں پتا کرنا چاہیے بلوائیوں کے حملے میں وہ نہیں رہے اور آپ کی

Downloaded from https://paksociety.com

دادی جان بھی اسی حملے میں ماری گئیں۔" جلال سُن سا کھڑا رہ گیا تھا۔

"کب..... کب ہوا یہ کسی نے ہمیں کیوں نہیں مطلع کیا۔"

"مطلع تو تب کیا جاتا جب آپ کسی کو ملتے آپ تو خود غائب تھے ان کی تدفین عمل میں آ گئی ہے وہ اپنے آباؤ اجداد کے قبرستان میں سپردخاک کردیے گئے ہیں۔"

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔" جلال کی آنکھیں کرب سے بند ہوئی تھیں اور لب آہستگی سے ہلے تھے آنکھیں نمی سے بھر گئی تھیں بوا نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا وہ نڈھال دکھائی دیا تھا۔

"میں ایک دور سے گزر رہا تھا اور اس دوران ایک قیامت گزر گئی میں حواسوں میں نہیں تھا اگر محل میں موجود ہوتا تو ایسا شاید نہیں ہوتا عین کے بارے میں کچھ خبر ہے۔" جلال نے پوچھا تھا۔

"عین حیدر کے ساتھ پاکستان روانہ ہوگئی ہیں ایسا کرنا نواب صاحب کی تلقین تھی انہوں نے اپنی موت سے ایک دن قبل کہا تھا کچھ بھی ہوجائے عین حیدر کے ساتھ رخصت ہوں گی اور ان کا وعدہ پورا کرنا ضروری تھا تیمور غالباً نواب زادی عین النور کو رخصت کرنے اسٹیشن گئے تھے جہاں حیدر میاں ان کے منتظر تھے۔" بوا نے مطلع کیا تھا۔ جلال ان کی طرف خاموشی سے دیکھنے لگا تھا پھر مدہم آواز میں پوچھا تھا۔

"اور فتح النساء۔" یہ ذکر عام تھا یا خاص۔ وہ نہیں جانتا تھا مگر یہ نام درد کا باعث بنا تھا بوا خاموش ہوگئی تھیں۔

"فتح النساء بھی پاکستان کے لیے روانہ ہوگئی کیا؟" جلال نے بوا کے خاموش رہنے پر پوچھا تھا بوا نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"فتح النساء کی خبر نہیں۔" بوا لاعلم دکھائی دی تھیں۔

"کیسے خبر نہیں کیا وہ بھی بلوائیوں کے حملے کا شکار ہوگئیں۔" جلال نے قیاس کیا تھا۔

"اللہ نہ کرے کوئی نہیں جانتا فتح النساء کہاں گئیں اس دن کے بعد وہ خاموش ہوگئی تھیں پھر دوسرے دن ان کا کمرہ خالی تھا۔" بوا نے کہا تھا وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا تھا۔

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے فتح النساء کہاں جاسکتی ہیں۔"

"ہم میں سے کوئی واقف نہیں ہے۔" بوا نے لاعلمی ظاہر کی تھی۔

"میں فتح النساء سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا تھا۔

"ایسا ممکن نہیں ہے آپ ان سے نہیں مل سکتے۔"

"آپ واقف نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟" جلال نے بوا کو جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"نہیں ہم نہیں جانتے وہ کہاں ہیں مگر آخری بات چیت میں انہوں نے آپ کا ذکر کیا تھا وہ پرملال تھیں اور انہوں نے وعدہ لیا تھا کہ اس کے بارے میں کوئی خبر بھی آپ کو فراہم نہ کی جائے۔" بوا نے بتایا تھا۔

"تو ہم درست تھے قیاس کرنے میں آپ ان کی غیر موجودگی سے واقف ہیں اور چھپا رہی ہیں۔" جلال نے ان کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ خاموش رہی تھیں۔

"ہم فتح النساء سے ملنا چاہتے ہیں آپ آگاہ کردیں انہیں وہ جہاں کہیں بھی ہیں ہم ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں ان کو ہمارا سامنا کرنا ہوگا۔"

"نواب زادہ جلال الدین چوہدری ہم معذرت چاہتے ہیں مگر ہم آپ کو کچھ بھی آگاہ کرنے کے پابند نہیں ہیں اگرچہ ہم نے نواب خاندان کا نمک کھایا ہے مگر ہم اس بارے میں کوئی بات کرنا نہیں چاہتے۔" بوا نے اس بارے میں بات کرنے سے مکمل گریز برتا تھا جلال ان کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"آپ ہمارے ساتھ ایسا کیسے کرسکتی ہیں۔" وہ بے بسی سے گویا ہوتے تھے۔

"ہم پابند ہیں ہم فتح النساء کا ذکر نہیں کرسکتے۔"

"ایسا کرنے کو کس نے کہا آپ سے بوا ہم آپ سے کہتے ہیں ہم اس کی بابت جاننا چاہتے ہیں اور ہم جان کر رہیں گے ہمیں فتح النساء کی بابت تمام خبر چاہیے۔ پھر چاہے وہ آسمان کی کسی پرت میں ہوں یا زمین کی کسی تہہ میں ان کو ہمارے سامنے آنا ہوگا وہ اس طرح ہم سے منہ چھپا کر کہیں نہیں جاسکتیں ہم کسی کو بھی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ ان کو اپنے اندر چھپائیں۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ بوا اسے دیکھ کر رہ گئی

Downloaded from https://paksociety.com

تھیں۔

❁ ❁ ❁

جلال والدین کی قبروں پر پھولوں کی چادر چڑھانے کے بعد فاتحہ پڑھ کر لوٹا تھا تب فتح النساء اسے دکھائی دی تھی وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا تھا مگر وہ اس کی سمت خاموشی سے تکتی گئی تھی اور جب وہ اس کی سمت بڑھا تھا تب وہ رخ پھیر کر چلتے ہوئے آگے بڑھنے لگی تھی۔

زحال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

جلال اس کی سمت چلتا چلا گیا تھا اور فتح النساء اس کی سمت سے آگے بڑھتی دور ہوتی چلی گئی تھی، جلال لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے سامنے جا رکا تھا اور تب وہ اجنبی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی سے ہماری بتیاں
چوں شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں بہ عشق آں مہ
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آوے نہ بھیجے پتیاں
بحق روز وصال دلبر کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت من کے وراے لاکھوں جو جائے پاؤں پیا کی کھتیاں

فتح النساء کی نظروں میں سرد مہری تھی اجنبیت تھی جیسے وہ کوئی اور تھی اسے جانتی نہ تھی جیسے کوئی ربط باہم نہ تھا کوئی واسطہ نہ تھا جیسے وہ اس سے واقف نہ تھی کبھی ملی نہ تھی۔

کیا یہ وہی فتح النساء تھی جو اس سے محبت کرتی تھی جلال کو یقین نہیں ہوا تھا وہ اس کے سامنے تھی مگر اس سے لاتعلق لگ رہی تھی۔ محبت ایسے ہاتھ کیسے کھینچ سکتی تھی۔ وہ محبت جو اس کے ہمیشہ آس پاس رہی تھی۔

اس کی پذیرائی نہ کرنے کے باوجود اس کی سرد مہری کے باوجود وہ اسے نظر انداز کرتا تھا دیکھتا نہ تھا کوئی نوٹس نہیں لیتا تھا مگر وہ پاس رہتی تھی آس پاس رہتی تھی وہ دیکھتا نہ دیکھتا تھا مگر وہ نگاہ اسے دیکھتی رہتی تھی پھر اب وہ نگاہ اجنبی کیوں کر تھی جیسے کوئی واسطہ نہ تھا۔

یہ محبت تھی تو کیا ہوئی تھی، عشق تھا تو ہوا کیوں تھا، جلال نے بغور اسے دیکھتے ہوئے ہاتھ آہستگی سے بڑھا کر اس

نظم

یارب میرے نصیب کو
یارب میرے نصیب کو لکھ دے
امر لکھ دے صدا لکھ دے
راہ وفا میں
آرزوؤں کے محل میں کچھ جز لکھ دے
کچھ سبز لکھ دے
میرے خدا! میرے نصیب کو
کچھ ایسا معتبر لکھ دے
وفا کی چادر پر نگاہوں کے انمول موتیوں کو
میرے لیے قمر لکھ دے
میں جاگتی ہوں یارب کبھی تم دل بھی پاؤں
نہ زمانے سے میں گھبراؤں
میرے نصیب کو بس یارب!
قمر لکھ دے
امر لکھ دے

پکار

تجھ کو کہاں معلوم کہ ان ویران رستوں
میں تمہیں ڈھونڈنے
کتنی تھک چکی ہوں
لوٹ آ کہ تجھ کو پانے کی غرض سے
میں اپنا سب کچھ

متلاشی

غم کے ریگستان میں
دکھوں کی چادر اوڑھے
ننگے پاؤں
بس اک سائے کو ترسی
ہوں میں
جیسے موسم میں
تنہائیاں تو ہوتی ہیں

۲

موسم بہار میں ہر سو مہک پھیلاتی ہیں
موسم بہار میں دیس پردیس جاتی ہیں
موسم بہار میں رنگ گل چراتی ہیں
دلوں کو لبھاتی ہیں
موسم بہار میں پیار ادائیں دکھاتی ہیں

صنعب انور صفی

Downloaded from https://paksociety.com

کے چہرے کو چھوا تھا۔

وہ نظریں تھیں
وہی آنکھیں تھیں
وہی چہرہ تھا

مگر جو نگاہ میں اجنبیت تھی اس نے ہر احساس کو سرد کر دیا تھا وہ جیسے کوئی سرد وجود تھا اور کچھ نہیں وہ یقین نہیں کر پایا تھا یہ فتح النساء تھی جلال حیران تھا یہ وہی تھی یا کوئی اور تھی۔

"فتح النساء۔" اس نے مدہم لہجے میں پکارا تھا مگر فتح النساء کی سرد مہری میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی وہ اسی سرد انداز سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

"آپ سے پوچھنا تھا فتح النساء آپ نے یہ سب کیوں کیا سارے خواب مسمار کیوں کیے محبت تھی تو ایسی سزائیں تجویز کیوں کیں آپ تو بہت حساس تھیں دل کو بتائے بنا پڑھ لیتی تھیں پھر محبت کو یوں سوالیہ نشان کیوں بنا دیا آپ کا کہنا تھا آپ کا دل ہمارے لیے دھڑکتا ہے ہمیں گماں تھا یہ دل ہمارے دم سے دھڑکتا ہے اتنی...... اتنی بے پناہ محبت تھی تو محبت کو نامعتبر کیوں کر دیا فتح النساء ہمیں لگا تھا آپ عام لڑکیوں سے مختلف ہیں، کھری اور شفاف ہیں آپ کا دل آپ کی آنکھوں کی طرح شفاف ہے اور آپ کی باتیں آئینوں جیسی ہیں۔ آپ کی باتوں میں جو درج نہیں تھا وہ آپ کی آنکھوں میں لکھا تھا۔

ہم پڑھنے بیٹھے بھی نظر انداز کر دیتے تھے مگر اس محبت کی آوازیں ہمارا پیچھا کرتی تھیں تنہا ہوتے تھے تو آپ کی آنکھیں دھیان میں آ جاتی تھیں اور آپ کی آنکھوں کی سرگوشیاں سنتے کتنے پہر نکل جاتے تھے۔

ہم تو محبت کرنا سیکھ رہے تھے آپ کی محبت کے قائل ہو رہے تھے آپ کی آنکھیں، آنکھوں میں لکھی عبارتیں دل جیت رہی تھیں آپ کی خاموش محبت دل میں اتر رہی تھی اس سفر کو کیوں موقوف کر دیا آپ نے یہ سلسلہ آناً فاناً کیوں روک دیا؟

یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی سے ہماری بتیاں
کہ تاب ہجراں دراز چو زلف و روز وصلت چو عمر کوتاہ

جلال کے لب ہولے سے ہلے تھے وہ ایک اضطراب سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا مگر فتح النساء ساکت کھڑی تھی جلال اس چہرے کو دیکھتا گیا تھا۔

"دور کیوں کر دیا آپ نے فتح النساء محبت کو الٹی گنتی کیوں سکھا دی، یہ قدم موڑ لینے کی روایت رکھنا تھی تو قدم پاس کیوں لائیں آپ اور سب سے بڑھ کر اتنا درد دینا تھا تو دل پر دستکیں کیوں دیں اور جب ہم در کھولنے والے تھے تو پلٹ کیوں گئیں؟" جلال کے لبوں پر کئی سوال تھے مگر فتح النساء کے لبوں پر گہری چپ تھی اور وہ ساکت نظروں سے جلال کی طرف دیکھ رہی تھی اس کی نظریں سرد تھیں اپنے سوالوں کے جواب میں جلال کو کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

جلال اس چہرے کو یاسیت سے دیکھ رہا تھا۔

خسرو دریا پریم کا الٹی وا کی دھار
جو اترا سو ڈوب گیا جو ڈوبا سو پار

جلال مضطرب سے مدہم لہجے میں گویا تھا فتح النساء نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالا تھا جلال نے بے چین ہو کر اسے روکا تھا۔

"فتح النساء۔" مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

میں بھی جھوک رانجھن دی جاناں، نال میرے کوئی چلے
پیراں پوندی منتاں کردی جاناں تاں پیا اکلے
راتیں درد، دیہاں درماندی گھاؤ منداں دے اجھے
رانجھن یار طبیب سنیدا میں تن درد اولے

جلال کا لہجہ بکھرا بکھرا تھا۔

"کوئی بات کریں فتح النساء کچھ کہیں کوئی الزام دیں ہم آپ کی آواز سننے کو ترس گئے ہیں آپ کا لہجہ آپ کی باتیں ہم سے اس قدر گریزاں کیوں ہیں سب برا یا کیوں ہو گیا ہے ہم جان نہیں پائے سمجھ نہیں پائے زندگی نے الجھا دیا تھا آپ تو جانتی ہیں نا ہمیں محبت کرنی ہیں نا آپ۔ ہم نہیں سمجھ پائے نہیں جان پائے عقل پر پردے پڑتے تھے محبت ایسی سرکشی بھی تو ہوتی ہے نا کہ کچھ نہ دیکھتے ہوئے کچھ نہ سنتے ہوئے آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے نہیں دکھائی دیا ہمیں نہیں سن سکے کچھ ہم۔

قصور ہے ہمارا تو اب کیا کریں لیکن آپ نے یہ دھوکا کیوں دیا ہم اب تک الجھے ہوئے ہیں آپ نے ہمارے ساتھ اس رشتے کے ساتھ۔ خیانت کیوں کی محبت ایسے کیسے کر سکتی ہے جب ہم آپ کی محبت کا یقین کرنے والے

Downloaded from https://paksociety.com

بنے تب آپ نے سب ختم کر دیا ہم سے اتنا بڑا دھوکا کیوں کیا، اتنا بڑا فریب کیوں دیا؟ یہ کون سی محبت تھی فتح النساء محبت کی کون سی منزل تھی جہاں آپ نے ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا آپ کے باعث عشق کا احساس ہمارے اندر جاگا تھا اور آپ کے ہی باعث وہ عشق ہمارے اندر فنا ہوگیا آپ نے مار دیا اپنے جلال کو آپ کے ایک قدم نے توڑ دیا آپ کے جلال کو آپ کو اس کا اندازہ کیوں نہیں ہوا فتح النساء آپ ایسا کیسے کرسکیں؟" جلال اس کی سمت دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا وہ کئی سوالوں کے جواب چاہتا تھا مگر فتح النساء خاموش کھڑی تھی اس کے پاس جیسے لفظ نہیں تھے کوئی جواب نہیں تھا وہ نگاہ سرد تھی اور آنکھوں کی جوت بجھی بجھی۔

"ہم ہار چکے ہیں فتح النساء دیکھیے ہمارے پاس کچھ نہیں رہا گنوا دیا سب ہم نے اماں، ابا دادی جان سب بلوائیوں کے ہاتھوں مارے گئے ہم ٹوٹ گئے ہیں بکھر گئے ہیں اور آپ کی محبت کی سزا ہمیں ٹکڑوں میں بانٹ چکی ہے ہم نہیں جانتے آپ کو کوئی ملال ہے کہ نہیں مگر ملال ہوتا تو آپ کہیں مگر اب ہمیں یقین ہونے لگا ہے آپ نے وہ بے وفائی دانستہ کی ہے ہمیں لگا تھا آپ پر ملال ہو کر لوٹیں گی صفائی دیں گی کوئی جواز ڈھونڈیں گی مگر ایسا کچھ نہیں ہوا آپ کو کوئی احساس نہیں کوئی پچھتاوا نہیں کہ ہم ساتھ نہیں رہے اور ہم ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔" جلال غم سے بیان کر رہا تھا جس کا ادراک جیسے فتح النساء کو نہیں تھا۔

تیرے عشق نے ڈیرا میرے اندر کیتا
بھر کے زہر پیالہ میں تاں آپے پیتا
جھب دے بوہڑیں وے طبیبا نہیں تے میں مر گیا
چھپ گیا وے سورج، باہر رہ گئی آ لالی
وے میں صدقے ہوواں، دیویں ہر جے دکھالی
پیرا میں بھل گیا تیرے نال نہ گئیاں
تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا
جھب دے بوہڑیں وے طبیبا نہیں تے میں مر گیاں

فتح النساء نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ آہستگی سے نکالا تھا اور چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی جلال اسے خاموشی سے دیکھتا رہ گیا تھا فتح النساء چلتی ہوئی دور جارہی تھی اور جلال اسے روک نہ پایا تھا۔

"کاش آپ نے یہ بے وفائی نہ کی ہوتی فتح النساء آپ نے محبت کو مار دیا محبت کا گلا اپنے ہاتھوں سے گھونٹ دیا کاش آپ کو یہ ملال ستاتا کہ آپ نے کیا گنوا دیا۔" جلال بڑبڑایا تھا اور فتح النساء کی سمت سے نگاہ پھیرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔

"یا اللہ یہ کیسا قہر مچا رکھا ہے موئے بلوائیوں نے اللہ غارت کرے انہیں یہ مسلمانوں کی جان کو آگئے ہیں ہمیں تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔" بیگم حکمت بہادر یار جنگ نے اپنے خاوند کی طرف دیکھ کر کہا تھا وہ سر جھکائے متفکر سے بیٹھے تھے اپنے دوست نواب سیف الدین پٹوڑی کی موت کا ان پر گہرا صدمہ تھا۔

"ہم کہاں بخشے جائیں گے حکمت صاحب جب نواب صاحب کا خاندان لقمہ اجل بن گیا تو ہم کون سا ان کے سگے ہیں ہم پاکستان جانے کا منصوبہ بنا کر غلط کر رہے ہیں ہمیں یہ ارادہ بدل دینا چاہیے۔" بیگم نے کھڑکی سے باہر گلی کا جائزہ لیا تھا پورے علاقے میں ہو کا عالم تھا جیسے سب اپنے گھروں میں دم سادھے بیٹھے تھے۔

"علاقہ جیسے موت کا منظر پیش کررہا ہے حکمت صاحب کوئی زندہ نفس جیسے اس علاقے میں باقی ہی نہیں سب اپنے گھروں میں جیسے سانس روکے بیٹھے ہیں اپنے گھروں میں لوگ جیسے محصور ہو کر رہ گئے ہیں ہر کوئی خود کو غیر محفوظ تصور کررہا ہے نواب صاحب کی ہلاکت سے
تو علاقے میں اور بھی خوف وہراس پھیل گیا ہے بلوائیوں کے سر پر تو جیسے خون سوار ہے ہماری بات مانیے یہ ارادہ بدل دیجیے۔ ہم یہیں رہتے ہیں ہمارا کنبہ بچ سلامت تو رہے گا ورنہ ہم سب بری موت مریں گے جلال کی کوئی خبر نہیں ہمارا تیمور بھی غائب ہے ہمارا دل تو ہول رہا ہے آپ نے تیمور کو جانے کیوں دیا نواب صاحب کی دوستی میں ان کی آخری خواہش کو پورا کرنے کو ہم کیا بیٹا گنوا دیں گے۔"
حیدر میاں کو نواب زادی کو ساتھ لے جانا تھا تو خود آ کر انہیں ساتھ لے جاتے یہ کہا کہ وہ خود تو ٹرین میں سوار تھے اور اپنی منگیتر کو محل سے اسٹیشن تک لے جانے کی ذمہ داری ہمارے تیمور کے سر ڈال دی اور آپ بھی کیسے والد ہیں کہ آپ کو کوئی فکر تک نہیں جوان بیٹا گھر نہیں لوٹا سلامت ہے

Downloaded from https://paksociety.com

یا نہیں آپ کو کوئی خیال ہی نہیں، الٹا خود پاکستان جانے کی تیاری کیے بیٹھے ہیں یہاں کی دانشمندی ہے یہ۔" حکمت صاحب کی بیگم نے غصے سے کہتے ہوئے شوہر کو دیکھا تھا حکمت صاحب نے انہیں دیکھا تھا۔

"تیمور بھیڑیوں کے جھنڈ سے نمٹنا جانتا ہے فریڈم فائٹر خاندان سے ہے وہ آپ اسے کمزور سمجھنے کی غلطی کر کے اس کی صلاحیتوں سے انحراف کر رہی ہیں تیمور اپنی حفاظت کرنا جانتا ہے وہ کہیں بھی ہے ہمیں یقین ہے وہ خیریت سے ہے اور رہی بات پاکستان جانے کی تو ہم مسلم لیگی ہیں ہم کانگریس کے ان اوچھے ہتھکنڈوں سے ڈرنے والے نہیں بیگم موت کا ایک دن متعین ہے ہم ڈر کر قدم نہیں روک سکتے نواب صاحب کے دوست ہیں ہم، اگر وہ نہیں ڈرے تو قدم ہم بھی نہیں روکیں گے بلوائیوں کو جو کرنا ہے کر لیں ہم بھی دیکھتے ہیں ان میں کتنا حوصلہ ہے وہ صرف ڈر اور خوف ہی تو پھیلانا چاہتے ہیں تاکہ کوئی یہاں سے اس پار نہ جائے اور اگر ہم خوفزدہ ہو کر رک گئے تو یہ ان کی جیت ہوگی، سوچیے کتنے لوگ کتنی قربانیاں دے رہے ہیں ان کی قربانیاں رائیگاں جائیں گی اگر ہم نے قدم واپس موڑ لیے لوگ ہنسیں گے ہم پر آپ جانتی ہیں ہماری بے جگ ہنسائی ہو، اگر ہم پاکستان نہیں گئے تو لوگ تھوکیں گے ہم پر کیسے مسلم لیگی ہیں پاکستان کی تحریک کے لیے کام کیا اور جب پاکستان بن گیا وہاں جا کر بسیرا کرنے کی باری آئی تو ڈر کر قدم روک لیے نہیں بیگم ہم ایسے بزدلوں میں نام نہیں لکھوا سکتے اپنا جو بھی ہو پاکستان تو ہم ضرور جائیں گے۔" حکمت بہادر یار جنگ مضبوط لہجے میں بولے تھے بیگم نے انہیں گھورا تھا۔

"پاکستان جانے والوں کا حشر کیا ہو رہا ہے دیکھ رہے ہیں نا آپ عزت سے ہاتھ دھو رہے ہیں لوگ اور جان سے بھی ان بلوائیوں کا غصہ ٹھنڈا نہیں یہ دم نہیں لیں گے نہرو صاحب ایک سیکولر اسٹیٹ کی بنیاد ڈال رہے ہیں میری مانیے تو مسلم لیگ کا فارم بھرنے سے بہتر انڈین نیشنل کانگریس پارٹی کا فارم بھرنا شروع کریں نہرو صاحب سے ملیے بات کیجیے آپ کے دوست نواب صاحب نے جو حماقت کی وہ حماقت آپ نہ کریں بلوائیوں نے ان کا وہ حشر کیا کہ روح کانپ جاتی ہے لیڈر تھے نواب صاحب مسلم لیگ کا حصہ تھے اور کیا حشر ہوا ان کا عام عوام سے زیادہ برا حشر ہوا ان کا کیونکہ وہ مسلم لیگی تھے سب کو یہ بات پتا تھی مجھے تو لگتا ہے نواب صاحب کے ہمدمی کا ہاتھ ہوگا اس میں سراج الدولہ صاحب مکار ہیں وہ تو پہلے سے نہرو صاحب کے پروں تلے چھپے بیٹھے تھے کانگریس کے ساتھ ہونے کا فائدہ ہوا ان کو، ان کا خاندان بال بال بچا ہے اور یہی دانشمندی بھی ہے ان کا بیٹا حیدر اعلیٰ عہدوں کے حصول کے لالچ میں پاکستان روانہ ہوا اور وہ یہاں قدم گاڑے بیٹھے ہیں ایسے لوگ عقلمند ہوتے ہیں مسٹر جناح بچانے نہیں آئیں گے آپ کو میری مانیے تو آپ بھی سراج صاحب والا دماغ چلائیں ان سے ملاقات کیجیے اور کانگریس میں شمولیت کی بات کیجیے یہ اقدام ہم سب کی سلامتی کا ضامن ہوگا۔" بیگم بہت خوف کا شکار تھیں کچھ بھی بول رہی تھیں مگر حکمت صاحب خاموش بیٹھے تھے۔

"ریڈیو پر خبر ہے نہرو صاحب نے اس صدی کی سب سے عظیم تقریر کی ہے 13 اگست کو پارلیمنٹ میں دستوری رقم کر رہے ہیں یہ اور وہاں پاکستان میں کیا ہے؟ موت ہے صرف۔ نہرو صاحب نے کہا کہ جب آدھی دنیا اپنی نیند کے مزے لوٹ رہی ہے تو ہم اپنی آزادی کی تاریخ رقم کر رہے ہیں وہ کہہ رہے ہیں۔

long years ago we made a tryst with destiny and now that time comes when we shall redeem our pledge not wholly or in full measure but very substantially

بیگم نے مارے خوف کے جانے کتنی معلومات اکٹھا کر لی تھیں اور انہیں یہاں رکنا انتہائی سود مند دکھائی دے رہا تھا۔ "دیکھیے مل گئی ہے منزل انہیں مسلمانوں سے اقتدار چھین لیا ہے انہوں نے آخر کار ایک غلام قوم اقتدار میں آ گئی ہے مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار کر ان سے نفرت کا شدید اظہار دیکھیے کتنی نفرت ہے ان کو یہ نفرت سب جلا دے گی ہم اس نفرت کا حصہ نہیں بننا چاہیے۔" وہ خوف سے لرزنے لگی تھیں اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں حکمت صاحب نے انہیں تھام کر ساتھ لگایا تھا اور

Downloaded from https://paksociety.com

تسلی دینے لگے تھے۔

"ہم آپ کی ذہنی کیفیت سمجھ رہے ہیں بیگم آپ جس کرب سے گزر رہی ہیں باقی کے سب مسلمان بھی جو دنیا میں ہیں اسی کرب سے گزر رہے ہیں ہم چاہیں تو یہاں رہ کر کافر بنیں کے سامنے سر جھکا سکتے اور ایک غلام قوم کے لیڈر جواہر لعل نہرو کے سامنے کمر باندھ کر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو سکتے ہیں مگر یہ غلامی ان قربانیوں کے منہ پر طمانچہ ہوگی مسلم لیگیوں کی تحریک کے منہ پر طمانچہ ہوگی جو قربانیاں ہماری مائیں، بیٹیاں دے رہی ہیں یہ ان سب کی نفی ہوگی آپ چاہتی ہیں ہم اتنے بزدل بن جائیں۔" وہ نرمی سے پوچھنے لگے تھے۔

حکمت صاحب مدہم لہجے میں بولے تھے بیگم صاحب روتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی تھیں تبھی حکمت صاحب بولے تھے۔

"آپ نے نہرو صاحب کا خطاب ریڈیو پر سنا اور ہم نے اپنے قائد مسٹر جناح کا خطاب نیوز پیپر میں پڑھا ہے وہ عظیم لیڈر ہیں ان سے بڑا اور ثابت قدم لیڈر فرنگیوں نے بھی نہیں دیکھا مسٹر جناح کہتے ہیں۔

you know really that not only we oorselves are wondering but i think the whole world is wondering at which has brought about the plan of creating and establishing two independent sovereign dominions in this sub continent

وہ کھرے انسان ہیں کسی اور کے لیے بھی نیک نیت رکھتے ہیں یہاں نہرو صاحب صرف اپنی قصیدہ خوانی کرتے دکھائی دیتے ہیں بس جناح صاحب ان کی قوم کے بھی ہمدرد دکھائی دیتے ہیں یہ بڑا اہل ہوتا ہے ہندو یا سکھ کتنی بھی مخالفت کرلیں جناح صاحب کی بنائی ہوئی وہ مسلم ریاست اپنے مقاصد میں کامیاب ضرور ہوگی مسلمان ہارنے والی یا ڈرنے والی قوم نہیں ہے جن لوگوں نے پاکستان جانا ہے وہ جا کر رہیں گے ان کا رستہ یہ بزدل قوم نہیں روک سکتی پھر چاہے بلوائیوں کی فوج آجائے یا کوئی قیامت۔" حکمت صاحب عزم سے بولے تھے اور بیگم کے آنسو پونچھنے لگے تھے۔

❀....❀....❀

ٹرین اپنی مخصوص رفتار سے چل رہی تھی کچھ مسافر سو رہے تھے کچھ دم سادھے بیٹھے تھے کچھ سلامتی سے بچ جانے کی دعائیں مانگ رہے تھے اور کچھ بس وقت پاس کرنے اور دھیان بٹانے کو باتوں میں وقت صرف کر رہے تھے نور العین نے آنکھیں کھول کر ہر طرف کا جائزہ لیا تھا۔

خاتون اس کے بیدار ہونے پر اسے دیکھنے لگی تھیں۔

"امرتسر جنکشن گزرا Chheharta railway station گزرا اب یہ ریل گاڑی رکے بنا اس خالصہ ریلوے اسٹیشن کو بھی عبور کر رہی ہے یہ سارے سکھوں کے علاقے ہیں یہاں ریل گاڑی کا رکنا خطرے سے خالی نہیں ہے ڈرائیور بھی سمجھدار ہے ان علاقوں میں ریل کا رکنا ممکن نہیں ورنہ شاید پینے کو پانی مل سکتا تھا پیاس سے حلق میں کانٹے سے اگ آئے ہیں مگر یہ موئے ہندو اور سکھ ریل گاڑی کے رکنے پر دھاوا بول دیں گے۔" خاتون پیاس کی شدت سے خشک لبوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی تھیں نواب زادی نور العین کا خود پیاس کی شدت سے برا حال تھا شاید اسی باعث نقاہت اور کمزوری اتنی شدید تھی وہ چلنے کے قابل نہیں تھی آخری منظر یاد آیا تھا جب تیمور کے اکسانے پر اس نے سرپٹ بھاگتے ہوئے اس ٹرین میں اپنے لیے جگہ بنائی تھی اور تیمور اسے سوار کرا کر جانے کہاں غائب ہو گیا تھا تیمور کا دھیان آتے ہی وہ خود کو بہت تنہا اور بہت کمزور محسوس کرنے لگی تھی۔

"تیمور تم کہاں ہو اللہ کرے تم صحیح سلامت ہو اور اسی ٹرین میں سوار میرے ساتھ یہ سفر کر رہے ہو تمہارے بنا اتنا طویل سفر میں کیسے کروں گی میں تو کبھی اتنے لمبے سفر پر نہیں نکلی اور اکیلے اس طرح پلیز تیمور تم جہاں کہیں بھی ہو آجاؤ تم نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے حیدر میاں سے ملانے تک تم میرے ساتھ رہو گے۔

وہ دل ہی دل میں تیمور سے مخاطب تھی تاریکی میں ٹرین تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی اس کا پیاس سے برا حال تھا پیاس کے باعث غنودگی بھی زیادہ طاری تھی اور

Downloaded from https://paksociety.com

نقاہت بھی زیادہ محسوس ہو رہی تھی اس کی آنکھیں خود بخود بند ہونے لگی تھیں اور ماضی کی کئی یادیں ذہن کا گھیراؤ کرنے لگی تھیں۔

❁……❁……❁

فتح النساء حیران تھی نواب زادی عین النور پٹوڈی کا رویہ عجیب ترین تھا اور جلال ان کو کیا ہوا تھا اچانک سے ایسا رویہ کیوں اپنا لیا تھا۔

وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی انہوں نے نکاح کی پیشکش کی تھی اس اچانک نکاح کی پیشکش کا کیا مطلب نکلتا تھا وہ جانتی تھی ان کا نکاح ممکن نہیں تھا وہ اس گھر کے ٹکڑوں پر اور رحم و کرم پر بھی رہی تھیں نواب سیف الدین پٹوڈی کی عنایتوں کی بدولت پل بڑھ کر جوان ہوئی تھیں پھر اس رشتے کی کیا تک بنتی تھی اور جب کہ حیدر میاں نے کہا تھا کہ وہ کسی امراء کی ایسی اولاد ہیں جن کو کوئی اپنا نام نہیں دیتا ان کا الزام ان کی میلی نظریں ان کا بے باک رویہ اور ان کی ہوس پرستی...... وہ کس بات میں سوچتی وہ تھکنے لگی تھی اور جلال نے اپنے رویے سے الگ حیران کر دیا تھا۔

"جلال اچانک سے نکاح کے خواہشمند کیوں ہونے لگے وہ تو کسی اور کی محبت کا شکار ہیں نا پھر ہم سے نکاح کی پیشکش کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔" وہ سب باتوں سے نگاہ ہٹا کر فی الحال سب سے بڑے معمے کی طرف متوجہ ہوئی تھی فتح النساء کی انتہائی قریبی دوست حیدر کے معاملے میں ان پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھیں اور جلال ان کے بھائی ایک طرف تو اس پر الزام عائد کر رہے تھے کہ وہ اس پر یقین نہیں کرتے اور ان کے خیال میں فتح نے ان سے جھوٹ بول کر ان کی بہن کو دھوکا دینا چاہا تھا جو بھی تھا وہ اتنا تو جانتی تھی کہ یہ نکاح ممکن نہیں تھا اس سوال سے قطع نظر کہ جلال یہ نکاح کیوں کرنا چاہتے تھے وہ حقائق جانتی تھی کہ نواب خاندان کسی ایسی لڑکی کو قبول نہ کرتا اس سے قبل وہ جس کو اس گھر کی بہو بنانے کے بارے میں سوچ رہے تھے اور اب بھی کوئی اور تھی جو چھوٹے نواب کی بیگم ہوتا بھی یہ شرف کسی خوش نصیب کو ملنا تھا تو چھوٹے نواب ہی جانتے تھے مگر اس کا مقصد کیا تھا کیا وہ کوئی نئی چال چل رہے تھے اس سے کوئی سچ اگلوانے کے لیے یا کوئی اور بات تھی فتح النساء سوچتے سوچتے تھکنے لگی تھیں۔

"کیا ہوا فتح النساء بٹیا آپ کچھ الجھی سی ہیں۔" بوا نے اسے دیکھ کر پوچھا تھا اس نے ان کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے لمحہ بھر کو سوچا تھا کہ کیا اسے ان سے اس بابت بات کرنا چاہیے یا نہیں وہ جہاندیدہ تھیں فتح النساء کی خاموشی کو بھانپ گئی تھیں۔

"کیا مسئلہ ہے فتح النساء ہم نے اس سے قبل آپ کو اتنا الجھا ہوا نہیں دیکھا محل میں کوئی بات ہوئی ہے تب فتح النساء نے ان سے سارا مدعا کہہ دیا تھا اور ساتھ ہی جلال کی نکاح والی پیشکش کے بارے میں بھی بتا دیا تھا بوا سن کر ساکت رہ گئی تھیں۔

"یہ پیشکش کیونکر کی چھوٹے نواب نے کیا بڑے نواب صاحب ان کی اس پیشکش سے واقف ہیں۔" بوا نے حیرت سے پھٹی آنکھوں سے فتح النساء کو دیکھا تھا فتح نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں، سیف چاچا کو اس بات کی کوئی خبر نہیں ہمیں نہیں لگتا جلال نے کسی کو اس بارے میں اعتماد میں لیا ہے۔" وہ سرسری انداز میں بولی تھیں۔

"پھر اتنی بڑی بات انہوں نے آپ سے کیونکر کہہ دی کیا وہ کوئی خفیہ نکاح کرنے کا اور آپ کو اپنی پوشیدہ بیگم بنانے کے چکر میں ہیں۔" بوا فکر مندی سے اسے دیکھنے لگی تھیں بوا کی آنکھوں میں حد درجہ حیرت بھری تھی فتح النساء کو یہ حیرت کچھ عجیب لگی تھی۔

"بوا ایسا جلال نے کچھ نہیں کہا آپ اس درجہ متفکر کیوں ہو گئی ہیں۔" فتح نے دریافت کیا تھا بوا نے ان سے نگاہ ہٹا کر سر انکار میں ہلایا تھا۔

"یہ نکاح ممکن نہیں ہے فتح النساء اگر چھوٹے نواب دوبارہ تذکرہ کریں تو آپ فوراً منع کر دیں۔" بوا نے فتح النساء سے نظریں ملائے بنا کہا تھا۔

"کیا ہوا بوا آپ اتنی پریشان کیوں ہو گئی ہیں اور آپ کیوں چاہتی ہیں کہ میں فوراً اس نکاح کے لیے انکار کر دوں۔" فتح نے ان کے متفکر ہونے پر متجسس ہو کر ان کو دیکھا تھا۔

"آپ سے جو کہا جا رہا ہے آپ وہی کریں یہ نکاح ممکن نہیں ہے اور آپ یہ نکاح کیوں کرنا چاہتی ہیں کیا آپ چھوٹے نواب کی بیگم بن کر اس محل پر راج کرنے

Downloaded from https://paksociety.com

کے خواب دیکھ رہی ہیں۔" بوا نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"ہم ایسے ارادے کیوں دیکھنے لگے بوا ہم نے کبھی اس بات کی تمنا نہیں کی ہم ان عمارتوں کی چکا چوند سے متاثر ہونے والے نہیں ہیں۔" فتح النساء نے فوراً انکار کیا تھا بوا نے انہیں بغور دیکھا تھا اور نرمی سے بولی تھیں۔

"آپ کو ایسے خواب دیکھنا بھی روا نہیں ہے فتح النساء۔ وہ چھوٹے نواب ہیں نوابوں کے مزاج ہوتے ہیں کسی پر بھی دل آ جاتا ہے وہ کئی بیگمات رکھ سکتے ہیں مگر آپ سے یہ نکاح نہیں ہو سکتا آپ دوبارہ محل کا رخ نہ کریں تو بہت اچھا ہوگا نواب سیف الدین کے بہت احسانات ہیں اس گھر پر آپ کی کفالت اور تمام ذمہ داری ان کے سر رہی ہے یہ احسان کافی ہے اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے آپ بھی اپنی حیثیت جان لیں تو بہتر ہوگا۔" بوا نے سختی سے انہیں تنبیہہ کی تھی وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی تھیں بوا کا لہجہ کھردرا تھا فتح النساء ان کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔ انہوں نے اس درجہ سختی سے فتح النساء سے کبھی بات نہیں کی تھی وہ ہمیشہ ملائمت سے نرمی سے بات کرنے کی خواہاں رہی تھیں۔

فتح النساء نے انہیں خاموشی سے دیکھا تھا مگر ان کا ذہن کئی گنا زیادہ منتشر ہو گیا تھا۔

"کہیں چھوٹے نواب کو آپ سے محبت تو نہیں ہوگئی۔" جب وہ خاموشی سے کئی پہلوؤں پر سوچ رہی تھیں تو بوا نے پوچھا تھا اور وہ چونکتے ہوئے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

جلال کو اس سے محبت ایسا شاید ناممکن تھا جلال کسی اور سے محبت کرتا تھا اور وہ دوبارہ کسی سے محبت نہیں کر سکتا تھا اس بات سے وہ واقف تھی پھر بوا نے ایسا کیوں پوچھا تھا نکاح کی یہ پیشکش کیا محبت کا باعث ہو سکتی تھی؟" وہ جلال سے ملی بھی اس کی آنکھوں میں بار بار دیکھا تھا ان آنکھوں میں محبت نہیں تھی۔

محبت ایسی نہیں ہوتی اتنی سرد مہر نہیں اور جلال کی آنکھوں میں صرف بہن کی محبت تھی غصہ تھا اکتاہٹ تھی۔

"کیا آپ کو جلال سے محبت ہے۔" جانے بوا نے کیا سوچ کر پوچھا تھا۔

فتح النساء نے کچھ نہیں کہا تھا تبھی وہ اسے محتاط نظروں سے دیکھنے لگی تھیں اور جتاتے ہوئے بولی تھیں۔

"بہتر ہوگا آپ جلال سے دور رہیں یہ تعلق اگر کسی خواہش کا باعث بھی ہے تو اس کا وجود میں آنا ممکن نہیں ہے آپ چھوٹے نواب کے لیے نہیں بنیں اور چھوٹے نواب آپ کے لیے دنیا میں نہیں آئے۔" بوا نے سختی سے سمجھایا تھا اور وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھیں فتح النساء ان کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

❁......❁......❁

نواب زادی عین النور نے بخار سے پھنکتے ہوئے آنکھوں کے پپوٹوں کو کھولنے کی ناکام سی کوشش کی تھی اور ان کے لب ہولے سے ہلے تھے۔

"فتح النساء۔" ان کی مدھم آواز ابھری تھی جلال ان کو دیکھ کر رہ گئے تھے۔

"اس کا بخار تو کم ہی نہیں ہو رہا جلال بہتر ہوگا آپ ڈاکٹر کو فون کردیں۔" اماں نے کہا تھا تو جلال نے سر ہلایا تھا اور پلٹ کر ڈاکٹر کو کال ملائی تھی۔

"فتح النساء..... فتح النساء۔" عین النور ایک ہی نام پکارنے لگی تھیں۔

"فتح النساء کب سے نہیں آئیں جلال کیا وہ نواب زادی سے خفا ہیں۔" جلال فون کر کے مڑا تھا تو اماں نے پوچھا تھا جلال نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"مجھے علم نہیں ہے اماں جان مجھے لگ رہا ہے عین اپنی سہیلی سے ملنا چاہتی ہیں۔" جلال نے اماں کے قیاس کرنے سے قبل کہا تھا وہ نہیں چاہتا تھا اماں کو کسی معاملے کی بھنک لگے یا وہ اس کے متعلق جانیں۔

"میں جا کر فتح کو لے آتا ہوں۔" وہ پلٹنے لگا تھا جب اماں نے انہیں روک لیا تھا۔

"جلال رکیے آپ یہ معاملہ کیا ہے پہلے تو کبھی عین نے فتح النساء کو اس طرح یاد نہیں کیا؟ اس بات کے پیچھے کیا راز ہے تم جانتے ہو کیا؟" اماں نے جائزہ لیتی نظروں سے جلال کو دیکھا تھا جلال نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے اماں، ہم بس اتنا جانتے ہیں کہ فتح النساء دو تین روز سے محل میں تشریف نہیں لائیں عین چونکہ بچپن سے ان کی آمد کی عادی رہی ہیں تو وہ یقیناً ان کو یاد کر رہی ہوں گی۔" جلال نے کہا تھا تو اماں نے انہیں دیکھا تھا جلال چلتے ہوئے باہر نکل گیا

Downloaded from https://paksociety.com

تھا اور کچھ ہی دیر میں وہ فتح النساء کے سامنے تھا اور فتح النساء ان کو حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

"آپ یہاں......" وہ ان کی آمد کا جواز جاننا چاہ رہی تھی جب وہ بولے تھے۔

"یمین کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور وہ آپ کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتی ہیں۔" جلال نے مدعا بیان کیا تھا۔

"کیا ہوا یمین کو۔" وہ فکرمندی سے بولی تھی۔

"یمین کو بہت تیز بخار ہے اور وہ نیم بے ہوشی میں آپ کا نام پکار رہی ہیں اماں کو کچھ خبر نہ ہو اس لیے آپ کو لینے چلا آیا ہوں، پلیز ہنا کوئی سوال کیے اب گاڑی میں بیٹھیے ورنہ اماں کو شک ہو جائے گا کہ کچھ ہوا ہے اس باعث آپ آنے سے کئی کترا رہی ہیں وہ یمین کی حالت دیکھ کر پہلے ہی پریشان ہو گئی ہیں۔" جلال نے کہا تھا تو اس نے سر ہلا دیا تھا۔

"ہم بوا کو بتا کر آتے ہیں۔" وہ اندر کی جانب چلنے لگی تھیں۔

"بوا کو بتا دیں گے ہم اس کی ضرورت نہیں آپ ہمیشہ کی طرح نکل جا رہی ہیں۔ اس میں پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے۔" جلال نے کہا تھا تو وہ اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

جلال نے اس کے لیے فرنٹ ڈور کھولا تھا اور خود دوسری طرف سے جا کر ڈرائیو سیٹ سنبھال لی تھی۔

فتح النساء متفکری کار کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی جب جلال نے ان کی سمت بغور دیکھا تھا اور موٹر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے آگے بڑھا دی تھی۔

"یمین کو اچانک سے بخار کیسے ہو گیا۔ اور ان کی طبیعت ایسے بگڑ کیسے گئی آپ نے ڈاکٹر کو مطلع نہیں کیا؟" فتح النساء نے ہر بات بھول کر اپنی پیاری سہیلی کے بارے میں پوچھا تھا فتح کو واقعی یمین النور کی بہت فکر تھی مگر جلال نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ بھی خاموشی سے ان کی سمت دیکھتی ہوئی دھیان پھیر گئی تھی اور کھڑکی سے باہر خالی خالی نظروں سے آبادیوں کو دیکھنے لگی تھی ذہن سوچوں سے بھرا تھا وہ جانے کیا کیا سوچ جا رہی تھی موٹر گاڑی رکی تھی تو وہ چونکی تھی اور اجنبی نظروں سے منظر کو دیکھا تھا وہ محل نہیں تھا

یہ کہاں لے آئے تھے چھوٹے نواب انہیں وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے ان کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

❁......❁......❁

نواب صاحب ہم تو دم سادھے خبریں سننے بیٹھے ہیں جانے کب پاکستان بننے کی کوئی نوید آ جائے آپ کی لاہور میں ہونے والی کانفرنس میں جناح صاحب سے ملاقات رہی تھی کیا خبر ہے۔"

حکمت بہادر یار جنگ نے پوچھا تھا سیف صاحب مسکرا دیے تھے۔

"حکمت صاحب جناح صاحب سے کئی باتیں ہوئیں مگر پاکستان بننے کی فی الحال کوئی خبر نہیں ہے دیکھیے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے فرنگیوں کی نیت تو جانتے ہیں آپ خراب ہونے میں دیر نہیں لگتی سو کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" نواب صاحب نے شطرنج کی چال چلتے ہوئے کہا تھا۔

"قرارداد پاس ہونے کے بعد مکرنے کی صورت تو نہیں بچتی مگر کیا کہا جا سکتا ہے ہندوؤں کے دماغ شیطانی چرخے ہیں نواب صاحب کب کیا چال چل جائیں سمجھ نہیں آتی یہی وجہ ہے کہ عقل کچھ بھی سوچنے پر مجبور ہو رہی ہے کہنے کو قرارداد پاس ہونے کے بعد تو یقین والی فضا رہنا چاہیے مگر ان فرنگیوں کا اعتبار کون کرے اور بات صرف فرنگیوں تک ہی موقوف ہو تو بھی ہے یہاں تو ہندوؤں کے ساتھ ساتھ سکھوں نے بھی سر اٹھایا ہوا ہے لگتا ہے ہر کوئی اقتدار کا بھوکا ہے سب کو راج کرنے کا شوق چڑھا ہے، ہندوؤں کو ہاتھ سے زمین کا اتنا بڑا ٹکڑا جاتا ایک آنکھ نہیں بھائے گا وہ نہیں چاہتے کہ اس خطے کی تقسیم ہو فرنگیوں کو اپنے ساتھ ملانے کی چالیں چلنے دیں گے وہ۔" حکمت صاحب نے خدشے کے تحت کہا تھا اور شطرنج کی بساط پر اپنی چال چل چکے تھے نواب صاحب قہوے کی چسکیاں لینے لگے تھے اور مسکرا دیے تھے۔

"جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا جہاں اتنا انتظار کیا ہے وہاں تھوڑا انتظار اور کیا جا سکتا ہے اب تو یوں بھی آس ہے کہ کچھ ہو سکتا ہے اب کسے خبر کیا ہوگا؟" نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے نرمی سے کہا تھا۔ پھر پوچھا تھا۔

"وائسرائے سے آپ کی ملاقات میں کیا زیر بحث رہا۔" نواب صاحب کے پوچھنے پر حکمت صاحب مسکرا

Downloaded from https://paksociety.com

دیے تھے۔

"نواب صاحب وائسرائے کی کوئی کل سیدھی نہیں بنا دماغ کے اونٹ ہیں یہ فرنگی ہمیں اپنے دفتر میں بٹھا کر خود یہ محترم کسی عشائیے کے لیے نکل گئے تھے کئی گھنٹوں تک ہم بیٹھے ان کا انتظار کرتے رہے اور بالآخر اٹھ کر واپس آگئے۔" حکمت صاحب بولے تھے تو نواب صاحب مسکرا دیے تھے۔

"چلیں انتظار کرتے ہیں جہاں قرارداد پاس ہونے کے بعد سات برس تک انتظار کرلیا تو باقی کا انتظار کرنے میں کیا حرج ہے۔ محنت رنگ تو لائی ہے اتنی جدوجہد خالی جانے والی تو نہیں کوئی نہ کوئی نتیجہ تو ضرور نکلے گا۔" نواب صاحب مسکرائے تھے تو حکمت صاحب نے سر ہلا دیا تھا۔

"آپ کے صاحبزادے تیمور انٹرنیشنل یوتھ اینڈ اسٹوڈنٹس ایونٹ میں شرکت کے لیے کلکتہ گئے ہیں۔" نواب صاحب نے پوچھا تھا۔

"نہیں، ان کو دعوت نامہ موصول ہوا تھا مگر اس کا کوئی جواز نہیں بنتا ایسی کانفرنسز میں شرکت وقت کا زیاں ہے تیمور بہت مثبت طرز عمل اور سوچ رکھتے ہیں ان کو ایسی کانفرنسز بچوں کا کھیل لگتی ہے یوں بھی سنا تھا وہ کانفرنس پوسٹ پونڈ ہوگئی تھی۔" حکمت صاحب نے آگاہ کیا تھا۔

"کانگریس کو خوف ہے کہ یہ تقسیم کا سلسلہ ملتوی ہوجائے گا اب ان کا خوف کیا معنی رکھتا ہے اور اس کے پس پردہ کیا ہے یہ تو ہم نہیں جانتے مگر کانگریس میں کچھ تو کھلبلی مچی ہوئی ہے اس کا سبب وہ خود ہی جانیں۔" نواب صاحب مسکرائے تھے اور حکمت صاحب کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"آپ کو آپ کے سمدھی ایسی خبریں کیونکر دینے لگے۔"

"ارے نہیں سراج صاحب کہاں کچھ بتاتے ہیں یہ تو اڑتی اڑتی خبر آئی تھی ہمیں سراج صاحب تو کانگریس کی ایک خبر بھی باہر نہ آنے دیں۔" نواب صاحب مسکرائے تھے اور حکمت کھل کر ہنسنے لگے تھے۔

"نواب صاحب آپ کے سمدھی بھی ایک کائیاں ہیں۔" نواب صاحب مسکرائے تھے۔

"اپریل میں ہونے والی کانفرنس میں برٹش گورنمنٹ کا 3 جون کا پلان Approved کرنا خوش آئند تھا۔" حکمت صاحب نے ذکر چھیڑا تھا نواب صاحب مسکرائے تھے۔

"ہاں ایسا تھا وہ پلان انڈیا کی تقسیم کا فائنل پلان تھا جس میں مسٹر جناح اور باقی تمام لیڈران نے شرکت کی تھی دو جون کی میٹنگ تقسیم کے حوالے سے فیصلہ کن تھی۔" نواب صاحب نے تسلیم کیا تھا۔

"ویسے ایسے پلان بنتے رہے ہیں CABINET MISSION پلان اس سے قبل ہوا تھا وہ بھی اسی روش پر تھا۔" حکمت صاحب بولے تھے۔

"اپریل کانفرنس میں کچھ دم تو دکھائی دیتا ہے آپ کو کیا لگتا ہے۔"

"دیکھو میاں یہ KEY EVENT ہیں جو کسی نہ کسی مقصد کے لیے ہو رہے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کوئی بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھا ہوا۔ جہاں تک بات اپریل میں ہونے والی کانفرنس کی ہے تو 3 جون کا پلان واقعی دم تو رکھتا ہے اس میں تقسیم کا فائنل پلان ترتیب پایا ہے اور اس کو فرنگیوں کی طرف سے بھی Approved ملا ہے۔" نواب صاحب پرخیال انداز میں بولے تھے۔

"ویسے مجھے اس پلان کے Approved ہونے سے امیدیں کچھ زیادہ وابستہ ہوگئی ہیں اب تقسیم کا عمل یقینی لگتا ہے۔" حکمت صاحب نے کہا تھا تو نواب صاحب مسکرائے تھے۔

❁......❁......❁

تیمور بہادر یار جنگ نے ماں کو سمجھانے کی اپنی سی کوشش کی تھی مگر اس کے باوجود ان کی خواہش تھی کہ وہ خوش بخت سے ایک بار ملاقات کرلیں اگرچہ وہ کسی سے اس سلسلے میں ملنا نہیں چاہتا تھا مگر ممی کو انکار ممکن نہیں تھا۔

ممی نے ان کی ملاقات رکھوادی تھی اور وہ نا چاہتے ہوئے بھی بخت آور سے ملنے چلا آیا تھا ملاقات ممی کے گھر پر تھی ایک بہت پلکس سی لڑکی صوفے پر بیٹھی تھی تیمور نے اگرچہ تو نہیں دیکھی تھی مگر وہ جان گیا تھا کہ یہی خوش بخت ہیں تبھی وہ چلتے ہوئے اس کے قریب جا رکا تھا۔

"آپ خوش بخت ہیں۔" تیمور نے ادب سے پوچھا تھا اس لڑکی نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اب تیمور اس کے

Downloaded from https://paksociety.com

سامنے بیٹھ گیا تھا وہ نہیں جانتا تھا اسے کیا کہنا چاہیے مگر وہ بنا تمہید باندھے بولا تھا۔

"میں نہیں جانتا آپ کی کیا مرضی ہے اور کیا توقعات ہیں میں آپ کو نہیں جانتا یقیناً آپ بھی مجھے زیادہ نہیں جانتیں۔ چلیں قصہ مختصر کرتے ہیں شادی ایک اہم فیصلہ ہے شادی کے متعلق آناً فاناً کوئی فیصلہ لینا حماقت ہوسکتی ہے اور میرے بارے میں یہ ہے کہ میں فی الحال شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔" تیمور نے صاف گوئی سے دو ٹوک کہہ دیا تھا خوش بخت ان کو حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

"جب آپ شادی کرنا نہیں چاہتے تو ملنے کیوں آئے۔ آپ اپنی والدہ سے پہلے ہی کہہ سکتے تھے کہ آپ شادی کرنا نہیں چاہتے۔" خوش بخت نرم لہجے میں بولی تھی وہ لہجے سے مزاج کی اچھی ہوئی لڑکی لگتی تھی تیمور نے اسے بغور دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا تھا۔

"آپ نے بجا فرمایا میں نے اپنی والدہ سے کہا تھا مگر وہ سننے کو تیار نہیں تھیں ان کا اصرار تھا ایک بار مل کر رائے شاید تبدیل ہوسکتی ہے ایسا ممکن ہے مگر میں ارادہ باندھ چکا ہوں آپ یقیناً بہت اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی ہیں مگر میں فی الحال شادی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ امید ہے آپ میری بات سمجھ رہی ہوں گی۔" وہ سمجھاتے ہوئے بولا تھا۔

خوش بخت نے انہیں کچھ جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"کسی اور سے محبت کرتے ہیں آپ۔" خوش بخت کے پوچھنے پر وہ چونکا تھا اور خوش بخت کی سمت دیکھا تھا وہ یقیناً ذہین لڑکی تھی۔

"ایسا چہرے پر لکھا ہے۔" تیمور بات کو مذاق میں اڑاتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"نہیں کوئی آپ کی آنکھوں سے جھانکتا ہے۔" خوش بخت مسکرائی تھی اور تیمور بھی مسکرایا تھا۔

"سینس آف ہیومر اچھا ہے آپ کا مگر معاملہ یہ نہیں دراصل میں کانگریس کا حصہ بن چکا ہوں تحریک کا عمل تیز ہو رہا ہے اور میں اس سمت میں دھیان بٹانا نہیں چاہتا میں چاہتا ہوں پوری توجہ تحریک پر صرف کروں۔" تیمور نے سہولت سے سمجھانا چاہا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر آپ اپنی والدہ کو آگاہ کردیں۔"

"میں آگاہ کردوں گا لیکن اس سے Offened تو نہیں ہوئی آپ؟ ہوپ میں نے آپ کو ہرٹ نہ کیا ہو؟" تیمور معذرت چاہتا ہوا بولا تھا خوش بخت نے سر ہلا دیا تھا۔

"نہیں ایسی بات نہیں، یہ رشتے قسمتوں میں لکھے ہوتے ہیں اگر اللہ نے ہمیں ایک دوسرے کے لیے بنایا ہے تو یقیناً ہم زمین پر ایک دوسرے سے جدا نہیں رہ سکتے۔" وہ نرمی سے مسکرائی تھی۔ تیمور کو کچھ کھلی کھلی ہوا تھا مگر وہ خاموش ہوگیا تھا۔

خوش بخت مسکرائی تھی اس کا مزاج دوستانہ تھا وہ معاملہ فہم بھی زندگی کی سمجھ بوجھ رکھتی تھی۔

"محبت دوسری بار ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی تیمور بہادر یار جنگ میں آپ سے شکوہ نہیں کرسکتی لیکن آپ یقیناً ایک اچھے انسان ہیں اور یقیناً ایک اچھے خاوند بھی بن سکتے ہیں۔" خوش بخت نے کہا تھا تو وہ اسے دیکھنے لگا تھا۔

"اور آپ کو یقین کیوں ہے کہ میں کسی اور سے محبت میں مبتلا ہوں۔" تیمور نرمی سے مسکرایا تھا۔

"خوش بخت ایک غیر معمولی لڑکی ہے اگر کوئی اس غیر معمولی لڑکی کو رد کرسکتا ہے تو یقیناً اس کی کوئی وجہ ضرور ہے۔" خوش بخت نے قیاس کرتے ہوئے کہا تھا تیمور اسے خاموشی سے دیکھنے لگا تھا اسے انکار کرنا اور کوئی ایسا جواز دے کر انکار کرنا یقیناً برا لگ رہا تھا مگر وہ انکار نہیں کرسکا تھا۔

"اگر ایسا ہے تو یقیناً میں اس وقت کا انتظار کروں گا جو جتا دے کہ ہمارے بخت میں کیا درج ہے میں امید رکھنا چاہتا ہوں خوش بخت۔" وہ کچھ ظاہر کیے بنا اور واضح کیے بنا گویا ہوا تھا وہ مسکرا دی تھی۔

"اگر نصیب چرائے جاسکتے تو لوگ قسمتوں پر بھی قفل لگا کر رکھتے۔ مگر ایسا کوئی کلیہ نہیں ہے جو مقفل تالوں کو کھول سکے، کبھی تو کوئی خالی ہاتھ رہنا نہیں چاہتا مگر پھر بھی خالی ہاتھ رہ جاتا ہے اور کوئی خوف سے دم سادھے کھڑا رہتا محبت کے فیصلہ کن موڑ پر پہنچنے کا منتظر رہتا ہے۔" خوش بخت نے کہا تھا تیمور نے سر ہلا دیا تھا۔

"آپ یقیناً ایک ذہین لڑکی ہیں خوش بخت آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"

"کیا ہم دوبارہ مل سکتے ہیں۔" خوش بخت نے پوچھا تھا وہ چونکا تھا جب وہ مسکرائی تھی اور نرمی سے بولی تھی۔

"ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔" خوش بخت نے پوچھا تھا وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تھا تبھی وہ نرمی سے مسکرائی تھی۔

"شاید میں دم سادھ کر اس فیصلہ کن لمحے کا انتظار کرنا چاہتی ہوں تیمور بہادر یار جنگ جب قسمت کوئی فیصلے حمایت میں لکھ دے۔" وہ بولی تھی تو تیمور اسے دیکھ کر رہ گیا تھا مگر پھر بنا کچھ کہے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

خوش بخت بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اسکے ساتھ ساتھ چلنے لگی تھی۔

"آپ واپس کیسے جائیں گے کیا میں ڈراپ کروں۔" وہ اس کے ساتھ چلتے سے بولا تھا خوش بخت نے مسکراتے ہوئے سر انکار میں ہلایا تھا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں بس دل میں یونہی خواہش ابھری تھی کہ دو قدم آپ کے ساتھ چلوں اور میں اس خواہش پر قابو نہیں رکھ سکی خوش دیکھے آپ اگر میں جس لینے کا اختیار رکھتی تو لکھنا تیمور بہادر یار جنگ کو اپنی قسمت میں لکھوانا چاہتی مگر ایسا کوئی اختیار کسی کے پاس نہیں ہے مگر میں دعا کروں گی آپ جس کو اپنی زندگی میں لکھوانا چاہتے ہیں اس کا نام آپ کے نام کے ساتھ درج ہو جائے۔" وہ کہتی ہوئی پلٹ گئی تھی۔

تیمور نے رک کر اسے دیکھا تھا وہ لڑکی واقعی حیران کن تھی مگر وہ اس کو کوئی خواب نہیں دکھا سکتا تھا۔

"ایسے کھڑے مت رہیے آپ ہماری طرف دیکھتے ہیں تو آس ہونے لگتی ہے کہ آپ ہماری جانب سفر کرنا چاہیں گے۔" خوش بخت جو یکدم چلتے ہوئے رک گئی تھی پلٹ کر اس کی سمت دیکھے بنا بولی تھی تیمور بہادر یار جنگ چونکا تھا اور پھر پلٹ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا موٹر گاڑی میں بیٹھ کر اسٹارٹ کرتے ہوئے جبین کا دھیان آیا تھا کتنے دن سے اس طرف نہیں گیا تھا مگر وہ ذکر بھولتا نہیں تھا اور چہرہ بھولتا نہیں تھا۔

محبت کیسی ہوتی ہے؟
محبت ایسی ہوتی ہے
کہکشاؤں کے درمیان کوئی
خاص نام لکھ کر چھپا دینا
کوئی ذکر لکھ کر مٹا دینا

محبت ایسی ہوتی ہے
دبے پاؤں چلتی
آہٹوں سے ڈرتی ہے
سوال کرتی
جواب سنتی
محبت ایسی ہوتی ہے
محبت ادھ کہا سچ
یا ان کہا سچ
یا خاموشی میں کہا کوئی لفظ
محبت ایسی ہوتی ہے
محبت ایسی ہی ہوتی ہے
کہکشاؤں کے درمیان کوئی
خاص نام لکھ کر چھپا دینا
کوئی ذکر لکھ کر مٹا دینا
محبت ایسی ہی ہوتی ہے
سوال کرتی
جواب سنتی
محبت ادھ کہا سچ
یا ان کہا سچ
یا خاموشی میں کہا کوئی لفظ
محبت ایسی ہوتی ہے
ہاں محبت ایسی ہوتی ہے

تیمور بہادر یار جنگ ایک ذکر کو ایک نام کو سوچ گیا تھا۔

"نواب زادی جبین الورا چنوڈی اتنی خاص کیوں ہیں آپ کہ آپ کا ذکر کرتے دل ڈرتا ہے کوئی سن نہ لے۔" وہ سوچوں میں مخاطب تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

DOWNLOADED FROM
PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded from https://paksociety.com

سورگی کی ودھوا

دستگیر شہزاد

اس کا پتی دہشت گردی کرتے ہوئے مارا گیا تھا لوگوں نے اسے سورگی قرار دے کر اسے سورگی کی ودھوا کا خطاب دے دیا۔

فطری جذبوں کی آگ میں جھلستی ہوئی اک معصوم روح کی روداد

عورتوں نے پونم کے جسم سے گہنے نوچ کر جلدی جلدی یوں اتارے گویا وہ اس کے کسی پوشیدہ جرم کے گواہ ہوں، آشا دیدی نے اس کی کلائیاں کالے پتھر پہ بار بار مار کر گوری بانہوں کو چوڑیوں سے محروم کر دیا چوڑیوں کے ٹکڑے لگنے سے جگہ جگہ سے لہو رسنے لگا تھا۔ ساری رسموں کو جلدی جلدی نمٹا کر اسے اس طرح سفید کپڑوں میں لپیٹ کر بٹھا دیا گیا جیسے راجیو کو لٹا دیا گیا تھا راجیو پر نظر پڑتے ہی پونم کو ایک دم شادی کی رات یاد آ گئی جب وہ شب عروسی کے پلنگ پر لیٹتے ہی سو گیا تھا دروازے سے آنکھ لگائے اس کی منتظر سہیلیوں نے مایوس ہو کر روشن دان سے بھی جھانکنے کی کوشش کی تھی اور جب بڑی بی کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے ہونٹ بچکارتے ہوئے کہا تھا۔

"شگون اچھا نہیں ہے بھنو۔ ہوا کو دلہن پسند نہیں آئی۔" مگر حقیقت اس سے الگ تھی اس روز راجیو تھکا ہوا تھا مگر پھر اپنے نوخیز رشتے کے سنسنی خیز تجربوں سے گزرنے ہوش اور مدہوشی کے درمیان ڈوبنے ابھرنے اور غرق ہونے کی کیفیت مشاہدہ دونوں کے لیے نیا تھا اور وہ اس سے سرشار تھے اسی لیے تو ان کے چہروں پر بکھرے نور سے چاروں طرف چاندنی پھیل گئی تھی اور بڑی بی کے ساتھ دیوتا سے پرارتھنا کرنے لگیں، پھر گاہے گاہے ڈھولک گیت اور دعوتوں کا سلسلہ جاری رہا کہ ایک رات دروازے پر بے تابی سے دی جانے والی دستک نے سب کو چونکا دیا تھا اس رات راجیو گھر سے باہر کیا گیا پونم کی تو دنیا ہی تاریک ہو گئی وہ پھر زندہ واپس نہیں آیا۔

خوف کی برفیلی سرد لہر پونم کی کنپٹیوں سے ابھر کر اس کے تلووں تک تیزی سے رینگ گئی اور اسے لگا کہ جیسے یکلخت اس کا رواں رواں کھینچ لیا ہو اس کا حلق بالکل سوکھ گیا اور وہ چلا پڑی۔

"پانی..... پانی..... پانی۔"

ارتھی کے پاس بیٹھی، بین کرتی گھر اور پڑوس کی عورتوں نے چونک کر اسے دیکھا اور پل بھر کے لیے اپنا رونا بھول گئیں ان کی اس یکلخت خاموشی سے بوکھلا کر وہ بے تحاشہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں جو بند ہوئی ارتھی اٹھنے تک بند رہی۔

یہ سارا منظر وقت کی قید و بند سے آزاد اک آوارہ گرد مجذوب کی طرح پونم کی یادداشت پر ڈیرہ ڈالے دو دو میں ڈولی دلسوز صدائیں لگاتا رہتا اور وہ یادوں کے جنگل میں بھٹکتی محبت کے جاں فزا لمحوں کے پھول چنتی رہتی، جن کی بدمست، نشیلی، دہکتی لذت سے لبریز لہروں میں اسے جھلس کر راجیو ایک رات بے نیازی سے خاموشی کی آگ میں جل کر راکھ ہو گیا تھا۔

جانے سے پہلے وہ پل بھر کے لیے اس کے پاس بیٹھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا گویا پرارتھنا مانگ رہا ہو۔

پھر یوں اچانک ایک دن وہ کہاں اور کیوں چلا گیا، وہ کون تھا جو اسے لے گیا!؟ ان سوالوں سے ہراساں اور مضطرب ماتا اور پوجا انجانے خوف کے تنگ دائرے میں گھری، گھٹتے دنوں کے ساتھ بڑھتی بے قراری کو سہا دیتا

Downloaded from https://paksociety.com

سے باندھے اس کی واپسی کی منتظر رہی تھیں۔

پھر ایک رات زخموں سے چھلنی لہو میں نہایا دیوتاؤں سی معصوم مسکراہٹ چہرے پر سجائے کاندھوں پر سوار وہ لوٹ آیا تھا۔

چالیس دنوں کی مدت صدمے کا زخم مندمل کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے اس خیال سے مطمئن ہو کر سارے رشتے دار اور غمگسار رفتہ رفتہ رخصت ہونے لگے عام زندگی حسب دستور اپنے محور پر گردش کرنے کے لیے کمربستہ ہوئی تو بڑی بی بی جو چند ہفتے پہلے پونم کو بیاہتا زندگی کے اسرار و رموز سمجھا رہی تھی اسے ودھوائی (بیوگی) کی صبر آزما زندگی کے آداب سمجھانے لگیں تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا وہ خالی پن کے ایک شدید احساس سے بھری ہوئی تھی اسی لیے وہ پھر سے کمرے میں بند ہو گئی۔

دیواروں پر رینگتے دراز قد مہیب سائے اور ہتھیلیوں پر رچی حنا کی مہک پلنگ پر بچھے بستر کی سلوٹ تکیے میں چھپی ہوئی ٹوٹی چوڑیاں، کھونٹی سے ٹنگی شیروانی جیب میں رکھا رومال، سب ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے پونم کو گھیرنے لگتے تو وہ فرار کے راستے تلاش کرنے کی کوشش کرتی مگر راہ فرار مفقود تھی۔

پھر ایک دن شہر سے دور دراز بسے اس گاؤں میں بیچ بیچ کی سحر نمودار ہوئی جب ماتا کمل کے برگزیدہ پنڈت جی کو اپنے دروازے پر کھڑا دیکھ کر صحن میں پڑی چارپائی پر بچھانے کے لیے چادر ڈھونڈنے لگیں اور محلے کی عورتیں ان کے اردگرد زمین پر جمنے لگیں تو پنڈت جی نے بغل میں دبایا ہوا اخبار نکالا اور پڑھنے لگے۔

اخبار میں ایک گمنام شخص کی خبر چھپی تھی جو تن تنہا گاؤں

Downloaded from https://paksociety.com

کے باہر قائم پولیس چوکی میں بم دھماکا کرنے کے بعد پولیس کی زد سے بچ کر غائب ہوگیا تھا اس کی تلاش میں سرگرداں پولیس کو پورا یقین تھا کہ اس شخص کو جس کا تعلق اسی دہشت پسند جماعت سے ہے جو بھگوان اور ہندوؤں کے حقوق کے نام پر ناحق معصوم لوگوں کا قتل کررہی ہے بہت جلد ڈھونڈ نکالے گی۔

یہ اس رات کا واقعہ ہے جب راجیو ایک انجانے شخص کے ساتھ گھر سے باہر گیا تو واپس لوٹ کر زندہ نہیں آیا تھا اور اس دھماکے سے علاقے میں خوف و دہشت کا ماحول پیدا ہوگیا تھا۔

پنڈت جی نے اخبار تہہ کرتے ہوئے گہری نظروں سے تمام عورتوں کو باری باری دیکھا اور جب عورتوں نے بے زبان خاموشی کے ساتھ باہم رازداری کا یقین دلا یا تو رخصت ہونے سے پہلے پونم کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے اطمینان کا گہرا مگر مشکوک سانس بھرا اور بولے۔

"سورگ کا شرف ان کو حاصل ہوتا ہے جنہیں بھگوان نے اپنی محبت کے لیے چن لیا ہو راجیو دھرم کے لیے سورگی ہوا ہے سارے گاؤں کو اس کی موت پر فخر ہونا چاہیے کہ دھرم ویر اسی انداز سے مرتے ہیں اب اس کی موت کے راز کا تحفظ ہر ہندو کا اولین فرض ہے اس کی مرگ اس گاؤں کے ہر فرد کے لیے سورگ کی بشارت ہے۔

تب عورتوں نے اپنے ڈھکے ہوئے سروں کو دوبارہ ڈھکا اور دالان میں چھایا سناٹا اور گہرا ہو گیا۔

لیکن اس رات سے زیادہ نہیں جب تاریکی کی پراسرار خاموشی میں سنگین رازداری کی چادر اوڑھے کچھ اجنبی بے نام لوگ بے جان راجیو کو گھر پہنچانے آئے تھے اور خوفزدہ بدحواس سراسیمہ ماتا کو صبر کی تسلی بخش تلقین کرتے ہوئے انہیں اس خطرے سے آگاہ کر گئے تھے جو رازداری کا عہد ٹوٹنے پر نہ صرف ان کے پورے خاندان کو قانون کی لپیٹ میں لے سکتا ہے بلکہ سارے گاؤں کو بھی جھلسا سکتا ہے۔ انصاف اور بھگوان کی جنگ کے شوبا مقصد کو شکست دے سکتا ہے بلکہ راجیو کے عظیم بلیدان کو رسوائی اور ذلت سے داغ دار کرسکتا ہے۔ دوسری بہت سی ان پڑھ اور دھرم دار عورتوں کی طرح سورگ اور آخرت ماتا کو بھی عزیز تھی مگر اپنا بیٹا بہت عزیز تھا جس کی خاطر وہ اپنے ہونٹوں پر رازداری کا جابر پہرہ بٹھانے میں آج صبح تک کامیاب رہی تھیں۔ یہ راز جس کو زبان پر لانا چند دنوں تک حرام سمجھا گیا تھا ایک عورت سے دوسری عورتوں تک حیران کن تیزی سے پہنچنے لگا سب جانتی تھیں پھر بھی کچھ نہیں جانتی تھیں، باہم رازداری برتنے کا یہ سلسلہ عورتوں کو دھیرے دھیرے اختار کیسے لگا کہ بارہ سے زیادہ عورتیں اس میں شریک ہوتی گئیں اور پونم کے ارد گرد اکثر چھوٹا سا میلہ لگا رہنے لگا۔

اخبار میں چھپی خبر حالانکہ پرانی تھی لیکن اس نے جو تاثر قائم کیا وہ ایک رمز بنا تھا بھگوان کے لیے سورگی ہونے والے مرد دھرم ویر کے تئیں احترام اور عقیدت جب قابل یقین کی حدوں کو پار کرنے لگے تو اس کا رخ اس کی روح وا پوجا کی طرف مڑا سورگ اور دھرم پرچار کے واقعات دہرائے جانے لگے سورگ اور آخرت کے بھولے بسرے تصور دوبارہ تازہ ہوا تھے، پرانے بوسیدہ جزدانوں سے گیتا کو اس بہانے آزادی مل گئی، بھگوان کے ذکر سے فضا معطر ہو اٹھی دو گھر کے رنجور ماحول پر زور برسنے لگا پوجا کے لیے محبت، شفقت اور رحم کے جذبات پر اب دھرم کا رنگ چھانے لگا تھا، افزائش غم کے لیے زرخیز اس ماحول نے پوجا کو اپنے رکھ پر نوحہ زن ہونے کا موقع فراہم کیا تو بقول غالب

"مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں۔"

اس کے غم کی شدت بھی سنبھل پڑنے لگی لیکن عورتوں کی زندگی میں کچھ عجیب و غریب کرشمے رونما ہونے لگے ہوتا یوں کہ پونم کی غمخواری کے بہانے کوئی عورت اچانک دل شکستہ انداز میں بلک بلک کر رونے لگتی جس کے ساتھ دوسری اور پھر تیسری عورت شامل ہو جاتی، کوئی اپنی دھوائی کی بھولی بسری یادوں کو تازہ کر کے چپکوں چپکوں روتی،

Downloaded from https://paksociety.com

کوئی کسی جوان، وجود کا نقصہ دہرا کر نمناک ہو جاتی، چپ چاپ بیٹھی کوئی عورت ایک دم تڑپ کر سسکتی، کوئی دوپٹا منہ میں ٹھونس کر اپنی چیخیں دبانے کی ناکام کوشش کرتی اور گھر ماتم کدہ بن جاتا، جس پر برستا آفاقی نور آنسوؤں کے غبار سے لپٹ جاتا۔

ان عورتوں کا یوں بے تحاشہ بے اختیار دہائی دینے والی کچلی مسلی گم شدہ محرومیاں، خواہشیں، ناامیدی، لاچاری، جن کا وزن اور لپٹنے کے بعد ہلکا ہو جاتا اور وہ لاشعور کی خفیہ دراز میں دوبارہ بند ہو جاتیں تو عورتیں گہرے سکون سے سرشار پونم کے قدموں میں جھک جاتیں کہ یہ راحت بخش جانفزا احساس صرف اس کی ذات کا معجزہ ہے ورنہ ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

پونم حیران رہ جاتی اور اندر باہر کے ایک تلاطم میں ڈوبنے لگتی۔ سوگ پر بیٹھی ماتا اور بہن نشا بھگوان کے سامنے بھجن پڑھتے نہ تھکتیں کہ ان کے بیٹے کی قربانی نے ان کے خاندان کو عزت اور قبولیت کے جس بلند مقام پر پہنچا دیا ہے وہ گاؤں میں کسی کو نصیب نہیں ہے۔

اپنی پذیرائی میں لگنے والا میلہ جب پونم کو ہراساں اور دل کو مزید مضطرب کرنے لگا تو وہ بھی عورتوں کی گریہ زاری میں شریک ہو کر سب کے ساتھ سر جوڑے رہتی، حزن و ملال کی آمیزش اس کے کم سن حسن کو دوبالا کرنے لگی تب عورتوں نے باہمی اتفاق سے یک زبان ہو کر گھر گھر یہ بات پہنچا دی کہ پونم دراصل اپسرا ہے مگر اس کے سنے اعزاز کے لیے صرف اس کی خوب صورتی ذمہ دار نہیں تھی، دراصل وہ ایک شام ہجوم میں موجود پونم کا آنگن سے پرے گزرتے بادلوں میں کچھ ہیولے دکھائی دیے۔ جنہیں غور سے دیکھنے پر سب نے مان لیا کہ وہ انسانوں کے لیے نہیں بلکہ بے شک وہ اپسرائیں پھریوں ہوا کہ اس وقت آنگن میں لگے ہار سنگھار کے اس پیڑ سے پھول گرنے لگے جس کے نیچے پونم بیٹھی تھی۔

وقت کی ان کرشمہ سازیوں سے بے خبر پونم کی پوجا پاٹ طویل ہو گئی، گیان دھیان میں گزرتے دن اور اوپچا

AANCHALPK.COM
تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے
ابھی قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیے
ماہنامہ آنچل
ملک کی مشہور معروف فنکاروں کے سلسلے وار ناول ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ
گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے
جو آپ کی آسودگی کا باعث ہو سکتا ہے اور وہ ہے اور صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرا لیں۔
چاہت و محبت کے موضوع پر لکھی ایک دلکش تحریر جو آپ کی دل کی دنیا میں ہلچل کر دے
معاشرے کے تلخ حقائق کی عکاسی کرتا آنچل کا ناول جو آپ پر بہت سی حقیقتیں آشکار کر دے گا
خاندانی اختلافات و جھگڑوں کے پس منظر میں لکھا اقرأ صغیر کا بہترین ناول جو آپ کی سوچ کو ایک نیا رخ عطا کر دے
AANCHALNOVEL.COM
پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رابطہ کریں 021-35620771/2

Downloaded from https://paksociety.com

پاٹ میں گزرتی راتیں زندگی کا معمول بنتی گئیں، وہ کم کھاتی، کم سوتی اور زیادہ تر خاموش رہتی، بس کبھی کبھار ہلکے سے مسکرا دیا کرتی، یوں آنکھوں میں بسا سمندر جیسا گہرا سکوت بے سکون دلوں کی بے چینی کا مداوا بنتا گیا اور پرانے اور نئے مریض اس سے مل کر شفا پانے لگے اس کے اردگرد تقدس کا ایک ہالا سا بننے لگا جس کے حصار میں گھر کر اس کی شخصیت مزید پرکشش ہوگئی۔

عورتوں کے ذریعے جب پونم کی اس پرکشش شخصیت کا ذکر مردوں تک پہنچا تو ان میں سے بعض کے دلوں میں اسے دیکھنے اور اس سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی وہ ایک سوڈرگی کی دھوا ہے سب تو نہیں مگر کچھ مرد اس سچائی کو پس پشت ڈال، پونم کو ایک نظر دیکھنے کی آرزو میں اپنے مکانوں کی چھتوں پر بے وقت ٹہلنے لگے ان کی وضع قطع میں سدھار آنے لگا بال بچوں سے رشتے سنورنے لگے اور ہونٹوں پر گیت گنگنانے لگے وقت نے ایک اور کروٹ لی سورگ اور دھرم کا پوجا کے ساتھ جڑا ہوا تصور آ تماتی ہو گیا۔

دل و جسم میں انتشار بپا کرتی ہوئی پونم کے تئیں ان کی حسرت زدہ آرزوئیں مایوسی کی کگار پر پہنچنے لگیں تو انہوں نے اپنے جذبات کی شدت کا رخ اپنی پتنیوں کی طرف موڑ دیا عرصے سے ان کی سرد مہری کی عادی عورتوں کو اس غیر متوقع تبدیلی کے باعث اپنے پتی دلچسپ بھی لگے اور مضحکہ خیز بھی۔

غرضیکہ اوپر آسمان پر بھگوان مطمئن تھا اور نیچے زمین پر زندگی حسین تھی کہ پھر ایک دن پونم چلی گئی اور ساری رونقیں بجھ گئیں۔

اس دن اس کے پتا کو دیکھ کر جو اسے گھر لے جانے آئے تھے سب کے سب چونک گئے عدت کی مدت گزر چکی ہے اور بے مروت وقت حسب عادت پرواز کر گیا ہے اور پھر لوٹ کر نہیں آئے گا اس خیال نے سب کو اداس اور بات کو فکرمند کر دیا دل بھاری ہوئے اور آنکھیں اشکبار مگر ماتا کی تکرار اور عورتوں کے اصرار کے باوجود پونم رخصت ہوگئی چھکڑا گاڑی ریل پھر چھکڑا گاڑی کے مشکل سفر کے بعد منہ اندھیرے پوجا پاٹ کے وقت وہ جب گاؤں پہنچی تو سورج کے جینے سے نمودار ہوتی نئی صبح کی روشنی میں اپنے گھر کو دیکھتے ہی وہ والہانہ اس کی طرف یوں دوڑی جیسے اس کے پر نکل آئے ہوں، مگر اندر داخل ہوتے زمین کی مضبوط گرفت نے اچانک اس کے قدموں کو جکڑ ڈالا وہ بت بنی کھڑی رہ و بھتی رہ گئی سامنے اس کی ماتا اور بہنوں کے علاوہ عورتوں کا ایک جمگھٹ اس کے انتظار میں موجود تھا آنگن کے وسط میں ایک تخت رکھا تھا جس پر سفید رنگ کی چادر بچھی تھی اور اس پر رحل سمیت جزدان میں لپٹی گیتا اور چاول اگر دان اور دیگر اشیا سے سجا ایک تھال رکھا تھا جس کے بیچ رکھے اگردان میں اگربتیاں سلگ رہی تھیں۔

ساکت کھڑی پونم کی نظریں ان سلگتی اگربتیوں پر جمی رہ گئیں، محلے کی عورتوں کے مسکراتے چہرے اور نمناک آنکھیں اور ماتا کی آہ وزاری گواہی دے رہی تھی کہ جس میلے کو وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی اس میلے نے اسے نہیں چھوڑا ہے وہ تنہائی کی عافیت بھری پناہ کے لیے ترس گئی تھی اور اس کی امید پر یہاں آئی تھی پونم کی یہ فریاد کسی کی سمجھ میں نہیں آئی اور وہی مانوس میلہ پوری آب و تاب کے ساتھ پھر جاری ہو گیا وہ مایوس کن بے بسی کے ساتھ اپنی ماتا اور بہنوں کو دیکھتی جو ہر شام آنے والی عورتوں کے استقبال کی تیاری جسم سے ہی شروع کر دیتیں، پرشاد کے لیے پکوان بنتے گاؤ تکیوں کے غلاف بدلے جاتے بھجن کے لیے نام تجویز کیے جاتے سنگیت کی مشق ہوتی صحن میں چھڑکاؤ ہوتا چٹائیاں بچھتیں اور اس کی آنکھوں میں سرمے کے ڈورے اور گلے میں رنگین دھاگوں کی ڈوری پہنا کر جب اسے پاک صاف کپڑوں میں تخت پر بٹھا دیا جاتا تو سارے گھر کا ماحول شاداں اور فرحاں ہو جاتا لیکن پونم؟ پھر اچانک پوجا بیمار پڑ گئی۔

ہوا یوں کہ پھول برسانے والی اپسراؤں کا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے مشتاق دور اور پاس سے آنے والے لوگوں نے اپنے تخیل کے رنگوں سے اس پر ایسی ایسی کلکاریاں کیں کہ رانوں رات چٹکاروں کی جھڑی لگ گئی

Downloaded from https://paksociety.com

بادلوں کی جھنڈ میں اپسرا اور پراتما کیں نوزائیدہ بچے کی کلکاری میں بھگوان کی بشارت پھلوں اور جانوروں کی کمائی پر بھگوان کا پیغام نظر آنے لگا معمول سے ہٹی ہر معمولی بات ایک معجزہ تھی جس سے فیضیاب ہوکر سب پونم کی مغفرت کے مزید قائل ہونے لگے۔ عقیدت مندوں کا ہجوم بڑھتا گیا اور پونم کو بخار چڑھ آیا بیماری سے پہلے اس نے ماتا سے کئی بار فریاد کی کہ وہ بہت تھک جاتی ہے اس لیے عورتوں کو آنے سے منع کر دیا جائے تو ماتا نے شفقت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

"تمہارے پتا ماتا تم پر قربان بٹی منع کیسے کردیں یہ سب تو ثواب کی خاطر آتی ہیں۔"

"ثواب کیسا ثواب۔"

تم سورگ کی روح ہو بٹی بھگوان نے تمہیں خاص کر پاس سے اتارا ہے تمہارا دیدار متبرک ہے۔

"پونم کو بخار چڑھا بادہ نیم بے ہوشی کے عالم میں راجیو کے نام کی تکرار کرتی اور سب کے دل درد سے پھٹنے لگتے حکیم، ڈاکٹروں کی دوائیاں، پنڈت کے گنڈے کچھ بھی کارگر ثابت نہیں ہو رہے تھے ہراس اور خوف سے چہروں کے رنگ زرد پڑنے لگے۔ تب کسی سادھو کے مشورے پر کنواری لڑکیاں خصوصی پرارتھنا کرنے کے لیے عورتوں کے بڑھتے ہجوم میں شامل کی گئیں اور میلے میں ایک نیا رنگ شامل ہوگیا۔ دور دراز سے گاؤں میں بھی پونم کی ساسو ماں یعنی ماتا جو اپنے گھر آنگن کی اجڑی رونقوں سے دکھی اور باورچی خانے کے سناٹے سے بے حد فکر مند تھیں بیمار پونم کی خبر ملتے ہی راجیو کی دور جوان بہن شالا کو ساتھ لے کر پونم کو لینے اپنے گاؤں سے چل پڑیں۔ گاؤں کی عورتوں نے گزشتہ دنوں کی یاد میں نم آنکھوں اور خوش کن امیدوں کے ساتھ اماں کو اس یاد دہانی کے ساتھ رخصت کیا کہ پونم ان کے اکلوتے بیٹے کی دھروا ہے۔ جس پر اب صرف ان کا حق ہے اماں نے آتے ہی پونم کو چھاتی سے لپٹا لیا وہ اس کا ہر طرح سے خیال رکھنے لگیں ان کی گود کی نرمی گرمی اور ہاتھوں کا لمس راجیو کی یادوں کو نئے سرے سے جگانے لگا

آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل
ماہنامہ
حجاب
کراچی
شائع ہوگیا ہے
ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں موجود جو آپ کی آسودگی کا باعث بنے گا اور وہ صرف "حجاب"
آج ہی ہاکر سے کہہ کر اپنی کاپی بک کرالیں۔
اس کے علاوہ
خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی مستقل سلسلے
اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق
Infoohijab@gmail.com
info@aanchal.com.pk
کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242

http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

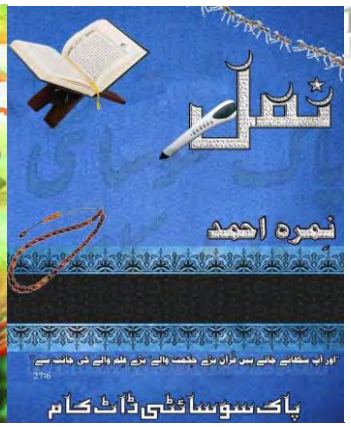

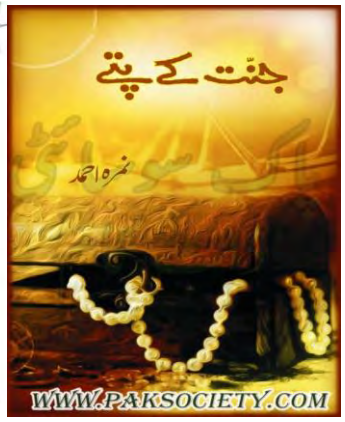

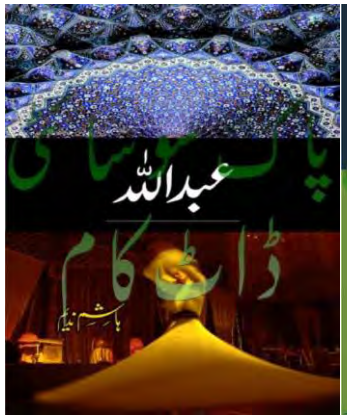

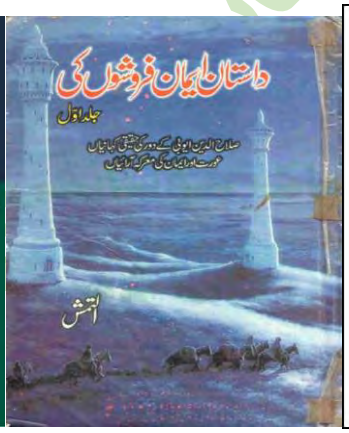

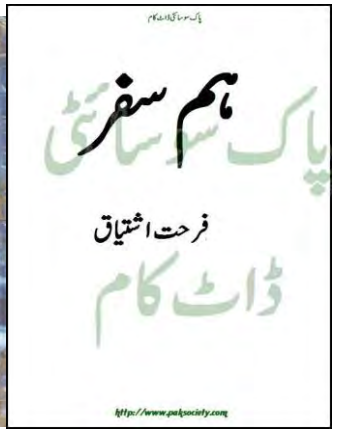

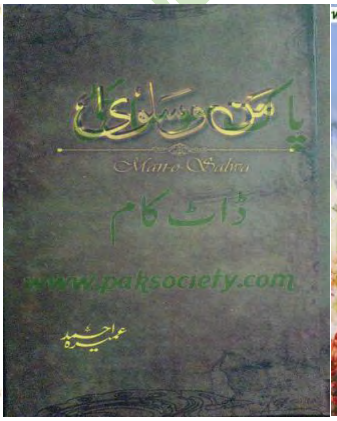

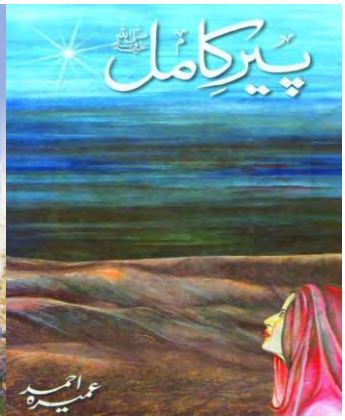

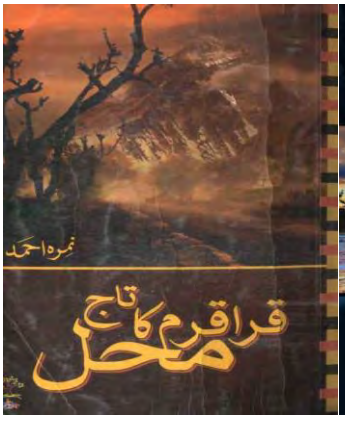

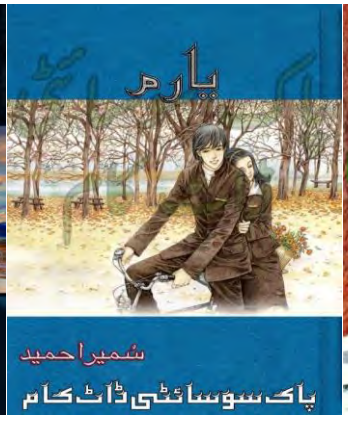

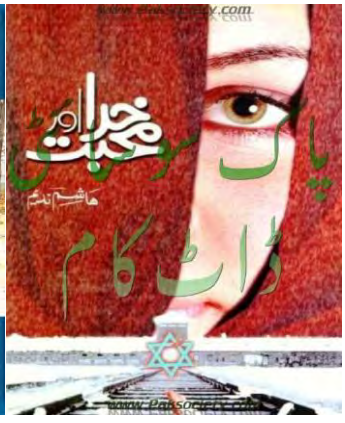

Downloaded from https://paksociety.com

کبھی کبھی جب اس قربت سے پونم کے دل میں بھولی بسری یادوں سے آرزوئیں بھی جاگنے لگتیں تو بے تحاشہ بچپن پڑھنے لگتیں آہستہ آہستہ عہد رفتہ کی گم شدہ گلیوں میں بسی یادوں کی پرسکون اور دل پذیر آغوش میں پونم کو تحفظ ملنے لگا حالانکہ ماتا اور عورتوں کے درمیان راجیو کی ماتا کی بڑھتی ہوئی مقبولیت ناگوار گزرنے لگی تھی مگر راجیو کی برسی تک وہ انہیں روکنے پر مجبور ہوگئیں اور ماتا جن کے لیے اونچے گھروں کی ان پتنیوں کی محبت محض ایک خواب تھی اور بھی جن کے پاس وہ صدقہ خیرات لینے کے لیے بلائی جاتی تھیں اب ان کی توجہ پا کر بوکھلا گئیں یہ معجزہ ان کے بیٹے کی موت اور بہو کی پاکیزگی کا صدقہ ہے اس خیال نے ان کے ناتواں دل کو ایک نئے اطمینان سے روشناس کیا اور وہ اپنے پہننے اوڑھنے ملنے جلنے وغیرہ کے سلیقے پر خصوصی توجہ دینے لگیں۔

راجیو کی برسی میں شرکت کرنے نشا بھی آگئی اور ہر خاص و عام کے لیے کھلی اس دعوت میں آنے والوں کے لیے ایک سادھو سوامی کے خاندان کے تین تین افراد کی موجودگی ایک انوکھی روحانی خوشی لے آئی، جس نے گاؤں کے ماحول میں چار چاند لگا دیے ماتا کے رشتے داروں اور گاؤں کے گھر میں بھی جاری عورتوں کے اس سلسلے میں ہر کوئی دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں اپنی استطاعت بھولنے لگا سورگ کے نیئں جس کی سوامی سب کے لیے سورگ کی بشارت لے کر آئی تھی اپنی عقیدت ثابت کرنے کے لیے لوگ آپس میں بحث و مقابلہ کرنے لگے یہاں تک تو سب قابل قبول تھا لیکن اس کے ساتھ ایک انہونی بھی ہوئی جس نے سب کو حیران کر دیا یعنی جب راجیو کی دھوا دلہن نشا کے لیے پنڈت جی نے شادی کا پیغام بھیجا تو ماحول پر بجلی سی گر پڑی اور سب بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔ ماتا نے بظاہر تو بھگوان کی قدرت کو سراہا مگر تنہائی میں اسی قدرت کا شکوہ کرتے ہوئے بولیں۔

"تمری اپنی بہنیں کیا نہیں دکھائیں پنڈت جی کو۔ وہ تو کنواری بیٹھی ہیں، اتنے دن نمرے پاس تخت پر کاہے بٹھائے رہے...... ہاں۔" ڈھلتی عمر کے پنڈت جی شادی شدہ تو تھے مگر وہ زمیندار ونشا نوجوان اور خوب صورت تھی لیکن غربت، ودھوائی اور تین بچوں کی پرورش کی تھکن سے شکستگی پھر بھی پنڈت جی نے اسے حویلی کی پتنی بنانے کے لیے منتخب کر لیا۔

تقدیر کی یہ کروٹ دراصل اس لفظ عسل کا ثمر تھی جس نے نوجوان لڑکے لڑکیوں کے لیے رومانس کے نئے باب کھول دیے تھے اور ان کی فکرمند ماتاؤں نے ان کے خفیہ میل جول کو دیکھتے ہوئے ان کے رشتے طے کرنا شروع کر دیے تھے ساتھ ہی ان کا خیال تھا کہ اس پورے معاملے میں پونم کی خصوصی پراتھنا شامل تھی جو نشا کے حق میں پراسرار طور پر قبول ہوگئی۔ غرضیکہ پونم کی ذات میں ہر ایک کی دلجوئی کا سامان موجود تھا وہ بھگوان کی مشکور تھی بھگوان اس سے راضی تھا لہٰذا ایک جسم خصوصی آتما نازل ہوئی اور پوجا کے کمرے میں جہاں جانے پر سخت پابندی تھی پھل اور مٹھائیاں پائی گئیں، جس کا چرچا ہوتے ہی شوہر و عورتیں بھی درشن کے لیے حاضر ہوگئیں اور سب نے باہمی اتفاق سے پونم کو کالی ماتا کی صف میں لا کھڑا کر دیا۔

پونم بھی حیران تھی اس نے آنکھیں بند کر لیں اس کے معصوم چہرے پر تقدس کا نور چھا گیا اور عورتوں کے درمیان ہمیشہ آنکھیں بند کیے یوں بیٹھی رہتی جیسے یہاں کی نہیں کسی اور ہی دنیا کی باسی ہو۔

اس کے گرد قائم وہ روشن ہالہ اور واضح ہو گیا، اماں نے عجلت کے ساتھ شادی کی تیاریاں شروع کر دیں، قسمت کی دستک سے کھل جانے والی عیش و آرائش کی دہلیز پر کھڑی ماتائیں اپنی بیٹیوں کو لیے پنڈت جی کی نظر عنایت کی منتظر ہوں گی یہ سادہ لوح ماتا بھی خوب جانتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے اپنے گاؤں کے بجائے نشا کو اس گھر سے جدا کرنے کا فیصلہ کیا، طے یہ ہوا کہ شادی کی تقریب انتہائی سادگی سے ہوگی لیکن چونکہ سارے گاؤں کا ماحول اس کی فضائیں اور لوگوں کے دل روحانیت کے سرور سے لبریز تھے لہٰذا سب

Downloaded from https://paksociety.com

نشا کی شادی کی تیاری میں یوں شامل ہونے لگے جیسے پوجا پاٹ میں شامل ہو رہے ہوں اور ماتا کے نہ چاہنے کے باوجود شادی کا دن آتے آتے اس پر جشن کا گمان ہونے لگا دونوں گاؤں سے آئے مہمانوں کے لیے مناسب انتظام ہونے کے باوجود جگہ کی کمی کے باعث بھگدڑ سی مچی رہی، پنڈت جی کی جانب سے دیومالائی مشاعرے میں آس پاس کے گاؤں سے بلائے اور بن بلائے شاعر حضرات نے شامیانے میں سننے والوں کے لیے جگہ نہیں چھوڑی اور دوسرا شامیانہ لگایا گیا، مشاعرے سے پہلے پنڈت جی نے ڈسٹرکٹ الیکشن میں اپنی نامزدگی کا اعلیٰ وارفع مقصد بیان کیا اور دونوں کی زوردار تالیاں بار بار دہرائی گئیں پھر جب مشاعرہ عروج پر پہنچا تو تالیوں کی گڑگڑاہٹ کے بیچ انہوں نے ماتا یعنی سورگی کی ماتا اور دھوا کے نام پر اپنی زمین کا ایک بڑا حصہ وقف کرنے کا اعلان کیا اور پنڈال رام رام کے نعروں سے گونج اٹھا۔

چھت پر جمع عورتوں کے پرشور ہجوم کو کسی طرح چیرتے ہوئے پونم کی عزیز ترین سہیلی گومتی اس کے پاس پہنچی مگر نعروں کی گونجتی بازگشت اور عورتوں کی چیخ پکار کے باعث کہہ نہیں پائی جو کہنے آئی تھی، اس نے یہ ضرور دیکھا کہ آس پاس کے مکانوں کی چھتوں پر جمع مرد پونم کو نظر بھر کر دیکھنے کے لیے ایک دوسرے کو دھکیل اور دھکیل رہے ہیں اور پھر ایک دم عورتوں کا مجمع بے ترتیب ہوا پتا چلا کہ پنڈت جی نیوتا لینے اتر رہے ہیں بس افراتفری مچ گئی، سب کی سب نیچے پہنچنے کے لیے گرتے پڑتے دوڑ پڑیں اور دم بھر میں چھت خالی ہوگئی اور یوں پورے ایک سال چھ مہینے دس دن بعد پونم کو تنہائی کی عافیت بھری پناہ مل گئی، اس نے سر کی چادر اتار کر بچھائی اور لیٹ گئی، چاند کی جلوہ ریزی سے منور آسمان میں بادلوں کے جگمگاتے سفینے تیر رہے تھے آوارہ گرد چاند اپنی روشن تابناک آنکھیں جھپکاتا کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں تھا اور چند کے فاصلے پر ہنگامہ بپا تھا مگر اس سے پہلے کہ نیند پونم کی آنکھوں کو بوجھل کردے اس نے نیم غنودگی کے عالم میں دیکھا کہ اس کے آس پاس ایک ہالہ سا تیر رہا ہے پھر اس نے دیکھا تیرنے والا وہ دھندلا ہالہ اب واضح اور روشن سامنے کھڑا اسے دیکھ رہا ہے اس کا رنگ گہرا ہے وہ قد آور ہے اور اس کی شکل نمایاں ہوگئی ہے مانو وہ سایہ نہیں جسم ہو پھر وہ آہستگی سے اس کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھا اور مسکرایا پونم بھی مسکرائی۔

"تم دیوتا ہو۔"

یہ سنتے ہی سایہ اس پر جھکا اس کے جھکتے ہی ایک دم کوئی آتش فشاں پھوٹا ایک سنسنی خیز لمس پونم کے ہونٹوں سے گزرتا لہو میں گردش کرتا دل کو بے قابو کرتا اسے جان لیوا مسحور کن لذت انگیز بے بسی سے لاچار کرتا دیوانہ وار رقص کرنے لگا۔

پھر جیسے آتش بار بان سی چھوٹنے لگی اور وہ موم جیسی پگھلنے لگی۔

سارا منظر سیال بن کر لاوے جیسا بہنے لگا ہر طرف اجالا برسنے لگا اور اس کے پر نکل آئے وہ اڑنے لگی۔

چاند اس کے سینے پر سج گیا جھلملاتے نورانی سفینے ہم آغوش ہوئے روم روم چومتے ستاروں کے ہمراہ تتلیاں رقص میں آ گئیں اور وہ ایک روشن لکیر بن گئی۔

یہ سورگ ہے۔

بے شک یہ سورگ ہے۔

اس کی آواز دلدوز سسکی میں بدلی اور آسمان کی بلندیوں میں ڈوبنے لگی پھر پونم غائب ہوگئی اس کے بعد اس نے نہیں دیکھا مگر کہنے والے کہتے ہیں کہ اس کے کمرے سے اکثر اس کے ہنسنے کی آواز سنائی دیتی ہے کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے دیکھا ہے وہ دلہن جیسی ہی ہوتی ہے مگر اس کی آنکھیں بے نور ہیں، گومتی کو رنج ہے کہ وہ پونم سے نہیں کہہ پائی کہ وہ پھل اور مٹھائیاں اپنا پسندیدہ بندھن طے ہو جانے کی خوشی میں کرپا کے طور پر اس نے رکھی تھیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

عیار ناگن

خلیل جبار

وہ جوانی کے نشے میں سرشار تھی دنیا اس کے لیے تسخیر تھی ہر دن اس کے لیے ایک نیا سرور لے کر طلوع ہوتا تھا مگر اچانک اس پر یہ عقدہ کھلا کہ یہ سب کچھ چند روزہ ہے۔ موت کی دیوی اس سے کھیل رہی ہے۔

حیدرآباد میں ایک نوجوان کو پیش آنے والے خوفناک واقعات کا احوال۔

جس کی زندگی میں اک ڈائن داخل ہوگئی تھی

میں جیسے ہی دفتر سے نکلا۔ آسمان پر کالی گھٹائیں چھا چکی تھیں آج صبح سے ہی موسم خشک تھا۔ دوپہر میں شدید قسم کا حبس ہو گیا تھا اور پہ سے سسٹم لوڈشیڈنگ نے عوام کا گرمی سے برا حال کر دیا۔ ہر شخص ہی پریشان ہو کر رہ گیا تھا۔ آج دفتر میں کوئی خاص کام نہیں تھا۔ اس لیے میں نے جیسے تیسے وقت گزارا اور چھٹی ہوتے ہی گھر کا رخ کیا۔ ان دنوں میں شہر سے دور ایک نئی آبادی میں رہ رہا تھا۔ اچھے وقتوں میں میرے ابو قاسم نے اس آبادی میں ایک پلاٹ لے کر ڈال دیا تھا پھر جیسے جیسے پیسے آتے رہے وہ تھوڑا تھوڑا کام کراتے رہے اب پلاٹ اس قابل ہو گیا تھا کہ ہم اس میں رہ سکتے تھے۔ اس لیے رہائش اختیار کر لی تھی۔ میرے بڑے بھائی موسن کی شادی بھی اسی مکان میں ہوئی تھی۔ میری امی نسیم کی بڑی خواہش تھی کہ میری بھی شادی ہو جائے مگر ہماری مالی پوزیشن ایسی نہیں تھی کہ فوراً سے میری شادی ہو جائے۔ میری شادی کی غرض سے امی ابو گھر کے خرچ سے بچت کر کے دو تین کمیٹیاں ڈالی ہوئی تھیں کمیٹیاں نکلنے پر میری شادی ہونی تھی۔ میری شادی کی بات میری خالہ زاد شائستہ سے طے ہو چکی تھی۔ وہ میری پسند بھی تھی۔

میں دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگا کہ ابھی بارش نہ ہو ورنہ میرے لیے گھر پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔ راستے میں بڑے بڑے گڑھے تھے۔ بارش کا پانی ان میں بھر جاتا تھا۔ سڑک پر پانی بھرا ہونے پر میں ہی کیا سب کے لیے ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ گاڑی کے انجن میں پانی گھس جانے سے گاڑی بند ہو جاتی ہے ایسے میں گاڑی کو گھسیٹتے ہوئے گھر لے جانا پڑتا تھا۔ گھر جاتے جاتے حالت بری ہو جاتی تھی۔ اگر گاڑی بند بھی نہ ہو تو گاڑی کسی گڑھے میں گر سکتی ہے۔ جس سے بیٹھنے والا شدید زخمی ہو جاتا یقینی ہو جاتا ہے جب تک بارش نہ ہو میرے پاس وقت تھا جتنی جلدی ہو گاڑی کو دوڑاتا ہوا گھر چلا جاؤں۔ ایسا لگتا تھا آج میری قسمت اچھی نہیں ہے۔ میں ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اچانک بوندا باندی شروع ہو گئی۔ اس بوندا باندی میں گاڑی کو تیز دوڑا بھی نہیں سکتا تھا۔ سڑک پر پھسلن کے باعث گاڑی گر کر دور تک جا سکتی تھی۔ گاڑی کا کچھ نہ بگڑے گا میں ضرور شدید زخمی ہو سکتا تھا میں ابھی گھر سے خاصی دور تھا کھمبوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا کھمبوں کے ختم ہونے پر ہی ہماری آبادی آ جاتی۔ اچانک میری نظر بے اختیار ایک درخت پر پڑی درخت کے نیچے ایک دوشیزہ کھڑی نظر آئی۔ وہ کچھ پریشان دکھائی دے رہی تھی اس کا پریشان ہونا بجا تھا۔ اس سڑک پر گاڑیاں بہت کم چلتی تھیں اور ان گاڑیوں کا بھی

Downloaded from https://paksociety.com

ایک مخصوص وقت تھا۔ وقت گزرنے پر گاڑی نہیں ملتی تھی۔ کسی موٹر سائیکل سوار سے ہی لفٹ لے کر آبادی تک پہنچنا پڑتا تھا۔ میں نے اس کی پریشانی کو سمجھتے ہوئے گاڑی اس کے پاس روک دی۔ انسانی ہمدردی کا تقاضا تھا کہ میں اس کی مدد کروں۔ بارش تیز ہونے پر وہ بارش میں بھیگ کر بیمار پڑ سکتی تھی اور پھر رات ہونے کو تھی۔ وہ رات میں تنہا کس طرح آگے سفر کر سکتی تھی۔ اس کے پاس جانے پر وہ ایک لمحے کو چونکی ضرور تھی مگر پھر نارمل ہو گئی۔

''کہاں جانا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے زیادہ دور نہیں جانا' بس اس طرف جانا ہے۔'' دوشیزہ نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔

''اس طرف آبادی کہاں ہے؟'' میں چونکا۔

''کچھ گھر ہیں انہی گھروں میں میرا بھی ایک گھر ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''اچھا! میرا اس طرف بھی جانا نہیں ہوا۔ اس لیے میرے علم میں نہیں ہے کہ وہاں بھی کوئی آبادی ہے۔'' میں نے کہا۔

''انسان کو اپنے اردگرد پر نظر رکھنی چاہیے نہ جانے کب کس کی کس کو ضرورت پڑ جائے۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

''کہہ تو بالکل ٹھیک رہی ہو۔'' میں نے اس کے سراپا پر ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

درخت کے پتوں سے گرتے پانی نے اس کے جسم کو بھگو دیا تھا۔ سفید کپڑے اس کے بدن سے چپک گئے تھے۔ وہ لباس پہنے ہوئے بھی بے لباس لگ رہی تھی۔ پورا جسم جھلک رہا تھا۔ مجھے اپنی جانب اس طرح دیکھتے پر وہ جھینپ سی گئی تھی۔ اس کے جھینپنے پر مجھے بھی شرمندگی کا احساس ہوا' واقعی مجھے کسی اجنبی دوشیزہ کو ایسے نہیں دیکھنا

Downloaded from https://paksociety.com

چاہیے تھا۔ میں نے نظریں نیچی کر لیں۔
"آیئے میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔"
"کیا تم بھی اس طرف جاؤ گے۔" وہ بولی۔
"مجھے اس سے بھی آگے جانا ہے' میں تمہیں چھوڑ کر آگے چلا جاؤں گا۔"
"تمہیں زحمت ہوگی۔"
"مجھے کوئی زحمت نہیں ہوگی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
وہ میری گاڑی پر بیٹھ گئی' اس کے بیٹھنے پر میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ دوشیزہ کھسک کر اور میرے قریب ہوگئی' اس کا بدن میری پیٹھ سے لگ گیا تھا۔ وہ بھی بارش میں بھیگی ہوئی تھی اور میرا بدن بھی برسات نے بھگو دیا تھا۔ دوشیزہ کے چپک جانے سے میرے بدن میں ایک ہلچل سی پیدا کر دی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ سفر اور طویل ہو جائے تاکہ وہ دوشیزہ میری گاڑی پر زیادہ سے زیادہ دیر تک بیٹھی رہے۔ میں خواہش ہی کر سکتا تھا لیکن ایسا ممکن نہیں تھا۔ اس کی منزل قریب آتی جا رہی تھی۔ جیسے جیسے منزل قریب آ رہی تھی۔ برسات تیز ہوتی جا رہی تھی۔ سڑک پر پانی جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ پانی دیکھ کر میری پریشانی میں اضافہ ہونے لگا تھا۔
"کیا ہوا تم کچھ پریشان ہو گئے ہو؟" دوشیزہ نے پوچھا۔
"دراصل میں سوچ رہا ہوں کہ گھر کس طرح پہنچوں گا۔" میں نے کہا۔
"ظاہر سی بات ہے گاڑی کے ذریعے ہی گھر پہنچو گے۔" وہ بولی۔
"بارش میں تیزی آ گئی ہے۔ سڑک پر اتنا پانی بھر جائے گا کہ گاڑی لے جانا ممکن نہیں رہے گا سڑک پر بڑے بڑے گڑھے بھی ہیں گاڑی ان میں گرنے سے میں شدید زخمی بھی ہو سکتا ہوں۔" میں نے بتایا۔
"پھر آپ کیا چاہ رہے ہیں؟" اس نے پوچھا۔
"میری سمجھ میں نہیں آ رہا اس لیے پریشان ہوں۔"
"آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ میرے گھر رک جاؤ۔ گھر جانا ممکن ہو تو اپنے گھر چلے جانا ورنہ صبح دیکھ لینا۔"
"آپ کے گھر والے....." میں نے کہنا چاہا۔
"میرے گھر پر کوئی نہیں رہتا میرے شوہر کاشف دبئی میں کام کرتے ہیں' وہ بھی ایک سال کبھی دو سال میں ایک ماہ کے لیے آتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں ابھی گئے ہوئے ابھی دو ماہ ہی ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کی واپسی ابھی ممکن نہیں ہے۔" دوشیزہ نے بتایا۔
"علاقے کے لوگ اعتراض کر سکتے ہیں" میں نے کہا۔
"اس بارش میں سب اپنے اپنے گھروں میں دبکے ہوئے ہوں گے انہیں اتنی فکر کہاں ہوگی کہ وہ کسی دوسرے کے گھر میں جھانکتے پھریں اور میں کہہ سکتی ہوں کہ تم میرے کزن ہو' اتنا کہنے پر کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" دوشیزہ نے کہا۔
"بھئی تم جیسی دبنگ دوشیزہ دیکھی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "ویسے تمہارا نام کیا ہے؟"
"میرا نام مریم ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔
"جتنی خوبصورت تم ہو اتنا ہی پیارا نام ہے۔"
"کیا میں واقعی خوبصورت ہوں۔" وہ بولی۔
"ہاں کیوں تمہیں شک ہے۔" میں نے اسے چھیڑا۔
"میرے شوہر میری بہت تعریف کرتے ہیں میں بھی ہوں کہ وہ مجھے مسکا لگاتے ہیں۔"
"حیرت ہے خواتین کو اگر یہ کہا جائے کہ وہ حسین ہیں تو وہ خوش ہوتی ہیں اور تم ہو کہ شک میں مبتلا ہو" میں نے کہا۔
"ارے تم سنجیدہ ہو گئے ہو' میں مذاق کر رہی تھی۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس کے کھلکھلا کر ہنسنے پر میں مسکرا کر رہ گیا جہاں مریم کا گھر تھا وہاں واقعی آبادی تھی بس فرق اتنا تھا کہ گھر فاصلے پر بنے ہوئے تھے۔ ایک مکان کے سامنے مریم نے رکنے کو کہا۔
"آؤ اندر آ جاؤ۔" مریم نے گھر کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "موٹر سائیکل بھی اندر لے آؤ۔"
میں موٹر سائیکل مریم کے گھر کے اندر لے گیا۔ میرے گھر میں داخل ہونے پر مریم نے دروازہ بند کر دیا۔ گھر اندر سے خوب سجا ہوا تھا۔
"میں کپڑے تبدیل کر کے بالوں کو خشک کر کے باتھ روم سے ابھی باہر آتی۔" یہ کہتے ہوئے وہ باتھ روم میں چلی

Downloaded from https://paksociety.com

گئی۔

جب وہ باتھ روم سے باہر آئی اس کا حسن اور نکھر کر سامنے آ گیا تھا۔ وہ بہت حسین دوشیزہ تھی۔ اسے دیکھ کر مرمٹنے کو دل چاہ رہا تھا اگر میری بات کزن سے طے نہ ہوئی ہوتی اور وہ کنواری ہوتی میں اس سے شادی کے لیے والدین سے پیغام بھجوا دیتا۔ اس کا شوہر کتنا بدقسمت تھا جو اس کو پا کر بھی اس سے دور تھا مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر وہ نروس ہو گئی۔

"تت...... تت تم...... اپنے کپڑے تبدیل کر لو ورنہ بیمار پڑ جاؤ گے۔" وہ بولی۔

"بیمار کیا پڑ جاؤں گا بیمار ہو گیا ہوں۔" میرے منہ سے بے اختیار یہ جملہ نکلا۔

"کیا!" وہ چونکی۔

"میرا مطلب ہے کہ میرے پاس کپڑے نہیں ہیں۔"

"کپڑے تم میرے شوہر کے پہن لو جب تمہارے کپڑے سوکھ جائیں تو انہیں پہن لینا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

مریم نے مجھے اپنے شوہر کے کپڑے پہننے کو دیئے تھے وہ میرے جسم پر فٹ آ گئے تھے۔ میں جب باتھ روم سے باہر آیا' مریم میرے لیے گرم گرم چائے تیار کر کے لے آئی تھی۔ میں گرم چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

"ارے یہ بسکٹ کون کھائے گا۔" مریم نے بسکٹ کے پیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں ہاں بسکٹ بھی کھالوں گا۔" میں نے بسکٹ پلیٹ سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

مریم کے جسم سے ایسی مہک اٹھ رہی تھی جو میرے نتھنوں میں گھسی جا رہی تھی۔ میری بڑی ہی عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔ مریم کا انداز بھی خود سپردگی جیسا دکھائی دے رہا تھا' باہر برسات ہو رہی تھی باہر کا اور میرے اندر کا موسم بہت ہی خوشگوار تھا۔ تنہائی کے پرسکون لمحات میسر آ چکے تھے۔ باہر سے کسی قسم کی مداخلت کا کوئی امکان نہیں تھا' مریم کی مخمور آنکھیں مجھے کچھ کرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ پھر وہ کچھ ہو گیا جو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں اپنے کیے پر شرمسار ہو رہا تھا۔ مریم نے میری کیفیت کو جان لیا' اس لیے اس نے میرا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم شرمندہ کیوں ہو' یہ سب کچھ اس ظالم موسم نے کرا دیا ہے۔"

"ہاں اس موسم نے ہی مجھ پر ایسی کیفیت طاری کر دی تھی کہ میں بہک گیا۔" میں نے جھینپتے ہوئے کہا۔

وہ میری اس بات پر زوردار قہقہہ مار کر ہنس دی۔

برسات بہت زوروں کی ہوئی تھی۔ کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکنے پر ہر طرف پانی ہی پانی بھرا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس صورت حال میں میرا ممکن ہی نہیں رہا تھا کہ میں گھر پہنچ جاؤں' مجھے اب پوری رات مریم کے گھر میں رات بسر کرنا تھی۔ وہ مجھ سے کھل گئی تھی۔ اس لیے رات بہت رنگین گزری' میں نے موبائل پر گھر والوں اپنے ایک دوست کے گھر رکنے کا کہہ دیا تھا تاکہ وہ میرے گھر نہ پہنچنے پر پریشان نہ ہوں۔

صبح بیدار ہونے پر میں نے باہر کا جائزہ لیا۔ جگہ جگہ پانی کھڑا تھا۔ ایسے میں میرا دفتر جانا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ اس لیے مجھے دفتر اطلاع کرنی پڑی کہ میں آج دفتر نہیں آ سکوں گا۔ مریم بھی یہی چاہ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اسے میرے یہاں رکنے کی بہت خوشی ہے۔ وہ میری خاطر مدارت میں کوئی کمی نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

دوسرے دن صبح صورت حال ایسی ہو گئی تھی کہ میں دفتر جا سکوں۔ میں صبح ناشتہ کر کے دفتر کو روانہ ہو گیا۔ دفتر جاتے ہوئے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ میں نے مریم کے پاس دو راتیں اور ایک دن گزارا تھا اور میں نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ بہت پیاسی ہے اور اس نے میری رفاقت میں کھل کر خود کو سیراب کر لیا تھا۔ اس لیے مجھے پھر دوبارہ آنے کی سختی سے تاکید کی تھی اور میں نے بھی دوبارہ آنے کا وعدہ کر لیا تھا اور کیوں نہ کرتا میری دو راتیں اور ایک دن اتنا شاندار گزرا تھا کہ میں جس کا تصور خواب میں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آفس میں کام کرتے ہوئے بھی مجھے مریم کے ساتھ گزرا وقت خواب سا محسوس ہو رہا تھا۔ دفتر میں کام کے دوران بھی میرا موڈ بڑا خوشگوار رہا۔

چھٹی ہونے پر میں جب گھر جا رہا تھا وہ مقام آنے پر جہاں مریم ملی تھی مجھ سے لوکاٹی کو بریک لگا دیا۔ دل میں خیال آیا کہ اچانک سے مریم آ جائے' ایسا ممکن نہیں تھا وہ

Downloaded from https://paksociety.com

اتفاق ہی تھا کہ مریم سے ملاقات ہوگئی تھی۔ اس نے مجھے یہی بتایا تھا کہ وہ شہر کسی کام سے گئی تھی۔ راستے میں جس گاڑی سے آرہی تھی وہ خراب ہوگئی تھی اس لیے مسافروں کو راستے میں ہی اتار دیا گیا تھا۔ مسافروں نے اپنے گھر والوں کو موبائل پر اطلاع دے کر بلا لیا تھا۔ ایک خاتون نے اخلاقاً اسے وہاں تک لفٹ دے دی تھی۔ اسی جگہ سے آگے جانے کو وہ کسی گاڑی والے کا انتظار کر رہی تھی تاکہ مزید لفٹ لے کر اپنے گھر پہنچ جائے ایسے میں میں وہاں پہنچ گیا اور اس لفٹ کے بدلے مجھے بارش سے بچنے کو نہ کہنا پڑ گیا تھا۔ مریم نے میری توقع سے زیادہ ہی میری خاطر مدارات کر دی تھی۔

مجھے مشکل سے مریم سے ملاقات کیے تین دن ہی ہوئے تھے کہ دفتر سے واپسی کے وقت میرا رخ مریم کے گھر کی طرف ہوگیا۔ دستک دینے پر دروازہ مریم نے ہی کھولا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرا دی۔

"میں یہاں سے گزر رہا تھا کہ....."

"ملاقات کر لی جائے۔" مریم نے جملہ مکمل کیا۔

"ہاں میں یہی کہنا چاہ رہا تھا۔" میں نے کہا۔

"آؤ باہر کیوں کھڑے ہو۔" وہ مجھے راستہ دیتے ہوئے بولی۔

"تمہیں میری یاد آ ہی گئی۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ہاں اس دن ہماری ملاقات بہت اچھی رہی۔"

"بس اچھی رہی شاندار نہیں۔"

"ہاں شاندار رہی تبھی میرے قدم دوبارہ اس طرف اٹھ گئے۔"

"میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔" وہ بولی۔

"ارے تکلف نہیں کرو میں ایسے ہی ملنے آ گیا تھا۔" میں نے کہا۔

"میں کب تکلف کر رہی ہوں کیا مہمان کو چائے پلانا نہیں چاہیے۔"

"میں تھوڑی دیر کے لیے آیا ہوں اس لیے چائے کا منع کر رہا ہوں۔"

"تم ایسا کیوں نہیں کرتے ہفتے کی شام کو آ جاؤ اور رات یہاں گزار کر چلے جاؤ۔"

"ٹھیک ہے میں گھر پر کہہ دوں گا دفتر میں کام ہے اتوار کی صبح آؤں گا۔"

"بہتیں رات ساتھ گزارنے کا موقع ملنا چاہیے۔" مریم ہنستے ہوئے بولی۔

"خالی رات بارنگین رات۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بے فکر رہو میں نے دیواروں کے کان ہی کاٹ دیے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ چائے بنانے کو چلی گئی۔

میں نے چائے بنانے سے بہت روکا مگر وہ مجھے چائے پلانے پر بضد تھی اور چائے بسکٹ سے میری تواضع کر دی۔ میں کچھ دیر اس کے پاس بیٹھ کر گھر چلا آیا۔ ہفتے کی رات ساتھ گزارنے کے تصور ہی سے میرے من میں خوشی سے لڈو پھوٹ رہے تھے۔ میں شدت سے ہفتے کا انتظار کرنے لگا۔ تین دن بعد ہفتہ تھا۔

ہفتے کی صبح میں گھر سے کام کا بہانہ بنا کر رات گھر نہ آنے کا کہہ آیا تھا۔ پورا دن بڑی بے چینی سے دفتر میں گزارا۔ دل چاہ رہا تھا بس جلدی سے شام کے پانچ بج جائیں اور میں مریم کے پاس پہنچ جاؤں۔ ہفتے کا دن میں نے بڑی مشکل سے گزارا۔

پانچ بجتے ہی میں نے مریم کے گھر کا رخ کیا۔ مریم کو بھی میرا انتظار تھا۔ وہ مجھے اپ کر کے میری آمد کی منتظر تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ کھل اٹھی۔ میرے لیے چائے اور بسکٹ لے آئی میں رات بھر مریم کے گھر پر رہا۔ مریم نے اپنی بانہوں سے مجھے الگ ہونے ہی نہیں دیا۔ یہ رات بھی گزشتہ راتوں کی طرح بغول مریم کے شاندار گزری تھی۔ صبح ہونے پر میں گھر چلا گیا۔ میری آنکھوں میں رات کی نیند باقی تھی دو دن میں نے سو کر پوری کی۔

اب میری اکثر راتیں مریم کے گھر پر گزرنے لگی تھیں۔ گھر والے بھی حیرت زدہ تھے کہ میں راتوں کو اکیلا آفس میں کیا کرتا ہوں۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ میں نے گھر والوں کے سوالات سے بچنے کے لیے مریم کو یہ بات بتا دی اور اس سے دن میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ جس پر وہ راضی ہوگئی۔ طے یہ ہوا کہ میں بھی دفتر سے جلدی چھٹی لے کر آؤں گا کبھی دفتر سے چھٹی کر لوں گا کبھی اتوار کو آ جاؤں گا۔

Downloaded from https://paksociety.com

حدیث قدسی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایک تو بخل دوسری بد خلقی۔

حضرت ابوبکر صدیق نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جنت میں نہ تو چالباز داخل ہو گا (دھوکہ باز) نہ بخیل نہ صدقہ کر کے احسان رکھنے والا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور پاس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

کاشف نصیر [illegible] ۔۔ خانیوال

بکھرے ہیں موتی

جو شخص اس لیے اپنی اصلاح کر رہا ہے کہ دنیا اس کی تعریف کرے تو اس کی اصلاح نہیں ہوتی۔

خاص نیکیوں کا صلہ دنیا سے مانگنے والا انسان نیک نہیں ہو سکتا۔

خدا ریاکار اس عابد کو کہتے ہیں جو دنیا کو اپنی عبادت سے مرعوب کرنا چاہے

جویریہ قدوسی ۔۔ کراچی

نیند

نیند حق تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جو جسم و جان کو دن بھر کی کلفت کے بعد راحت و آرام بخشنے کے علاوہ روزانہ انسان کے سامنے خمار موت، عذاب قبر اور حیات بعد ممات کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ خمار موت کی طرح انسان نیند کی حالت میں دنیا و مافیہا سے بالکل الگ اور بے خبر ہو جاتا ہے عذاب قبر کی طرح خواب کے عالم میں کبھی ہولناک واقعات کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے حیات بعد ممات کی طرح جب وہ نیند سے بیدار ہوتا ہے تو پھر اپنے آپ کو دنیا کے عمل میں موجود پاتا ہے یا حالت سفر میں جب وہ ایک شہر سے گاڑی یا ہوائی جہاز میں سوار ہوتا ہے اور رات پڑ جانے کی وجہ سے سو کر جب صبح کو اٹھتا ہے تو اپنے آپ کو بالکل ایک نئی دنیا میں پاتا ہے۔

سونے کا ادب یہ ہے کہ ہر شخص سر شام اپنے بچوں کو گھر میں روکے رکھے اور انہیں باہر نہ جانے دے کہ اس وقت جنات اور شیاطین کا دور دورہ اور تقریب شروع ہو جاتا ہے اور چونکہ انہیں زیادہ نیند کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے انہیں کھلا پلا کر سلا دیا جائے مگر خود سر شام نہ سو جائیں بلکہ نماز عشا کا اہتمام کریں۔ نماز عشا سے فارغ ہونے کے بعد خوش گپیوں یا لہو لعب میں اپنا وقت ضائع نہ کریں بلکہ جلد سو جائیں تاکہ تہجد یا صبح کی نماز خراب نہ ہو۔ افضل یہ ہے کہ باوضو سوئیں اور سونے سے قبل محاسبہ کریں۔ توبہ و استغفار اور مسنون دعائیں پڑھیں اور اپنی عادت میں داخل کر لیں تاکہ موت کے وقت اور موت کے بعد جی اٹھنے کے وقت بھی یہ دعائیں زبان پر جاری رہ سکیں۔

خرم خان ۔۔ کوہاٹ

مصر کے کاشتکاروں کا قصہ

ہارون الرشید کے لیے جب ملک مصر پورا فتح ہو گیا تو اس نے فرمایا اس سرکش فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا اس ملک کا حاکم اپنے سب سے ذلیل ترین غلام کو بناؤں گا۔ چنانچہ ایک حبشی غلام خصیب نام کا تھا ملک مصر اس کو دے دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس غلام کی عقل اور سمجھ اتنی تھی کہ مصر کے کاشتکاروں کی ایک جماعت نے اس کے پاس شکایت کی کہ ہم نے دریائے نیل کے کنارے روئی بوئی تھی بے وقت بارش ہونے سے برباد ہو گئی۔ اس نے کہا اون بونی چاہیے تھی تاکہ وہ برباد نہ ہوتی۔ ایک اللہ والے نے یہ بات سنی تو فرمایا اگر روزی عقل سے بڑھتی تو دنیا میں بے وقوف سے زیادہ تنگ روزی والا کوئی نہ ہوتا اللہ تعالیٰ بے وقوف کو ایسے طریقے سے روزی پہنچاتا ہے کہ عقل مند اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

مرسلہ: ثریا [illegible] ۔۔ گوجرانوالہ

Downloaded from https://paksociety.com

دن میں مریم کے پاس آنے کا نقصان یہ ہوا کہ میں علاقے والوں کی نظر میں آ گیا۔ ایک دو بار علاقے کے لوگوں نے مجھے مکان سے نکلتے دیکھا مگر کہا کچھ نہیں۔

ایک دن میں اتوار کی شام کو مریم کے گھر سے نکل کر جا رہا تھا کہ ایک بزرگ جن کی عمر 60.65 کے درمیان ہو گی وہ میری گاڑی کے سامنے آ گئے۔ مجبوراً مجھے گاڑی روکنا پڑ گئی۔ وہ مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے' ان کے حیرت سے دیکھنے پر میں بھی چونکا۔

''تم یہاں کیا کرنے آتے ہو؟'' وہ بولے۔

ان کے اس طرح سوال کرنے پر میں چونکا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' میں نے کہا۔

''میں نے تم سے یہ سوال فارسی میں تو نہیں کیا۔'' وہ بولے۔

''کوئی اپنے عزیز یا رشتے دار کے پاس کیوں آتا ہے۔'' میں نے ان سے الٹا سوال کر ڈالا۔

''بیٹے میں تم سے جو بات کہوں اس کا برا نہیں ماننا۔''

''ہاں بولیں۔'' میں نے کہا۔

''بیٹے تم یہاں نہیں آیا کرو' اس میں تمہاری بہتری ہے آگے تمہاری مرضی ہے۔''

''بابا جی! جب تم نے یہ بات کی ہے تو یہ بھی بتا دو کہ میرا یہاں آنے میں کیا نقصان ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے تمہاری جوانی پر ترس آ رہا ہے اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری صحت اچھی رہے تو پھر یہاں کا رخ نہ کرنا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سمجھدار کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئے۔

میں انہیں دیکھتا رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ بات انہوں نے کن معنوں میں کہی ہے' کیا انہیں شک ہو گیا ہے کہ مریم گھر میں کیا کھیل کھیل رہی ہے۔ اس طرح کی عورتیں مختلف نوجوانوں سے روابط رکھتی ہیں' جب دل بھر جائے اس سے چھٹکارا پا کر کسی اور نوجوان سے دوستی کر لیتی ہیں۔ گھر پہنچنے تک میں ان بزرگ کی بات پر ہی الجھا رہا۔ ضرور کچھ گڑبڑ ہے' کیا گڑبڑ ہے یہ مریم ہی بتا سکتی تھی۔

دو دن بعد جب میری مریم سے ملاقات ہوئی میں نے ان بزرگ سے ہونے والی بات بتائی۔ مریم کے چہرے پر ایک رنگ آ کر چلا گیا۔

''تم اس علاقے کے لوگوں کی باتوں پر کان مت دھرا کرو' یہ لوگ ایسے ہی باتیں بناتے رہتے ہیں۔'' مریم نے کہا۔

''میں تو ایک لمحے کو ڈر گیا تھا' پتا نہیں کیوں وہ مجھے منع کر رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''میرے ہوتے ہوئے تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے تم میرے پاس آتے ہو کسی کی مجال نہیں ہے تمہیں روکے اب اگر تم سے اس طرح کی بات کرے اسے میرے پاس لے آنا۔ میں اس کا دماغ درست کر کے رکھ دوں گی آخر انہوں نے خود کو سمجھا کیا ہے۔'' مریم غصے میں بھر کر بولی۔

''ارے بھئی تم اپنا موڈ کیوں خراب کر رہی ہو' چھوڑو ان لوگوں کو۔'' میں نے مریم کو موڈ ٹھیک کرنے کو کہا۔

وہ اتوار کا دن تھا۔ میں مریم کے گھر سے نکل کر جا رہا تھا کہ ایک نوجوان نے مجھ سے لفٹ مانگ لی۔ وہ بھی ہمارے علاقے میں جا رہا تھا۔ کچھ دور چلنے پر اس نوجوان نے مجھ سے پوچھا۔

''آپ کو میں اس علاقے میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ کیا یہاں کسی رشتے دار سے ملنے آئے تھے؟''

''ہاں میں اپنی رشتے دار مریم سے ملنے آیا تھا۔'' میں نے جھوٹ بولا۔

میری اس بات پر اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔

''وہ......وہ......تمہاری رشتے دار ہے۔''

''کیوں تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں آپ نے بات ہی ایسی کر دی۔''

''کیا وہ میری رشتے دار نہیں ہو سکتی۔''

''مریم کے متعلق بڑی عجیب و غریب باتیں مشہور ہیں۔''

''وہ کیا؟'' میں چونکا۔

''ویسے تو مریم علاقے میں کسی سے میل جول نہیں رکھتی اور نہ ہی علاقے کے لوگ اس سے ملنا پسند کرتے ہیں۔ ہمارے بزرگ بھی ہمیں مریم سے بات چیت کرنے سے منع کرتے ہیں۔''

''وہ کیوں؟''

Downloaded from https://paksociety.com

''مریم اس علاقے سے تعلق نہیں رکھتی ہے' ایک نوجوان نے وہ مکان خریدا تھا' جس میں مریم رہتی ہے' وہ نوجوان مریم کو یہاں لے کر آیا' علاقے کے لوگ سمجھتے تھے کہ وہ دونوں میاں بیوی ہیں پھر چند مہینے گزرنے پر وہ شخص غائب ہوگیا' جب سے وہ غائب ہوا ہے پھر کسی نے اس شخص کو نہیں دیکھا۔''

''تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے وہ نوجوان اس کا شوہر تھا' وہ دولت کمانے بیرون ملک چلا گیا ہے۔'' میں نے اس کی تصحیح کی۔

''وہ مریم کا شوہر تھا پھر ہر دوسرے تیسرے مہینے ایک نیا نوجوان کیوں اس کے پاس آجاتا ہے اور پھر جب وہ غائب ہوتا ہے تو پھر نیا نوجوان آجاتا ہے' ایسا کیوں ہوتا ہے؟''

بات اس کی میرے دل کو لگی تھی۔ اس کی بات سے محسوس ہو رہا تھا کہ مریم عیاش عورت ہے اور جب اس کا نوجوان سے دل بھر جاتا ہے پھر وہ کسی اور مرد کو پھانس لیتی ہے' مجھے بھی شاید اس نے اس لیے پھانسا ہے وہ نہ مجھ میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ ضرور گڑبڑ ہے۔

''تم لوگوں نے احتجاج کیوں نہیں کیا۔ اگر وہ غلط کام کررہی ہے پھر تمہیں اسے اس علاقے سے بھگا دینا چاہیے۔'' میں نے کہا۔

''گاؤں والوں کے یہ بس میں نہیں ہے وہ جب بھی اس کے پاس جاتے ہیں' ان کی زبان گنگ ہوجاتی ہے ان کی زبان ان کا ساتھ نہیں دیتی' اس لیے وہ واپس لوٹ آتے ہیں۔ علاقہ مکینوں کا یہی خیال ہے کہ وہ کوئی جادو گرنی ہے' اس لیے مریم کے دروازے پر ناکام کر لوگ واپس چلے آتے ہیں لوگ اپنے دل میں مریم کے لیے نفرت ضرور رکھتے ہیں مگر وہ اس کا برملا اظہار نہیں کرپاتے۔'' اس نے کہا۔

نوجوان کی منزل آنے پر وہ موٹر سائیکل سے اتر گیا' مگر میرے ذہن میں وسوسے چھوڑ گیا تھا۔ مریم والے معاملے میں گڑبڑ ضرور تھی۔ ایسا وہ کیا عمل کرتی ہے جو علاقے کے مکین اس سے نفرت کرنے کے باوجود بھی اسے کچھ نہیں کہہ پاتے ہیں۔ وہ نوجوانوں کو عیاشی کی غرض سے قریب کرتی ہے تو ٹھیک ہے مگر نوجوانوں کو کس قسم کا نقصان پہنچاتی ہے تو پھر مجھے کچھ سوچنا ہوگا' کسی طرح مریم سے چھٹکارا پانا ہوگا ورنہ وہ مجھے بھی نقصان پہنچا سکتی ہے' میں نے مختلف کہانیوں میں پڑھا تھا۔ مختلف چڑیلیں' جادوگرنیاں نوجوانوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں اور پھر انہیں ہلاک بھی کردیتی ہیں۔

نوجوان کی باتیں سن کر میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ اس سے کسی نہ کسی طرح چھٹکارہ حاصل کرنا ہوگا یا اس کے بارے میں چھان بین کرنا ہوگی تاکہ اصل حقائق سامنے آجائیں' گھر والے بھی میرے ہفتے کی رات کو دفتری کام کا بہانہ بنا کر غائب رہنے پر پریشان تھے کہ پہلے بھی ایسا نہیں ہوا تھا پھر اب یہ کیوں ہو رہا ہے۔ جس طرح کا ماحول چل رہا ہے' اس میں والدین گھبراتے ہی ہیں کہ کہیں ان کا بیٹا کسی غلط سوسائٹی میں نہ بیٹھنے لگ گیا ہو۔ غلط سوسائٹی میں بیٹھنے والے نوجوان معاشرے کے لیے ناسور بن جاتے ہیں' میری طرف سے ان کا فکرمند ہونا فطری بات تھی۔

وہ منگل کا دن تھا۔ میں آفس میں اپنے کام میں مصروف تھا' میرے جاننے والے محمود بھائی آگئے۔ وہ عملیات کا کام بھی کرتے تھے مجھ سے ملاقات ہونے پر وہ بری طرح چونکے۔ ان کے اس طرح چونکنے پر میں بھی حیران رہ گیا۔

''کیا بات ہے محمود بھائی مجھے دیکھ کر اس طرح کیوں چونکے ہو؟''

''مجھے کچھ گڑبڑ نظر آرہی ہے تم کسی مصیبت میں پھنس گئے ہو۔''

''مصیبت میں پھنس گیا ہوں لیکن میں بالکل ٹھیک ہوں اور نہ ہی مجھے کوئی ایسی مصیبت نظر آرہی ہے جس سے میں سمجھوں کہ میں مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میری بات کو مذاق میں مت ٹالو تم واقعی کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہو۔''

''یہ کیسے پتہ چلے گا کہ میں کون سی مصیبت میں گرفتار ہوں۔'' میں نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''مجھے استخارہ کرنا پڑے گا۔'' یہ کہتے ہوئے محمود بھائی خاموش ہوگئے' کچھ دیر وہ ذیر لب کچھ پڑھتے رہے' وہ ایک

Downloaded from https://paksociety.com

لہجے کو میری طرف بھی نظر اٹھا کر دیکھ لیتے تھے۔ وہ جوں جوں پڑھ رہے تھے ان کے چہرے پر شکنیں پڑتی جا رہی تھیں پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولے۔

"ناگن ہاں وہ ناگن ہے تم اس کے سحر میں گرفتار ہو چکے ہو وہ تمہیں بھی ہلاک کر دینا چاہتی ہے جیسا اس نے اور نوجوانوں کو ہلاک کر دیا ہے۔"

نوجوانوں کو ہلاک کر دینے والی بات پر میں چونکا' اس نوجوان نے بالکل درست ہی کہا تھا جو بھی نوجوان مریم کے پاس آنے لگتا ہے وہ پھر غائب ہو جاتا ہے ظاہری بات ہے وہ غائب اس لیے ہوتا ہے کہ مریم اسے ہلاک کر دیتی ہے۔"

"وہ ناگن ایسا کیوں کرتی ہے۔"

"میرا علم صرف یہی بتا رہا ہے کہ وہ نوجوانوں سے دوستی کرتی ہے پھر ان کا خون آہستہ آہستہ پیتی ہے' جب نوجوان کو اس کی اصلیت کا علم ہو جاتا ہے پھر وہ اسے نہیں چھوڑتی اور اسے ڈس کر ہلاک کر دیتی ہے' وہ ایسا کیوں کرتی ہے یہ وہی بتا سکتی ہے۔ وہ تمہارے ساتھ بھی ایسا کرے گی۔"

"میں کیا کروں کیا مریم کے پاس جانا بند کر دوں۔" میں نے کہا۔

"نہیں ایسی غلطی نہیں کرنا' ہمیں تمہارے ساتھ ساتھ اور نوجوانوں کو بھی بچانا ہے۔" محمود بھائی بولے۔

"وہ کیسے؟"

"میں تمہیں باجرے پر دم کر کے دوں گا' تم وہ باجرہ اس کے گھر کے چاروں کونوں میں گڑھا کھود کر دبا دینا۔ ایک نقش بھی تمہیں دوں گا وہ تمہیں اپنی جیب میں رکھ کر ناگن کے پاس جانا ہے اس نقش کی بدولت وہ تمہارے نزدیک نہیں آ سکے گی اور باجرے کے سبب وہ گھر کی حدود سے باہر نہیں جا سکے گی۔ تمہیں بس یہ کام کرنا ہے اسے نوجوانوں کو ڈس کر ہلاک کر دینے سے منع کرنا ہے اس کے جواب میں وہ جو کہے مجھے آ کر بتا دینا۔" محمود بھائی نے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسا آپ کہیں گے میں ایسا ہی کروں گا۔" میں نے کہا۔

مجھ سے کچھ دیر بات کر کے وہ ہفتے کے دن مجھ سے ملنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ محمود بھائی کی باتیں سن کر میں تشویش میں پڑ گیا۔ کیا مریم واقعی ناگن ہے' اگر وہ واقعی ناگن ہے تو میرا ہلاک ہو جانا یقینی تھا۔ محمود بھائی کے نہ آنے پر میں حالات سے بے خبر رہتا۔

میرا اتفاق سے مریم کے گھر جانا بھی نہیں ہو سکا' یہ میرا خوف ہی تھا کہ جو میں اس کے گھر جانے سے کترا رہا تھا' دل بہت کر رہا تھا مگر ڈر و خوف روکے ہوئے تھا۔

محمود بھائی وعدے کے مطابق ہفتے کو میرے دفتر آ گئے۔ وہ اپنے ساتھ ایک تھیلی میں باجرا اور نقش لائے تھے۔ وہ نقش میں نے جیب میں رکھ لیا اور باجرے کی تھیلی اپنے پاس رکھ لی۔ محمود بھائی نے مجھے جو کہا میں نے اس پر سختی سے عمل کیا۔ حالانکہ مریم کے گھر کے باہر چاروں کونوں میں باجرا رکھتے ہوئے میں ڈر رہا تھا کہ کہیں مریم کو خبر نہ ہو جائے اور وہ ناگن کے روپ میں آ کر ڈس لے۔ مجھ میں جو ہمت و طاقت آ رہی تھی وہ نقش کی وجہ سے آئی تھی۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں نے دروازے پر دستک دی۔ دستک پر مریم نے دروازہ کھول دیا۔ وہ مجھے پریشان سی دکھائی دی۔

"کیا بات ہے خیریت سے ہو نا؟" میں نے سوال کیا۔

"پتا نہیں میں صبح سے اچھی بھلی تھی چند منٹ ہوئے ہیں میں عجیب سا محسوس کر رہی ہوں۔"

"کیا محسوس کر رہی ہو۔" میں نے اس کی صورت کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں اس گھر میں قید ہو گئی ہوں اور میں اس گھر سے باہر نہ جا سکوں گی۔" مریم نے کہا۔

میں نے مریم کو مزید آزمانے کو جیسے ہی اپنی بانہوں میں بھرنا چاہا وہ اچھل کر مجھ سے کئی فٹ دور جا کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم...... تم جیسے ہی میرے نزدیک آئے مجھے ایسا لگا جیسے کرنٹ لگا ہے تم کیا چیز لے کر آ گئے ہو۔ میں تمہارے نزدیک آنا چاہتی ہوں مگر کوئی چیز ہے جو مجھے تم سے دور رکھے ہوئے ہے۔"

"تمہیں ایسے ہی وہم ہو رہا ہے کبھی کبھی انسان کو ایسے ہی شک ہوتا ہے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہوتی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"ایسی بات ضرور ہے تم اپنی قمیص اتار دو تمہاری قمیص میں کچھ ہے۔" مریم نے کہا۔

"میری قمیص میں صرف یہ نقش ہے۔" میں نے مریم کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں یہی وہ چیز ہے جو ہمیں قریب آنے سے روک رہی ہے تم اس نقش کو پھینک دو ورنہ ہم کبھی ایک دوسرے کے قریب نہیں آسکیں گے۔" وہ بولی۔

"میں ایسا نہیں کرسکتا کیونکہ مجھے پتا چل گیا ہے تم کون ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں کون ہوں؟"

"تم ناگن ہو ایسی ناگن جو نوجوانوں کا خون پی کر انہیں ڈس لیتی ہو۔"

"تمہیں یہ باتیں کس نے بتائیں۔" مریم گھبرا گئی۔

"محمود بھائی نے مجھے سب کچھ بتادیا ہے۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے تمہیں سب کچھ پتا چل گیا ہے۔"

"تم ایسا کیوں کررہی ہو تمہیں اس سے کیا ملے گا۔" میں نے کہا۔

"مجھے سکون ملے گا ہاں سکون ملے گا۔"

"انسانی جانوں سے کھیل کر تمہیں سکون ملتا ہے۔" میں نے غصے سے اسے دیکھا۔

"ہاں تم نہیں جانتے میں ایسا کیوں کرتی ہوں؟"

"یہی بتادو کہ ایسا کیوں کرتی ہو؟" میں نے کہا۔

"ایک انسان نے میرے ساتھ بہت بڑا ظلم کیا تھا وہ میری خوشیوں کا قاتل ہے وہ نا جانے کون تھا ایک دن جنگل میں وہ آگیا اور اس نے مجھے اور میرے شوہر کو دیکھ لیا۔ اس نے میرے شوہر کو ایک عام ناگ سمجھ کر گولی چلا کر ہلاک کردیا تھا مجھے وہاں سے بھاگنے کا موقع مل گیا اور میں بھاگ لی بس اس دن سے میں انسانوں سے اپنے شوہر کو ہلاک کرنے کا انتقام لے رہی ہوں اور لیتی رہوں گی۔"

"تم اب یہ حرکتیں چھوڑ دو ورنہ محمود بھائی جلا کر بھسم کردیں گے بس میں یہ بات تمہیں سمجھانے آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"وہ مجھے کیا جلائے گا میں ہی اسے ڈس کر ہلاک کردوں گی۔" وہ غصے سے بولی۔

"تم اس گھر سے باہر ہی نہیں نکل سکتی محمود بھائی کا کیا بگاڑو گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے اندازہ ہوگیا ہے تم نے اس گھر سے باہر کچھ کیا ہے میں پھر بھی تمہیں اور محمود بھائی کو اچھی طرح دیکھ لوں گی۔" وہ غصے سے بل کھا کر بولی۔

"ٹھیک ہے میں چلا میرا کام تھا تمہیں سمجھانا اگر نہیں سمجھو گی تو پھر اپنا حشر بھی دیکھ لو گی۔"

"یہ وقت بتائے گا کون کس کا حشر دیکھے گا تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو فوراً تم نے جو کچھ بھی باہر کیا ہے اسے ختم کردو ورنہ......"

"ورنہ تم کچھ بھی نہیں کرسکو گی۔" میں نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"میرے قہقہہ لگانے پر مریم نے غصے سے مجھے دیکھا۔

میں اسے غصے کی حالت میں دیکھ کر چلا آیا۔

میں خدا کا شکر ادا کررہا تھا کہ محمود بھائی نے مجھے بچالیا تھا ورنہ میں بھی دوسرے نوجوانوں کی طرح ناگن کا شکار ہوجاتا۔

میری جب محمود بھائی سے ملاقات ہوئی میں نے انہیں سب کچھ بتادیا۔ میری بات سن کر وہ سوچ میں پڑ گئے۔

"کیا ہوا محمود بھائی؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ناگن ہے وہ ضرور کچھ نہ کچھ کیے بنا نہیں مانے گی۔"

"وہ کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے جب گھر سے باہر نکلے گی تو کچھ کرے گی نا۔" میں نے کہا۔

"وہ ناگ نہیں ناگن ہے ناگن جب کسی کی دشمن ہوجائے تو پھر وہ اس کا قبر تک پیچھا نہیں چھوڑتی ہے۔" محمود بھائی نے کہا۔

"پھر ہم کیا کریں؟" میں نے پوچھا۔

"تم فکر نہ کرو میں نے تمہیں جو نقش دیا ہے اسے خود سے جدا نہیں کرنا ورنہ تمہاری حفاظت کرنا میرے لیے مشکل ہوجائے گا۔"

"محمود بھائی بے فکر رہیں میں اس نقش کو خود سے جدا نہیں کروں گا۔" میں نے انہیں یقین دلایا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں بظاہر محمود بھائی کو مطمئن دکھائی دے رہا تھا مگر میں اندر سے ان کی بات سن کر خوف زدہ ہو گیا تھا کہ نا جانے وہ ناگن میرے ساتھ کیا سلوک کرے۔

میری مریم سے ملاقات ہوئے ابھی مشکل سے ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا کہ گھر جانے ہوئے وہ ناگن مریم کے روپ میں مل گئی۔ میں اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

''مریم تم..... تم..... گھر سے کیسے باہر آ گئیں۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہارا کیا خیال تھا میں گھر میں قید ہو کر رہ جاؤں گی دیکھو میں گھر سے باہر آ گئی ہوں۔'' مریم مسکرائی۔

''تم باہر آ گئیں کیسے؟''

''میرے گھر کے باہر کسی انسان نے ہی پڑھائی کر کے چاروں کونوں میں باجرا ڈالی تھی' وہ میں نے دوسرے انسان سے نکلوا دی۔''

''زمین سے باہر نکلوا دی۔'' میں حیرت زدہ ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''ہاں میں نے جیسے تمہیں بتایا تھا ایسے ہی میں نے ایک نوجوان کو گھر کی سے اپنی قاتل اداؤں سے اپنی جانب راغب کیا' اسے گھر کے اندر بلا کر خوش کر دیا' اس کے عوض اس نے چاروں کونوں سے باجرا نکال کر گھر سے دور پھینک آیا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''تم واقعی ناگن ہو۔''

''ہاں میں ناگن ہوں اور تمہیں ناگن بن کر دکھاؤں گی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ایک جانب چل دی۔

میں اسے جاتا ہوا دیکھتا رہ گیا۔

مریم کی بات نے میرے دماغ میں ہلچل مچا دی تھی۔ اسی لیے میں نے دوسرے ہی دن محمود بھائی کو ٹیلی فون کر کے دفتر بلا لیا۔ جب میں نے مریم سے ملاقات کا بتایا وہ مسکرا دیے۔

''میں پریشان ہوں اور آپ مسکرا رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ہاں وہ ناگن ہے اور ناگن کچھ بھی کر سکتی ہے اس کے لیے ہمیں ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے۔''

''ہم کس طرح اس ناگن سے ہوشیار رہ سکتے ہیں۔''

''احتیاط سے۔'' محمود بھائی مسکرائے۔

''احتیاط میں سمجھا نہیں۔''

''تم گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا یقین رکھو جب تک تمہاری زندگی ہے کوئی تمہاری جان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا' میں نے تمہیں جو نقش دیا ہے اسے تم اپنے گلے میں ڈال لو ناگن یہ سمجھتی ہے کہ تمہاری جیب میں نقش ہے جب تم رات کو اپنی قمیص اتار کر سو جاؤ گے وہ تمہیں ڈس لے گی۔ اس لیے تم اسے یہ موقع ہی نہ دو۔'' محمود بھائی نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا مگر آپ کو بھی اس نے نقصان پہنچانے کا کہا ہے۔''

''میری طرف سے تم بے فکر رہو۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی' اب میں ایسا عمل کروں گا اس ناگن کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔'' محمود نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''وہ کیا عمل ہے؟'' میں چونکا۔

''میں تمہیں ابھی کچھ نہیں بتاؤں گا' وقت آنے پر سب کچھ تم پر ظاہر ہو جائے گا۔'' محمود بھائی نے کہا۔

محمود بھائی کے باہر جانے پر میں کافی دیر تک سوچتا رہا کہ وہ کیا عمل کرنے والے ہیں۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو میں اپنے دفتری کام میں مصروف ہو گیا۔

چند دن گزرنے پر محمود بھائی میرے گھر پہنچ گئے' میں انہیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

''میں آج تمہارے یہاں مہمان بننے آیا ہوں کیا مجھے مہمان بناؤ گے؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''یہ میری بڑی خوش نصیبی ہو گی کہ آپ میرے مہمان بنو۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں آج رات تمہارے گھر ہی پر گزاروں گا۔'' محمود بھائی نے کہا۔

مجھے محمود بھائی کے گھر آنے کی خوشی بھی تھی اور حیرانی بھی۔ آج ضرور کوئی بات ہے کہ محمود بھائی میرے گھر چلے آئے ہیں' رات ہونے پر محمود بھائی کے اصرار پر میں نے اپنا اور ان کا بستر چھت پر لگوا لیا۔ حالانکہ کمرے میں اتنی گنجائش تھی کہ تین چارپائیاں آسانی سے آ سکتی تھیں۔ شاید اس میں بھی کوئی مصلحت ہو' یہ سوچ کر میں چھت پر ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے چل رہے تھے باتیں کرتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئے نہ جانے کب ہم دونوں کی آنکھ لگ گئی' وہ نہ جانے کون سا پہر تھا کہ کسی نے میرا ہاتھ زور سے پکڑ کر اٹھا دیا۔ میں گہری نیند میں تھا' میری جیسے ہی اس اٹھانے والے پر نظر پڑی مجھے حیرت کا جھٹکا لگا' وہ کوئی اور نہیں مریم ہی تھی۔ وہ مجھے شعلہ بار آنکھوں سے دیکھ رہی تھی' میں نے خوف زدہ نظروں سے محمود بھائی کو دیکھا' وہ گہری نیند میں تھے۔

''کیا دیکھ رہے ہو یہ تیری مدد کریں گے' انہیں خود اپنا ہوش نہیں ہے یہ تیری کیا مدد کریں گے؟'' وہ بولی۔

میں نے فوراً اپنے گلے میں ہاتھ ڈال کر نقش دیکھا' نقش گلے سے غائب تھا۔

''کیا تلاش کر رہے ہو وہ نقش بھول جاؤ' اس نقش کو میں نے غائب کرا دیا ہے۔''

''مگر وہ نقش میں نے بھیج دیکھا تھا۔'' میں نے کہا۔

''وہ نقش تمہارے گلے میں تھا جب محمود بھائی تمہارے گھر میں آیا مجھے خبر ہو گئی' وہ میرا منصوبہ جان گیا تھا' اس لیے تمہارے گھر آیا تھا' میں نے ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اسی آشنا سے جس نے میرے گھر کے باہر چاروں کونوں سے باجرا نکال کر پھینکا تھا' میں نے اس سے ہی خدمات لینے کا منصوبہ بنایا اور اسے تمہاری گلی میں بھیج دیا اس وقت تم کوئی سامان لینے گھر سے نکلے تھے۔ اس نے جان بوجھ کر تم سے ٹکرانے کی ایکٹنگ کی اور کمال ہوشیاری سے وہ نقش تمہارے گلے سے نکال لیا' تمہیں ذرا بھی خبر نہیں ہوئی۔''

''ہاں مجھے یاد آیا' مجھ سے ایک نوجوان ٹکرا گیا تھا' مگر اس نے میرے گلے سے وہ نقش کیسے نکال لیا۔'' میں نے جان بوجھ کر تیز آواز میں کہا۔

میں مریم کو باتوں میں لگا کر اس کا وقت ضائع کرنا چاہ رہا تھا' میری کوشش یہی تھی کہ تیز لہجے میں مریم سے گفتگو کروں تاکہ محمود بھائی کی کسی طرح آنکھ کھل جائے۔

''زیادہ ہوشیار بننے کی ضرورت نہیں ہے میں سب سمجھ رہی ہوں تم تیز آواز میں اس لیے بول رہے ہو کہ جاگ جائے' میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی آج میں فیصلہ کر کے آئی ہوں تمہیں اور اسے دونوں کو ہمیشہ کے لیے گہری نیند سلا دوں گی۔'' وہ غصے سے بولی۔

اس کی بات سن کر میں سناٹے میں آ گیا وہ مجھ سے زیادہ تیز تھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مریم کو کس طرح دھوکے سے ہلاک کروں' محمود بھائی کے خراٹے بتا رہے تھے کہ وہ گہری نیند میں تھے۔ ان کے بیدار نہ ہونے سے مریم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی' اس کی آنکھوں میں انتقام جھلک رہا تھا۔ اچانک وہ انسان سے ناگن کے روپ میں آ گئی وہ میری جانب بڑھنے لگی' میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا مگر ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی نادیدہ قوت مجھے روکے ہوئے ہے۔ مریم نے جیسے ہی میرے پاؤں پر ڈسنا چاہا اس پر بدبودار قسم کا پانی آ گرا اور اس کے جسم میں آگ لگ گئی' چند منٹوں میں وہ جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئی۔

''خود کو بہت چالاک سمجھ رہی تھی۔'' محمود بھائی بولے۔

''محمود بھائی آپ تو سو رہے تھے اور..... یہ سب..... کیا ہے؟'' میں انہیں جاگتا دیکھ کر بولا۔

''میں سو کب رہا ہوں..... سونے کا ناٹک کر رہا تھا' مجھے پرچھائی کرنے پر نظر آ گیا تھا کہ یہ تم پر ناگن کے روپ میں حملہ کرے گی اس لیے میں تیزاب کی بوتل لے آیا تھا۔ اس پر دم بھی کر لیا تھا تاکہ مریم کوئی چالاکی نہ دکھا سکے۔'' محمود بھائی نے کہا۔

''واقعی مریم بہت چالاک و عیار ناگن تھی۔'' میں نے کہا۔

''شکر کرو میری تم سے ملاقات ہو گئی اور میں سب سمجھ گیا کہ تمہارے ساتھ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے اور اس کھیل کا کیا انجام ہونا ہے۔'' محمود بھائی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ حقیقت ہے ورنہ ناگن اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی۔'' میں نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

بے سائبان لوگ

ناظم بخاری

دنیا ایک جنگل ہے مگر تعجب، جہاں ہر طرف درندے چرند پرند ہی نہیں بلکہ انسان نما جانور بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بے زبان جانوروں کو صرف بولنے اور سوچنے کی صلاحیت نہیں دی ہے البتہ انسانوں کو یہ دونوں صفات عطا کر رکھی ہیں ان صلاحیتوں نے انسان کو ضرورت سے زیادہ خطرناک بنا دیا ہے کہ وہ اپنے جیسے انسانوں کا گوشت کھانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

ایسے ہی شیطان صفت لوگوں کا قصہ، جن سے شیطان بھی شرماتا ہے

Downloaded from https://academic.oup.com

Downloaded from https://paksociety.com

"ہاں ضرور۔ اب دیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" میدے نے دیلے کے کہنے پر جن دو لوگوں سے بات کر رہی تھی، ان میں سے ایک نیاز عرف نازی تھا۔ اس کی کباڑیے کی دکان تھی، جہاں وہ لوہا، پلاسٹک اور نہ جانے کیا کیا خرید کرتا تھا۔ اس کی دکان پر تقریباً چھ ماہ بعد شہر سے ایک ٹرک آتا، جس میں کباڑ کا سارا سامان بھر کر شہر پہنچ جاتا اور نیاز کی جیب میں ہزاروں روپے آجاتے۔ کچھ دن پہلے جب میدا اس کی دکان کے سامنے سے گزر رہا تھا، اس دن بھی اس کی دکان سے کباڑ کا سارا سامان وہاں آئے ہوئے ٹرک میں بھرا جا رہا تھا۔ تین چار مزدور اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ نیاز ایک طرف کھڑا کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ وہاں سے گزرتے ہوئے میدے پر اس کی نگاہ پڑی تو اس نے آواز دے کے میدے کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کر دیا۔ میدے کو حیرت ہوئی۔ اس کی نیاز سے دعا سلام نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس نے زیادہ سوچنے کی بجائے اپنے قدم نیاز کی طرف بڑھا دیے۔ قریب پہنچتے ہی نیاز نے کچھ روپے اس کی طرف بڑھائے۔

"یار ایک کہنا تو مان۔ یہ پیسے پکڑ اور جلدی سے حاجی کے ہوٹل سے مزدوروں کے لیے کھانا تو لے آ۔ میں کام میں مصروف ہوں، ورنہ خود چلا جاتا۔" میدے نے چپ چاپ پیسے لیے اور جا کر حاجی کے ہوٹل سے کھانا لے آیا۔ کھانا دینے کے بعد وہ واپسی کے لیے پلٹا تو نیاز نے دو تین بھری ہوئی سگریٹ اس کی طرف بڑھا دیں۔

"جا مزے کر۔ میں ابھی مصروف ہوں، کل آنا، پھر مل بیٹھ کے پئیں گے۔" میدے کو خوشگوار حیرت ہوئی۔ اسے امید نہیں تھی کہ اس چھوٹے سے کام کے بدلے اسے یوں تین بھرے ہوئے سگریٹ بھی مل سکتے ہیں؟ اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ نیاز یقیناً موٹی اسامی ہے، جس کے ساتھ تعلق بڑھا کر وہ اپنے نشے پانی کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔ اگلے دن وہ نیاز کے پاس گیا تو وہ اس سے بہت خوش اخلاقی سے ملا۔ وہ اسے ساتھ لے کر دکان کے اندرونی حصے میں چلا گیا اور دونوں نے وہاں بیٹھ کر اچھا خاصا وقت گزارا۔ گپ شپ کے ساتھ ساتھ دونوں بھرے ہوئے سگریٹ بھی پیتے رہے۔ اگلے کچھ ہی دنوں میں میدے کی نیاز سے بہت اچھی دعا سلام ہو گئی۔ وہ نیاز کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرتا تھا اور بدلے میں نیاز اس کے نشے پانی کی ضرورت پوری کر دیا کرتا۔ دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ نیاز کو شراب کی لت بھی لگی ہوئی تھی۔ ہفتے میں ایک آدھ دن وہ اس سے بھی شوق پورا کرتا تھا۔ ایک دن میدا دکان پر پہنچا تو دکان بند تھی۔ اسے فوراً ہی اندازا ہو گیا کہ نیاز اندر ہوگا۔ اس نے چھوٹا سا چکر کاٹ کر دکان کی پچھلی طرف والا دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کی بات درست نکلی۔ نیاز اندر موجود تھا اور پینے میں مصروف تھا۔ میدے کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں ایک شیطانی سی چمک عود کر آئی۔ میدے کے اندر آتے ہی اس نے دروازہ اندر سے بند کیا اور اپنے قدم میدے کی طرف بڑھا دیے۔ میدے نے اس کی بہت منتیں کیں، مگر نیاز نے اس پر رعایت نہیں کی۔ نیاز شادی شدہ تھا اور دو عدد بچوں کا باپ تھا۔ گو اس کے گھر میں ایک خوبصورت بیوی موجود تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ ادھر ادھر منہ مارنے کا عادی تھا اور اس حوالے سے وہ مرد و زن کی بھی تمیز نہیں کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے میدے سے بھی رعایت نہیں کی تھی۔ اس دن میدا اس کی دکان سے نکلا تو بہت برے حال میں تھا۔ پچھلے ایک ہفتے میں نیاز نے اس پر جو کچھ خرچ کیا تھا، آج اس نے اس کی پائی پائی وصول کر لی تھی۔ اس دن وہاں سے جاتے ہوئے میدا سو بار دل میں توبہ کر چکا تھا کہ اب وہ نیاز کی دکان میں بیٹھ کر بھی اس کے ساتھ نشہ نہیں کرے گا۔ دیلے نے جب اسے سیکنہ کا

Downloaded from https://paksociety.com

گاہک تلاش کرنے کا کہا تھا تو میدے کا ذہن سب سے پہلے نیاز کی طرف گیا۔ ایک تو یہ کہ وہ پیسے والا بندہ تھا اور دوسرا اسی مزاج کا تھا۔ توقع کے مطابق جب اس نے نیاز سے اس سلسلے میں بات کی تو ذرا سی حیرت کے ساتھ وہ فوراً ہی تیار ہو گیا۔ اپنی بات اور زبان کو مزید مضبوط کرنے کے لیے اس نے پچاس روپے کے کچھ نوٹ میدے کو پیشگی ہی دے دیے۔ سکینہ کا نام سنتے ہی نیاز اندر سے بے قرار ہو گیا تھا اور جلد از جلد اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کچھ عرصہ قبل سکینہ اس کی دکان پر کباڑ کا کچھ سامان فروخت کرنے آئی تھی اور نیاز نے اسے دیکھا تھا تو اپنا دل تھام کر رہ گیا تھا۔ وہ زیادہ خوبصورت تو نہیں تھی مگر اس کے چہرے میں کوئی ایسی بات تھی، جو دل کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ سو نیاز بھی اسے دیکھتے ہی اس کا دیوانہ ہو گیا تھا۔ مگر اس وقت سکینہ کو حاصل کرنا اس کے بس سے باہر تھا اور اب میدے نے جب خود ہی اس سے یہ بات کی تو اس کی تو من کی مراد پوری ہو گئی۔ نیاز کے یوں پیشگی پیسے دینے پر اسے خوش گوار حیرت ہوئی۔ اس نے اپنے من کی خوشی کو دباتے ہوئے کہا۔

"رات ٹھیک دس بجے ویلے کے گھر کے سامنے آ جانا۔ میں وہیں ملوں گا۔"

ساتھ ہی میدے نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ وہ یہ نیا نیا کام شروع کر رہے ہیں۔ شروع میں وہ سکینہ کو صرف بے ہوشی کی حالت میں حاصل کر سکے گا۔ بعد میں وہ جیتی جاگتی بھی اس کی دسترس میں ہو گی۔ ویلے اور میدے کا بھی یہی ارادہ تھا کہ شروع شروع میں وہ سکینہ کا جسم، اسے بے ہوش کر کے فروخت کریں گے۔ بعد میں جب سکینہ کو اس بات کا پتا چلے گا تو وہ خود سمجھوتا کر لے گی۔ مگر یہ ان کی بھول تھی۔ سکینہ کا پہلا گاہک اور پہلی رات۔۔۔ میدے کے ساتھ ویلے کا دل بھی سینے میں زور زور سے دھڑکتا رہا تھا۔ اس سارے عرصے میں انہیں رہ رہ کر خیال آتا رہا کہ اس دوران اگر سکینہ کی آنکھ کھل گئی تو۔۔۔؟

مگر ان کے یہ خدشات بے بنیاد ثابت ہوئے۔ آدھے گھنٹے بعد نیاز جب ویلے کے کمرے سے نکلا تو وہ بے حد مسرور تھا۔ سکینہ کے وجود سے اسے وہ لطف ملا تھا، جو اس نے آج تک کہیں سے حاصل نہیں کیا تھا۔ گو اس تمام عرصے میں سکینہ بے ہوش رہی تھی، مگر اس کے باوجود وہ اس سے ہر طرح سے لذت کشید کرتا رہا تھا۔ کمرے سے باہر نکلتے ہی اس نے سو روپے کی رقم ان کی طرف

بڑھائی۔ "یہ رقم میری طرف سے پیشگی رکھ لو۔ اب میں روزانہ یہاں آتا رہوں گا۔ اگلے پندرہ دن تک میں ہر رات یہاں آؤں گا۔"

میدے اور ویلے دونوں کے چہرے کھل اٹھے۔ وہ تو خود یہی چاہتے تھے۔ ان کا یہ پہلا تجربہ بہت کامیاب رہا تھا۔

اگلے کچھ دنوں میں سکینہ کو اپنے وجود میں عجیب سا درد، کھچاؤ اور بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی اور وہ یہ سب سمجھنے سے قاصر تھی کہ ایسا کیوں ہے۔ ویلا جب سے اسے میکے سے لایا تھا۔ اس سے بہت ہی محبت اور خوش اخلاقی سے پیش آ رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے بتایا کہ وہ کہیں کام پر بھی لگ گیا ہے۔ شام کو جب وہ گھر آتا تو آتے ہی دس روپے کا ایک نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دیتا اور کہتا کہ یہ اس کے سارے دن کی محنت کی کمائی ہے اور سکینہ کا دل خوشی سے بھر جاتا۔ اسے بے ساختہ گزرے ہوئے دن یاد آ جاتے، جب ویلا بہت خراب ہوا کرتا تھا اور اس کے لاکھ سمجھانے پر بھی نہیں سدھرتا تھا۔ پر اس بار شاید خدا نے اس کی دعائیں سن لی تھیں اور ویلے کو ایک اچھا انسان بنا دیا تھا پر سکینہ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ صرف اس کی خوش فہمی ہے اور کچھ نہیں ویلے کے سدھرنے کی خوشی کے باوجود اسے اپنے جسم کی تھکاوٹوں اور بے چینی کا احساس بے چین کیے رہتا اور اسے سمجھ نہ آتا کہ ایسا کیوں ہے۔ اس نے

Downloaded from https://paksociety.com

اس سلسلے میں ایک بار دیلے سے بات کی تو اس نے کہا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ موسم بدل رہا ہے، شاید یہ اسی کی وجہ ہو۔ سکینہ کے دل کو بھی یہ بات لگی۔ اس حوالے سے وہ اور احتیاط کرنے لگی۔ ادھر میدا سکینہ کے لیے ایک رات میں دو دو گاہک تلاش کر کے لے آتا تھا۔ ان کا کام ٹھیک ٹھاک چل نکلا تھا اور حاصل ہونے والی آمدنی سے دیلا اور میدا دونوں خوب عیاشی کر رہے تھے۔

ایک دن میدے نے دیلے سے کہا۔

"یار میری مانو تو اب دوائی کا استعمال ختم کردو۔ اب سالے گاہک لوگ، سوئی ہوئی یا بے ہوش عورت کے لیے نہیں مانتے، وہ جیتی جاگتی عورت چاہتے ہیں۔ جو ہوش میں ہو اور ان کا بستر پورا ساتھ دے۔" دیلے نے اس کی بات رد کر دی۔

"نہیں یار، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ سکینہ کا تجھے پتہ ہے، اگر اسے پتہ چل گیا کہ ہم اس کے ساتھ یہ سب کر رہے ہیں تو وہ قیامت کھڑی کر دے گی۔ اور سب کچھ تباہ ہو کر رہ جائے گا۔"

"اور اگر ہم اسی طرح چلتے رہے تو دو چار دنوں میں کوئی ہمارے پاس پھٹکنے بھی نہیں آئے گا۔ اور اس کے بعد ہمیں پھر وہی کام کرنا پڑے گا جس کی ابھی ضرورت ہے۔ یعنی سکینہ کے ساتھ ہوش کی حالت میں۔" دیلا ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ میدے کی اس بات نے اسے فکر میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے میدے سے کہا۔

"اچھا، ابھی تو نہیں، البتہ دو چار دن بعد اس کی بات پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔" مگر اس بات پر عمل کرنے سے پہلے ہی وہ واقعہ پیش آ گیا، جس نے ہر چیز درہم برہم کر کے رکھ دی تھی۔ سکینہ کا ذہن پچھلے کچھ دنوں سے لاشعور طور پر دیلے کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کی محبت میں دن رات اضافہ ہو رہا تھا۔ پچھلے کچھ عرصے سے دیلا اس کی ہر بات مانتا آ رہا تھا۔ وہ شام کو ہر روز نہ صرف دس روپے کا ایک نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھتا تھا، بلکہ وہ ساتھ ہی آدھا کلو دودھ اور آدھا کلو سیب بھی لاتا، جو کہ سکینہ کے لیے ہوتے۔ سیب تو وہ اور سکینہ دن کو مل کر کھا لیتے تھے، مگر دودھ صرف سکینہ کو پینا پڑتا، جسے خود ابالنے کے بعد دیلا اسے اپنے ہاتھوں سے پلاتا تھا۔ معلوم نہیں کیوں، سکینہ کو ایک شک سا تھا کہ ہو نہ ہو، جب سے اس نے دودھ پینا شروع کیا ہے۔ اس کے وجود میں بے چینی، درد اور تھکاوٹ اسی دن سے ہے اور تو اور وہ اس دودھ کو پینے کے بعد اس طرح بے خبر ہو کر سوتی ہے کہ اگلے دن سورج چڑھے تک اس کی آنکھ نہیں کھلتی ہے۔ اس دن اس نے سوچا کہ وہ ایک رات دیلے کے ہاتھ سے دودھ نہیں پیے گی اور دیکھے گی کہ کیا واقعی ایسا ہے یا یہ اس کا وہم ہے۔ اس رات جب اس نے دیلے سے کہا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ دودھ نہیں پیے گی۔ اگر اس نے ایسا کیا تو اسے الٹی آ جائے گی۔ دیلے کا ماتھا ٹھنکا۔ مگر اس نے پھر بھی پیار محبت سے اسے دودھ پینے کے لیے مجبور کر دیا۔

اس کے بعد سکینہ نے دودھ نہ پینے کی ایک دو اور کوششیں کی تھیں، مگر اس میں بھی اسے کامیابی نہیں ملی تھی۔ اس کے شک میں مزید اضافہ ہو گیا۔ دیلے کی عادت تھی وہ سکینہ کو دودھ پلانے کے فوراً بعد باہر نکل جاتا تھا اور اس وقت واپس لوٹتا، جب سکینہ نیند کی آغوش میں جا چکی ہوتی۔ اس دن بھی دیلا سکینہ کو دودھ پلانے کے بعد باہر نکل گیا اور اس کے جاتے ہی سکینہ نے اپنے حلق میں ہاتھ ڈال کر، قے کرتے ہوئے سارا دودھ باہر نکال دیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ نڈھال سی ہو گئی۔ گو اس کام میں اسے ذرا سی مشقت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مگر وہ مطمئن تھی کہ اس نے دیلا کا پلایا ہوا سارا دودھ باہر نکال دیا ہے۔ صبح اس بات کا بخوبی فیصلہ ہو جانا تھا کہ واقعی اس دودھ میں کچھ ایسا ویسا شامل ہوتا تھا یا نہیں۔ مگر افسوس کہ سکینہ اگلے دن کا

Downloaded from https://paksociety.com

سورج نہ دیکھ سکی۔ اس رات بھی وہ معمول کے مطابق جلد ہی سو گئی۔ دیلا اور میدا اس کے لیے گاہک لائے اور اسے کمرے میں بھیجنے کے بعد آپس میں باتوں میں مصروف ہو گئے۔ اچانک میدے کو کوئی کام یاد آیا اور وہ وہاں سے چل دیا۔ ابھی اسے وہاں سے گئے دو منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ اچانک دیلے کو یوں لگا، جیسے کمرے میں دو افراد آپس میں گتھم گتھا ہوں۔ وہ کمرے میں پہنچا اور دوسرے ہی پل اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ سکینہ اپنے پورے ہوش حواس میں تھی اور نیاز، ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبانے کی کوشش کر رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے کپڑے اتارنے کی۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے وہاں آ رہا تھا اور ہر بار نیند کی حالت میں اس نے سکینہ سے تعلق قائم کیا تھا۔ مگر آج جب اس نے سکینہ سے یہ کھیل کھیلنا چاہا تو سکینہ کی آنکھ کھل گئی اور اسی لیے وہ سکینہ کا منہ دبانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ شور کر کے ہنگامہ نہ کھڑا کر دے۔ اس دوران سکینہ کے منہ سے نیاز کا ایک لمحے کے لیے ہاتھ ہٹا اور سکینہ اتنے زور سے چیخی کہ کمرے کے در و دیوار تھرا اٹھے۔ پھر اس سے پہلے کہ سکینہ دوبارہ چیختی، اچانک دیلا بجلی کی طرح لپکا اور دوسرے ہی پل اس کے دونوں ہاتھ پوری طاقت سے سکینہ کے منہ پر جم گئے۔ اسے جس بات کا خدشہ تھا آج وہ خدشہ سامنے آ گیا تھا۔ معلوم نہیں سکینہ کیسے آج ہوش میں آ گئی تھی اور دیلے کو وہاں دیکھتے ہی نیاز فوراً ہی وہاں سے نکل گیا۔ اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ صورت حال بہت نازک ہو گئی ہے اور اس نازک صورت حال میں سکینہ کو حاصل کرنا ممکن نہیں دیلا سکینہ کے منہ پر سختی سے ہاتھ جمانے کے بعد کسی طرح بھی ہٹانے کو تیار نہیں تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو سکینہ نہ صرف شور مچا کر سب اکٹھا کر لے گی بلکہ دوسری صبح سیکے جا کر یہ بات وہ اپنے باپ کو بھی بتا دے گی اور اس کے بعد اس کا نانا، اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ انہی خیالوں کے ساتھ معلوم نہیں کب اس کے ہاتھ سکینہ کے منہ سے ہٹے اور اس کی گردن پر جا پہنچے۔ اور پھر اس وقت تک وہ ہاتھ وہاں جمے رہے، جب تک سکینہ کا وجود تڑپ تڑپ کا بے جان نہیں ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ سکینہ کے بے جان وجود کو کمرے میں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ سکینہ کو موت کے گھاٹ اتار کر اس نے اپنا راز کھلنے سے تو بچا لیا تھا، مگر اب یہ سوچ کر اس کا دل سینے میں بیٹھا جا رہا تھا کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے سکینہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور اب اس کا کیا بنے گا؟ سکینہ کی موت کی وجہ چھپانا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ اس معاملے میں میدے نے اس کی بہت مدد کی۔ دیلے کے کمرے کی چھت ایک طرف سے گرنے کے قریب تھی۔ میدے نے اسی وقت حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے چھت کا وہ حصہ زمین بوس کیا۔ ایک اینٹ سے سکینہ کے سر پر ضرب لگائی اور اسے کھینچ کر دیلے کے پاس لٹا دیا۔ صبح دیلے نے یہ بات پوری بستی میں پھیلا دی کہ اس کی بیوی کی موت کمرے کی چھت گرنے سے واقع ہوئی ہے۔ موت کا سبب سر پر لگنے والی اینٹ تھی۔ بستی کے ہر فرد نے اس کی بات کا اعتبار کر لیا۔ سکینہ کی سرخ گردن پر کسی نے غور کرنے کی کوشش نہیں کی کہ بغور دیکھنے سے وہاں کسی کے ہاتھ کی انگلیوں کے نشان نظر آ سکتے تھے۔ یہ خبر سنتے ہی سکینہ کے ماں باپ بھی وہاں آ گئے اور تقدیر کے لکھے کو دل پر پتھر رکھ کر قبول کر لیا۔ ان کا ذہن اس طرف گیا ہی نہیں تھا کہ دیلا سکینہ کو اپنے ہاتھوں مار بھی سکتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے سکینہ کا باپ جب ضرورت کا سامان وہاں دینے آیا تھا تو سکینہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ وہاں بہت خوش ہے۔ دیلا نہ صرف اب دھیرے دھیرے سدھر رہا ہے۔ بلکہ وہ اب مزدوری کرنے بھی جاتا ہے۔ سکینہ کے باپ نے یہ بات سن کر ایک اطمینان کی سانس لی تھی۔ وہ بھلا کیسے سوچ سکتا تھا کہ دیلا ہی اس کی بیٹی کا قاتل

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔اسی شام سکینہ کو شہر خاموشاں میں اس کی آخری آرام گاہ میں سلا آیا گیا۔سکینہ کی موت کے بعد دیلا اور میدا ایک بار پھر اپنے پہلے والے مقام پر آ کھڑے ہوئے تھے۔سکینہ کا جسم فروخت کر کے انہوں نے بہت عیاشی کی تھی اور اب ایسا عیاشی بھرا کوئی کام انہیں ملنا دشوار تھا۔یہی دن تھے جب دیلے کی پہلی بار بالی سے آشنائی ہوئی تھی اور اگلے کچھ ہی ہفتوں میں وہ بالی کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھ چکا تھا،جس میں اس کا بھی فائدہ تھا اور بالی کا بھی۔دونوں نے اپنی اپنی ضرورتوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک دوسرے کو اپنایا تھا۔

☆☆

تین سے چار سو گھروں پر مشتمل اس چھوٹی سی بستی میں،سب سے اچھا،کھاتا پیتا اور شاندار گھرانا چوہدری کرم داد کا تھا۔کرم داد قریباً پچاس ایکڑ زمین کا مالک تھا اور یہ ساری زمین ان کی جدی پشتی تھی۔گھر میں پیسہ اور دولت عام تھی،سو چوہدری کرم داد کو بھی وہ تمام شوق لاحق تھے،جو اس طرح کے بڑے لوگوں کو ہوتے ہیں۔ایک ایکڑ پر بنی وسیع و عریض حویلی کا ایک مخصوص حصہ اس کام کے لیے وقف تھا۔وہاں شہر سے طوائفیں منگوائی جاتیں اور شراب و شباب کی محفلیں جمتیں۔کرم داد کے دو بیٹے تھے۔چوہدری شفیق اور چوہدری رفیق۔چوہدری شفیق چھوٹے بھائی سے آٹھ سال بڑا تھا۔اپنا وقت آنے پر چوہدری کرم داد کو بھی یہ جہاں فانی چھوڑنا پڑا اور وہ اپنی ساری جائداد اپنے دونوں بیٹوں کے لیے چھوڑ گیا۔چوہدری شفیق تو خیر باپ کے نقش قدم پر نہیں چلا مگر چھوٹا چوہدری اپنی تمام عادتوں میں اپنے باپ پر گیا تھا۔اس معاملے میں اسے بڑے بھائی کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔باپ کے مرتے ہی حویلی میں شراب و شباب کی محفلیں جمنے والا حصہ وہاں سے ہٹا کر گھر سے دو کلومیٹر دور زمینوں پر منتقل کر دیا گیا۔وہاں شراب کی محفلیں بھی جمتی تھیں اور شباب کی بھی۔چوہدری شفیق اور رفیق کے زمینوں کے علاوہ شہر میں بہت سے کاروبار بھی تھے،جن کی دیکھ بھال بڑے بھائی نے چوہدری رفیق کے سپرد کر رکھی تھی۔اس لیے چوہدری رفیق اکثر گھر سے دور اور شہر میں رہتا تھا۔وہاں بھی کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔شراب اور شباب وہاں بھی عام تھا۔بس فرق اتنا تھا،اپنی بستی میں کہیں قیمت طے نہیں کی جاتی تھی اور شہر میں پہلے قیمت طے ہوتی اور پھر بات بنتی۔گھر سے زیادہ چوہدری رفیق کو شہر پسند تھا۔بستی میں ہر بار باسی مال ملتا تھا اور شہر میں تازہ۔اس لیے وہ گھر قریباً تین چار ماہ بعد ہی آتا تھا۔اس دوران ایک بار وہ گھر آیا تو اس کے دوستوں میں سے کسی نے بالی کی بات چھیڑ دی کہ یہ مال بھی اپنی بستی کی پیداوار ہے،ذرا اس سے بھی دل بہلا لیا جائے۔اسے کیا اعتراض ہوتا؟

اگلے دن بالی اس کے ڈیرے پر تھی اور وہ اس کے انگ انگ سے لطف کشید رہا تھا۔وہ گھر صرف ایک دن کے لیے آتا تھا،مگر اس بار بالی کی قربت نے اسے ایک دن کی بجائے وہاں چار دن رکنے پر مجبور کر دیا۔بالی نے اسے خوش کر دیا تھا۔جواب میں اس نے بھی اسے اچھی خاصی رقم دے کر راضی کیا تھا۔وہ رقم کم سے کم بالی کی دو ماہ کے اخراجات کے لیے کافی تھی۔چوہدری کا خیال آتے ہی بالی نے اپنے قدم اس کے ڈیرے کی طرف بڑھا دیے،مگر وہاں جا کر اسے بہت مایوسی ہوئی ڈیرا بند تھا اور وہاں صرف اس کا ملازم تھا۔اس نے بتایا کہ چوہدری رفیق شہر میں ہے اور کم سے کم بھی دو ہفتے بعد آئے گا۔شہر میں کہاں ہے؟ اس بارے میں بھی اسے کچھ خاص معلومات نہیں تھیں۔بالی مایوس ہو کر گھر لوٹ آئی۔اس مایوسی کے اندھیرے میں اچانک ایک امید کی کرن چمکی اور وہ کرن تھی عدیل عرف دیلا۔دیلا بھی ان لوگوں میں سے ایک تھا،جنہیں وہ اپنا جو دسونپ چکی تھی اور جو

Downloaded from https://paksociety.com

اس کی تنہائی میں آ چکے تھے۔ مگر دیلا دوسرے لوگوں سے قدرے مختلف نکلا تھا۔ بالی کو ایک بار اسے حاصل کرنے کے بعد، وہ دن رات اسی کے گن گانے لگا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے بالی سے شادی تک کے لیے بھی کہہ دیا تھا۔ بالی اس کی بات سن کر مسکرادی تھی۔ وہ پچھلے کچھ عرصے میں دیلے کو بخوبی جان گئی تھی۔ وہ دنیا جہاں کا آوارہ اور نکما ترین انسان تھا۔ اس میں اس کے علاوہ اور بھی بہت سی خامیاں تھیں۔ وہ اس سے شادی کر کے فائدے میں تو کیا، الٹا گھاٹے میں رہتی۔ ایک بار دیلے نے اس پر شادی کے لیے زیادہ زور دیا تو بالی نے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ، تم کام کاج تو کوئی کرتے نہیں ہو، شادی کے بعد مجھے کہاں سے کھلاؤ گے؟''

دیلا اس کی بات پر مسکرادیا۔

''وہیں سے، جہاں سے تم اب کھا رہی ہو۔''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ جب تم ٹھیک ٹھاک کما لیتی ہو تو مجھے کمانے کی کیا ضرورت ہے؟''

بالی نے اسے انتہائی خشک نظروں سے دیکھا۔

''اگر مجھے خود ہی کما کر کھانا ہے تو پھر تم سے شادی کرنے کا فائدہ؟''

''فائدہ کیوں نہیں، تمہیں کیا پتہ کہ مرد کے ساتھ ہونے سے کیا فائدے ہیں۔ گھر میں کوئی دکھ سکھ ہو جائے تو وہاں مرد کام آتا ہے۔ باہر کے سارے کام وہی نمٹاتا ہے اور یہ جو تم خود گاہک تلاش کرتی پھرتی ہو نا، اگر تم مجھ سے شادی کر لو نا تو تمہیں اس مشقت سے بھی میں ہی بچاؤں گا۔ گاہک میں تلاش کر کے لاؤں گا نمٹا تم دینا۔۔۔۔''

''اور تمہیں بالکل غیرت نہیں آئے گی، جب لوگ تمہاری بیوی کے ساتھ سوئیں گے؟''

''اس میں غیرت کی کیا بات ہے۔ کچھ لوگ بنے ہی اس کام کے لیے ہوتے ہیں۔ جیسے تم اس کام کے لیے بنی ہو۔ اسی طرح میں بھی اس کام کے لیے بنا ہوں۔ ویسے بھی مجھ میں غیرت وغیرت کچھ نہیں ہے۔ اگر ہوئی بھی تو میں وہ آنکھ بند کرلوں گا۔'' وہ بے حیائی سے ہنسا۔ بالی نے اسے سرد نظروں سے دیکھتے ہوئے غور اہی وہاں سے نکال دیا۔ دیلے نے جاتے جاتے کہا۔

''ٹھنڈے دل سے میری بات پر غور کرنا۔ میرے جیسا کوئی شخص نہیں ملے گا تمہیں۔ جو اس طرح سے تمہیں کھلی آزادی دے۔ میرے ساتھ شادی کر کے تم بہت مزے میں رہو گی۔۔۔''

اور آج وہ موقع آ گیا تھا، جب بالی پہلی بار دیلے کی بات پر سنجیدگی سے غور کر رہی تھی۔ اگر اس وقت وہ اس کا شوہر ہوتا تو وہ با آسانی اس کے ساتھ سعدیہ کو شہر لے جا سکتی تھی۔ پیسوں کا بندوبست بھی وہ خود کہیں نا کہیں سے کر لیتا، جسے وہ بعد میں اپنا جسم فروخت کر کے چکا دیتی۔ اس نے غور اہی دیلے تک کسی کے ہاتھ پیغام بھجوایا اور دیلا فوراً حاضر ہو گیا۔ اس نے دیلے سے کہا۔

''آج سارا دن میں تمہاری بات پر غور کرتی رہی ہوں۔۔۔ مجھے تمہاری بات منظور ہے۔ میں تم سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں، پر اس سے پہلے تمہیں میرے ساتھ سعدیہ کو شہر لے کر جانا پڑے گا اور کہیں سے چار پیسوں کا بندوبست بھی کرنا پڑے گا۔ اس کی ٹانگ کا زخم بہت خراب ہو چکا ہے اور اسے شہر لے جانا لازمی ہے۔''

دیلا، بالی کے توسط سے سعدیہ کو جانتا تھا۔

یہ بات سنتے ہی گویا اس کی لاٹری نکل آئی۔ اس نے بمشکل اپنے من کی خوشی کو دبایا۔

''تم یہیں ٹھہرو، میں ابھی کہیں سے چار پیسوں کا بندوبست کر کے آتا ہوں۔''

اگلے ایک گھنٹے میں وہ مطلوبہ رقم کے کر بالی کے پاس موجود تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ تینوں ٹانگے پر

Downloaded from https://paksociety.com

سوار ہو کر شہر کی طرف جا رہے تھے۔

☆☆

سعدیہ کی ٹانگ کے زخم اس قدر خراب ہو چکے تھے کہ اس کی آدھی ٹانگ کاٹنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ گلے ہوئے زخموں کا زہر دھیرے دھیرے پورے بدن میں پھیل رہا تھا۔ پنڈلی کی ٹوٹی ہوئی ہڈی اپنی جگہ چور چور ہو گئی تھی، جس کا جڑنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ رہی سہی کسر گئی دن کے گلے ہوئے زخموں نے پوری کر دی تھی۔ سو مجبوری کے عالم میں سادی کو اپنی آدھی ٹانگ سے ہاتھ دھونا پڑا۔۔۔۔ چند ہفتوں بعد جب وہ بالی کے ساتھ اس کے گھر لوٹی تو اس کا ایک پاؤں موجود تھا اور ایک پاؤں اپنا رجور کھو چکا تھا۔ بالی نے اس کی اس کمزوری کو دور کرنے کے لیے اسے ایک لکڑی کی ''کھوڑی'' بنوا دی تھی۔ سادی اسپتال سے لوٹی تو بہت دل گرفتہ تھی۔ اس کے رجور کا ایک بہت بڑا حصہ اس سے جدا ہو گیا تھا۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دیم سے اور اس کے گھر سے رشتہ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ واپس اپنے ماں باپ کے پاس جا کر ان کا دل دکھانا نہیں چاہتی تھی۔ اور رہ گئی بالی، تو تمام زندگی اس پر بوجھ بن کر رہنا بھی اسے گوارا نہیں تھا۔ سو ایک رات وہ چپکے سے بالی کے گھر سے نکلی اور اس بستی کے پاس سے گزرنے والی ریل کی پٹری پر جا کر سو گئی۔ اگلے دن کے سورج نے جب اس بستی پر اپنی دھوپ کا سونا اتارا تو وہاں ایک حالات کی ماری عورت، اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔ سادی دنیا کے تمام عذابوں سے نجات پا کر اوپر پہنچ گئی تھی۔ اس کی اچانک موت نے بالی کو بے حد افسردہ کر دیا تھا۔ سادی کے جانے کے کچھ عرصے بعد، ایک دن بالی کی ساس نے بھی چپکے سے آنکھیں بند کیں اور اوپر والے کو پیاری ہو گئی۔ اس دوران بالی اور ریلے کا تعلق برقرار رہا اور پھر کچھ عرصے بعد انہوں نے شادی کر لی۔ بالی سے شادی کرنے کا مشورہ اسے میدے نے دیا تھا۔ میدے اور ریلے کو بالی کے بارے میں ہر بات معلوم تھی۔ اسے یہ بھی پتہ تھا کہ بالی شوہر کے گزر جانے کے بعد غلط رستے پر چل پڑی ہے اور اب اپنا جسم بیچ کر اپنا گزارا کر رہی ہے۔ وہ یقیناً ان کے کام آ سکتی تھی۔ وہ خود بھی اسی طرح کے بندے تھے۔ اگر بالی ریلے سے شادی کر لیتی تو انکی کم سے کم آدھی پریشانیاں ختم ہو جاتیں۔ ایک تو کھانا پینا اور اوڑھنا، بچھونا گھر کا آ جاتا اور دوسرا چار پیسوں کی آمدنی کی بھی امید تھی۔ سو میدے کے کہنے پر ریلے نے اس سے بات کی اور کچھ عرصے بعد بالی نے اس کی بات مان لی۔ بالی کرائے کے مکان میں رہتی تھی۔ جونہی وہ ریلے کی ہم سفر ہوئی، اس نے رہ کرائے کا مکان چھوڑا اور ریلے کے گھر منتقل ہو گئی۔ ریلے کا گھر بڑے چوک کے بالکل پاس تھا اور عین موقع پر تھا۔ ان دنوں شاہ جی اپنی دکان کو وسیع کرنے کے ساتھ ساتھ کہیں اور منتقل کرنے کا سوچ رہا تھا۔ اس سلسلے میں اس کی نظر بڑے چوک کے آس پاس کوئی مکان یا دکان تلاش کر رہی تھی اور اسی کوشش میں اسے ریلے کا مکان نظر آ گیا۔ بالی سے شادی کرنے کے بعد ریلا سکون سے اس کے ساتھ رہنا چاہتا تھا، مگر کسی طریقے اور سلیقے کے ساتھ یوں تو بالی پہلے بھی اپنا جسم فروخت کرتی تھی، مگر چھپ چھپا کر اور لوگوں کی نظروں سے بچ کر اور ایسا ہی ریلا کرنا چاہتا تھا۔ وہ بستی کے عین درمیان میں بیٹھے تھے اور اس جگہ رہ کر، وہ وہاں کھلم کھلا چکلا نہیں کھول سکتے تھے۔ اگر ان کا مکان بستی سے ذرا دور یا کسی الگ سی جگہ پر ہوتا تو پھر بھی بات بن سکتی تھی مگر بستی کے عین بیچ میں یہ ممکن نہیں تھا۔ وہاں سے ذرا دور، جہاں صحرا نما سا قبرستان تھا، وہاں ایک چھوٹا مگر پکی اینٹوں سے بنا ہوا کسی کا مکان برائے فروخت تھا۔ میدے کا خیال تھا کہ اگر کسی طرح انہیں وہ مکان مل جاتا، وہ وہاں منتقل ہو جاتے اور وہاں آرام سے اپنا کام شروع کر لیتے۔ وہ جگہ بستی سے دو کلومیٹر کے

Downloaded from https://paksociety.com

فاصلے پر تھی اور ان کے کام کے لیے بالکل ٹھیک تھی۔ وہاں تاش کھیلنے کا اڈا ابھی پاس ہی تھا، جہاں بستی کے سارے آوارہ لوگ جمع ہوتے تھے۔ اور یہ وہی لوگ تھے، جو ان کی روزی روٹی کا سبب بھی بنتے۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ ویلے کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ اس مکان کو خرید سکتا۔ مگر جب شاہ جی کو اپنی دکان پھیلانے کے لیے اس کے مکان کی ضرورت پڑی اور اس نے ویلے سے اچھے داموں وہ مکان لینے کی بات کی تو ویلے نے فوراً ہاں کردی۔ اگلے دن کاغذات پر انگوٹھا لگانے کے بعد وہ شاہ جی سے مطلوبہ رقم لے چکا تھا۔ اس بات کے دو دن بعد اس نے قبرستان کے پاس والے مالک مکان سے مکان کی بات کی اور مناسب قیمت پر وہ مکان لے لیا۔ اگلے دن ہی وہ بالی اور اس کے دو سالہ بیٹے کے ساتھ وہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منتقل ہوگیا۔ کچھ ہفتوں میں ہی بالی اور ویلے کا کام چل نکلا اور ویلے نے سکھ کا سانس لیا۔ ایک مدت بعد اسے کوئی ایسا کام ملا تھا، جس پر وہ مطمئن تھا۔ اس بستی کے علاوہ دور دراز کی بستیوں کے لوگ بھی اس کے مکان کا رخ کرنے لگے تھے۔ ایک بار ان کی اس شہرت بھرے مکان کی بات سن کر چوہدری رفیق بھی وہاں آکر اپنا من بہلا گیا تھا۔ ویلے نے اس موقع پر اس کی بہت آؤ بھگت کی تھی۔ اسے خدشہ تھا کہ اس کے یوں کھلم کھلا دھندہ شروع کرنے پر، کوئی ہنگامہ نہ کھڑا کردے۔۔۔ اگر چوہدری رفیق کا ہاتھ اس کے سر پر رہا تو ایسا کچھ نہیں ہوگا اور ہوا بھی یہی۔ اس نے جاتے جاتے کہا تھا کہ اگر کوئی شخص انہیں پریشان کرے تو وہ اسے بتائے، وہ اس سے خود نمٹ لے گا۔ مگر ویلے کی خوش قسمتی کہ ایسا ابھی کوئی موقع نہیں آیا، جب کسی نے انہیں پریشان کیا ہو۔

☆

زندگی کے چند سال بڑی تیزی سے گزر گئے تھے۔ ویلے نے بالی کی سنگت میں جو کام شروع کیا تھا، اس میں بہت کامیاب رہا۔ پیسے کی دیوی اچانک اس پر مہربان ہوگئی تھی۔ اس نے اس مکان کے ساتھ والی زمین خرید کر اس مکان کو اور وسعت دے دی تھی۔ جوئے کا اڈا جو پہلے قبرستان کے پرلے سرے پر ہوا کرتا تھا، اب یہاں منتقل ہوگیا تھا۔ لوگ تاش کھیلتے، جوا لگاتے اور ہر جیتنے والی پارٹی اسے ایک مخصوص رقم ادا کرتی۔ آٹھ دس سال گزرنے کے بعد بالی کا حسن اور جوانی دونوں ڈھل چکے تھے اور ان کا یہ دھندہ بہت کم ہو کر رہ گیا تھا۔ اب اگر کوئی بالی کو حاصل کرنے کے لیے آتا بھی تھا تو وہ اتنی کم رقم دیتا تھا، جس سے اگر ایک وقت کا کھانا بھی آجاتا تو بڑی بات تھی۔ وہ تو جوئے کا اڈا اچھے سے چل رہا تھا اور ان کا گزارہ ہو رہا تھا، ورنہ انہیں بہت پریشانی ہوتی۔ اس دوران ویلے اور میدے نے کچی شراب بنا کر بیچنے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا، وہاں سے بھی دو پیسوں کی آمدنی ہو جاتی تھی۔ جنسی تعلقات کے حوالے سے لوگ اب پچھلے کچھ عرصے سے نئے مال کا تقاضا کرنے لگے تھے اور ان کا تقاضا بجا بھی تھا۔ سب ایک ہی کھانا کھا کھا کر اکتا گئے تھے۔ ویلے نے اس سلسلے میں بہت بھاگ دوڑ کی تھی اور اس بھاگ دوڑ میں وہ بستی کی صرف ایک عورت کو پٹا سکا تھا۔ مگر اس نے صرف اس شرط پر اپنا جسم فروخت کرنے کی ہامی بھری تھی کہ وہ اپنا چہرہ کسی کو نہیں دکھائے گی۔ وہ ضرورت مند تھی اور مجبوراً اسے اس راہ پر لے آئی تھیں۔ یہ دوسرا مال آنے سے بھی اس کا کام نہ چل سکا۔ ایک تو یہ دوسری عورت ہر وقت اس کے مکان پر نہیں ہوتی تھی اور دوسرا جو شخص بھی اس کے ساتھ تعلق قائم کرتا تھا، اس کی یہ خواہش ہوتی، وہ اس کا چہرہ بھی دیکھے۔ مگر جب اس کی یہ خواہش پوری نہ کی جاتی تو اس کا منہ بن جاتا اور پھر وہ وہاں کبھی نہ آتا۔ اس دوران میدے کے گھر والوں نے کب کا اسے گھر سے نکال دیا تھا اور اب وہ پچھلے کچھ عرصے سے ویلے کے گھر میں اس کے ساتھ

Downloaded from https://paksociety.com

رہتا تھا۔ جسم فروشی کا دھندا ٹھیک سے نہ چلنے کی وجہ سے وہ بھی پریشان تھا۔ اگر کام نہیں چلا تو ان کا گزارہ کیسے ہوتا؟ اس دوران اس کا ذہن عجیب و غریب منصوبے بناتا رہتا تھا اور پھر ایک دن ان عجیب و غریب منصوبوں کا عمل بھی سامنے آگیا۔ ایک دن وہ دیلے کے گھر لوٹا تو اس کے ساتھ برقعے میں ایک لڑکی تھی اور میدے کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ دیلے کے استفسار پر وہ اسے ایک طرف لے گیا اور چہکتے ہوئے کہا۔

''بس یار، یہ چڑیا کہیں سے ہاتھ لگ گئی۔۔۔ یہ بھی اسی لائن کی ہے۔ بیس بائیس سے زیادہ کی نہیں ہے اور روپ دیکھو گے تو حیران ہی رہ جاؤ گے۔'' خوش ہونے کے باوجود دیلا اب بھی الجھن کا شکار تھا۔

''پر پتہ تو چلے کہ یہ ہے کون اور کہاں سے آئی ہے''

''لاہور کے ایک دلال سے لایا ہوں''

دیلے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''وہ کیسے؟''

''وہ ایسے کہ یہ کسی کے پیار میں پاگل ہو کر گھر سے بھاگ گئی تھی۔ اس کے چاہنے والے کا جب تک دل چاہا وہ اس سے کھیلتا رہا اور جب دل بھر گیا تو اسے بازار حسن کے ایک دلال کے ہاتھ فروخت کر کے بھاگ گیا۔ میری اس دلال سے کافی پرانی دعا سلام ہے۔ میں نے اسے کب کا کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی ہمارے مطلب کا پیس آئے تو مجھے بھی ایک آدھ دانہ دے، سو اس بار ہمارے مطلب کا پیس آگیا اور میں اسے لے آیا۔''

''مفت میں؟''

''مفت کہاں یار، پورے بیس ہزار دینے ہیں۔''

بیس ہزار کا سنتے ہی دیلے کا چہرہ اتر گیا۔

''بیس ہزار تو بہت زیادہ ہیں۔''

''کوئی زیادہ نہیں ہیں۔ اور ہم نے کون سا ایک ساتھ دینے ہیں۔ ہر ماہ صرف پانچ ہزار کی رقم دینی ہے۔ اور تو ذرا صورت تو دیکھ اس کی، تیرا دل خوش نہ ہو جائے تو کہنا۔'' اور دیلے نے جب اس کے چہرے کا پردہ ہٹا کر دیکھا تو ایک پل کو اس کا دل بھی ٹھہر گیا۔

اسے میدے کی بات ٹھیک لگی تھی۔ وہ لڑکی کہیں ہیرا تھی اور وہ اس ہیرے سے ایک کیا کئی بیس ہزار کما سکتے تھے۔ پچھلے کچھ عرصے میں دیلے نے حالات سے تنگ ہونے کے باوجود کچھ رقم پس انداز کرنا شروع کر دی تھی۔ اسی رقم میں سے اس نے میدے کو پانچ ہزار دے دیے۔ دیلے اور میدے کے اندازے کے مطابق نیا مال آنے سے ان کا تھما ہوا کام ایک بار پھر چل نکلا۔ جس کو بھی پتہ چلتا کہ دیلے کے پاس نیا مال آیا ہے اور بہت خوبصورت ہے۔ وہ اس کے گھر کا رخ کرتا۔ اس نئے تجربے سے دیلے کو ایک بات اچھے سے سمجھ آگئی تھی کہ اگر اسے یہ کام اسی طرح رواں دواں رکھنا ہے تو ہر دو چار ماہ بعد اسے مال بدلتے رہنا پڑے گا۔ لوگوں کا ایک ہی چیز کو بار بار دیکھ کر من اوب جاتا ہے۔ اس نے اس سلسلے میں میدے سے بات کی تو وہ بھی اس کی بات سے متفق نظر آیا۔ اس نے کہا کہ وہ آگے بات کرتا ہے۔ اور پھر اس نے آگے بات کی اور ان کا کام بن گیا۔ میدا بازار حسن سے جا کر ایک اور پیس لے آیا۔ یوں گھر میں دو دو عورتیں جمع ہو گئی تھیں، جن کے وجود سے کوئی بھی لطف اندوز ہو سکتا تھا۔ دیلا اپنے تجربے کی بنیاد پر ہر دو تین ماہ بعد مال تبدیل کر دیتا، اور نیا مال لے آتا تھا۔ نئے مال کے آتے ہی اس کی دکان دری ایک بار پھر چمکنے لگتی تھی۔

☆☆

ایک دن پہلے دیلا اور شاتا تاش کھیل رہے تھے۔ تاش کھیلتے ہوئے دیلے نے کہا۔

''یار تیری بھی کیا زندگی ہے۔ ایک ہی مال پر دن رات گزارا کر رہا ہے۔ وہ دور کتنا اچھا تھا جب تو میرے مکان پر آ کر مزے سے عیاشی کرتا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

کھانا، پینا، گھومنا، پھرنا موج ہی موج تھی۔" شمے نے ایک گہری سانس لی۔

"وہ دن تو یار واقعی کمال کے تھے۔ پر یہ سارا کھیل پیسوں کا تھا۔ اس وقت تانگا تھا۔ پیسے تھے اچھا روزگار تھا۔ اب تو کچھ نہیں ہے میرے پاس۔ کوثر مجھے اور بچوں کو دو وقت کا کھانا کھلا رہی ہے یہ بھی بڑی بات ہے۔"

"تو دل چھوٹا مت کر اور نہ ہی ایسے ٹھنڈی سانسیں لے۔ آج سے میں تجھے دو چار دن کی عیاشی کراتا ہوں۔ تو بھی کیا یاد کرے گا کہ کس سخی سے پالا پڑا ہے۔ کل تیار رہنا، تجھے میں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔" اور اگلے دن ویلا سچ میں اسے اپنے مکان پر لے گیا تھا۔ اس کے مکان پر بالی اور ایک اور لڑکی موجود تھی، جو دو دن پہلے ہی میدا شہر سے لایا تھا۔ ویلا شمے کو ایک کمرے میں چھوڑ آیا۔ کچھ دیر بعد شراب اور شباب بھی وہاں پہنچ گئے۔ ویلے نے کمرے میں جانے والی لڑکی سے کہا تھا کہ وہ شمے کو ہر طرح سے خوش کرنے کی کوشش کرے اور کسی قسم کی کوئی کمی نہ آنے دے۔ ویلا، اگلے کئی دنوں تک شمے کو اپنے ساتھ گھر لے جاتا رہا وہ شمے کو اس سب کا عادی کر دینا چاہتا تھا، اتنا کہ یہ کام اس کے لیے مجبوری بن جائے۔ اس کے ساتھ وہ اسے چرس کا بھی عادی بنا رہا تھا، بنا کیا رہا تھا، شراب تک بن چکا تھا اور ویلا یہ سب ایک خاص مقصد کے تحت کر رہا تھا۔ یہ مقصد اس نے اس دن شمے پر واضح کیا، جب پورے ایک ہفتے تک اس سے وعدہ کرنے کے باوجود وہ شمیکو اپنے مکان پر نہیں لے گیا۔ ایک ہفتے بعد ویلے نے اس سے کہا۔

"یار صاف اور سیدھی بات ہے کہ اب میری اتنی ہستی بار نہیں کہ میں تمہیں روزانہ عیاشی کراتا پھروں۔ میرے اپنے بچے ہیں، گھر بار ہے۔ آخر ان کا بھی خیال رکھنا ہے مجھے، اب پیسوں کے بغیر میں تمہیں اور عیاشی نہیں کرا سکتا۔"

شمے کا منہ اتر گیا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میرے پاس کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو میں تمہیں پیسوں کو انکار کرتا؟"

"ذریعہ معاش تو ہے۔ اب تم اس سے فائدہ نہ اٹھاؤ تو تمہاری مرضی۔"

"کیا مطلب"

"مطلب یہ کہ یہ جو کوثر ہے۔۔۔ اگر تم چاہو تو اس کے ذریعہ ہزاروں کما سکتے ہو۔ جیسے میں بالی کے ذریعہ کما رہا ہوں۔ ویسے بھی وہ جگہ جگہ خود کو خراب کرتی پھرتی ہے۔ اگر کہیں ایک جگہ ٹک کر بیٹھ گئی تو خود بھی مزے سے کمائے گی اور تمہیں بھی کھلائے گی۔"

"یار وہ اس مزاج کی عورت نہیں ہے" ویلا اس کی بات پر زور سے ہنسا۔

"تجھے کیا پتہ وہ کس مزاج کی عورت ہے۔ مجھ سے پوچھ، میں اس کی ہر بات جانتا ہوں۔ پہلا نمبر تو چوہدری رفیق اس کا یار ہے اور کوثر کے اس کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی نہ جانے کتنے لوگوں کے ساتھ اس کا رابطہ ہو۔۔۔ صرف حویلی میں کام کرنے سے تو تانبا گھر نہیں چل سکتا۔۔۔"

"تو میں کیا کروں؟" شمے کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"وہ ویسے بھی اپنی مرضی سے خود کو بیچ رہی ہے۔ اگر وہ تمہارے کہنے پر ایسا شروع کر دے تم بھی مزے میں رہو گے اور وہ بھی۔ تمہارے سارے حالات بدل جائیں گے۔"

ویلے کی بات اس کے دل کو لگی۔ اس کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک اس بارے میں سوچتا رہا۔ ویلا بہت عرصے سے یہی کام کر رہا تھا اور بہت مزے میں تھا۔ اگر کوثر بھی اس کے کہنے پر یہ کام شروع کر دے تو اس کے بھی حالات بدل جائیں گے اور اس گھر کے بھی۔ وہ بھی عیش کرے گا اور کوثر بھی۔ اس نے سوچ

Downloaded from https://paksociety.com

لیا کہ وہ آج ہی کوثر سے اس سلسلے میں بات کرتا ہے۔ ویسے اسے امید نہیں تھی کہ کوثر معاملے میں مان جائے گی۔ مگر اس بار شمے کے ارادے بھی کچھ اور تھے۔ کوثر کو تو ہر حال میں اس کی بات ماننا پڑے گی۔ چاہے پیار سے یا پھر کسی اور طریقے سے۔

......☆☆......

کوثر پچھلے دو روز سے بہت پریشان تھی۔ وہ حویلی نہیں جا رہی تھی اور اس کی اس پریشانی میں مزید اضافہ شمے نے کر دیا تھا۔ وہ پچھلے دو سال سے حویلی میں عزت کی روٹی کما رہی تھی مگر پچھلے کچھ عرصے سے حالات اور لوگ اسے غلط راہ پر لے جانے کے لیے مجبور کر رہے تھے۔ کوثر کو اس طرح کے حالات کا سامنا اس وقت بھی کرنا پڑا تھا، جب شمے کے معذور ہوتے ہی اسے کام کے لیے گھر سے باہر نکلنا پڑا تھا۔ اس وقت تو اس نے خود کو محفوظ کر لیا تھا، پر اب شاید اس کے لیے خود کو محفوظ رکھنا ممکن نہیں رہا تھا اور اس کی وجہ چوہدری رفیق تھا۔ یوں تو وہ اسی دن سے ہی حاصل کرنے کے چکر میں تھا، جس دن سے وہ حویلی میں کام کرنے کے لیے گئی تھی مگر کوثر کسی نہ کسی طرح اس سے بچتی رہی تھی اور وہ صرف اس لیے کہ چوہدری رفیق کا اکثر وقت شہر میں گزرتا تھا اور وہ گھر، دو سے تین ماہ بعد آتا تھا۔ جن دنوں وہ حویلی آیا ہوتا، کوثر ایک دو دن کے لیے حویلی سے ناغہ کرتی اور جونہی اسے معلوم ہوتا کہ چوہدری رفیق واپس شہر لوٹ گیا ہے، وہ دوبارہ حویلی جا کر کام پر لگ جاتی۔ مگر اب دو دن پہلے چوہدری رفیق ہمیشہ کے لیے گھر لوٹ آیا تھا اور اس نے آتے ہی کوثر پر واضح کیا تھا کہ اگر وہ اس حویلی میں رہنا چاہتی ہے تو پہلے اسے خوش کرنا پڑے گا ورنہ اسے حویلی چھوڑنا پڑے گی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پچھلے دو دن سے پریشان تھی۔ اس نے ساری زندگی اپنی عزت کی حفاظت کی تھی اور اب یہ دنیا اس کی عزت کے در پے ہو گئی تھی۔ چوہدری رفیق تو خیر تھا ہی غیر اور الگ مزاج کا بندہ تھا، مگر کوثر کو سب سے زیادہ دکھ شمے کی بات سے ہوا تھا۔ جب کل اس نے ذرا سی تمہید کے بعد اسے دیلے کے ہاتھوں اپنا جسم فروخت کرنے کو کہا تھا۔ وہ شروع سے شمے کی فطرت کو سمجھتی تھی، اسے پتہ تھا کہ وہ غلط ذہن کا بندہ ہے۔ مگر اسے یہ امید نہیں تھی کہ وہ اس کے ساتھ اس حد تک بھی گر سکتا ہے۔ کل تک جو اس کی ذات پر کیچڑ اچھالتا تھا، آج خود اسی کیچڑ میں اسے گرنے کے لیے مجبور کر رہا تھا۔ شمے نے جب اس سے یہ بات کی تھی، کوثر ایک پل کو سکتے میں آ گئی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شما ایسی بات بھی اسے کہہ سکتا ہے؟ مگر شمے نے نا صرف اسے یہ بات کہی تھی، بلکہ اس نے اسے اس کام کے لیے مجبور بھی کیا تھا۔ شمے کی بات سننے کے بعد کوثر اس پر چیخنے، چلانے کی بجائے چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ اس کی خاموشی نے شمے کو خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ شاید کوثر اس کی بات ماننے کے لیے تیار ہو گئی ہے۔

مگر کوثر اس کی بات سن کر صرف اس لیے خاموش ہو گئی تھی کہ اب زبانی کلامی کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔ وہ بہت سوچ سمجھ کر، عملی طور پر کوئی قدم اٹھانا چاہتی تھی۔ اسے دیلے کی اپنے گھر میں آمد سے جو خدشہ تھا، وہ سامنے آ گیا تھا۔

وہ خود جس مزاج کا مالک تھا، اس مزاج میں اس نے شمے کو بھی رنگ لیا تھا اور اب ان دونوں کی کوشش تھی کہ کوثر ان کی خواہش کے مطابق غلط رستے پر چلے۔ یہ بات کوثر کو مرتے دم تک قبول نہیں تھی۔ دیلے کے ساتھ اپنے گھر میں شاہ جی کی آمد کے مقصد سے بھی وہ اچھے سے واقف تھی۔ شاہ جی اس کے لیے پاگل تھا اور کسی بھی قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کوثر اگلے ایک دن تک اس معاملے میں بہت دور تک غور کرتی رہی۔ شمے کے معذور ہونے کے بعد اس نے شمے پر احسان کیا تھا۔ اس کے پورے گھر کی ذمہ

Downloaded from https://paksociety.com

داری اٹھائی تھی۔ اس کے دکھ سکھ میں شامل رہی تھی اور اس کی جنسی، جسمانی اور ہر طرح کی ضرورت پوری کی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے اس کی گالی گلوچ اور ہر طرح کی بات کو صبر کے ساتھ برداشت کرنے کی کوشش کی تھی۔ صرف یہ سوچ کر کہ اگر شما معذور ہو گیا ہے تو اس میں اس کا کیا دوش؟ اب اگر تقدیر نے یہ ذمہ داری اس پر ڈالی ہے تو ایسے ہی سہی۔ وہ اس ذمہ داری کو بہت احسن طریقے سے پورا کرنے کی کوشش کرے گی اور اس نے کی بھی۔ اس دوران کبھی اس کے من میں خیال نہیں آیا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ اس کی اپنی زندگی ہے، اپنے کچھ خواب ہیں۔۔۔ وہ بہت خوبصورت ہے۔ وہ شما کو چھوڑ کر کسی بھی صاحب حیثیت شخص کی طرف ہاتھ بڑھائے تو وہ اس کا ہاتھ خوشی سے تھام لے گا۔ وہ نا صرف اس کا ہم سفر بن کر اسے قبول کرے گا بلکہ اس کے بچوں کی ذمہ داری بھی اٹھائے گا، مگر کوثر نے ایسا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ شما کو کسی بھی صورت بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ مگر اب، جب خود شما بھی اس کی ہر خدمت اور ہر بات کو نظر انداز کر کے اسے برائی کے رستے کی طرف چلنے کے لیے مجبور کر رہا تھا، تو وہ بھی کیوں نا اس سے دامن چھڑا کر اسے اس کے رستے پر چھوڑ دیتی۔ جب کوئی بھی اس کی ذمہ داری اٹھانے والا نہیں ہوگا، تب اسے کوثر کی قدر معلوم ہوگی، اور تب تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ کوثر کو برائی کے رستے پر چلنا تو گوارا نہیں تھا مگر وہ کسی سے شادی کر کے اس مشکل سے نکل سکتی تھی۔ اس حوالے سے اس نے آس پاس غور کیا تو اس کی نظر شاہ جی پر جا ٹھہری۔ وہ اسے چاہتا تھا۔ اسے حاصل کرنے کا خواہش مند تھا اور بڑی بات نہیں تھی کہ وہ اس سے شادی کے لیے بھی تیار ہو جاتا۔ شاہ جی چالیس کی عمر کا شخص تھا۔ اس کی پرچون کی بہت بڑی دکان تھی۔ وہ صاحب حیثیت شخص تھا۔ اگر وہ اس کے ساتھ اس کے بچوں کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار ہو جاتا تو وہ اس سے شادی کر سکتی تھی۔ اس نے مزید وقت ضائع کیے بغیر اسی دن ہی شاہ جی کی دوکان کی طرف اپنے قدم بڑھائے اور اس کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ کوثر کو اپنے سامنے پا کر اور اس کا مدعا سن کر شاہ جی اندر سے کھل اٹھا۔ تین عدد بچوں کی ماں ہونے کے باوجود وہ اب بھی جوان اور خوبصورت تھی اور شاہ جی انہی چیزوں کا دیوانہ تھا۔ کوثر نے اسے شروع سے لے کر آخر تک ہر بات کہہ دی تھی۔ اس نے اس پر واضح کیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیوں شادی کرنا چاہتی ہے اور اسے کیا مجبوری ہے۔ شاہ جی غیر شادی شدہ تھا۔ ایک نا ایک دن اسے شادی کرنا تھی اور اپنا گھر بسانا تھا۔ جس کے لیے کسی نیک اور خوبصورت بیوی کا ہونا لازمی تھا اور اس حوالے سے کوثر اس کے لیے بالکل ٹھیک تھی۔ ایک تو وہ خوبصورت تھی، جوان تھی اور دوسرا اسے پسند تھی۔ اور اس کے ساتھ وہ شریف بھی تھی۔ اس کی شرافت کی گواہی ہر شخص دیتا تھا۔ شاہ جی خوشی خوشی اس سے شادی کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ کوثر نے شاہ جی سے کہا کہ وہ شما سے اسے طلاق دلوا دے اور ساتھ ہی کہیں کرائے کے مکان کا بندوبست بھی کر دے۔ ایک تو وہ آج کے بعد شما کے گھر نہیں رہنا چاہتی تھی اور دوسرا جب تک عدت کے ایام نہیں گزر جاتے، وہ اس سے بھی دور رہنا چاہتی تھی۔ شاہ جی کو اس کی دونوں باتیں مناسب لگیں۔ جہاں اتنے دن گزر گئے تھے، وہاں کچھ دن اور سہی۔ شاہ جی نے اب شما کے ساتھ تعلق نہ رکھنا بہتر سمجھا اور اس سے کوثر کے حوالے سے کھل کر بات کرنے کا سوچا۔ وہ اسی دن کچھ دیر بعد شما کے روبرو تھا۔ شما کو جب پتہ چلا کہ کوثر اس سے طلاق مانگتے ہوئے اسے چھوڑ کر جا رہی ہے اور شاہ جی سے شادی کر رہی ہے تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی اس بات سے ناراض ہو کر وہ اتنا بڑا قدم بھی اٹھا سکتی ہے۔ اگر

Downloaded from https://paksociety.com

کوثر بیچ میں اسے چھوڑ کر چلی گئی تو اس کا کیا بنے گا؟ کون اس کی ضرورتیں پوری کرے گا؟ وہ کسی صورت اسے طلاق نہیں دے سکتا تھا اور یہ بات اس نے شاہ جی پر واضح بھی کر دی تھی۔ شاہ جی نے جب کوثر کو شمے کی یہ بات بتائی تو وہ فوراً شمے پاس اس کے گھر جا رکی اور اس سے تند لہجے میں کہا۔ "دیکھ شمے، میں نے جتنا تیرے ساتھ وقت گزارنا تھا، گزار لیا۔ اب میں تمہارے ساتھ ایک منٹ بھی نہیں گزار سکتی۔ بہتر یہی ہے کہ تم مجھے شرافت سے طلاق دے دو، ورنہ شاید اس کے لیے مجھے عدالت سے رجوع کرنا پڑے۔۔۔ اس وقت مجھے طلاق دینے کے علاوہ تیرے پاس کوئی راستہ نہیں ہوگا۔"

شمے کی آنکھوں سے اچانک آنسو بہنے لگے۔

"دیکھ کوثر، بس ایک بار مجھے معاف کر دے۔ اگر میں نے آج کے بعد تجھ سے کوئی ایسی ویسی بات کی تو۔۔۔۔"

"اب اس کا وقت نکل چکا ہے۔ تمہارے پاس مجھے طلاق دینے کے علاوہ اور کوئی رستہ نہیں ہے۔" شمے اور شدت سے رونے لگا۔

"میں تمہارے پیچھے برباد ہو کر رہ جاؤں گا۔ مجھے تمہارے پیچھے کون کھلائے پلائے گا۔ کون میری ضرورتیں پوری کرے گا اور کون خرچ اٹھائے گا؟" شاہ جی نے کہا۔

"تم اس کی فکر مت کرو۔ اگر تم اپنا یہ مکان مجھے فروخت کر دو تو میں اس کے بدلے تمہیں اچھی خاصی رقم دے دوں گا۔ جس سے تم آسانی سے گزر بسر کر سکو گے۔ اور رہ گیا تمہارے رہنے کا اور کھانے پینے کا مسئلہ، تو وہ میرے کہنے پر دیلا حل کر دے گا۔ تو اس کے گھر رہ لینا، وہ تمہاری ہر ضرورت پوری کرے گا، اس بات کی میں ضمانت دیتا ہوں۔"

شمے کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ کوثر کو طلاق دے۔ مگر اس بات کا بھی اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ اب تیر کمان سے نکل چکا ہے، جس کا واپس پلٹنا ممکن نہیں۔ کوثر کو طلاق دینا اس کے لیے ناگزیر ہے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی رستہ نہیں ہے۔ اس نے اسی وقت کوثر کو طلاق دے دی اور وہ مکان بھی شاہ جی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اگلے دن وہ اس رقم کے ہمراہ دیلے کے مکان میں منتقل ہو چکا تھا، جس کے بارے میں اس کا اندازہ تھا کہ اب اس کی زندگی کے باقی ایام وہاں سکون سے گزریں گے۔ شاہ جی کے کہنے پر دیلا بمشکل اسے اپنے گھر رکھنے کے لیے آمادہ ہوا تھا۔ اس کام کے لیے شاہ جی نے اسے دو ہزار بھی دیے تھے ساتھ ہی اس نے کہا تھا کہ وہ کچھ ہفتوں کے لیے شمے کو اپنے پاس رکھے، بعد میں وہ اس کا بھی کوئی بندوبست کر لیں گے۔

.....☆☆.....

شمے کو دیلے کے گھر منتقل ہوئے دو ماہ ہو چکے تھے اور بالی اس کے کپڑے اور روٹی جیسی خدمت کر کر کے تھک گئی تھی، پہلے وہ یہ خدمت دیلے کی کرتی تھی۔ کچھ عرصے بعد ان کے ساتھ میدا بھی آ کر رہنے لگا تھا۔ اس کے کچھ عرصے بعد اس گھر میں ایک دو اور بھی عورتیں آ گئی تھیں۔ جن کے آنے سے بالی کو اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے والے افراد کی کمی تو ہو گئی تھی مگر اس کے ساتھ چار پانچ افراد کا کھانا بنانا کپڑے دھونے اور دوسری ضرورتیں پوری کرنے کی ذمہ داری اس پر آ پڑی تھی، جسے وہ بمشکل نبھا رہی تھی۔ مگر کچھ دن پہلے جب دیلا شمے کو بھی اپنے گھر تھسیٹ لایا تو بالی احتجاج کیے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"گھر میں پہلے ہی اتنے لوگ رہ رہے ہیں۔ اس عذاب کو کیوں گلے ڈال لائے ہو؟" دیلے نے اسے کینگی سے آنکھ ماری۔

"کوثر اسے چھوڑ کر جا چکی ہے۔ وہ عنقریب شاہ جی سے شادی کر رہی ہے۔ شمے نے اپنا مکان بھی شاہ جی کو بیچ دیا ہے اور اس کی ساری رقم اس کے پاس

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لیے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لیے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔ یوں سمجھو اب یہ موٹی اسامی ہے۔ جب تک اس کی جیب میں پیسے ہیں، ہم اسے گھر رکھیں گے، جب پیسے ختم ہو گئے گھر سے نکال دیں گے۔'' بالی ایک گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔ ادھر کوثر کو طلاق دینے کے بعد شمے کی عقل ٹھکانے آ گئی تھی اور ایک بات اس نے اچھے سے سمجھ لی تھی کہ اب اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے، صرف ان پیسوں کے جو شاہ جی کو مکان بیچ کر اسے ملے ہیں۔ جب تک یہ پیسے اس کی جیب میں رہیں گے، دنیا اس کے ساتھ ہو گی اور جس دن یہ پیسے ختم ہوئے، لوگ اسے گھر سے اٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔ شاہ جی کو مکان بیچنے کے فوراً بعد ہی شادیلے کے ساتھ شہر جا کر وہ ساری رقم بینک میں جمع کرا آیا تھا۔ ویلا اسے جس لالچ میں گھر لایا تھا، اس کی وہ خواہش پوری نہیں ہو رہی تھی۔ شما اپنی بینک والی رقم پر سانپ بن کر بیٹھا تھا اور اسے اس طرح خرچ کرتا تھا، جیسے ان میں ہی اس کی جان ہو۔ وہ ویلے کو وہاں رہنے کے اخراجات کے پیسے ضرور دیتا تھا مگر صرف اتنے، جس سے بمشکل صرف ایک بندے کا ایک ماہ کا خرچ پورا ہوتا ہو۔ شادیلے کو ہر ماہ کی یکم کو نوسو کا چیک کاٹ کر دیتا، جسے ویلا آتے جاتے شہر سے کیش کرا آتا تھا۔

ویلے کے پیار محبت کے باوجود شمے نے اپنا ہاتھ وسیع نہیں کیا تو ایک دن ویلا شاہ جی کے پاس جا پہنچا اور شکایت کرنے والے انداز میں کہا۔

''یار یہ کس عذاب کو میرے گلے ڈال دیا ہے تو نے۔ میں جس چکر میں اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا، وہ بالکل پورا نہیں ہو رہا۔ وہ تم سے لیے گئے پیسوں پر سانپ بن کر بیٹھا ہے۔ ہر ماہ مجھے صرف نوسو کا چیک کاٹ دیتا ہے اور بس۔ تم خود بتاؤ نوسو میں آج کل کیا آتا ہے؟'' شاہ جی نے کہا۔

''تو اس سے کھل کر بات کر۔ اسے کہہ کہ اگر وہ تمہارے ساتھ مستقل رہنا چاہتا ہے تو بینک والی ساری رقم تمہیں دے دے۔ اس کے بدلے تم عمر بھر اس کے اخراجات پورے کرتے رہو گے۔''

''میں نے بات کی تھی پر وہ نہیں مانا۔ وہ بہت استاد ہے۔ تو بس کسی طرح اس عذاب کو میرے گلے سے اتار۔۔۔۔'' شاہ جی سوچ میں پڑ گیا۔

''اچھا، ایک ہفتے کا ٹائم دو، میں کچھ بندوبست کرتا ہوں۔ تو مجھے ایک ہفتے بعد ملنا۔'' ویلا ایک ہفتے بعد شاہ جی سے ملا تو شاہ جی نے اسے شہر کے ایک شخص کا نام اور پتہ لکھوایا کہ اس شخص سے جا کر مل لینا۔ میرا حوالہ دے کر اس سے بات کرنا۔ یہ شخص شمے کو تم سے آ کر لے جائے گا۔ ساتھ ہی کچھ رقم بھی دے گا۔ ویلا اگلے دن ہی شہر گیا اور شاہ جی کا حوالہ دے کر اس شخص سے مل آیا۔ شمے کی دونوں ٹانگوں کی معذوری کے ذکر پر اس شخص کی آنکھوں میں ایک چمک سی آ گئی تھی۔ وہ اسی دن ہی ویلے کے ساتھ جا کر شمے کو اپنے ساتھ لے آیا تھا، ساتھ ہی اس نے ویلے کو ایک ہزار بھی دیے تھے۔ گو ہزار کی رقم زیادہ بڑی نہ تھی مگر پھر بھی اس نے وہ رقم فوراً لے لی۔ ایک تو وہ رقم اسے مفت میں مل رہی تھی اور دوسرا اس کی شمے سے جان بھی چھوٹ رہی تھی۔ اسے اور کیا چاہیے تھا۔ اس نے چپ چاپ وہ رقم لے لی تھی۔

شمادیلے کے گھر سے جانے کے لیے کسی طور تیار نہ تھا۔ مگر ویلے اور اس شخص نے اسے اس طرح شیشے میں اتارا کہ شما اس اجنبی شخص کے ساتھ جانے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ اگر وہ کچھ رقم خرچ کرنے پر تیار ہو جائے تو وہ شہر میں اسے مصنوعی ٹانگیں لگوا کر دے سکتے ہیں، جس سے نہ صرف وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گا، بلکہ اپنا کوئی کام دھندہ بھی شروع کر سکے گا۔ یہ لالچ اسے اس اجنبی کے ساتھ جانے کے لیے مجبور کر گیا۔ اسی دن ہی شما دیلے کے گھر سے رخصت ہو چکا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ آگے اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور خود ویلا بھی اس بات سے واقف نہیں تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

شانی نے عابی سے کہا۔

"یار میں لاہور جا رہا ہوں۔"

عابی کو حیرت ہوئی۔ "کیوں؟"

"کیوں کیا۔۔۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ کبھی اس کے در پر تو کبھی اس کے در پر۔ میری ماں کے کام دیکھو، میں اسے بہت اچھا سمجھتا تھا کہ وہ ہمارے لیے چوہدریوں کے گھر میں محنت مزدوری کر کے ہماری پرورش کر رہی ہے۔ مگر اب پتا چلا کہ وہ سب دھوکا تھا۔ اس نے میرے باپ کو چھوڑ دیا۔ اس سے طلاق لے لی۔ صرف اس لیے کہ وہ معذور ہے اور ہمیں کما کر کھلانے کے لائق نہیں ہے۔ پر اس میں اس کا کیا قصور ہے؟ کیا اس نے خدا سے کہا تھا کہ وہ اسے معذور بنا دے۔"

آج شانی کے انداز ہی کچھ الگ تھے۔ عابی اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"میرے باپ کو چھوڑ کر وہ شاہ جی سے شادی کر رہی ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ دولت مند ہے۔ اس کے پاس چار پیسے ہیں اور اس کی بستی میں سب سے بڑی دکان ہے۔ مگر اس کے ساتھ وہ ایک نمبر کا کمینہ اور حرامی بندہ ہے۔ تاش کھیلتا ہے، نشہ کرتا ہے اور۔۔۔ مجھے وہ شخص ایک آنکھ بھی نہیں بھاتا۔ مجھے مرنا تو قبول ہے لیکن اسے باپ کے روپ میں دیکھنا قبول نہیں ہے۔ اور صرف اسے ہی کیوں۔ مجھے اپنی ماں سے بھی بے انتہا نفرت ہو گئی ہے۔ اس نے میرے باپ کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ اس نے بے سوچے سمجھے بغیر اس سے طلاق لے لی اور علیحدگی اختیار کر لی کہ جس کا نہ کوئی آگے ہے اور نہ پیچھے، اس شخص کا اس کے بغیر کیا بنے گا۔۔۔؟" عابی چپ چاپ اس کی بات سنتا رہا۔

"اسی لیے تم لاہور جا رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"تجھے نہیں پتا۔ چاچے بشیر کا بیٹا وہاں ایک ہوٹل میں کام کرتا ہے۔ پورے ہزار مہینہ لے رہا ہے۔ پچھلی بار وہ آیا تو مجھے بھی اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ میں نے کہا کہ سوچوں گا۔ جاتے جاتے وہ مجھے اپنا پتا بھی لکھ کر دے گیا تھا۔ یہ دیکھ۔"

شانی نے ایک کاغذ کا ٹکڑا اس کی طرف بڑھایا۔ اس پر الٹا سیدھا کچھ لکھا ہوا تھا۔ عابی نے وہ کاغذ دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

"تو کیا اب تم سچ میں لاہور جاؤ گے؟"

"اور نہیں تو کیا۔ بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ تو بھی میرے ساتھ لاہور چل۔ یہاں بھی کوئی زندگی ہے۔ خاص کر میری اور تمہاری۔ تیرا باپ سارا دن گھر میں جوئے کا اڈا چلاتا ہے۔ شراب بیچتا ہے اور۔۔۔" اگلی بات اس نے جان بوجھ کر ادھوری چھوڑ دی۔ "ہاں یہ تو ہے۔ مگر وہ میرا سگا باپ نہیں ہے۔ یہ بات مجھے میری ماں نے بہت پہلے بتا دی تھی۔"

شانی نے اسے یہ کہنے سے گریز کیا کہ ویسا تو خیر اس کا سوتیلا باپ ہے مگر اس کی ماں۔۔۔ وہ بھی تو غلط رستے پر چل رہی ہے۔

"ربّ بھی میری ماں مجھے اس ماحول سے دور رکھنا چاہتی ہے۔" عابی نے کہا۔ "شاید ایک دو دن میں میں بھی شہر چلا جاؤں۔ وہاں اس کی کوئی سہیلی ہے۔ جن کے یہاں میں رہوں گا اور آگے پڑھوں گا۔"

اچانک شانی کو کوئی بات یاد آئی۔ "اچھا یہ بتا، میرا باپ تمہارے گھر رہ رہا ہے نا؟"

"ہاں وہ ہمارے گھر ہے۔ شاید وہ اب ہمیشہ وہیں رہے۔"

"چلو اچھی بات ہے۔ ورنہ میں اس کے لیے بہت پریشان تھا کہ اس کا کیا بنے گا۔ میں شہر جا کر

Downloaded from https://paksociety.com

جب بہت سے پیسے جمع کرلوں گا تو اپنے باپ کو بھی وہیں بلا لوں گا۔ تم ہو سکے تو تب تک اس کا خیال رکھنا۔"

عابی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے یہ کہنے سے گریز کیا کہ وہ تو ایک دو دن میں شہر چلا جائے گا۔ وہ اس کے پیچھے کیسے اس کا خیال رکھے گا۔ اور پھر اسی رات شانی پچھلے سے اپنے کپڑے باندھے اور لاہور کی طرف نکل گیا۔ اس کے دو دن بعد عابی بھی شہر میں تھا۔

.....☆☆.....

کچھ دن پہلے بالی ویلے سے پوچھ کر کسی کام سے شہر گئی تھی۔ ویسے بھی وہ اگر ویلے سے نہ پوچھتی تو فرق نہ پڑتا۔ پچھلے کافی عرصے سے دونوں ایک دوسرے کو اچھے سے پہچان گئے تھے۔ ان دونوں کا وجود ایک دوسرے کے لیے ناگزیر تھا اور دونوں کو ہی ایک دوسرے کی ضرورت تھی۔ پہلے شوہر کے گزر جانے کے بعد بالی کی زندگی ویران ہو کر رہ گئی تھی عین ممکن تھا کہ ماں باپ اور شوہر کے گزرنے کے بعد وہ خودکشی کر کے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی، اگر اس کی زندگی میں عابد نہ ہوتا۔ عابد اس کا لختِ جگر تھا اور اس ننھے سے وجود میں اس کی جان تھی۔ اسی کے لیے اس نے زندگی کی تلخیوں کو جھیلتے ہوئے ہر اچھا اور برا رستہ اپنایا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ عابد کو لکھا پڑھا کر ایک اچھا انسان بنائے، ایسا انسان، جس پر وہ فخر کر سکے۔ گو وہ خود بہت برے ماحول میں رہ رہی تھی مگر اس ماحول میں رہ کر بھی وہ عابی کی تربیت بہت اچھے سے کر رہی تھی۔ اس کے باوجود اسکی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ عابی کو شہر کے کسی بڑے اور اچھے اسکول میں داخل کرا سکے جہاں پڑھائی کے ساتھ اس کے رہنے کا بھی بندوبست ہو۔ اس حوالے سے اس نے ایک دن ویلے سے بات کی تو اس نے صاف انکار کر دیا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں اچھا خاصا پڑھ رہا ہے وہ۔ شہر جا کر کیا کرے گا۔ وہاں ہر ماہ رہنے، کھانے پینے اور فیس کا کتنا خرچہ آئیگا، تمہیں اس بات کا اندازہ بھی نہیں ہے۔ کم سے کم بھی ہر ماہ آٹھ سو ہزار کا خرچہ آئے گا اور ہر ماہ اتنے پیسے برباد کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ جب تک وہ بستی کے اسکول میں پڑھتا ہے، پڑھتا رہے، پھر اسے کسی کام وغیرہ پر لگا دینا۔ ویسے بھی پڑھ لکھ کر بندہ کون سا افسر لگ جاتا ہے" ویلے سے شادی کے بعد یوں تو وہ بہت جلد اس کی تمام بری عادتوں اور اس کی فطرت کے بارے میں جان گئی تھی مگر اس دن اسے پہلی بار پتہ چلا تھا کہ ویلا خودغرضی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس دن سے بالی نے عابی کے لیے کچھ اور سوچنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے اس کی شہر کی تعلیم کے لیے دھیرے دھیرے اور تھوڑی تھوڑی رقم الگ رکھنا شروع کر دی۔ اس کا ارادہ تھا کہ بستی کے پرائمری اسکول سے جب وہ پرائمری پاس کرے گا تو اسے شہر کے کسی اچھے اسکول میں داخل کرا دے گی۔

ویسے تو اس کی خواہش تھی کے پہلی سے لے کر پرائمری تک کی تعلیم بھی عابی شہر میں حاصل کرے۔ مگر اس وقت اس کی اتنی عمر نہیں تھی کہ وہ اکیلا شہر میں رہ پاتا۔ اور اب چند دن پہلے اس نے بستی کے واحد اسکول سے پانچ جماعتیں پاس کر لی تھیں اور اب بالی کی خواہش تھی کہ وہ عابد کو شہر کے کسی اسکول میں داخل کرا دے۔ اسی سلسلے میں اس نے شہر کا رخ کیا تھا اور وہیں بازار میں اس کی ملاقات ثوبیہ سے ہو گئی تھی۔ اسی ثوبیہ سے جو وکیل صاحب کی بیٹی تھی اور بالی جس پر جان دیتی تھی۔ گزرے ہوئے وقت ثوبیہ کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت اور حسین ہو گئی تھی۔ البتہ اس نے جب بالی کو پہلی نظر میں دیکھا تو وہ اسے پہچان ہی نہیں پائی۔ اور پہچانتی بھی کیسے؟ ان گزرے ہوئے ماہ و سال نے بالی سے حسن و جوانی کے علاوہ اور بھی بہت کچھ چھین لیا تھا۔ ایک دوسرے کو

Downloaded from https://paksociety.com

پہچان لینے کے بعد وہ دونوں بہت گرم جوشی سے ملیں۔ ثوبیہ اب بھی اسی طرح خوش مزاج عورت تھی۔ اس نے شگفتگی سے کہا۔

"یقین نہیں آرہا کہ میں تمہیں اتنے عرصے بعد اپنے سامنے دیکھ رہی ہوں۔ کتنی بدل گئی ہو تم۔"

بالی کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"اور آپ بالکل بھی نہیں بدلیں۔"

"سناؤ کیا ہو رہا ہے آج کل؟ تمہارا شوہر اور بچے ٹھیک ہیں؟"

بالی کے دل پر جیسے کسی نے پتھر کھینچ مارا۔ اس نے بمشکل اپنی اذیت پر قابو پایا۔

"ہاں، سب ٹھیک ہیں۔ آپ سناؤ، آپ ٹھیک ہیں؟"

ثوبیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آؤ میں تمہیں اپنا گھر دکھاتی ہوں" ایک گھنٹے بعد وہ ثوبیہ کے گھر، اس کے روبرو بیٹھی ہوئی تھی۔ ثوبیہ کا اتنا بڑا گھر دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس مکان کو دیکھ کر وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کے شوہر کی ماہانہ آمدنی کتنی ہوگی اور وہ کیسے گزر بسر کرتے ہوں گے۔ کچھ دیر بعد ملازمہ چائے اور کھانا لے کر آگئی۔ کھانا کھانے کے دوران بالی ثوبیہ سے اس بارے میں بات کرتی رہی کہ اس کا شہر آنے کا کیا مقصد ہے۔ وہ عابد کو کسی اچھے اسکول میں داخل کرانا چاہتی تھی، جہاں اس کی رہائش کا بھی بندوبست ہو۔ ثوبیہ نے کہا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اب بھی میری اپنی ہو اور مجھے پہلے کی طرح عزیز ہو عابد کو میرے ہاں چھوڑ جاؤ۔ میں اسے بیٹوں کی طرح رکھوں گی اور اسے یہاں کے سب سے اچھے اسکول میں داخل کراؤں گی۔ تم ہر بات سے بے فکر ہو جاؤ۔"

بالی کی آنکھوں سے ممنونیت کے آنسو نکل آئے۔ وہ اسی دن بستی لوٹی اور دو دن بعد عابد کو ساتھ لے کر ثوبیہ کے گھر آگئی۔ عابد کو ثوبیہ کے حوالے کرنے کے بعد بالی نے پس انداز کی ہوئی رقم ثوبیہ کو دینی چاہی تو ثوبیہ نے اسے محبت سے ڈانٹ دیا۔

"اگر پیسے وغیرہ دینے ہیں تو جاؤ اسے کسی ہوٹل یا ہوسٹل میں چھوڑ آؤ۔ یہ میرا گھر ہے اور یہاں ایسا کچھ نہیں چلے گا۔"

بالی ایک بار پھر اپنی آنکھوں میں شکر گزاری کے آنسو لیے واپس بستی پلٹ گئی۔ گو عابد کو وہاں چھوڑ کر جانے کو اس کا من نہیں چاہ رہا تھا، یہ سوچ کر اس کا دل ہول رہا تھا کہ وہ اس کے بغیر کیسے رہے گی۔ کیسے جیے گی، پھر اس کے بہتر مستقبل کا خیال کر کے وہ اپنے دل پر پتھر رکھ کر واپس آگئی۔ عابد اس دن سے ثوبیہ کے گھر رہنے لگا تھا۔ بعد کے دنوں میں بالی ہر دس پندرہ دن بعد عابد سے ملنے اور اس کا پتہ کرنے کے لیے آتی رہی تھی۔

کچھ ہی دنوں بعد عابد کا بھی وہاں من لگ گیا تھا اور وہ وہاں دل سے پڑھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

.....☆☆.....

شاہ جی کو ثر سے شادی کر کے بہت پچھتا رہا تھا اور اسے وہ دن یاد آرہے تھے، جب اس نے کوثر سے شادی کی تھی۔ وہ بے فکر اور آزاد طبیعت کا مالک تھا۔ کوثر سے شادی کر کے وہ ایک طرح سے پابند ہو گیا تھا اور یہ پابندی اسے منظور نہیں تھی۔ گو کوثر نے شادی کے بعد ایک اچھی بیوی بننے کی پوری کوشش کی تھی اور شاہ جی کو کبھی بھی کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ اس سے خوش نہیں تھا۔ وہ جو کبھی اس کے لیے دیوانہ ہوا پھرتا تھا، اس کے دیوانے پن کا یہ بھوت چند دنوں میں ہی اتر گیا تھا۔ کل تک جس کوثر میں اس کے لیے دنیا جہاں کی کشش تھی، اب اس میں اس کے لیے کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ دوسری پریشانی اسے مریم کی تھی، جو بارہ سال کی تھی اور چند دن پہلے ہی جس نے سن بلوغت میں قدم رکھا تھا۔ کوثر کے تین

Downloaded from https://paksociety.com

بچے تھے۔ تیرہ سے چودہ سال کا شان عرف شانی تھا، اس کے بعد اس سے سال دو سال چھوٹی مریم تھی اور اس کے بعد دو سالہ بانو تھی۔ ابھی کوثر کو طلاق ہوئے کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ ایک دن شانی چپکے سے گھر سے نکلا اور غیب ہوگیا اور کوثر کی جیسے جان پر بن آئی۔ ان نے زور و زر زمین آسمان ایک کردیے اور شاہ جی کو مجبور کیا کہ جیسے بھی ہو وہ شانی کو کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالے۔ شاہ جی نے اپنی سی بساط بھر کوشش تو کی تھی مگر شانی کو نہ ملنا تھا اور نہ ہی وہ ملا۔ انہی دنوں بالی عابد سے ملنے شہر گئی تو باتوں باتوں میں عابد سے شانی کی گم شدگی اور کوثر کی حالت زار کا ذکر بھی کر دیا۔ عابد نے بالی سے کہا کہ شانی چاچے بنے کے بیٹے جیلے کے پاس لاہور کام کرنے کے لیے گیا ہے۔ وہ جاتے جاتے اسے اس بارے میں بتا گیا تھا۔ بالی کی کوثر سے دعا سلام تو نہیں تھی، پر اس کے باوجود اسے کوثر کے درد کا احساس تھا۔ گھر آتے ہی اس نے کسی کے ہاتھ کوثر تک یہ بات پہنچا دی۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اسے یہ بات کیسے معلوم ہوئی ہے۔ کوثر کو اس لیے اس کی بات کا اعتبار کرنا پڑا کہ عابد شانی کا دوست تھا اور وہ بھیجا اسے اپنے جانے کی بات بتا کر گیا تھا۔ کوثر نے یہ بات جانتے ہی شاہ جی پر پھر زور و شور شروع کردیا کہ وہ لاہور جا کر بنے کے بیٹے کے پاس شانی کا پتا کر آئے۔ ان دنوں شاہ جی کوثر کی ہر بات ماننے کے لیے مجبور تھا، وہ یہ بات بھی ماننے کے لیے مجبور ہوگیا، پھر ان سے پہلے کہ شاہ جی شانی کا پتہ کرنے کے لیے لاہور جاتا، ایک دن اچانک چاچے بنے کا بیٹا جلیل عرف جیلا وہاں آ گیا۔ وہ اٹھارہ سال کے لگ بھگ تھا اور لاہور میں کسی ہوٹل پر کام کرتا تھا۔ شاہ جی کو لاہور جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ ان نے جیلے سے شانی کا پوچھا تو اس نے کہا کہ شانی تو اس کے ہاتھ نہیں آیا۔ اسے ان کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ شاہ جی کے بیٹے نے اس سے یہ بات کوثر کے سامنے جا کر بھی کہہ دی۔ کوثر کی رہی سہی امید بھی دم توڑ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی نہ تھمنے والی ایسی برسات شروع ہوئی، جو بہت دنوں تک جاری رہی۔ بڑا خیر کئی دنوں بعد اس نے تقدیر کے اس فیصلے کے آگے سر جھکا دیا۔ اب بھی کوثر کا دل رہ رہ کر دکھتا تھا۔ اسے شانی کی یاد آتی تو سارا سارا دن روتی رہتی۔ عدت پوری ہونے کے بعد وہ شاہ جی کی زندگی میں شامل ہوگئی تھی۔ اور تب کچھ دنوں تک تو شاہ جی کے سر پر کوثر کا نشہ چڑھ کر بولا تھا اور پھر چند ہفتوں بعد ہی اس کی محبت اور سارا جوش و خروش ماند پڑ گیا تھا۔ بلکہ اسے اپنی اس غلطی پر شدت سے پچھتاوا بھی ہو رہا تھا۔

گھر میں اکثر اس کی لڑائی بانو کے رونے پر ہوا کرتی تھی۔ بانو کو رات کو رونے کی عادت تھی وہ ایک بار بیدار ہوتی اور رونے پہ آتی تو کسی طرح بھی چپ ہونے کا نام نہ لیتی۔ حالانکہ کوثر اسے پیار کرتی، دودھ پلاتی، مگر وہ بڑی مشکل سے چپ ہو پاتی۔ شاہ جی ان باتوں کا عادی نہیں تھا۔ وہ اکیلا بندہ تھا اور اس نے ساری زندگی اکیلے گزاری تھی۔ وہ دکان سے رات کو آتا تھا اور سکون سے پڑ کر سو جاتا تھا مگر اب اس کا سکون درہم برہم ہو چکا تھا اور کوثر کے پاس اس کا کوئی حل نہیں تھا۔ البتہ اب جب بانو رونا شروع کرتی تو کوثر اسے اٹھا کر کمرے سے باہر نکل جاتی اور اس وقت واپس آتی، جب تک وہ دوبارہ سو نہ چکی ہوتی۔ یہ شاہ جی پھر بھی اس سے، بانو سے اور مریم سے بیزار ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ شاہ جی کو اکلاپے اور پریشانی کا بھی سامنا تھا۔ چند دن پہلے کسی نے چوہدریوں کی حویلی میں ڈاکا ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اس کوشش میں حویلی کے چوکیدار کے علاوہ ایک دو اور افراد بھی لقمہ اجل بن گئے تھے، جن میں بڑا چوہدری، چوہدری شفیق بھی شامل تھا۔ اگلے دن پولیس کی بہت بھاری نفری وہاں موجود تھی اور یہ بات سب کے لیے باعث

Downloaded from https://paksociety.com

ت بھی کرآیا ایسے کون سے لوگ تھے جنہوں نے نا
ے حویلی میں ڈاکا ڈالنے کا سوچا بلکہ ڈاکا ڈالنے
بعد چوہدری شفیق کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا
۔۔۔ویسے کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ سب چوہدری
ں نے کیا ہے۔ وہ اتنی بڑی جائداد کا اکیلے مالک
چاہتا ہے۔ مگر یہ بات کسی اور سے کہنا تو دور کی
، کوئی شخص خود سے بھی کہنے سے ڈرتا تھا کہ اگر
بات کی چوہدری رفیق کو ہوا بھی لگ گئی تو وہ اسے
نہیں چھوڑے گا۔ پولیس کی کئی دنوں کی بھاگ دوڑ
بعد بھی حویلی میں ڈاکا ڈالنے والوں کا کھوج نا چلا
کا۔ چوہدری شفیق کے جنازے میں شریک ہونا ہر
ں پر فرض تھا۔

سو اس کے جنازے میں پوری بستی شریک تھی۔
ی ساری عورتیں بڑی چوہدرانی کو پُرسہ دینے آئی
تھیں، جن میں کوثر اور مریم بھی تھی۔ شاہ جی کے
پر کوثر اور مریم اگلے تین دنوں تک حویلی میں جاتی
اور وہیں کہیں چوہدری رفیق نے مریم کو دیکھا
معلوم کرنے پر پتا چلا کہ مریم کوثر اور شمے کی بیٹی
۔۔۔وہ تو پہلے ہی کوثر کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس
ب مریم کو دیکھا تو اس پر بھی جی جان سے مر
وثر اگر ایک بھرپور پھول تھی تو مریم ایک کھلتی ہوئی
۔ وہ کلی ہم بستری کے قابل تھی یا نہیں، اس بات کا
نے اگلے دن ہی پتہ کرا لیا تھا۔ اس کی بہت پیچ
بستی کی ایک عورت کو اس نے یہ کام سونپا
اس عورت سے اسے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی تھی
یم نے کچھ دن پہلے ہی سن بلوغت میں قدم رکھا
اس نے بہت سی عورتوں کے ساتھ وقت گزارا
یک سے بڑھ کر ایک عورت اور لڑکی اس کی تنہائی
ی تھی مگر جو بات اسے مریم میں نظر آ رہی تھی وہ
ور میں نظر نہیں آئی تھی۔ مریم کوثر اور شمے کی بیٹی
شما اچھی شکل و صورت کا مالک تھا اور کوثر تو تھی ہی
، سو مریم کو دونوں کے حصے کا حسن ملا تھا اور بہت

ملا تھا۔ کوثر خود اس کی خوبصورتی سے پریشان تھی، جس میں اب جوانی کا رنگ بھی شامل ہو گیا تھا۔ اس نے کچھ اس لیے بھی شاہ جی سے شادی کی تھی کہ وہ اس بستی کے برے ماحول میں مریم کو محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ اسے پتہ تھا کہ اس بستی میں بہت سے گدھ رہتے ہیں، جنہوں نے اگر مریم کو دیکھ لیا تو وہ اسے شکار کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، جن میں چوہدری رفیق نمبر فہرست تھا۔ اس لیے کوثر کی ہمیشہ یہی کوشش رہی تھی کہ وہ مریم کو کبھی بھی گھر سے باہر نہ جانے دے۔ مگر اسے کیا معلوم تھا کہ قسمت کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور یہی قسمت اسے چوہدری رفیق کے گھر لے گئی تھی۔ وہاں چوہدری نے مریم کو دیکھا تھا اور اس پر مر مٹا تھا۔ چوہدری کو اور باتوں کے علاوہ یہ بات بھی معلوم ہو گئی تھی کہ کوثر نے شمے سے طلاق لے کر شاہ جی سے شادی کر لی ہے اور شاہ جی نے شمے کا وہ مکان بھی اس سے اونے پونے داموں خرید لیا ہے، جس میں وہ کوثر کے ساتھ رہتا ہے۔ اگلے دن اس نے شاہ جی کو اپنے ڈیرے پر بلا لیا اور کسی تمہید کے بغیر کہا۔

"دیکھ شاہ جی، جیسے تو میری فطرت اور کاموں سے اچھی طرح واقف ہے، ویسے میں بھی تیری فطرت اور کرتوت اچھی طرح جانتا ہوں۔ بستی کی بہت سی عورتوں کو تم نے خراب کیا ہے۔ ان سے تمہارے ناجائز تعلقات رہے ہیں۔ بستی میں تمہاری بہت بڑی پرچون کی دکان ہے، جہاں سے تم دن رات دھن سمیٹ رہے ہو۔ تمہارے پاس بہت پیسہ لہا ہے اور اسی پیسے کے زور پر تم نے جسے چاہا حاصل کر لیا۔ یہاں تک کہ میرے ہاتھ بھی نہ آنے والی کوثر کو تم نے پٹا کر اس سے شادی کر لی۔ ساتھ ہی اس کے سابقہ شوہر سے اونے پونے داموں مکان بھی لے لیا اور مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ تیرے کہنے پر دلیا سے شہر میں ایک بردہ فروش کے ہاتھ بیچ آیا ہے۔ خیر، مجھے تمہارے کسی فعل سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں

Downloaded from https://paksociety.com

صاف اور سیدھی بات پر آتا ہوں۔ مجھے کوثر کی بچی مریم پسند آ گئی ہے اور میں اسے کچھ دنوں کے لیے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔ پرسوں میں کچھ دنوں کے لیے، کچھ کاروباری معاملات دیکھنے کے لیے شہر جا رہا ہوں، وہاں سے میں دو چار دن بعد لوٹوں گا۔ تب تک تم مریم کو اچھا کھلاؤ پلاؤ اور اس کی صحت کا خیال رکھو۔ وہ بہت کمزور ہے۔ مجھے واپسی پر وہ اِس سے بہتر حالت میں ملنی چاہیے۔"

ساتھ ہی اس نے کچھ رقم شاہ جی کی طرف بڑھا دی۔ شاہ جی کو کچھ بھی کہنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ اس نے اس کی دی ہوئی رقم بھی چپ چاپ لے لی۔ شاہ جی، اپنے بارے میں کی گئی ان تمام باتوں کا مقصد سمجھ گیا تھا۔ ان باتوں کا مقصد اسے ڈھکے چھپے لفظوں میں دھمکی دینا تھا کہ اگر شاہ جی نے اس کی بات نہیں مانی تو وہ اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے یا اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ شاہ جی نے ایک عمر گزاری تھی۔ ایک زمانہ دیکھا تھا۔

سو اس کا تجربہ تھا کہ سمندر میں رہ کر مگرمچھ سے کبھی بیر نہیں لینا چاہیے اور چوہدری رفیق جیسے لوگوں کی بات چپ چاپ مان لینی چاہیے۔ اسی میں ہی سمجھداری ہے۔ شاہ جی کو، مریم کو چوہدری کے حوالے کرنے پر کوئی تردد نہیں تھا۔ اس کے نزدیک وہ ایک بار نہیں ہزار بار اس کی عزت سے کھیلتا، مگر اسے اس بات کا خوف تھا کہ کوثر کی رضامندی کے بغیر وہ مریم کو چوہدری کے پاس کیسے لے جا سکے گا اور کوثر کو اگر اس نے یہ بات سچ سچ بتا دی تو وہ خود اسے ایسا کبھی نہیں کرنے دے گی۔ وہ مریم کو اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ تو اتار دیتی مگر کبھی چوہدری کے پاس نہ جانے دیتی۔ اس کے باوجود شاہ جی کے پاس کوثر کو اس بات سے آگاہ کرنے کے علاوہ اور کوئی چارا نہیں تھا اور اس نے جب ڈرتے ڈرتے کوثر سے یہ بات کی تو کوثر کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ وہ چوہدری رفیق کو

غزل

جہاں فانی ہے
زندگی گزر جانی ہے
لوگوں کی اس دنیا میں
ہم نے ہر بات مانی ہے
ماضی، حال اور مستقبل
بس اک کہانی ہے
بسے رہا نئی دنیا میں
ربت ہمیں نبھانی ہے
ظلم وجہ کتنا بھی ہو
یہ جان تو آنی ہے
ان کی جفا کے بدلے میں
وفا ہمیں نبھانی ہے
صفی غم کے موسم میں
زندگی بس انجانی ہے

غزل

جدا کر کے میرے شب و روز ستا گیا ہے کوئی
راہ زندگی بھر مجھے دکھا گیا ہے کوئی
وفا نبھانے کو ترس رہا ہے اپنا دل بھی جب
قفس کی چابیاں تو چھپا گیا ہے کوئی
اب کے شب ہجراں کب کٹے گی آنکھوں میں
وفا کے ہجر نے خواب سجا گیا ہے کوئی
ویرانہ دل میرا کب اتنا سوچ میں تھا
میرے نصیب کو شاید جگا گیا ہے کوئی
بجھی میں اپنی بچھی بنی صدا یادیں میں اب صفی
وفا کے بکھرے تھے پھول مہکا گیا ہے کوئی

اعتراف

بار ہا چاہا گیا ہے تم
تجھ سے صرف اتنا کہوں
میری زندگی میں
تیرے سوا
اور
کوئی نہیں

صفی انور صفی

Downloaded from https://paksociety.com

بہت اچھے سے جانتی تھی۔ وہ جو بات سوچ لیتا تھا، اس پر ہر حال میں عمل کرتا تھا اور یہ ناممکن تھا کہ وہ اس بار اپنی بات پر عمل نہ کرتا۔ شاہ جی کو کوئی جواب دینے کی بجائے کوثر چادر لے کر اسی وقت گھر سے نکلی اور چوہدری کے ڈیرے پر جا پہنچی۔ چوہدری اس وقت اپنے ڈیرے پر موجود تھا اور اکیلا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں صرف پہرے دار تھا۔ چوہدری کے سامنے جاتے ہی کوثر نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور روتے ہوئے کہا۔

''خدا کے لیے میری معصوم بچی پر رحم کرو۔ بخش دو اسے۔ اس کے لیے میں تمہیں اپنا آپ سونپنے کو تیار ہوں۔ تم چاہو تو مجھ سے اپنی خواہش کی تکمیل کر سکتے ہو۔ مگر خدا کے لیے میری معصوم سی بچی کو بخش دو۔ بخش دو اسے۔'' چوہدری کی جیسے برسوں کی امید بر آئی۔ اس نے کوثر کو کوئی جواب دینے کی بجائے چپ چاپ اپنے قریب کر لیا۔ وہ گھر آئی ہوئی 'نعمت' کو ٹھکرا کر 'کفرانِ نعمت' نہیں کرنا چاہتا تھا۔ خاموشی اور اذیت کے ان چند لمحوں میں کوثر ایک پل کے لیے بھی اپنے آنسو پر قابو نہ پا سکی۔ چند لمحوں بعد وہ واپس جانے کو پلٹی تو چوہدری نے کہا۔

''یہ مت سمجھنا کہ تمہیں پانے کے بعد میں نے مریم کو پانے کا خیال دل سے نکال دیا ہے۔ میں نے ابھی ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ تم نے مجھے اپنے آپ کو سونپ کر میری برسوں کی آرزو پوری کی ہے۔ اب ایک آرزو اور بھی پوری کر دو اور مریم کو یہاں بھیج دو اور اس کے بدلے تم مجھ سے جو بھی مانگو گی میں دینے کو تیار ہوں۔'' کوثر اس کی بات کے جواب میں کچھ کہے بغیر چپ چاپ وہاں سے چلی آئی تھی۔ اسے اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہاں رہنے یا کہنے کو کچھ نہیں رہ گیا۔ مریم کو بچانے کی خاطر اس نے اپنی عزت داؤ پر لگا دی تھی مگر مریم پر آنے والی قیامت پھر بھی ٹلنے والی نہیں تھی۔

چوہدری کے ڈیرے سے گھر آنے تک اس کے بے اختیار آنسو بہتے رہے تھے۔ گھر آتے آتے اس نے ایک بہت بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔

.....☆☆.....

چوہدری رفیق کے ڈیرے سے واپس آ کر کوثر کو کسی صورت چین نہیں آ رہا تھا۔ مریم کی عزت کو بچانے کے لیے وہ اپنی عزت بھی داؤ پر لگا آئی تھی۔۔۔۔ داؤ پر کیا لگا آئی تھی، بلکہ دے آئی تھی۔ اسے اپنی عزت کے جانے کا تو جو دکھ تھا سو تھا مگر اس سے زیادہ فکر اسے اب بھی مریم کی کھائے جا رہی تھی کہ وہ چوہدری رفیق جیسے درندے سے کیسے اس کی عزت محفوظ رکھے۔ اس کا صرف ایک ہی حل تھا کہ وہ اس بستی کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلی جائیں، جہاں چوہدری رفیق کسی صورت نہ پہنچ سکے اور یہ شاہ جی کی مدد کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ کوثر نے اسی شام ہی شاہ جی سے یہ بات کہہ دی۔ وہ اس کی بات سن کر سٹپٹا گیا۔ ''یہ کیسے ممکن ہے کہ میں یہ مکان، دکان اور بستی میں جما جمایا کاروبار چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو جاؤں۔ یہ سب، لاکھوں نہیں تو ہزاروں کا ضرور ہو گا۔ یہ سب ایسے ہی میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا اور اگر میں نے یہ سب بیچنے کی کوشش کی تو چوہدری رفیق کو فوراً پتہ چل جائے گا کہ میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں۔ اس کے بعد نہ صرف وہ ہماری نگرانی شروع کر دے گا، بلکہ ہمیں بستی سے جانے بھی نہیں دے گا۔''

''ہم یہ سب یونہی چھوڑ چھاڑ کر چپ چاپ یہاں سے نکل جاتے ہیں۔ چوہدری کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ میرے پاس کچھ زیور بچا ہوا ہے، وہ میں تمہیں دے دوں گی تم نئے علاقے میں اپنی نئی دکان بنا کر بیٹھ جانا۔''

''اچھا، کتنا زیور ہے تمہارے پاس؟''

''قریباً ایک تولے کا سیٹ ہے۔'' شاہ جی اس کی بات پر زور سے ہنسا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"وہاں میں ایک تولا سونا بیچ کر، دکان ڈال کر بیٹھوں گا؟

یہ بے وقوفی کے خیال اپنے دل سے نکال دو۔ میں ایسا کبھی نہیں کرنے والا۔"

کوثر نے اپنے دل پر پتھر رکھتے ہوئے ایک اور فیصلہ کرلیا۔

"اچھا، مجھے چوہدری کی بات منظور ہے۔ پر اس کے لیے اسے مریم سے نکاح کرنا پڑے گا۔"

شاہ جی نے غور سے اسے دیکھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ اس بات کے لیے آمادہ ہوجائے گا؟ وہ شادی کرے گا اور ہمارے جیسے کسی گھر میں؟ یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔"

کوثر نے اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ "تم ایک بار چوہدری سے بات تو کرو۔ اگر وہ نہ مانا تو پھر کچھ اور سوچیں گے۔"

اس بار وہ سر جھکا کر چپکے سے باہر نکل گیا۔ ایک گھنٹے بعد ہی وہ کوثر کے روبرو تھا اور اسے یہ دکھ بھری خبر سنا رہا تھا کہ چوہدری مریم سے کسی صورت شادی کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ مریم کے ساتھ ایک دو ہفتے گزار کر اسے ہمیں واپس لوٹا دے گا، جس کے بعد ہم اس کی جس سے مرضی شادی کردیں۔ کوثر کی رہی سہی امید بھی دم توڑ گئی۔ شاہ جی اسے یہ بات بتا کر گھر سے باہر نکل گیا اور وہ سوچوں کے بھنور میں ڈوب گئی۔ شاہ جی کی یہ بات سننے کے بعد اس کے ذہن میں صرف اور صرف ایک ہی بات آرہی تھی اور وہ تھی خودکشی کی بات۔ وہ خودکشی کر کے خود بھی موت کو گلے لگا لیتی اور مریم کو بھی اپنے ساتھ لے جاتی۔ مگر دوسرے ہی پل اس نے اس خیال کو رد کردیا۔ اسے زیادہ تو نہیں مگر اتنا ضرور پتا تھا کہ انتہائی مجبور ہو کر بھی خودکشی کرنا حرام ہے اور وہ حرام موت گلے لگانا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ اسے بانو کا بھی خیال تھا کہ اس کے پیچھے اس کا خیال کون رکھے گا۔ وہ اپنی سوچوں میں ڈوبی بہت دیر تک اس بارے میں سوچتی رہی۔ اسے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا کہ رات کی تاریکی میں وہ مریم اور بانو کو اپنے ساتھ لے اور چپ چاپ وہ بستی چھوڑ دے۔ شاید مریم کو چوہدری سے بچانے کا صرف یہی ایک راستہ رہ گیا تھا۔ اس نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر مریم کو بھی اس بات سے آگاہ کردیا تھا کہ چوہدری اس کی عزت کا دشمن ہو رہا ہے، لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ وہ رات کو چپ چاپ وہ بستی چھوڑ دیں اور کسی انجانی منزل کی طرف چل دیں۔ مریم نے ماں کی بات پر چپ چاپ سر جھکا دیا۔ شاہ جی نے اپنی دکان پر جو ملازم رکھا ہوا تھا، سارا دن دکان پر کام کرنے کے علاوہ وہ حفاظت کی غرض سے شاہ جی کی دکان میں سوتا بھی تھا۔ بس ہفتے میں صرف ایک رات وہ اپنے گھر جاتا تھا اور اس رات دکان میں سونے کی باری شاہ جی کی ہوتی۔ وہ بھی وہی رات تھی، جس رات شاہ جی کو دکان میں سونا تھا۔ کوثر نے اس رات آدھی رات تک کا وقت بہت بے چین ہو کر گزارا۔ جونہی اسے اندازہ ہوا کہ اب آدھی رات کا وقت گزر چکا ہے، اس نے چپکے سے بانو کو اٹھایا، کپڑوں کی گٹھری مریم کو تھمائی، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس بستی اور شاہ جی کے گھر کو چھوڑ دیا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کا دل لرز رہا تھا اور آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ ابھی وہ اس بستی سے زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ اچانک انہیں ایک جگہ تین چار بڑے لوگوں نے روک لیا۔ وہ چوہدری رفیق کے لوگ تھے اور ان پر نظر رکھنے پر مامور تھے۔ شاید چوہدری کوثر سے زیادہ تیز اور ذہین تھا۔ اس کے من میں کوثر سے پہلے ہی یہ بات آگئی تھی کہ اس سے ڈر کر یقیناً کوثر کوئی ایسا قدم اٹھا سکتی ہے، اس لیے اس نے کوثر پر اپنے بندے نظر رکھنے کے لیے چھوڑ دیے تھے اور پہلی ہی کوشش میں کوثر ان کے ہاتھ لگ گئی۔ کوثر ان کے سامنے

Downloaded from https://paksociety.com

رونے، گڑگڑانے اور منتیں کرنے لگی، مگر ان منتوں نے اس پر بالکل نرس نہیں کیا اور انہیں لے کر چوہدری کے ڈیرے کی طرف چل دیے۔ چوہدری یقیناً ان کی اس ''فرض شناسی'' سے خوش ہوتا اور انہیں ٹھیک ٹھاک انعام سے نوازتا۔

☆☆

چوہدری رفیق غصے سے بھرا ہوا تھا۔ اس کی یہ حالت اس وقت سے تھی، جب صبح اس کے بندوں نے اسے اطلاع دی تھی کہ رات کی تاریکی میں انہوں نے کوثر، مریم اور بانو کو بستی چھوڑ کر جاتے ہوئے پکڑا تھا۔ چوہدری کو اس بات کا غصہ تھا کہ آخر کوثر میں اتنی جرأت کیسے پیدا ہوگئی کہ وہ اس کی خواہش پوری کیے بغیر مریم کو وہاں سے لے کر جا رہی تھی؟ اس کے سامنے اس وقت کوثر تھی، مریم تھی اور بانو تھی۔ کوثر اپنے دونوں ہاتھ جوڑے اس کے سامنے گڑگڑا رہی تھی۔

''دیکھ چوہدری، تمہیں خدا اور رسول کا واسطہ۔ ہم بے قصوروں کو چھوڑ دے۔۔۔ جانے دے ہمیں۔''

چوہدری نے نفرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ شرافت سے اس لڑکی کو میرے ڈیرے پر پہنچا دینا۔ میں دو چار دن اس سے من بہلا کر اسے واپس بھیج دوں گا، مگر تم نے میری بات نہیں مانی اور اسے ساتھ لے کر بستی چھوڑنے کی کوشش کی۔ اس کی سزا تو تمہیں اور اسے ہر حال میں ملے گی۔''

وہ وہاں ایک شخص سے مخاطب ہوا۔ ''اس بچی کو اس سے چھین کر ٹھکانے لگا دو اور ان دونوں کو منہ پر کپڑا باندھ کر الگ الگ کمروں میں بند کر دو۔ تاکہ یہ چیخ چیخ کر سر میں درد نہ کریں۔ تم میں سے جس کا دل چاہے کوثر سے من بہلا سکتا ہے۔ مگر چھوٹی لڑکی کو صرف میرے لیے بچا کر رکھنا۔''

چوہدری جس شخص مخاطب ہوا تھا، وہ بانو کو کوثر سے لینے کے لیے وہ آگے بڑھا، کوثر زور زور سے رونے اور چیخنے لگی۔ اس نے بانو کو کس کر اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا۔

''تم جو کہو مجھے منظور ہے۔ تمہاری ہر بات منظور ہے۔ مگر خدا کے لیے میری بچی کو مجھ سے دور نہ کرو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر مر جائیں گی۔۔۔۔''

''اب اس کا وقت نکل چکا ہے۔ یہ بات تمہیں گھر چھوڑنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔'' چوہدری نے نفرت سے کہا اور دوسرے ہی پل ایک شخص آگے بڑھ کر اس سے بانو کو چھین چکا تھا۔ دو لوگوں نے آگے بڑھ کر کوثر کے منہ پر کپڑا باندھا اور اسے زبردستی ایک طرف کو لے گئے۔ یہی عمل انہوں نے مریم کے ساتھ بھی کیا۔ اپنی ماں کی طرح مریم بھی ان کے سامنے روئی اور گڑگڑائی رہی، مگر اس پر بھی کسی نے نرس کھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

☆☆

غلام حسین عرف چاچا بنے کا چھوٹا بھائی اللہ یار، چوہدری رفیق کے ڈیرے پر ملازم تھا۔ کوثر کو رات کو پکڑنے والوں میں وہ بھی شامل تھا۔ صبح چوہدری کو حویلی میں اس بارے میں اطلاع بھی اس نے جا کر دی تھی اور اسی کے حکم پر اس نے ننھی بانو کو کوثر سے چھینا تھا اور ڈیرے سے دور لے آیا تھا۔ ویسے تو چوہدری نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ اسے موت کے گھاٹ اتار دے مگر اللہ یار خود میں اتنا حوصلہ نہیں پا رہا تھا کہ اس ننھی سی، بے گناہ جان کو قتل کر کے اپنے ہاتھ خون سے رنگتا۔ ویسے تو اس نے چوہدری کے لیے ہر اچھا برا کام کیا تھا، جس پر کبھی اسے شرمندگی نہیں ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ کل کوثر اور مریم کو پکڑ کر چوہدری کے سامنے پیش کرتے ہوئے بھی اس کے ضمیر نے اسے کسی طرح کی ملامت نہیں کی تھی مگر اس ننھی سی جان کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے اس کا من مائل نہیں ہو سکا۔ وہ لالچی برا اور پتھر دل سہی، مگر اس قدر بھی نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔ اسی کشمکش میں وہ گھر گیا تو غلام حسین نے پوچھا۔

”خیر تو ہے۔ اتنا چپ چپ سا کیوں ہیں؟“

اللہ یار نے ساری بات اس کے گوش گزار کر دی۔

”اب کہاں ہے وہ بچی؟“

”میرے کمرے میں ہے۔“

”جا، لے آ اسے۔“

اللہ یار اپنے کمرے میں گیا اور بانو کو اٹھا لایا۔

اس فرشتوں ایسی بچی کو دیکھ کر غلام حسین کا دل بھر آیا۔

”اس لیے تجھے منع کرتا ہوں کہ اس کمینے چوہدری کے ہاں کام کرنا چھوڑ دے۔ وہ تجھ سے ایسے الٹے سیدھے کام کراتا رہے گا اور تیری آخرت برباد کرتا رہے گا۔“

اس نے غلام حسین کی بات کا جواب دینے کی بجائے کہا۔

”مجھے یہ بتاؤ، اس بچی کا اب کیا کرنا ہے؟“

”کرنا کیا ہے۔ ہمارے پاس رہنے دو اسے۔ چوہدری دو چار دن تک اس کی ماں اور بہن کو ڈیرے پر رکھ کر چھوڑ دے گا۔ جب اس کی ماں ڈیرے سے واپس آئے گی تو ہم اسے واپس کر دیں گے۔“

اللہ یار اثبات میں سر ہلاتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔ اس کے من سے ایک بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔

......☆☆......

چوہدری رفیق نے اپنے منشی سے کہا۔

”تم نے بیبے سے بات کی؟“

”جی سائیں۔۔۔ میں نے بات کی تھی اس سے۔ پر وہ کہتا ہے کہ وہ اپنی زمین کسی صورت نہیں بیچے گا۔ کسی بھی قیمت پر نہیں۔ حالانکہ میں نے اسے آپ کے کہنے پر دوگنا زیادہ قیمت دینے کی بات کی تھی مگر وہ پھر بھی نہیں مانا۔“

چوہدری ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس بستی میں چوہدری کے بعد اگر کوئی دوسرا زمین دار تھا تو وہ وسیم اور جاوید تھے۔ ان کی تقریباً دس ایکڑ زمین تھی، جو چوہدری کی زمینوں سے ملحق تھی۔ چوہدری شفیق جب تک زندہ تھا، اس وقت بھی وسیم سے اس کی زمین لینے کی بات ہوتی رہی تھی اور اب چوہدری رفیق بھی اس سے بات کر رہا تھا کہ وہ زمین اسے بیچ دے، وہ اس کی منہ مانگی قیمت دے گا، مگر وسیم نہ ہی اس وقت مانا تھا، نہ ہی اب مان رہا تھا اور چوہدری رفیق ایسا شخص نہیں تھا جو انکار سننے کا عادی ہوتا۔ منشی کی بات سننے کے بعد چوہدری رفیق نے اسے چلتا کیا اور اپنے ایک خاص بندے کو بلا لیا۔

”بیبے اور جیدے کو جانتے ہو نا، جو غلام رسول کے بیٹے ہیں اور جن کی ہماری زمینوں کے ساتھ زمین ہے؟“

”جی سائیں اچھے سے جانتا ہوں“

”یہ دونوں مجھے بہت تنگ کر رہے ہیں۔ جتنا جلدی ہو، ان کا بندوبست کرو۔ میں ان کو اور برداشت نہیں کر سکتا۔“

”جی سائیں، آپ بے فکر ہو جائیں۔ ان کا جلد ہی بندوبست ہو جائے گا۔“

چوہدری کے پاس ان دونوں کو راستے سے ہٹانے کے علاوہ اور کوئی چارا نہیں تھا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد ان کے گھر میں ایک بڑھیا رہ جاتی، جس سے نپٹنا چوہدری کے لیے کچھ دشوار نہ ہوتا۔ اگلے دن ایک بار پھر پوری بستی میں خوف و ہراس کی چادر تن گئی تھی، اس بستی میں ڈاکے کی یہ دوسری واردات ہوئی تھی۔ ڈاکہ ڈالنے والوں نے اس بار محمد وسیم اور جاوید احمد کا گھر تاڑا تھا۔ ڈاکو ان کے گھر سے بھی بہت کچھ لے بھی گئے تھے اور جاتے جاتے وسیم اور جاوید کو موت کے گھاٹ بھی اتار گئے تھے۔ بستی والوں کا خیال تھا کہ یقیناً ان دونوں نے ڈاکوؤں کے سامنے مزاحمت کی ہوگی اور جواباً انہیں موت کا سامنا کرنا پڑا

Downloaded from https://paksociety.com

ہوگا۔ اگلے چند ہفتوں میں وسیم اور جاوید کی ساری زمین چوہدری رفیق کے نام ہو چکی تھی۔

.....☆☆.....

اگلے ایک ہفتے تک چوہدری کے ڈیرے پر جشن کا سا سماں تھا۔ اس نے شہر سے اپنے جیسے ایک دو بم نوا دوست بلوا لیے تھے، جو اسی کی طرح شراب اور شباب کے رسیا تھے۔ چوہدری کے ڈیرے پر ان کی یہ خواہش بڑی اچھے سے پوری ہو رہی تھی۔ وہاں ایک نہیں، من بہلانے کے لیے دو دو عورتیں موجود تھیں۔

جب سے کوثر سے بانو کو چھین لیا گیا تھا، تب سے اگلے بارہ گھنٹوں کے اندر اندر وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی تھی۔ مگر اس کے جسم سے کھیلنے والوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس کے ساتھ جب بھی جس کا دل چاہتا، اپنی ہوس کی تکمیل کرتا اور رخصت ہو جاتا۔ کوثر وہاں بظاہر ہوش میں ہوتی مگر حقیقتاً اس کا ہوش گم ہو چکا تھا، اسے اتنا بھی اندازہ نہیں ہو پاتا تھا کہ خود اس کی آنکھوں کے سامنے لوگ مریم کی عزت سے کھیل رہے ہیں۔ چوہدری رفیق اور اس کے کارندوں کے ہوس بھرے اس کھیل کو وہ صرف دو دن تک برداشت کر سکی اور تیسرے دن اس کی روح نے اس کے وجود کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا۔ اس کی لاش شاہ جی کے گھر بھجوا دی گئی، شاہ جی کو اسی دن ہی اس بات کا پتہ چل گیا تھا، جس دن کوثر نے اس کا مکان چھوڑا تھا اور اس بات سے اسے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ وہ آسانی سے اس کی جان چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ اسے اور کیا چاہیے تھا۔ پر اگلے دن ہی کسی خاص بندے سے اسے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ کوثر اور مریم چوہدری کے ڈیرے پر ہیں۔ شاہ جی کو پھر بھی پریشانی نہیں ہوئی تھی۔ چوہدری انہیں ایک دن کیا ایک مہینہ اپنے ڈیرے پر رکھتا مگر اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی تھی اور صرف تین دن بعد ہی کوثر دوبارہ اس کے گھر لوٹ آئی تھی مگر بغیر روح کے۔ چوہدری کے حکم پر شاہ جی نے اس کی موت کا اعلان کرایا اس کا جنازہ پڑھوایا اور اسے شہر خاموشاں کے ایک حصے میں جا کر چھوڑ آیا۔ اگلے ایک ہفتے بعد مریم بھی چوہدری کے ڈیرے سے شاہ جی کے گھر پہنچا دی گئی، مگر اس حالت میں کہ جیسے کسی نے اس کا سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ شاہ جی کے گھر آتے ہی اس نے اپنے گلے میں دوپٹہ ڈال کر خودکشی کر لی اور چپ چاپ اپنی ماں کے پاس پہنچ گئی۔

.....☆☆.....

بالی کے لیے وہ خوشی کی خبر تھی اور وسیلے کے لیے دکھ کی۔ جب سے وسیلے نے قبرستان کے پاس مکان لے کر دوسرا دھندا شروع کیا تھا، میدا اس کے بہت کام آ رہا تھا۔ اس کام میں ترقی اور وسعت بھی اس کی ذہانت کی بدولت ہوئی تھی۔ وہی شہر جا کر ایک دو نئی لڑکیاں لے آیا تھا اور ان کا رکا ہوا کام چل پڑا تھا۔ اس کے بعد یہ ذمہ داری میدا بخوبی نبھاتا آیا تھا۔ وہ ہر دو تین ماہ بعد شہر جاتا اور مال تبدیل کر کے لے آتا۔ مگر اس بار وہ شہر گیا تو زندہ واپس نہیں آیا۔ وہ جس بس میں سوار ہو کر شہر گیا تھا، اس بس کا ایک دوسری گاڑی کے ساتھ بہت بری طرح ایکسیڈنٹ ہو گیا اور اس میں سفر کرنے والے کئی مسافر موت کے گھاٹ اتر گئے۔ ان میں میدا بھی شامل تھا۔ میدے کی موت پر وسیلا بہت رنجیدہ تھا۔ اسے میدے کی موت کا اتنا دکھ نہیں تھا، جتنا اس بات کا دکھ تھا کہ اب شہر سے مال تبدیل کر کے لانے والا کام اسے کرنا پڑے گا۔ بالی اس بات سے خوش تھی کہ اب کم سے کم ایک عذاب سے اس کی جان چھوٹ گئی تھی۔ اسے میدے کا کھانا بنانے، کپڑے دھونے اور دوسرے کام کرنے سے نجات مل گئی تھی۔

.....☆☆.....

شانی کی عمر تیرہ سے چودہ سال کے لگ بھگ تھی، مگر وہ اپنی عمر سے ایک سال بڑا نظر آتا تھا۔ جلیل

Downloaded from https://paksociety.com

عرف جیلے کے پاس لاہور جاتے ہوئے اسے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ اس کے پاس اس کا جو پتہ لکھا ہوا تھا، شانی پوچھتا پاچھتا وہاں تک پہنچ گیا۔ شانی کو اپنے سامنے پا کر جیلے کو بے حد حیرت ہوئی۔ وہ اس سے بڑی گرم جوشی سے ملا۔

''یار تو یہاں۔۔۔ یقین نہیں ہو رہا۔''

''تو نے کہا تھا نا، جب تیرا دل کرے تو میرے پاس آجانا۔ میں آگیا۔''

''بڑا اچھا کیا تو نے۔ مجھے گاؤں کی بڑی یاد آتی تھی۔ سوچتا تھا، اگر گاؤں کا ایک آدھ اور شخص یہاں ہو تو میری آدھی اُداسی دور ہو جائے گی۔ اسی لیے میں تجھے یہاں آنے کے لیے کہتا تھا اور شکر ہے تو یہاں آ گیا۔ اب ہم دونوں یار یہاں مزے سے رہیں گے اور عیش کریں گے۔''

شانی مسکراتا رہا۔ ''اچھا یہ بتا، تجھے یہاں آتے ہوئے پریشانی تو نہیں ہوئی۔''

''بالکل نہیں۔ پیسے میرے پاس تھے، میں نے پورا ٹکٹ لیا تھا۔ پھر کیسی پریشانی۔''

وہ دونوں بہت دیر تک گپ شپ کرتے اور ایک دوسرے کا حال احوال پوچھتے رہے۔ اگلے دو دنوں تک جیلا اسے لاہور کی سیر کراتا رہا۔ تیسرے دن شانی نے کہا۔

''یار مجھے گھماتے پھراتے ہی رہو گے یا کسی کام دھندے پر بھی لگاؤ گے؟''

''میرا ایک ٹھیا اپنے گھر گیا ہوا ہے۔ اس کا گھر یہاں سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جونہی وہ واپس آتا ہے، میں بات کرتا ہوں اس سے۔''

اگلے دن اس کا سیٹھ گھر سے لوٹا تو جیلے نے سفارش کرا کر اسے بھی اپنے ساتھ کام پر رکھوا لیا۔ جیلے کو گھر سے آئے کافی دن ہو چکے تھے۔ دو دن بعد اس کا ارادہ گھر جانے کا تھا۔ جب وہ گھر جانے لگا تو شانی نے اس سے کہا۔

''یار میرے بارے میں بستی میں کسی کو بھی مت بتانا۔ خاص طور پر میری ماں کو۔ اگر اسے پتہ چل گیا کہ میں تمہارے پاس ہوں، ایک تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی اور دوسرا تمہیں بھی برا بھلا کہے گی اور کوئی بُری بات نہیں کہ وہ کسی کو بھیج کر مجھے واپس ہی بلا لے۔ میں اب واپس جانا نہیں چاہتا۔''

جیلے نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ بے فکر ہو جائے۔ وہ کسی کو اس کے بارے میں نہیں بتائے گا اور اس نے کیا بھی ایسا ہی۔ شاہ جی اور کوثر کے بے حد اصرار کے باوجود اس نے انہیں سچائی نہیں بتائی تھی۔

☆☆

شانی کو جیلے کے ساتھ رہتے ہوئے چھ ماہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔ دونوں کا مزاج ایک دوسرے کے ساتھ خوب ملا تھا اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش تھے۔ اس دوران جیلا دو بار اپنے گاؤں کو آیا تھا اور اس نے شانی کو بتایا تھا کہ اس کی ماں نے شاہ جی سے شادی کر لی ہے اور اس کے ساتھ خوش ہے۔ شانی کے کہنے پر وہ اس کے باپ کا بھی پتہ کر آیا تھا۔ اس کے بارے میں اس نے شانی کو بتایا کہ اس کا باپ ویلے کے مکان پر نہیں تھا۔ وہ اس کا گھر چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا ہے۔ کہاں گیا ہے، اس بارے میں اسے پتہ نہیں ہے۔ شانی کا دل عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو گیا۔ اپنی ماں کی اس حرکت پر اس کا دل اداس ہو گیا تھا۔ وہ اسے کیا سمجھتا تھا اور وہ کیا نکلی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا دل اپنے باپ کے لیے بھی پریشان ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں وہ ویلے کے مکان سے کہاں چلا گیا تھا۔ عابد کے بارے میں بھی جیلے نے اسے بتایا تھا کہ وہ بھی گھر نہیں تھا۔ اس کی ماں اسے شہر میں پڑھنے کے لیے چھوڑ آئی تھی۔ یہ بات شانی کے لیے کسی قدر خوشی کی تھی۔ پچھلے چھ ماہ میں، شانی اپنی ساری تنخواہ جیلے

Downloaded from https://paksociety.com

کے پاس جمع کراتا آ رہا تھا۔ کیوں کہ جیلے نے اپنا بینک اکاؤنٹ کھولا ہوا تھا اور ساری رقم اس میں جمع کراتا تھا۔ البتہ جب وہ گھر جاتا تھا تو بینک سے رقم نکلوا لیتا تھا۔ لاہور رہتے ہوئے شانی کافی حد تک وہاں کے ماحول اور علاقوں کو جان گیا تھا۔ اب وہ کام سے فارغ ہونے کے بعد جیلے کے بغیر ہی ادھر اُدھر گھومنے کے لیے نکل جاتا تھا اور بہت دیر سے واپس لوٹتا۔ ایک دن وہ یونہی گھومتا پھرتا ہوا داتا صاحب جا نکلا اور اسے وہیں شانا نظر آ گیا۔ وہ بھیک مانگنے والے بھکاریوں کی لائن میں بیٹھا بھیک مانگ رہا تھا۔ شانی اسے دیکھتے ہی حیرت سے گنگ ہو کر رہ گیا۔ گو وہ اپنے باپ کو قریباً چھ ماہ بعد دیکھ رہا تھا، مگر اس کے باوجود اسے اپنے باپ کو پہچاننے میں بالکل دشواری نہیں ہوئی۔ وہ تڑپ کر باپ کے پاس پہنچا اور روتے ہوئے اس کے گلے لگ گیا۔ شانا بھی اسے اپنے سامنے دیکھ کر بے حد حیران ہوا۔ گو ان گزرے ہوئے چھ ماہ میں شانی بہت صحت مند اور ڈبل ڈول والا ہو گیا تھا، اس کے باوجود شانے کو اسے پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

اتنے عرصے بعد کوئی اپنا اس کے روبرو آیا تھا، خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ شانی نے بے یقینی کی کیفیت میں شانے پوچھا۔

''ابا، تو یہاں کیسے؟''

شانے کے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

''بس پتر، یہ سب تقدیر کے کھیل ہیں۔''

''کیا مطلب۔۔۔ تو تو غالباً چاچا عدیل کے گھر تھا نا، پھر وہاں سے کہاں چلا گیا تو؟''

''میں وہاں سے کہیں نہیں گیا تھا بلکہ دیلے نے مجھے ایک بردہ فروش کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور وہاں سے میں بہت سی جگہوں پر ٹھوکریں کھاتا ہوا یہاں آ پہنچا۔۔۔ یہ معذور لوگوں کی خرید و فروخت کرنے والے بہت ظالم ہیں۔۔۔ ان لوگوں نے مجھے ہر طرح سے اذیتیں دے کر بھیک مانگنے کے لیے مجبور کیا۔۔۔ میرے پاس ان کی بات ماننے کے علاوہ اور کوئی چارا نہیں تھا۔ سو آج میں یہاں بیٹھا بھیک مانگ رہا ہوں۔'' شانی کا دل دکھ سے بھر آیا۔ ''ابا، تو میرے ساتھ چل۔ میں یہاں ایک ہوٹل میں کام کرتا ہوں۔ تو وہاں میرے ساتھ رہنا۔'' شانا اس کی بات پر تلخی سے ہنسا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے۔ میں جن لوگوں کے لیے بھیک مانگنے کا کام کرتا ہوں، ان لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں، وہ مجھے یہاں سے ہلنے بھی نہیں دیں گے، اب بھی ان کے ایک دو لوگ مجھ پر اور میرے جیسے دوسرے لوگوں پر نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔'' شانی پھر بھی اس کی بات نہیں مانا۔

''مجھے نہیں پتہ، بس تو چپ چاپ میرے ساتھ چل میں تیرے لیے کسی سواری کا بندوبست کرتا ہوں۔'' پھر اس سے پہلے کہ وہ شے کے لیے کسی سواری کا بندوبست کرتا، اچانک وہاں دو ہٹے کٹے شخص آ گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

''ہاں اوئے کاکا! کون ہے تو اور کیوں اس سے بحث کر رہا ہے؟''

''میں اس سے بحث نہیں، بات کر رہا ہوں۔ یہ میرا باپ ہے اور میں اسے یہاں سے لے جا رہا ہوں۔'' ان دونوں نے اچانک ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ ''بیچ میں تمہارا باپ ہے؟''

''ہاں۔''

''کہاں کے رہنے والے ہو؟'' شانی نے اپنے گاؤں کا نام بتایا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

''دیکھ کاکا، تو شاید اس شہر میں نیا ہے، تجھے شاید یہاں کا زیادہ اتا پتا نہیں ہے۔ اس طرح تو اپنے باپ کو کہیں نہیں لے جا سکتا۔ یہ ہمارا بندہ ہے اور ہمارے سانھ رہتا ہے۔ اگر یہ واقعی تمہارا باپ ہے اور تم اسے گھر لے جانا چاہتے ہو تو اس کے لیے تمہیں

Downloaded from https://paksociety.com

ہمارے "بڑے صاحب" سے ملنا ہوگا۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کچھ بھی نہیں کرسکتا۔" جانے کیوں، اس کی بات میں شانی کو سچائی محسوس ہوتی تھی۔ کچھ دن پہلے ہی اس نے قبل از وقت جوانی کی دہلیز میں قدم رکھا تھا اور اس کے بعد اس کا دیکھنے اور سوچنے کا انداز بدل گیا تھا۔ وہ لوگوں اور دنیا داری کو سمجھنے لگا تھا۔

"کیا تم ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہو؟"

شانی کے پاس ان کی بات ماننے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس نے ان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے اپنے ساتھ لے جانے والوں کا مقصد، شانی کے باپ کو اسے واپس کرنا نہیں تھا، بلکہ شانی کو بھی اپنے ہی رنگ میں رنگ کر اپنے جیسا کرنا تھا۔ وہ ایسے ہی لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ ایسے لوگوں پر تھوڑا سا وقت اور پیسہ برباد کرکے وہ اس سے کئی گنا زیادہ حاصل کرتے تھے۔ بڑے صاحب کے سامنے اس لڑکے کو پیش کرکے وہ آسانی سے اس سے انعام حاصل کرسکتے تھے۔ راستے میں باتوں ہی باتوں میں انہوں نے شانی سے اور بھی بہت سی کام کی باتیں اگلوا لی تھیں اور وہ ساری معلومات بڑے صاحب تک پہنچا دی تھیں۔ بڑے صاحب نے اس پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، ہم تیرے باپ کو چھوڑ دیتے ہیں، مگر اس شرط کے ساتھ کہ ہم نے جتنی رقم میں اسے خریدا تھا، تم اتنی رقم ہمارے ہاتھ پر رکھو اور اسے لے جاؤ۔" شانی کا دل سینے میں ڈوبنے لگا۔ "تم نے میرے باپ کو پیسوں سے خریدا تھا؟"

"ہاں اور وہ بھی پورے پچاس ہزار میں۔ پچاس ہزار دو اور اپنے باپ کو لے جاؤ۔"

پچاس ہزار کا سن کر شانی کا سانس سینے میں اٹک گیا۔ وہ شخص اپنی کہتا رہا۔ "اگر تمہارے پاس پچاس

غزل

مجھ کو آنکھیں ہی کیوں رلاتی ہیں
جو یہاں آنگن میں چھپائی ہیں
وقت الفت سے میں بھی خوش ہی رہوں
یہ جو باتیں بھی کیوں سناتی ہیں
اپنے ہاتھوں سے بوجھ کے یوں حنا
کونپلیں یہ بھی غم چھپاتی ہیں
میری تقدیر نے کیا ظلم کیا
اب تو خوشیاں بھی آزماتی ہیں
اداس نہ ہو صفی آنے غم کو جینا ہے
یہ تنہائیاں بھی اگرچہ جگر جلاتی ہیں

غزل

رکھیو روشن سدا اپنے کا دیا حساب
پھر نہ مانگو گے کیا کچھ لیا دیا
زندگی کی خواب راتوں میں گم ہو کر
بھول نہ جانا کہیں وعدہ جو تم نے کیا
عہد وفا نبھا کے رسم یہ دنیا کی نبھانا
دل ایک جو جدا تھا پھر سے مل گیا
گر تم اداس بھی ہو تو سن لو اے دوست
زہر ہم نے بھی کھایا تھا جدائی کا پیا
تم کیا آباد کرو گے بزم غیر کو صفی
دل میرا جلا دیتے ہیں تم نے ساتھ غیروں کا دیا

غزل

دیوانگی بڑھ جائے دو غم ہجر میں
کچھ اور ہی مزہ ہے بچھڑوں سے ہجر میں
اسیر کا ساتھ ہے نہ ہے کوئی منزل
ہم کتنے اکیلے ہیں اس غم کے سفر میں
لوٹ ہی تو لیا ہے مجھے میرے اپنوں نے
لے جائے گا یہ دکھ تنہا مجھے قبر میں
دنیا دیکھ کر اس سے جبیں کا نور
دل اپنا بھی کب رہا ہے بس صبر میں
صفی سوچ کے چراغوں کو رکھو یونہی روشن
تم کو رکھنا ہے بس اک زمانہ نظر میں

صفیہ انور صفی

Downloaded from https://paksociety.com

ہزار نہیں ہیں تو اسے کمانے کا طریقہ بھی ہم بتا دیں گے۔ بس اس کے لیے تمہیں کچھ دن ہمارے ساتھ کام کرنا پڑے گا۔ ہم ہر ماہ تمہیں بیس ہزار دیں گے۔ تمہارا کھانا پینا اور رہنا سب ہماری طرف سے ہو گا۔" شانی ہوٹل پر ایک ہزار مہینہ لے رہا تھا۔ بیس ہزار کا سن کر اس کے ہوش اڑ گئے۔ "مجھے کام کیا کرنا ہو گا؟"

"کچھ نہیں، بس ان دونوں کے ساتھ تمہیں کچھ دن گزارنے ہوں گے۔" شانی نے کچھ سوچ کر ان کی بات مان لی۔ "ٹھیک ہے، مجھے تمہاری بات منظور ہے۔ میں کام کرنے کے لیے تیار ہوں" اور شانی اسی دن ہی ہوٹل اور جیلے کو چھوڑ آیا اور اگلے دن ہی ان کے لیے کام کرنے لگ گیا، جو اس کی توقع کے بالکل خلاف تھا، مگر اب واپس پلٹنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اگلے ایک ماہ میں اپنے ساتھی کے ساتھ اس نے قریباً پچاس لوگوں کو لوٹا تھا اور قریباً پچاس ہزار سے زائد رقم ان کے ہاتھ لگی تھی، جو انہوں نے بڑے صاحب کو دے دی تھی۔ اس کام پر لگنے سے پہلے اسے چاقو اور پستول کا استعمال اچھی طرح سکھایا گیا تھا تاکہ بوقت ضرورت وہ ان سے کام لے سکے۔ شانی اس کام سے بالکل خوش نہیں تھا، مگر وہ صرف اپنے باپ کو وہاں سے چھڑانے کے لیے یہ سب کر رہا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ اپنے باپ کے لیے پچاس ہزار کی رقم جمع کر کے اسے وہاں سے چھڑاتا، اچانک اس علاقے میں ایک بم دھماکا ہوا، جہاں اس کا باپ بھیک مانگتا تھا۔ اس حادثے میں دوسرے بہت سے لوگوں کے ساتھ ثنا بھی چل بسا۔ ثنے کی موت کے بعد شانی کا وہاں رہنے کا کوئی مقصد نہیں رہ گیا تھا۔ اس نے اسی دن ہی چپکے سے وہ جگہ چھوڑ دی اور جیلے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک بار پھر اس کے ساتھ کام کرنے آیا تھا۔ جرائم بھری دنیا میں رہنے کی اب اسے کوئی مجبوری نہیں رہی تھی اور وہ اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ آیا تھا۔ مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ اپنے ہاتھ میں اٹھائے ہوئے جو ہتھیار وہ چھوڑ آیا ہے، وہ اسے دوبارہ اٹھانے پڑیں گے۔ جیلا دو دن پہلے ہی گاؤں سے لوٹا تھا اور اس بار اس نے گاؤں کے بارے میں اسے جو باتیں بتائی تھیں، انہیں سن کر وہ پتھر کا ہو گیا تھا۔

......☆☆......

پوری بستی میں خوف و حیرت کی ایک ایسی لہر متحرک تھی، جس نے وہاں کے لوگوں کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لی تھی۔ بستی میں ایک ہی رات میں تین تین لوگ قتل ہو گئے تھے اور یہ سانحہ بستی میں پہلی بار ہوا تھا۔ قتل ہونے والوں میں محمد عدیل عرف دیلا، نواز شاہ عرف شاہ جی اور تیسرا چوہدری رفیق تھا۔ یہ تینوں تو خیر جو قتل ہوئے تھے سو ہوئے تھے، مگر لوگوں کو اس بات پر اس سے بھی زیادہ حیرت ہوئی تھی کہ ان کو قتل کرنے والا، اس بستی کا پندرہ سالہ لڑکا، شان علی عرف شانی تھا۔ تینوں قتل اسی نے ایک پستول سے کیے تھے اور قتل کرنے کے بعد اس نے تھانے جا کر اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔ شانی کے پاس ان تینوں کو قتل کرنے کے بہت گہرے جواز تھے۔ دیلے نے اس کے باپ کو بردہ فروش کے ہاتھوں فروخت کر کے اس کی زندگی برباد کی تھی۔۔۔۔ شاہ جی نے اس کی ماں سے شادی کرنے کے باوجود ان کی ذمہ داری نہیں اٹھائی تھی اور جان بوجھ کر چوہدری کے ظلم پر خاموش رہا تھا اور چوہدری تو کسی صورت بھی قابل معافی نہیں تھا۔ اس نے اس کی ماں اور بہن پر وہ ظلم توڑے تھے کہ موت کے بغیر انہیں کوئی ہاتھ سہارا نہ دے سکا۔ اسے یہ ساری باتیں جیلے نے بتائی تھیں، جن کی تصدیق اس نے بعد میں خود کی تھی۔ اس معاملے میں کوئی بھی

Downloaded from https://paksociety.com

چوہدری کے خلاف زبان کھولنے کو تیار نہیں تھا۔ مگر وہ کسی نہ کسی طرح سچائی تک پہنچ گیا تھا۔ شانی نے ان تینوں کو پستول سے قتل کرنے کے بعد ایک تیز دھار آلے سے ان کے وجود کو کئی ٹکڑوں میں بھی تقسیم کیا تھا، اتنا کہ جس جس نے بھی ان کو دیکھا تھا، وہ سب لرز کر رہ گئے تھے۔ دیلے کی عبرت ناک موت کے بعد بالی کے پاس اس بستی اور اس مکان میں رہنے کا کوئی جواز نہیں رہ گیا تھا۔ ویسے بھی وہ پچھلے کچھ عرصے سے غلط اور درست کی تمیز کرتے ہوئے اس کام سے نفرت کرنے لگی تھی۔ پچھلی بار جب وہ ثوبیہ سے ملنے گئی تھی تو ثوبیہ کے پوچھنے پر اس نے اسے اپنی شادی کے بعد کی ساری کہانی کہہ دی تھی۔ ثوبیہ اس کی کہانی سن کر دکھی ہوگئی تھی۔ اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا تھا۔

''اقبال، یہ کوئی کرنے کا کام نہیں ہے۔ تم یہ کام چھوڑ دو۔ مانا کہ جوانی کے دنوں میں ہم نے بھی ایک دو ایسی غلطیاں کی ہوں گی، مگر وہ نادانی کا دور تھا۔ مگر اب ہم سمجھدار ہیں۔ ہمیں یہ کام زیب نہیں دیتے۔ دوسرا تمہیں اب کوئی مجبوری بھی نہیں ہے۔ میں تمہارا اور عابد کا سارا خرچہ اٹھانے کو تیار ہوں۔ تم وہ سب چھوڑ چھاڑ کر میرے پاس آ جاؤ۔۔۔'' بالی کے دل کو اس کی بات لگی تھی۔ وہ ویسے بھی اس گناہ بھری زندگی سے چھٹکارا چاہتی تھی۔ اب جو دیلے کی موت ہوئی تو بالی نے چپ چاپ وہ مکان اونے پونے بیچا اور اپنی ضرورت کا سامان سمیٹ کر ثوبیہ کے پاس شہر آ گئی۔

.....☆☆.....

شانی کو کل تین قتل کے جرم میں پھانسی دی جانے والی تھی۔ عابد آج بالی کے ساتھ اس سے ملنے آیا ہوا تھا۔ بالی کی زبانی اسے، شانی کی ساری کہانی معلوم ہوگئی تھی۔ ایک دوسرے کے روبرو آ کر، دونوں دوست بہت دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر عابد کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔ ''یار تجھے یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تو نے کیوں جان بوجھ کر موت کو گلے لگایا؟'' وہ اس کی بات پر مسکرا دیا۔ ''تو کیا میں اپنی ماں، باپ اور بہن پر ظلم توڑنے والوں کو معاف کر دیتا؟ کبھی نہیں۔ یہ تو صرف تین لوگ تھے، اگر اس جرم میں ساری بستی بھی شامل ہوتی تو بھی میں ایک ایک شخص کو موت کے گھاٹ اتارتا۔'' بالی اس کی دلی کیفیات سمجھ سکتی تھی۔ اس لیے اس نے کچھ کہنے سے گریز کر رکھا تھا۔۔۔ عابد اور شانی کے پاس کہنے کو بہت باتیں تھیں مگر ایسا لگ رہا تھا، جیسے کسی نے ان کی گویائی چھین لی ہو اور ان کے پاس کہنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ اس کے بعد وہ جب تک ایک دوسرے کے روبرو رہے، خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ یہاں تک ان کی ملاقات کا وقت ختم ہوگیا۔ بالی اور عابد نم آنکھوں کے ساتھ وہاں سے جانے لگے تو شانی نے کہا۔ ''خالہ، ہو سکے تو میری ننھی بہن کا خیال رکھنا۔ یوں تو وہ جلیل بھائی کے گھر اچھے سے رہ رہی ہے مگر پھر بھی آپ اس کا پتہ کرتی رہنا۔'' بالی نے نم آنکھوں کے ساتھ اس سے وعدہ کیا کہ وہ بے فکر ہو جائے۔ اللہ کے فضل سے بانو کو اس کے پیچھے کچھ نہیں ہوگا اور وہ ایک اچھی زندگی گزارے گی۔ اگلے دن شان علی عرفی شانی کو تعزیرات پاکستان کے تحت پھانسی پر لٹکا دیا گیا اور وہ کوثر اور مریم کے پاس دوسری دنیا میں جا بسا۔

ختم شد

Downloaded from https://paksociety.com

ہیرو کون

حسیب جواد علی

اغوا برائے تاوان اب ایک کاروبار کی شکل اختیار کر گیا ہے، جس میں تھوڑی سی سرمایہ کاری کے بعد لاکھوں کروڑوں کا منافع کمایا جاسکتا ہے لیکن کبھی کبھار لینے کے دینے بھی پڑ جاتے ہیں۔

ایک بڑے میاں کا احوال، اسے کروڑ پتی سمجھ کر اغوا کر لیا گیا تھا۔

مہم جوئی پر مبنی ایک دلچسپ کہانی

اچھا کھانا اور اچھا پہننا میرا شوق ہے' مالی حالات بہت اچھے نہیں تو کیا ہوا شوق پورے ہو جائیں یہی بہت ہے ویسے بھی میری مالی حالت کی گواہی میری گاڑی کی لڑکھڑاہٹ اور کھڑکھڑاہٹ بخوبی دیتی ہے البتہ میرے لباس سے کوئی بھی دھوکہ کھا سکتا ہے۔ ہاتھ کی گھڑی سے بھی جو ایک مشہور برانڈ کا ہے میرے پرس سے بھی جو برانڈڈ ہی لگتا ہے اگرچہ اس میں نوٹ کم اور وزیٹنگ کارڈز زیادہ ہوتے ہیں۔ دو تین بینکوں کے اے ٹی ایم کارڈ کہ ان کی تعداد سے متاثر ہوا جاسکتا ہے لیکن اکاؤنٹ میں موجود قلیل رقم سے نہیں بالکل بھی نہیں۔ اسی لیے میں اس چھوٹی سی چٹ کو فوراً پھاڑ کر پھینک دیتا ہوں جو بینک میں موجود بیلنس بتاتی ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس طرح لوگوں کو متاثر کرنے والی چیزوں سے یا عادت سے فائدے کے بجائے نقصان بھی ہو سکتا ہے یعنی لوگ اس حد تک دھوکہ کھا گئے کہ کوئی بڑی اسامی سمجھ کے مجھے ایک دن اغواء کر لیا گیا۔

ہوا یوں کہ ایک مشہور سپر مارکیٹ سے نکل کر پارکنگ میں کھڑی اپنی کار کی طرف جاتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ دو آدمی بالکل میرے برابر چل رہے ہیں ان کے پیچھے ایک گاڑی آہستہ آہستہ آرہی تھی جیسے ہی ایک نیم تاریک سا مقام آیا میں کوئی سخت چیز اپنی پسلی میں چبھتی محسوس کی۔

میرے بائیں طرف والے شخص نے مجھے وہ بات بتائی جو کراچی کا باسی ہونے کی وجہ سے میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔

''تم کو ہمارے ساتھ چلنا ہے' کوئی گڑبڑ نہیں چاہیے' گاڑی میں بیٹھ جاؤ چپ چاپ۔'' لہجے میں اجنبیت' جہالیت اور سفاکیت سب ہی کچھ عیاں تھا۔

گاڑی برابر میں آ گئی اور ایک دھکے کے نتیجے میں دوسرے ہی لمحے میں نے اپنے آپ کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پایا۔ مجھے یاد ہے ہلکی سردی کے باوجود میری ہتھیلیاں اور پیشانی عرق آلود ہو گئی تھیں۔ گاڑی میں آگے دو افراد پہلے ہی موجود تھے' پیچھے والے دونوں اِدھر اُدھر کے دروازوں سے اندر داخل ہوئے اور میں ان دونوں کے درمیان دبا ہوا بے بس حیران اور خوف زدہ بغیر کسی گرفت کسی ہتھکڑی یا زنجیر مقید تھا۔

میں کوئی کام نہیں کرتا' صحیح معنوں میں ریٹائرڈ ہوں۔ اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی کے علاوہ دوستوں سے ملنا' لکھنا پڑھنا اور فارغ اوقات میں گھر کے فالتو قسم کے کام نمٹانا۔ قابل مرمت چیزوں کی مرمت کروانا' موٹر پمپ پانی وغیرہ کا خیال رکھنا۔ یوٹیلٹی بل وقت پر جمع کرانا' سودا لانا' پوتے پوتیوں سے کھیلنا اور ان کو بہلانا۔ یہ میری عموی مصروفیات ہیں' ریٹائرڈ لوگ یہی کرتے ہیں اور اہیں کرنا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

چاہیے جب تک دم میں دم ہو ... تو شاید بہت جلد
لوگ ان سے بیزار ہو جائیں۔ یعنی مستقل طور پر مصروف
رہنا میری عادت بھی ہے اور ضرورت بھی شاید اسی وجہ سے
ایک حد تک صحت مند اور چاق و چوبند ہوں ابھی تک۔
چھوٹی موٹی مشکلات سے نمٹنے کی اللہ کی مہربانی سے ہمت بھی
ہے اور صلاحیت بھی لیکن یہ جو نئی بات ہوگئی اس کے لیے تو
میں بالکل بھی تیار نہیں تھا۔

میرا خیال تھا کہ یہ کیفیت امیر کبیر لوگوں کے لیے
مخصوص ہے سنا تھا کہ لوگ اغواء ہوتے ہیں تو اکثر بخیریت
گھر پہنچ جاتے ہیں۔ کروڑوں کی طلب کی جاتی ہے لاکھوں
میں معاملہ طے ہو جاتا ہے ادائیگی ہوتی ہے اور مغوی رشتہ
داروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ آئندہ کے لیے حفاظتی
تدابیر اور زیادہ موثر بنانے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ غریب
بلکہ متوسط علاقوں سے گزرنے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

ہم نے ایک بستی کو جو ہمارے قریب ہی ہے ... سنا تھا۔
"میں کئی سال سے لیاقت آباد کے بجائے قیادوں راستے
سے ... کے علاقے میں جانے کو ترجیح دیتا ہوں۔"

اب یہ اور بات ہے کہ وہ دوبارہ پوش علاقوں میں نقدی
اور موبائل سے محروم ہو چکے ہیں اور ایک بات تو مختصر اغواء
کے بعد اے ٹی ایم سے پیسے نکال کر اغواء کاروں کو ادا
کر چکے ہیں مگر آج یہ میرے ساتھ ہو گیا۔ میں سوچ رہا تھا
کہ کیسے ان لوگوں کو یقین دلاؤں گا کہ میرے پاس پیسے
لاکھوں میں نہیں بلکہ ہزاروں میں ہیں۔ اگر انھوں نے اے
ٹی ایم سے پیسے نکالنے کو کہا تو نکال کر دے دوں گا لیکن وہ
قلیل رقم ان کے لیے قابل قبول ہوگی بھی یا نہیں اور پھر شاید
غصے میں آ کر وہ میرے ساتھ بدسلوکی کریں گے یا پھر شاید
جان سے ہی مار دیں گے۔

اس دوران کار کی رفتار کم ہوئی تو میری نظر باہر سڑک

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded from https://paksociety.com

کے کنارے کھڑی پولیس موبائل پر پڑی میں ابھی کچھ کر گزرنے کا سوچ بھی نہیں پایا تھا کہ پستول کی چبھن میری پسلی میں اور بڑھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی دائیں طرف والا میرے کان میں غرّایا۔

"کوئی گڑبڑ کی تو گولی پیٹ میں اتار دوں گا' اس میں سائلنسر لگا ہوا ہے۔" دونوں جملوں کے وقفے نے اس کا جھوٹ ظاہر کر دیا تھا ویسے بھی سائلنسر لگا پستول کیسا نظر آتا ہے مجھے اچھی طرح معلوم تھا۔ بچپن نے امریکی فلمیں دیکھ رہا ہوں لیکن اس سے کیا فرق پڑ سکتا تھا' میں ساکت بیٹھا رہا پھر میں نے کچھ بولنے کا فیصلہ کیا۔

"تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو اور کیوں؟ میں ریٹائرڈ ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ ریٹائرڈ سمجھتے ہو تم' میری بہت مختصر آمدنی ہے۔ یہ سب بے کار ہے' تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا' وقت ضائع کر رہے ہو۔" میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی جو شاید بے کار ثابت ہوئی۔

"بات سنو بابا! ہم کو معلوم ہے ہم کیا کر رہے ہیں' ابھی تم خاموش بیٹھو اور ہاں اپنا موبائل میرے کو دے دو۔" دائیں طرف والے کے لہجے میں وہی غرابت تھی۔

"مگر میرے پاس تو موبائل نہیں ہے۔" میں نے عرض کیا۔

"اوئے بخشو! ذرا گاڑی سائیڈ میں لگا' بابا کہتا ہے موبائل نہیں ہے اس کے پاس۔" اس نے ڈرائیور کو حکم دیا۔ بخشو صاحب نے فوراً تعمیل کی اور گاڑی کو آخری لین میں لے جا کر رفتار کم کر دی۔

"دیکھو میں موبائل گاڑی میں چھوڑ کر مارکیٹ میں گیا تھا' وہاں پارکنگ میں میری گاڑی کھڑی ہے پرانی شیراڈ 88 کا ماڈل۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ ماڈل کی وضاحت کرنے سے مقصد اپنی حقیقی مالی حالت سے ان کو آگاہ کرنا تھا ایک بار پھر......

اس شخص نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پھر ڈرائیور کو آہستہ سے کچھ کہا اور گاڑی پھر تیز ہو گئی۔ ہم سپر ہائی وے پر جا رہے تھے بظاہر میں نظریں جھکائے بیٹھا تھا لیکن کن انکھیوں سے راستہ دیکھتا جا رہا تھا۔

جب ہم ٹول پلازہ سے گزرے تو گاڑی میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے کسی کو پتا ہی نہیں چلا ہوگا کہ اندر کیا ہو رہا ہے' وہاں ٹول پلازہ پر تو پیسے دیے اور گاڑی آگے بڑھائی' چیک کون کرتا ہے۔

جب ہم نوری آباد سے گزر گئے تو میں نے محسوس کیا کہ وہ لوگ ذرا مطمئن اور پرسکون ہو گئے تھے۔ ایک ہوٹل یا ڈھابے سے تھوڑا پہلے ہی انہوں نے گاڑی روک دی دو آدمی ایک پیٹرول کے کنستر کے ساتھ آگے چلے گئے اور پستول والے شخص نے مجھ سے اترنے کو کہا' قریب ہی کچھ جھاڑیاں تھیں میں سمجھ گیا کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اگر حوائج ضروری سے فارغ ہونا ہے تو ہو جاؤ' یعنی سفر زیادہ ہی ہے۔ میں نے آدھا گھنٹہ پہلے کوکا کولا کی ایک بوتل پی تھی' اس کا نتیجہ تو نکلنا ہی تھا۔

ہمارا سفر پھر شروع ہو گیا' میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جو کچھ دیر پہلے منجمد ہو گئی تھی اب پھر بحال ہونی شروع ہو گئی تھی۔ بہت کچھ پڑھا تھا سنا تھا اور پھر جرائم کی خبریں اور واقعات کو پڑھ کر انہیں فالو کرنا' منطقی انجام تک میرا شوق تھا میری عادت تھی۔ میں سمجھ گیا تھا کہ یہ ایک ڈیل مڈل اغواء ہے' یہ لوگ مجھے کسی امیر خاندان کا فرد سمجھ رہے ہیں اور یہ اغواء اس وقت تک چلے گا جب تک ان کو طلب کردہ رقم نہیں مل جاتی۔ مجھے مشکل یہاں ہی نظر آ رہی تھی۔

ہم لوگ نوکری پیشہ لوگ ہیں اور نوکریاں بھی پرائیوٹ تو کیا ادا کریں گے گھر والے یا میں خود اور کیسے ادا کریں گے۔ مجھے اپنے بچوں پر ترس آ رہا تھا' ان کے لیے تو آزمائش کا وقت ہوگا۔ وہ اپنے ابا کو واپس بھی لانا چاہیں گے لیکن ان کے پاس اتنی رقم ہو گی ہی نہیں کہ ان اغواء کاروں کو مطمئن کر سکیں۔ میں نے سوچا کہ ان لوگوں کو میں کوئی فون نمبر بتاؤں گا ہی نہیں تو وہ گھر والوں سے رابطہ کیسے کریں گے؟ مجھے ماردیں گے تو ماردیں' زندگی کے پچپن سال تو گزار لیے ہیں اب بچوں پر کوئی بوجھ ڈالنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ موقع۔ نہیں میں کچھ نہیں بتاؤں گا ان کو پھر میں نے سوچا کہ شاید ضرورت سے زیادہ آگے کی باتیں سوچ لی ہیں لیکن یہ فیصلہ ضرور کر لیا تھا میں نے سوچا کہ شاید ضرورت سے زیادہ آگے کی باتیں سوچ لی ہیں لیکن یہ فیصلہ ضرور کر لیا تھا میں نے کہ اب ان لوگوں سے بات نہیں کروں گا۔ کوئی التجا کوئی درخواست نہیں' کمزوری دکھائی تو یہ لوگ اور شیر ہو جائیں گے اب جو یہ کریں گے اسی حساب سے ردعمل دیا جائے گا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اسی کے مطابق آئندہ لائحہ عمل تیار کیا جائے گا۔

سفر جاری تھا۔ انہوں نے کھانے کو کچھ دیا تو میں نے بہت ہی کم لیا البتہ پانی ضرور مناسب مقدار میں پی لیا۔ خیال آیا کہ نماز کے لیے گاڑی رکواؤں لیکن مجھے لگا کہ وہ نہیں مانیں گے شاید وہ جلد از جلد کراچی سے دور نکل جانا چاہتے تھے۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کو تشویش ہو رہی ہے کہ میں بول کیوں نہیں رہا ہوں برابر والے نے ایک بار مجھے ٹھوکا دیا۔

"بابا کچھ بولتا نہیں تم' نئے ماڈل کی گاڑی میں مزہ آ رہا ہے کیا؟ تم نے بولا تھا تمہارے پاس کی کھٹارا گاڑی ہے وہ جو سپر مارکیٹ پر کھڑی ہے جس میں موبائل پڑا ہوا ہے۔"

"میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔" میں نے کہا۔

"بابا تم سچا ہے' میرے آدمی نے اطلاع دے دی ہے' گاڑی ابھی بھی وہاں کھڑی ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو اب کیا خیال ہے' تم سمجھ گئے ہو گے کہ میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔" میں نے پھر ایک کمزور سی کوشش کی۔

"بابا زیادہ ہوشیار بننے کی ضرورت نہیں ہے' جب ہم پوچھیں گے تو تم بولے گا۔ پیسے تو ملیں گے' تجھ سے نہیں تو تیرے گھر والوں سے ملیں گے' ادے تیرے بال بچوں کو تجھ سے تھوڑا بہت تو پیار ہوگا ہی۔" اس بار اس کا لہجہ سخت تھا تب میں نے آئندہ کے لیے خاموشی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس دوران دائیں طرف والے نے بائیں طرف والے کو کچھ اشارہ کیا اور خود پھیل کر پیچھے اپنا سر ٹکا لیا۔ میں نے دیکھا کہ بائیں طرف والے کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔ میرا دل دھک سے ہوا لیکن خیریت بھی۔ صرف ڈیوٹی بدلی تھی کیونکہ اب دائیں طرف والے نے اونگھنا شروع کر دیا تھا اور پھر بار نگ بتدریج خراٹوں میں تبدیل ہو گئی۔

مجھے فلموں کے کچھ سین یاد آ گئے کہ کس طرح ہیرو نے اپنے برابر والے شخص کا پستول والا ہاتھ مروڑ دیا تھا اور گولی چل گئی جو تیرے شخص کو لگی۔ گاڑی بے قابو ہوئی اور ہیرو دروازہ کھول کر باہر کود گیا لیکن یہاں اغوا کے اس حقیقی کیس میں یہ سب بالکل بھی قابل عمل نہیں لگا۔

میں انہیں ہیرو جتنا ہٹا کٹا بھی تو نہیں تھا لیکن نہیں کمزور میں بھی نہیں تھا۔ تھوڑی بہت باکسنگ اور بہت سارا تیراکی کا تجربہ تو تھا لیکن پھر بھی فی الحال اس طرح کی کوئی

نظم

میرے نصیب
میرے نصیب! تو مجھ کو
آزما تو سہی
خار نگاہ مجھ پر چلا تو سہی
وفا نبھانے کے جرم میں
ظلم اتنے کچھ ڈھا تو سہی
اپنی وفا پر گر ناز ہے تجھ کو
وفا نبھا کر بھی نبھا تو سہی

دستور زمانہ
ویرانے جنگل میں اک پیڑ کے سائے تلے
تم نے مجھے کہا تھا کہ
میں ساتھ کبھی نہ چھوڑوں گی
تیرا وعدہ وہ کیا ہوا؟
زمانے کی ریت پر چل کر
تم نے بھی
صرف دستور زمانہ ہی نبھایا

حاصل تمنا

(اپنے بچوں کے نام)

تمہارے نام اک نظم لکھوں یا بھیجوں پیام
درحقیقت یہ ہے میری قدرت کا انعام
تمہارے نام سے روشن ہیں آنگن کے در و بام
شام سیاہ خواب بھی نہ لگے شام
کبھی جو چھونے لگو تو آسمان تمہیں کریں سلام
فلک سے اتریں وفا کریں دیں تمہیں دوام
جہاں میں تو اپنا سب کا بنائے نام
تھامے ہوئے ہاتھوں میں وقت کی لگام
لاکھ عظمت و خوشی نصیب تم پر تمام
قدم اٹھاؤ اور منزل کو تم پاؤ بام بام
مٹا کے دستور زمانہ بڑھاؤ وفا کے دام
کبھی نہ گزرے تمہارے آنگن سے باد شام
قدم اٹھاؤ اور تھام لو وقت کی لگام
دعا کرتا ہے یہی صفی بس تمہارے نام

صنب انور صفی

Downloaded from https://paksociety.com

حرکت کی مذمت ہوئی اور نہ یہ مناسب ہی تھا۔

میں حقیقت کی دنیا میں واپس آ گئی یہاں میں کار کی پچھلی سیٹ پر دو جرائم پیشہ افراد کے درمیان بیٹھا تھا۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں پستول تھا اور دوسرے کی جیب میں اور آگے والے دونوں بھی ضرور مسلح ہوں گے۔ راستہ ویران تھا جہاں ان کے لیے سب کچھ جانا پہچانا تھا اور میرے لیے سب کچھ اجنبی انجان...... اس وقت اگر کوئی چیز کام آ سکتی تھی تو وہ تھی دور اندیشی' حاضر دماغی...... اور مجھے جو ایک ہی چیز اپنے حق میں نظر آ رہی تھی وہ تھی یہ حقیقت کہ میرے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں تھا سوائے جان کے ممکنات کم ہوں تو فیصلہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے ورنہ انسان ممکنات کی زیادتی میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔

ہم حیدرآباد کے قریب پہنچ گئے تھے ان کو یاد آیا کہ انہوں نے میرا چہرہ تو ڈھانپا ہی نہیں تھا چنانچہ ایک کپڑا میرے منہ پر ڈال دیا گیا جب انسان کی آنکھیں کام نہ کریں وہ نابینا ہو یا میری اس طرح کی کیفیت میں ہو تو اس کا ذہن حالات کی مناسبت سے کام کرنا شروع کر دیتا ہے لہٰذا ٹائروں کی آواز اور اسپیڈ بریکر کے جھٹکوں نے بتا دیا تھا کہ ہم حیدرآباد کے ٹول پلازہ پر پہنچ چکے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر گاڑی سیدھی گئی تو ہم دریا کے نئے پل کے ذریعے حیدرآباد میں داخل ہوں گے اور پھر ہم اسی شہر میں یا پھر مڑ جائیں گے۔ میرپورخاص کی طرف بھی جا سکتے ہیں لیکن میں نے محسوس کر لیا کہ گاڑی بائیں طرف مڑ رہی ہے۔ چشم تصور سے میں نے اپنی مادر علم سندھ یونیورسٹی کا نشان اپنے بائیں طرف کر لیا۔ اب جام شورو کے موڑ پر مجھے اندازہ کرنا تھا کہ ہماری منزل کدھر ہے' لاڑکانہ یا حیدرآباد کا قدیم علاقہ یا پھر حیدرآباد سے مزید آگے یعنی قومی شاہراہ پر شمال کی جانب چنانچہ جب گاڑی غلام محمد بیراج سے گزری اور پھر آبادی کے شور شرابے کو چھوڑتی ہوئی ویرانوں میں داخل ہوئی تو میں نے سمجھ لیا کہ اب سفر طویل ہے اور ایسا ہی ہوا یعنی ہم کہیں شمالی سندھ جا رہے تھے۔

ان لوگوں کو جب کھانے پینے سے یا حوائج ضروری سے فراغت کی ضرورت ہوتی تو وہ گاڑی پیٹرول پمپ سے کچھ پہلے ہی ٹھہرا دیتے تھے دو آدمی چلے جاتے۔ پیٹرول وہ بڑے کین میں لاتے تھے اور خود ہی گاڑی میں ڈالتے تھے۔

میں نے دیکھا نہیں کب ڈرائیونگ سیٹ دوسرے شخص نے سنبھال لی اور دونوں پچھلی سیٹ والے یاجوج ماجوج اسی طرح مجھے دبائے بیٹھے ہوئے تھے۔

چند گھنٹے بعد شاید چار یا شاید پانچ گھنٹے بعد رات گئے ٹرینوں ہارن کی آوازوں' ناہموار سڑک پر جلدی جلدی آتے موڑوں سے یہ اندازہ ہو گیا کہ یہ دو بڑی شہری آبادی تھی اور پھر وہی سپاٹ سڑک خاموش اور ویرانی تقریباً ایک گھنٹے بعد اچانک ماحول بدل گیا۔ اب گاڑی کچے راستے پر دوڑ رہی تھی لیکن اتنی ہی رفتار سے جتنی کچے ناہموار راستے پر ممکن ہو سکتی ہے۔ مسلسل جاگنے اور ایک ہی جگہ ایک ہی پہلو سے بیٹھے رہنے سے اگرچہ میں نڈھال ہو گیا تھا لیکن اس بے خوابی کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ میں اپنے سفر کی سمت اور موجودہ جگہ کی جغرافیائی کیفیت کا اندازہ کرتا رہا تھا باوجود اس کے کہ میرا چہرہ ڈھکا ہوا تھا اب جبکہ ہم کچی زمین پر سفر کر رہے تھے اور ان لوگوں نے کپڑا میرے چہرے سے ہٹا دیا تھا تو سامنے ہیڈ لائٹ میں مجھے گیلی گیلی زمین صاف نظر آ رہی تھی۔ فضا میں نمی کا احساس ہو رہا تھا اس طرح کی کیفیت تو اس زمین میں ہوتی ہے جو دریا کی گزرگاہ رہی ہو۔

سال کے چند مہینے یعنی کچے کا علاقہ...... گاڑی آہستہ چل رہی تھی' جھاڑیوں کی شاخیں گاڑی سے ٹکرا کر ایک مسلسل شور پیدا کر رہی تھیں۔ ماحول کی یکسانیت چھائی ہوئی' سناٹا اور گیدڑوں کی آوازوں سے ظاہر ہوتا تھا دیہات اور گاؤں یہاں سے بہت دور ہیں اور پھر گاڑی رک گئی اور مجھے اترنے کو کہا گیا۔ یہاں ہوا میں سوندھی سی خوشبو تھی' گیلی زمین کی' میرے جوتوں کی ایڑیاں نرم زمین میں دھنس رہی تھیں۔ ہلکی چاندنی میں میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑے قطع زمین پر دور تک کوئی جھاڑی نہیں تھی' زمین تڑخ گئی تھی کچھ ایسا ڈیزائن بن گیا تھا جیسا تصویروں میں دیکھا تھا۔ جب گیلی مٹی تیز دھوپ میں سوکھ کر تڑخ جاتی ہے شاید دو مہینے پہلے یہاں پانی ہوگا' سیلابی پانی اور پھر جب دریا واپس اپنی اوقات پر چلا گیا تو تیز دھوپ نے چکنی مٹی کی سوتی تہہ کو یہ شکل دے دی۔

ممکن ہے اسی کو قرآن کریم میں صلصال کالفخار کہا گیا ہے جو انسان کے جسم کا بنیادی جز ہے یا جس سے انسان کو

Downloaded from https://paksociety.com

پیدا کیا گیا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ ہم کچے کے علاقے میں ہیں اور گاڑی کی رفتار ہماری کراچی سے روانگی اور راستے میں آنے والے اور غیر آباد علاقوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچا ہوا تھا کہ ہم کہیں گھوٹکی اور پنوں عاقل کے درمیان دریا کے قریب علاقے میں ہیں۔ کچے کے علاقے میں کوئی مستقل آبادی نہیں ہوتی کیونکہ ہر سال دریا جب بڑھتا ہے تو سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے۔ وہاں عارضی آبادیاں ہوسکتی ہیں عارضی کھیتی باڑی ہوسکتی ہے البتہ کہیں کہیں چند گز اونچے ٹاپو پر ذخیروں کے مکان ہوتے ہیں جو سیلابوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔ یہ آرام گاہ یا تفریح گاہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اور ڈاکوؤں کی پناہ گاہ کے طور پر بھی اگر کوئی زمین دار یا وڈیرہ ڈاکوؤں کی سرپرستی کا بھی شوقین ہو۔ یہاں سڑکیں نہیں ہوتیں اور نہ ہی پولیس تھانہ وغیرہ۔

یہاں کی زمین کسی کی ملکیت نہیں ہوسکتی لیکن جو چاہے استعمال کرلے۔ میں نے اپنی تمام معلومات اور اندازوں کو اپنے دماغ کے پچھلے حصے میں واقع بیٹھک میں ڈال دیا اور کچھ کر گزرنے کے جذبے کو وہاں ہی ایک پارکنگ لاٹ میں پارک کردیا۔ میں ایسا ہی کرتا ہوں بعد اکثر لوگ یہی کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ان چیزوں کو رکھ کے بھول جاتے ہیں اور استعمال نہیں کرتے لیکن میں نہیں بھولتا۔ وقت پڑنے پر میں ان کو استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

ہم ایک ٹاپو پر چڑھ رہے تھے جو زمین سے دس بارہ فٹ اونچا تھا یا شاید پندرہ فٹ اس پر واقع ایک کچا سا مکان بہت حد تک درختوں میں ڈھکا ہوا تھا۔ مکان کی چھت شاید جان بوجھ کر نیچی بنائی گئی تھی تاکہ درختوں میں چھپی رہے۔ اندھیرے میں قطعی اندازہ نہیں ہوا کہ وہاں کتنے کمرے ہیں شاید تین یا چار ہوں گے۔ باہر برآمدے میں تین دروازے تھے ایک کھلے دروازے سے اندر داخل ہونے سے پہلے میں نے مڑ کر دیکھا تو نہیں کہیں پیڑوں کی شاخوں کے درمیان سے دور تک نظر دوڑائی جاسکتی تھی۔ نیچے کھڑی گاڑی نظر آرہی تھی اس کی پارکنگ لائٹس آن تھیں اور انجن کی آواز بھی آرہی تھی یعنی ان میں سے کسی کو یا کچھ کو یہاں ٹھہرنا ہے اور کچھ کو واپس جانا تھا۔ اگر مجھے یہاں قیدی بنا کر رکھا جانا تھا تو ایک یا دو افراد ضرور یہاں رہیں گے۔ ان لوگوں نے آپس میں کچھ بات کی اور پھر جو ان میں اہم حیثیت کو حامل تھا وہ میرے پاس آیا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"بابا! تم ابھی آرام کرو سامنے والے کمرے میں جیسا بھی ہے گزارا کرو۔ صبح تم سے بات کریں گے تم سوچنا کہ کیسے ہمارے ساتھ تعاون کرسکتے ہو۔ ہم کوشش نہیں ہے تم کو تکلیف دینے کا ہم کو صرف رقم چاہیے جو تمہارے گھر والے ہم کو دیں گے اور دیکھو ہم تمہارے پاؤں میں زنجیر نہیں ڈال رہے ہیں تمہاری عمر ایسی ہے کہ بھاگنے کی کوشش نہیں کرسکتے ہو لیکن پھر بھی یہ خیال رہے کہ جو آدمی یہاں تمہارے پہرے پر ہے اس کے پاس پستول ہے باہر بھیڑیے ہیں اور خونخوار کتے بھی۔"

میں سمجھ گیا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا اس علاقے میں بھیڑیے نہیں گیدڑ اور جنگلی سور ہوتے ہیں اور کتے میں نے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز مکان کے آس پاس نہیں سنی تھی اس کا مقصد صرف خوف زدہ کرنا تھا۔ میں کمرے میں داخل ہوا تو اس نے پیچھے سے آکر میں رکھے ہوئے چراغ کو روشن کردیا چراغ میں اتنا تیل تھا کہ صبح تک چل جائے۔

"بابا! اس چراغ کو بجھانا نہیں۔" یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کیا اور یقیناً باہر سے کنڈی چڑھادی ہوگی۔ گاڑی کے انجن کی آواز سے معلوم ہوگیا کہ ان میں سے کچھ کہیں چلے گئے۔

میں نے کمرے کا جائزہ لیا تو ہلکی روشنی میں سب کچھ نظر آگیا۔ کمرے کا ایک دروازہ باہر برآمدے میں بھی کھلتا تھا لیکن اسے تختہ ٹھونک کر بند کیا ہوا تھا۔ اندر صحن کی طرف ایک تو وہ دروازہ جس کی باہر سے کنڈی لگائی گئی تھی اور ایک کھڑکی جس میں موٹی سلاخیں تھیں۔ کھڑکی سے باہر صحن میں ایک تخت پڑا تھا۔ جس کے اوپر کھجور کے پتوں کا سائبان تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ میرے پہرے داروں کے سونے کی جگہ ہوسکتی ہے کیونکہ وہاں بستر اور کمبل وغیرہ بھی تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص جو غالباً ان میں ایک تھا جو آگے کی سیٹوں پر بیٹھے تھے اور گاڑی ڈرائیو کرتے رہے تھے۔

آکر اس تخت پر بیٹھ گیا اور جیب سے کچھ نکال کر کسی ادھیڑ بن میں مصروف ہوگیا۔ اندر کا جائزہ لیا تو وہاں بھی ایک تخت اور اس پر پڑی دری اور تکیہ نظر آرہا تھا۔ کونے میں ایک مٹی کا گھڑا اور پیالہ اور دوسرے کونے میں ایک چار فٹ

Downloaded from https://paksociety.com

کی دیوار اور اندر داخل ہونے کا ایک تنگ سا دروازہ بلکہ راستہ۔ جی ہاں یہ اسٹینڈ باتھ روم تھا تاکہ قیدی کو باہر نکالنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ میں تخت پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ مجھے سونا چاہیے یا نہیں نیند آئے گی بھی یا نہیں پھر میں نے سونے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

کھڑکی کے باہر نظر ڈالی تو وہ صاحب فارغ ہو کر جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ ڈھونڈ رہے تھے۔ آس پاس کے درختوں کے باوجود صحن چاندنی سے اتنا روشن تھا کہ اس شخص کی حرکات و سکنات پر نظر رکھی جا سکتی تھی تب ماچس کی تیلی کے جلنے کی آواز کے ساتھ ہی آس پاس چند لمحوں کے لیے روشنی پھیل گئی اور میں سمجھ گیا کہ اتنی دیر وہ کس بات کی تیاری کر رہا تھا۔ وہاں کوئی آہٹ تھی اور نہ اور کوئی آواز' میں تنہا تھا اور تین افراد وہاں سے جا چکے تھے وہ چرس کے سگریٹ تیار کر رہا تھا اور اب جب اس نے طویل کش لگائے تو چرس کی ناگوار بو کھڑکی کے راستے سیدھی میرے کمرے میں آ رہی تھی۔ میری نظریں اس شخص پر لگی ہوئی تھیں' تھوڑی ہی دیر میں اس نے سگریٹ کو ٹھکانے لگا دیے زور سے کھنکھار کر مجھے ہوشیار کیا۔

''بابا سو جاؤ کوئی فائدہ نہیں جاگنے کا۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا' اس نے تکیے سے ٹیک لگا کر کچھ گنگنایا لیکن اس کی گنگناہٹ میں مجھے نیند کا اثر اور کچھ لکنت سی محسوس ہوئی۔ میں سمجھ گیا کہ چرس کا اثر اس پر حاوی آ گیا ہے میں بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ وہ نیم دراز کی حالت میں مجھے کچھ جھولتا ہوا محسوس ہوا پھر وہ چت لیٹ گیا۔ وہ نیند میں کچھ بڑبڑاتا رہا اور پھر غالباً سو گیا گہری نیند خراٹے اس کے منہ سے کچھ اس طرح اُبل رہے تھے کہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی آواز کا گمان ہوتا تھا۔

میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا' یہی موقع ہے اگر کسی طرح اندر کا یا پھر باہر والا دروازہ کھول سکوں تو بات بن جائے گی۔ میں نے چراغ ہاتھ میں اٹھا کر کمرے کا بغور جائزہ لینا شروع کیا۔ مجھے لوہے کی کوئی چیز چاقو یا سلاخ وغیرہ کی تلاش تھی۔ زمین سے سات فٹ اوپر ایک چار فٹ کا تختہ دیوار پر لگا ہوا تھا' تخت پر کھڑے ہو کر دیکھا تو وہاں کچھ نہیں تھا۔ تختے کو ہلانے سے پتا چلا کہ تختہ دو میخوں پر ٹکا ہوا تھا۔ آہستگی سے اسے اتار کر زمین پر رکھ دیا' دونوں سلاخیں دیوار میں گڑی ہوئی تھیں' خیال آیا کہ ان دیواروں میں سیمنٹ تو برائے نام ہی استعمال ہوئی ہوگی۔ تھوڑی سی زور آزمائی کی تو ایک سلاخ نے اینٹوں کے درمیان کی جگہ ہی پکڑ ڈھیلی کر دی۔ ڈیڑھ فٹ کی میخ جب باہر آئی تو وہ دو فٹ کی ایک نوکیلی میخ تھی۔ میں میخ ہاتھ میں لے کر نیچے اترا تو پہلے میں نے اندر صحن کی طرف والے دروازے کے بارے میں سوچا پھر کھڑکی کی سلاخوں کی طرف۔ اس میخ کی مدد سے سلاخوں کو موڑا جا سکتا تھا لیکن خطرہ تھا کہ آواز سے وہ سویا ہوا چوکیدار ہوشیار ہو جائے گا لہٰذا پھر باہر کھلنے والے دروازے پر دھیان دیا جس پر موٹے تختے جڑے ہوئے تھے۔ وہ تختے موٹے ضرور تھے لیکن موسموں اور وقت کی مار کھائے ہوئے تھے۔ چراغ کو دروازے کی قریب رکھ کے مناسب جگہ دیکھ کر میخ کی نوک سے زور لگایا تو ایک تختہ ہلکی سی آواز سے باہر آنے لگا۔ ایک ایک کر کے تینوں تختے نکال دیے لیکن پھر بھی مسئلہ برقرار رہا کیونکہ دروازے پر باہر سے کنڈی لگی ہوئی تھی' وہ زنجیر والی کنڈی میں نے مکان میں داخل ہوتے وقت دیکھی تھی۔ میں نے اندازے سے ایک مناسب جگہ دیکھ کر چوکھٹ کو کریدنا شروع کیا۔ اس دوران مستقل طور پر اندر کھڑکی کے ذریعے پہرے دار پر نظر رکھی ہوئی تھی کئی منٹ تک کوشش کے بعد ایک چھوٹا سا سوراخ بن گیا تھا۔ میں نے جیب سے پن نکال کر اس کی نوک سے کنڈی کو دھکیلنے کی کوشش کی۔ باہر نکلنے کا وقت قریب آتا محسوس کر کے مجھ پر کچھ عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی' ہاتھوں میں کپکپی' چہرے پر پسینہ اور ساتھ دل کی دھڑکن اتنی زیادہ کہ مجھے محسوس ہوا کہ گویا دل کا دورہ پڑ گیا ہو یا پڑنے والا ہو۔ خوف' خوشی اور عجلت شاید یہ ان تینوں کیفیات کا مرکب تھا جو مجھ پر طاری تھا۔

آخرکار کنڈی گر گئی مگر اچھی خاصی آواز کے ساتھ' میں نے گھبرا کر باہر دیکھا تو پہرے دار نے کچھ حرکت کی' کچھ بڑبڑایا اور پھر داڑھی کھجا کر کروٹ بدل کے سو گیا۔ میں نے بھاگ کر اندر والے دروازے کی کنڈی لگا دی اور پھر باہر آ کر برآمدے والے داخلی دروازے کو بھی بند کر دیا۔ مجھے پتا نہیں کہ پیچھے کی طرف بھی کوئی دروازہ تھا یا نہیں بغیر سوچے سمجھے اور بغیر وقت ضائع کیے نیچے ڈھلان پر اتر گیا۔ بجائے گاڑی کے پہیوں سے بنے ہوئے راستے کے میں نے

Downloaded from https://paksociety.com

مخالف سمت پکڑی۔ ایک مخصوص سمت رکھنا ضروری تھا ورنہ میں وہاں ہی ایک دائرے میں گھومتا رہتا کیونکہ نہ کوئی سڑک تھی اور نہ کوئی نشان' وہاں تو جھاڑیاں تھیں اور ریت کے ٹیلے تھے۔ دور ایک جگہ ایک شعلہ نظر آیا شاید وہ قادر پور جیسی فیلڈ تھی' وہاں آس پاس اس فیلڈ کی متعلقہ آبادی بھی ہوسکتی تھی۔ یہ میرے لیے خطرناک بھی ہوسکتا تھا' کیا پتا وہاں کی پولیس کے میرے اغوا کاروں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات ہوں' کیا پتا وہاں کی پولیس یا دوسرے لوگ خود مجھے کوئی مجرم یا مشتبہ فرد سمجھ لیں۔

سوچا کہ کسی کی نظروں میں آنا بالکل بھی مناسب نہیں لہٰذا میں نے مغرب کا رخ کیا' یہاں سمت کا اندازہ مشرق میں نظر آتی طلوع آفتاب سے قبل کی سفیدی سے ہوگیا تھا۔ قریب ہی ہلکی روشنی میں مجھے کچھ عارضی سے کچے مکانات نظر آئے۔ ایک کتا مجھ پر بھونکنے لگا تو اس کو چمکار کر خاموش کیا اس سے پہلے کہ اس کے بھونکنے پر لوگ آجاتے' وہاں ایک ٹوٹی چارپائی سے بندھی سائیکل پڑی تھی جو دیکھنے میں ٹھیک ہی لگی۔ میں نے سائیکل سیدھی کی زنجیر چارپائی کے پائے سے نکالی اس پر بیٹھا اور مغرب کی طرف کی پگڈنڈی پر تیزی سے روانہ ہوگیا۔ اپنے حساب سے میں دریا کی طرف جارہا تھا جو وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ مجھے جلد از جلد اس علاقے سے نکل جانا تھا اور نہ جانے کیوں مجھے لگ رہا تھا کہ دریا کی طرف سفر میرے لیے محفوظ ہے اگرچہ سائیکل اور رستہ دونوں خراب تھے پھر بھی آدھے گھنٹے بعد جب سورج کی کرنیں سنہری سے سفید ہوگئیں تو میں اپنے قید خانے سے تقریباً پانچ یا چھ کلومیٹر دور پہنچ گیا تھا۔ سائیکل روک کر جب میں نے ایک ریت کے ٹیلے پر چڑھ کر دیکھا تو کچھ دور دریا نظر آرہا تھا۔ دریا کے قریب پہنچ کر سائیکل میں نے ایک جگہ پر چھوڑ کے آس پاس کا جائزہ لیا تو وہاں کچھ دور چھوٹی بڑی کشتیاں پانی پر ڈول رہی تھیں' سوچا کہ کشتیوں کے قریب ممکن ہے کچھ لوگ موجود ہوں' مجھے بچاؤں تمیں میں دیکھ کر شک بھی کرسکتے ہیں لہٰذا میں ادھر گیا ہی نہیں۔

کچھ دور ایک بہت ہی چھوٹی کشتی نظر آرہی تھی' دریا کے کنارے کی جھاڑیوں کی اوٹ میں رہتے ہوئے میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ اگرچہ وہ کشتی بوسیدہ سی تھی لیکن قابل

یہ تتلیاں آزاد ہیں

یہ تتلیاں آزاد ہیں
جہاں اڑتی پھریں
موسم گل میں ہزاروں رنگ لیے
وادی وادی گھومتی پھریں
رقص کرتی ہوئی آرزوئیں اپنے ساتھ لیے پھریں
گلشن گلشن پیغام بہار دیتی پھریں
رنگین آنچل اوڑھے صبا کے دوش پہ
اک نغمگانی پھریں
پھولوں سے وفا نبھاتے ہوئے پھرے
وادی وادی گلشن گلشن گھومتی پھریں
یہ تتلیاں آزاد ہیں جہاں اڑتی پھریں

التجا

(اپنے شریک سفر رضوان ملک کے نام)

میں جانتی ہوں
کہ میں تیرا جسم
تیری جاں کا حصہ ہوں
مگر میری التجا ہے صنم!
تم مجھ کو
میری وفا کے ترازو میں تولنا

دوستی

آج ایک تتلی نے آکر مجھے کچھ یوں کہا
آؤ کہ میں تم کو اپنی بانہوں میں بھرلوں
آؤ کہ میں پھولوں کے رس سے
تمہارے دل مضطرب کو معطر کردوں
آؤ کہ میں اپنے پروں سے کچھ رنگ لے کر
تمہارے آنچل میں رنگ بھردوں
آؤ کہ مجھ سے دوستی کرلو

صنوبر انور رضوی

Downloaded from https://paksociety.com

استعمال تھی کیونکہ اس کی تلی میں بالکل بھی پانی نہیں تھا چپو بھی تھا بانس کے ٹکڑے پر ایک تختہ لگا کر چپوار کی شکل دی گئی تھی۔ ایک بوسیدہ ترپالین کا ٹکڑا بھی تھا ابھی میں کشتی کی افادیت اور سفر کی سمت کا اندازہ کر رہا تھا کہ کسی گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی بتدریج آواز بڑھ رہی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو فوری طور پر نیچے ایک گڑھے میں گرا دیا پھر جب آواز ہلکی ہوئی تو ذرا سا سر اونچا کر کے جھانکا' گاڑی واپس جا رہی تھی۔ مجھے لگا وہی سفید گاڑی تھی جو مجھے کراچی سے لے کر آئی تھی' گاڑی ایک بار پھر ٹھہری چلی اور پھر ایک لمبا دائرہ بنا کر مخالف سمت میں اوجھل ہو گئی یقیناً وہ مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ ظاہر ہے اتنی محنت اور وقت ان کا ضائع ہوا تھا' وہ غصے میں ہوں گے اور اگر میں ان کے ہاتھ آ جاتا تو نہ جانے میرا کیا حشر کرتے۔ میں بہت ڈر گیا تھا اور بے حس و حرکت وہاں گڑھے میں بیٹھا ہوا تھا' میں نے پھر اپنی ہمت اور طاقت کو جمع کیا' وہاں میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کشتی ہی اب میرا ذریعہ فرار بنے گی۔ میں تیزی سے کشتی میں اترا' جھاڑی سے بندھی رسی کو کھولا' چپو اٹھا کر اتھلے پانی میں ڈال کے اسے دریا کی تہہ میں دبایا تو کشتی چل پڑی۔

شروع میں تو میں نے کشتی کو کنارے کے قریب ہی رکھا تاکہ جھاڑیوں کی آڑ میں کچھ دور نکل جاؤں پھر ہمت کر کے گہرے پانی میں دریا کے بہاؤ پر لے گیا۔ اب مجھے چپو چلانا تھا کیونکہ پانی گہرا ہو گیا تھا اور چپو اب تہہ تک نہیں جا رہا تھا چنانچہ میں نے کشتی کو مچھیروں کی طرح چلانا شروع کیا۔ جب آپ کچھ کرنے پر تل جاتے ہیں تو پیش آنے والی مشکلات کے حل بھی ملتے چلے جاتے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں مجھے کشتی کو چلانے کا طریقہ آ گیا' میں نے دیکھا کہ دریا بہت زیادہ چوڑا نہیں ہے شاید آدھا کلو میٹر یا اس سے بھی کم۔ مجھے دوسرے کنارے پر جانا تھا چنانچہ باوجود بہاؤ کے مجھے زور لگا کر کشتی کو دوسرے کنارے کی طرف بھی لے جانا تھا یعنی اب کشتی ترچھی چل رہی تھی اور دوسرا کنارہ آہستہ آہستہ قریب آتا محسوس ہونے لگا تھا۔ مجھے تیرنا آتا ہے اور اس موقع پر یہ بات میرے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوئی کی وجہ سے کشتی کے ذریعے فرار کا فیصلہ میں نے اتنی آسانی سے کر لیا تھا اگر کسی کو تیرنا نہ آتا ہو تو وہ کبھی اس طرح اکیلے دریا کے سفر کا ارادہ نہیں کرے گا جو تیرنا جانتے وہ پانی سے ڈرتے ہیں۔ جاننے والوں کے لیے پانی ایک کھیل ہے۔

کنارے پر پہنچ کر میں نے دوسرے کنارے پر نظر ڈالی تو وہ اتنا دور تھا کہ بندوق کی گولی بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی لیکن میری مشکلات ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں' کشتی کو چھوڑ کر میں کنارے کی ڈھلان سے اوپر کی طرف گیا تو کچھ دور پھر دریا نظر آ رہا تھا یعنی یا تو میں ایک جزیرے پر تھا یا آگے جا کر دریا ایک بل کھا کر واپس آ گیا تھا۔ وہ جزیرہ تھا یا نہیں لیکن بہت کم چوڑا اور بہت طویل شاید دو تین کلو میٹر طویل۔ میں گھبرا کر واپس کشتی کی طرف آیا تو وہ دھیرے دھیرے بہاؤ کے سہارے مجھ سے دور ہو رہی تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی رسی کو پکڑ لیا اور اپنی طرف کھینچ کر دوبارہ سوار ہو گیا۔ میں چپو چلاتا ہوا کشتی کو کنارے سے کچھ دور لے گیا اور اسے بہاؤ پر چھوڑ دیا' بہت دیر تک میں نڈھال کشتی میں پڑا رہا' تھکن سے میرا برا حال تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر سو گیا تو بہاؤ کے ساتھ نہ جانے کہاں پہنچ جاؤں گا' بے خبری میں چنانچہ ہڑبڑا کر سیدھا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد محسوس ہوا کہ جزیرے کی حد تمام ہو رہی ہے کیونکہ دوسرا کنارہ نظر آنے لگا تھا' یہاں دریا اتنا چوڑا نہیں تھا لیکن گہرا ضرور تھا۔ کم لہریں اور پرسکون چال بھی بتا رہی تھی۔

"جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے" دریا واقعی خاموش' وزن دار اور عمیق لگ رہا تھا۔ میں نے دوسرے کنارے کا رخ کر کے زور لگانا شروع کیا تو 45 درجے کے زاویے پر سفر کرتا ہوا بالآخر میں کنارے پر پہنچ گیا۔ جھاڑیوں سے کشتی کو باندھ کر بے سدھ لیٹ گیا۔ ترپالین اپنے اوپر ڈال کر دوپہر سے پہلے کی چلچلاتی دھوپ سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ مجھے یقین تھا کہ مجھے یہاں اس جھاڑیوں میں چھپی ہوئی کشتی پر کسی کی نظر نہیں پڑ رہی ہوگی۔ میں نے دوبارہ دریا پار کیا تھا اس سے پہلے پیدل اور سائیکل پر میلوں کا سفر کیا تھا۔ مجھے خوراک کی ضرورت تھی اور جلدی کی بھی فوری طور پر دستیاب چیز نیند تھی۔ سب کچھ بھول کر میں سو گیا' بے سدھ جب آنکھ کھلی تو دن کے دو بج رہے تھے۔ میں تقریباً تین گھنٹے سویا تھا جو اگرچہ ناکافی وقت تھا لیکن میں نے آگے بڑھنے کا ارادہ کر لیا۔

اچانک ایک خیال نے مجھے ڈرا دیا' میں مستقل نشان چھوڑتا ہوا آ رہا تھا۔ سائیکل چوری اور پھر کشتی غائب اگر ان

Downloaded from https://paksociety.com

لوگوں کو ہوئی ہوگی تو وہ سمجھ جائیں گے کہ میں نے فرار اختیار کیا ہے۔ موبائل فون کے ذریعے اس کنارے پر موجود اپنے لوگوں کو اطلاع کریں گے اور میں پکڑا جاؤں گا۔ سائیکل کے نشان نہیں اس جگہ تک پہنچا دیں گے جہاں سے میں نے کشتی چوری کی تھی۔

بہت ہلکی لیکن تواتر سے آتی ہوئی ایک آواز نے مجھے چونکا دیا۔ یہ چکی کی آواز تھی یعنی مستقل نوعیت کی کوئی آبادی یا گاؤں یہاں سے قریب ہی ہے اور کچے کا علاقہ اس طرف بہت چوڑا نہیں ہے۔ گاؤں یا آبادی ہوگی تو سڑک بھی ضرور ہوگی کچی یا پکی۔ میں نے کشتی پر الوداعی نظر ڈالی۔ مٹیالے پانی کے چند گھونٹ چلو سے پیے اور چل پڑا۔ دریا سے دور ہوتے ہوئے میں کوئی چار سو میٹر چل کے ایک طویل پکی سی دیوار تک بہت چوڑی دیوار جو دراصل کچا بند تھا' پہنچ گیا۔ یہ دریا کی سیلاب کے زمانے والی حد تھی۔ وہاں اس بند کے ساتھ پانی کی ایک پتلی سی نہر جو یقیناً دریا سے نکالی ہوئی شاخ تھی' نظر آئی۔ اس کے کنارے بہت سارے کپڑے دھوپ میں پڑے سوکھ رہے تھے۔ یہ دھوبی گھاٹ تھا لیکن دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا شاید کام روک کر کھانا کھانے گئے ہوں گے سب لوگ۔ یہ اطمینان کرکے کہ کوئی آس پاس سے دیکھ تو نہیں رہا ہے میں نے ایک شلوار قمیص کا جوڑا رسی سے کھینچ لیا' کچھ دور جاکر جھاڑیوں کی اوٹ میں' میں نے لباس تبدیل کرلیا اور پتلون قمیص گٹھڑی بنا کر بغل میں دبائی اور چڑھائی پر چڑھ کے دریائی علاقے کو خیرباد کہا۔ مجھے احساس ہوا کہ میرے جوتے کپڑوں کے ساتھ بالکل بے جوڑ لگ رہے ہیں' کاش کہ میں نے پشاوری چپل یا کوئی اور پرانے جوتے پہنے ہوئے ہوتے تو مشکوک ہوجانے کی فکر سے محفوظ رہتا کہاں وہ معمولی لباس اور کہاں برانڈڈ جوتے۔

میرے پرس میں اتنے پیسے تو تھے کہ دو ایک وقت کی روٹی اور ٹرین کا درمیانے درجے کا ٹکٹ یا بس کا کرایہ کراچی تک کا برداشت کرلوں لیکن کیا وہاں قریب کوئی سڑک کوئی بس یا ریلوے اسٹیشن وغیرہ ہے بھی' اس کا مجھے اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

کھیتوں کے درمیان کی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے میں نے موٹر سائیکل کی آواز سنی اتنی ہموار اور واضح آواز جو صرف سطح زمین پر دوڑنے سے ہی پیدا ہوسکتی ہے یعنی وہاں قریب ہی پختہ سڑک موجود تھی۔ کھیتوں کا سلسلہ ختم ہوا تو میں نے اپنے آپ کو ایک پتلی لیکن پختہ سڑک پر پایا۔ وہاں کچھ دور ایک بڑے سایہ دار درخت کے نیچے چھپر میں شاید کوئی چائے خانہ بھی تھا۔ باہر دو تین میزیں ترچھی ترچھی نظر آ رہی تھیں اگر یہاں سے کوئی بس گزرتی ہے تو یہ بس اسٹاپ کی مناسب ترین جگہ ہوسکتی تھی۔ ضرور یہ چائے خانہ بس اسٹاپ کا مرہون منت ہوگا' یہ سوچتا ہوا میں اس جھونپڑی میں داخل ہوگیا' ایک آدمی چائے کی پیالیاں دھو رہا تھا۔ کیتلی چولہے پر چڑھی ہوئی تھی اور سامنے میز پر دیسی قسم کے بسکٹ اور گڑ سے بنی ہوئی چیزیں پلاسٹک کے جاروں میں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے سلام کیا تو وہ شخص چونک گیا۔ میرا سلام خالص شہری انداز کا تھا' لہجہ بنانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی اس نے سر سے پیر تک مجھے دیکھا بلکہ تولا اور اس کی نظریں میرے جوتوں پر ٹھہر گئیں ایک لمحے کے لیے اور پھر اس نے کیتلی کی طرف رخ کرکے آنچ بڑھادی اور میری طرف دیکھے بغیر بولا۔

"چائے چاہیے۔"

"ہاں..... اور بسکٹ بھی۔" میں نے کہا۔

"کتنے؟" اس نے کہا۔

"یہ سارے جو تمہارے پاس ہیں۔" میں نے کہا۔ اس نے حیران نظروں سے مجھے دیکھا اور ایک میلی سی پلیٹ میں وہ جار خالی کردیا اور چائے کے ساتھ میری طرف وہ پلیٹ بڑھادی۔ میں نے اتنی تیزی سے وہ بسکٹ ختم کیے کہ وہ مزید حیران ہوگیا۔ پانی..... میلا پانی اور پھر چائے کی پیالی..... یہ سب کچھ نبٹانے میں مجھے بہت کم وقت لگا۔

"آپ کراچی سے آئے ہیں یا حیدرآباد سے؟" یہ اس کا سوال نہیں تھا بلکہ رائے تھی۔

"بس کتنے بجے آنے کی؟" میں نے کہا۔

"کون سی..... شکارپور جانے والی یا کندھ کوٹ والی؟" اس نے کہا۔ اس کے جواب میں ابہام تھا' میں نے فوراً اپنی جغرافیہ کی معلومات کو تولا۔ میں جہاں تھا وہ جگہ اگر کندھ کوٹ اور شکارپور کے درمیان تھی تو شکارپور جنوب کی طرف ہونا چاہیے۔ میں جان بوجھ کر ہاتھ سے واضح اشارہ جنوب کی طرف کیا۔

"شکارپور کی طرف....." میں نے کہا۔ مجھے بڑے شہر

Downloaded from https://paksociety.com

کی طرف بھاگ گیا تھا اور پھر شکار پور سے میں آسانی کسی بھی ذریعے سے کراچی جا سکتا تھا۔

"آدھے گھنٹے تک بس آ جائے گی لیکن تم کو میں نے وہاں اس طرف دریا کی طرف سے آتے دیکھا تھا۔" میں نے دیکھا کہ اس کے قریب ہی دریا کے بند کی طرف اس جھونپڑی میں ایک بڑا سوراخ تھا جہاں سے دور تک کھیت اور وہ پگڈنڈی نظر آ رہے تھے جہاں سے میں آیا تھا' میں نے فوری طور پر ایک جھوٹ گھڑ لیا۔

"دراصل میرے دوست کی گاڑی اس طرف خراب ہوگئی ہے ٹھیک ہونے میں دیر لگے گی اور مجھے ضروری کام ہے شہر میں' اس لیے میں آ گیا۔"

"میں نے تو کوئی گاڑی اس طرف جاتی دیکھی نہیں' ادھر گاڑی کا کیا کام آگے تو بند ہے گاڑی جا ہی نہیں سکتی۔" وہ شخص مجھے خوف زدہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"تم ایک چائے اور بناؤ۔" میں نے اس بار مقامی زبان استعمال کی تھی۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا لیکن پھر چائے بنانے میں مصروف ہوگیا۔ اس دوران ایک موٹر سائیکل سوار وہاں سے گزرتے ہوئے چائے والے کے پاس ٹھہرا' چائے کا آرڈر دیتے ہوئے اس نے اطلاع دی کہ شکار پور جانے والی بس راستے میں خراب ہوگئی ہے اب شام تک بھی کوئی آ جائے تو بڑی بات ہے۔

میں اپنی پیالی لے کر سامنے درخت کے سائے میں بنچ پر بیٹھ گیا' سوچ رہا تھا کہ اس خوفناک قید خانے سے میں زیادہ دور نہیں ہوں' بیچ میں دریا ہی تو ہے۔ موبائل کے زمانے میں ان بااثر لوگوں کے ہاتھ مزید لمبے ہوگئے ہیں وہ مجھے اب بھی ڈھونڈ سکتے ہیں' دریا کے اس پار اپنے تعلقات کی بنا پر۔

میری نظر آنے والی گاڑیوں پر بھی تھی اور اس چائے والے پر بھی میں دیکھا وہ فون پر بات کر رہا ہے اور میری طرف بھی دیکھ رہا ہے۔ کیا پتا وہ میرے بارے میں کسی کو فون پر اطلاع دے رہا ہو۔ ان ہی خیالوں میں گم تھا کہ سامنے سے ایک کار آتی نظر آئی سفید..... تقریباً اسی طرح کی جو میرے لیے پچھلے دو روز سے خوف کی علامت بنی ہوئی تھی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا اور بظاہر منہ دوسری طرف کر لیا۔ گاڑی رکنے پر بغیر پوری طرح مڑے میں نے نظر ڈالی تو ایک شخص صاف ستھرے کپڑوں اور خوب صورت داڑھی کے ساتھ دروازہ بند کر رہا تھا۔ نمبر کراچی کا تھا اور گاڑی میں عبایا پہنے ایک عورت اور چار پانچ سال کا بچہ موجود تھے۔ وہ لوگ مجھے پہلی نظر میں معقول لگے میں تیزی سے اٹھ کر اس شخص کے پیچھے چلا جو شاید چائے کے لیے کہنے اس جھونپڑی میں داخل ہو رہا تھا اس نے مجھے اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ چائے کا آرڈر دے کر وہ میری طرف متوجہ ہوا۔

"آپ شکار پور جا رہے ہیں؟" میں نے کہا۔

"میں سیدھا لاڑکانہ جارہا ہوں' دراصل مجھے کراچی جانا ہے لاڑکانہ میں ہم رات گزاریں گے اور صبح سویرے کراچی روانہ ہوں گے لیکن آپ کو اگر شکار پور جانا ہے تو ہم چھوڑ دیں گے لیکن....." اس نے میرے کپڑوں پر نظر ڈالی اور پھر میرے ہاتھ میں دبی ہوئی گٹھڑی کو دیکھا۔ میں نے اپنے آپ کو اس کے قریب کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"میرا تعلق کراچی سے ہی ہے دراصل یہاں میں خطرے میں ہوں اگر آپ مجھے شکار پور بھی چھوڑ دیں گے تو بھی میرا خیال ہے میں محفوظ ہو جاؤں گا۔ میں زندگی بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔" میں نے آہستگی سے بات کی تھی' بہت لجاجت سے اور پھر ان کے جواب کا منتظر تھا۔

"آپ کے بات کرنے کے انداز سے تو میں سمجھ رہا ہوں لیکن یہ آپ کا لباس مجھے شک میں مبتلا کر رہا ہے۔ بڑا مشکل ہے آج کل فوری طور پر کسی پر اعتبار بھی تو نہیں کیا جا سکتا۔" انہوں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اپنی بات پوری کی۔

"میرا لباس تو اس گٹھڑی میں ہے' قمیص پتلون۔ یہ جو میں نے پہنا ہوا ہے یہ تو چوری کا ہے۔"

"چوری کا..... کیا مطلب ہے اس کا؟" انہوں نے پھر سوال کر دیا۔

میں نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چائے والے سے ذرا دور آنے کا اشارہ کیا اور اپنی کہانی مختصراً ان کے گوش گزار کر دی پھر میں نے کہا۔

"یہ جو چائے والا ہے مجھے لگتا ہے کہ میرے بارے میں ان لوگوں کو اطلاع کر چکا ہے۔ میں جسمانی اور ذہنی طور پر تھک چکا ہوں' میرے بدن میں کوئی جوڑ ایسا نہیں جو دکھ نہ رہا ہو' نہ سویا ہوں اور نہ کھانا کھایا ہے۔ بیس بائیس گھنٹے ہو چکے ہیں اور سنا ہے کہ بس بھی خراب ہوگئی ہے پتا نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

آ رہے گی بھی یا نہیں؛ وہ لوگ مجھے پکڑ لیں گے۔" ان صاحب نے مجھے ایک بار غور سے دیکھا اور پھر اپنی کار کی طرف گئے انہوں نے اپنی بیگم سے کچھ بات کی اور پھر وہ چائے والے کے پاس گئے دو کاغذی کپ میں چائے لے کر واپس آ گئے اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کی بیگم نے اگلی سیٹ میرے لیے چھوڑ دی اور خود پیچھے والی سیٹ پر بیٹھ گئی انہوں نے کہا۔

"بھائی صاحب آپ بیٹھ جائیں۔ خالد نے کہا ہے کہ ہم کو فوراً روانہ ہونا ہے۔" وہ صاحب جن کا نام خالد تھا دوسری طرف سے آ چکے تھے ایک کپ انہوں نے اپنی بیگم کو اور دوسرا مجھے تھما دیا اور عجلت کے ساتھ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور جب تک میں نے چائے کی پیالی سے ایک دو ہی چسکیاں لی تھیں' گاڑی کی رفتار بہت تیز ہو چکی تھی اس سڑک کی حالت کو دیکھتے ہوئے اچھی خاصی تیز......

تھوڑی ہی دیر میں ہم شاہراہ پر پہنچ گئے' پتا نہیں کب لاڑکانہ پہنچے جہاں کھانے پینے کی کچھ چیزیں انہوں نے لیں' پیٹرول بھروایا اور پھر وہی رفتار۔ اس بڑی سڑک پر نہ جانے کیوں تحفظ کا احساس زیادہ تھا اور میں اتنا مطمئن ہو گیا کہ گہری نیند سو گیا۔ ایک دو بار جب آنکھ کھلی تو ان کو سڑک پر نظریں جمائے انہماک سے گاڑی چلاتے ہوئے ہی پایا' نہ وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور نہ ہی شاید انہوں نے اپنی بیگم سے کوئی بات کی ہوگی۔ ان کے پہلو والے دروازے کی جیب سے پستول کا دستہ نظر آ رہا تھا اور پچھلی سیٹ سے ان کی بیگم کی زیر لب دعائیں کرنے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دے رہی تھی۔

ہم دادو پہنچے تو خالد صاحب نے مجھ سے گھر کا فون نمبر لے کر میرے گھر خیریت سے مطلع کیا میں نے بھی مختصر بات کی تا کہ گھر والوں کو مزید اطمینان ہو جائے۔ رات ہم نے ایک ہوٹل نما ریسٹ ہاؤس میں گزاری' دونوں میاں بیوی تھوڑا بہت سوئے جبکہ میں نے زیادہ تر وقت ایک کونے میں اپنی تمام قضا نمازیں ادا کرنے میں گزارا۔ اگرچہ دو کمرے لیے تھے لیکن حفاظت کے خیال سے سب ایک ہی کمرے میں رہے۔ خالد صاحب کے ساتھ سفر کے دوران بعض دفعہ میرے ذہن سے بالکل نکل جاتا تھا کہ کن حالات سے گزر کر میں وہاں تک پہنچا تھا جبکہ ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ گاڑی ریسٹ ہاؤس سے ہٹ کے ایک محفوظ جگہ دیکھ کر پارک کی تھی صبح روانہ ہو کر دوپہر تک ہم کراچی پہنچ گئے۔

میرے عزیزوں نے بچوں کو مشورہ دیا تھا کہ پولیس کو اطلاع کرنے سے پہلے اغواء کاروں کے فون کا انتظار کر لیا جائے۔ ممکن ہے وہ سمجھ رہے ہوں کہ میں ناراض ہو کر گھر سے چلا گیا ہوں یا پھر وہ مروجہ طریقے پر عمل کر رہے ہوں گے۔ مجھے تو خوشی اس بات کی تھی کہ بچے بہت دیر پریشان نہیں ہوئے میں نے ابھی تک شاید بیوی کا ذکر نہیں کیا۔ میں جب گھر والے کہتا ہوں تو اس کا مطلب ہوتا ہے بچے اور بچوں کی ماں اور جب بچے کہتا ہوں تو اس کا مطلب بھی وہی ہوتا ہے۔ میں نے جب پوری کہانی سب کو سنائی تو سب ہی بہت خوف زدہ بھی ہوئے اور حیران بھی۔ بچوں نے تو مجھے ہیرو مان لیا مگر میں نے انہیں تاکید کر دی ہے کہ باہر سب کے سامنے کسی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے بس اتنا کہہ دینا کا بھولا (اغواء شدہ) اگر تیسرے دن گھر آ جائے تو اس کو بھولا (اغواء شدہ) نہیں کہتے۔

خالد صاحب' میرے محسن...... اب میرے بہت اچھے دوست ہیں' انہوں نے جرأت کا مظاہرہ کیا۔ میرا یقین کیا اور خطرات کی پروا نہ کرتے ہوئے میری مدد کو تیار ہو گئے یہاں تو حال یہ ہو گیا ہے کہ اگر آپ راستہ پوچھنے کو کسی گاڑی کو اشارہ کریں تو لوگ شیشہ نہیں اتارتے اور گاڑی آگے بڑھا دیتے ہیں۔ وہ بھی کیا کریں حالات ایسے ہی ہیں بہرحال خالد صاحب کو میں ہیرو مانتا ہوں جبکہ وہ کہتے ہیں کہ اصل ہیرو آپ ہیں' آپ جو اغواء کاروں کو جل دے کر فرار ہو گئے۔ پیدل' سائیکل پھر بذریعہ کشتی...... اگر سائیکل' کشتی اور پھر لباس سب کچھ چوری کا تھا اب بتائیے کہ ہیرو کون......؟

اپنی جان بچانے والا یا دوسرے کی...... مجھے امید ہے آپ بھی میری طرح خالد صاحب کو ہی ہیرو مانیں گے۔

خالد صاحب جب بھی اپنی زمینوں پر پیسوں کی وصولی یا حساب کتاب کے لیے جاتے ہیں تو ازراہ مذاق مجھے چلنے کی دعوت دیتے ہیں اور میں ہمیشہ ہنس کر ٹال دیتا ہوں۔ میں اس طرف جانا بالکل پسند نہیں کرتا' لاشعوری طور پر ایک خوف میرے دل میں بیٹھ گیا ہے۔

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ایڈ فری لنکس

ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

ناولز اور عمران سیریز کی مکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

http://paksociety.com

Downloaded from https://paksociety.com

تیری چاہ میں

شہباز اکبر الفت

شادی اس کے مطالبے اور پسند کے مطابق ہو رہی تھی پھر
بھی وہ اچانک اسٹیج سے غائب ہو گئی تھی۔
ایک نہ سمجھنے والا معمہ جب اس کا عقدہ کھلا تو...

فارغ لمحوں کے لیے ایک ہنستی مسکراتی تحریر

ایک طرف وڑائچ ہاؤس میں آج خوشیوں کے شادیانے بج رہے تھے، محل نما گھر دلہن کی طرح سجا ہوا تھا، برقی قمقموں نے پورے گھر کو بقعہ نور بنا دیا تھا، وسیع لان میں خوبصورت اسٹیج کے سامنے ترتیب وار ٹیبل لگائے گئے تھے اور ویٹرز مہمانوں کو کھانا سرو کرنے کی تیاری کر رہے تھے اور دوسری طرف وڑائچ ہاؤس کے ہی ایک کونے میں سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی، اس کمرے میں جہاں تھوڑی دیر پہلے ہی سجائی دلہن بیٹھی رسومات کے مکمل ہونے اور پیا کے ساتھ جانے کیلئے تیار بیٹھی ہوئی تھی لیکن اب۔

کمرہ خالی تھا اور دلہن غائب

آج شہر کے معروف بزنس مین چوہدری سجاد وڑائچ کی بیٹی ماہ نور کی شادی تھی جو اس کے پھوپھی زاد میکال حسن کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے منائی جا رہی تھی۔ چوہدری سجاد وڑائچ ہوزری اور ٹیکسٹائل کی صنعت سے وابستہ تھے جن کی فیکٹری میں تیار ہونے والا سارا مال ایکسپورٹ ہوتا تھا، ماہ نور ان کی اکلوتی بیٹی تھی جس نے حال ہی میں ایم اے فائن آرٹس کی ڈگری حاصل کی تھی جبکہ میکال حسن ان کی بہن شادو بانو کا بڑا بیٹا تھا جس نے انگلینڈ سے قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کئی سال وہاں وکالت کی پریکٹس کی اور اب پاکستان واپس آ کر اپنا چیمبر قائم کر لیا تھا، ماہ نور اور میکال بچپن کے دوست تھے، پھر پتہ ہی نہ چلا کہ کب یہ دوستی پیار میں تبدیل ہو گئی، تاہم ایسا میکال کی وطن واپسی کے بعد ہوا تھا دونوں میں پہلے فون پر رابطہ، کبھی باتیں اور آہستہ آہستہ ملاقاتیں بھی شروع ہو گئیں اور آخر ایک دن ماہ نور نے جھجکتے سے اپنی ماں کے کان میں اپنی پسند کا اظہار کر دیا، ماں کو جھٹکا لگا، وہ ماہ نور کے لیے اپنی بہن کے بیٹے شاہ ریز کو پسند کر چکی تھیں اور ماہ نور کی تعلیم مکمل ہونے کی منتظر تھیں، ماں نے انکار کیا تو ماہ نور نے کچھ کھا کر مر جانے کی دھمکی دے دی، سرگوشیوں میں شروع ہونے والی یہ بات ہوا کے دوش پر گردش کرتے ہوئے چوہدری سجاد وڑائچ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی اور انہوں نے فوراً اپنی بیٹی کے فیصلے کی نہ صرف توثیق کر دی بلکہ اپنی بہن کو فون کر کے رشتے کی بات فائنل کرنے کیلئے گھر بلا لیا اور یوں جھٹ منگنی پٹ بیاہ والے محاورے کی طرح آج ان دونوں کی شادی تھی، میکال دلہا بنا اسٹیج پر بیٹھا ہوا تھا، قریبی عزیز اس کے ساتھ والی کرسیوں پر براجمان تھے، صرف اس کے ساتھ والی کرسی خالی تھی جہاں ایک ایک کر کے مہمان آتے، مبارکباد دیتے اور تصاویر بنوا کر واپس اپنی سیٹ پر چلے جاتے، تھوڑی دیر میں مولوی صاحب آئے اور نکاح کی رسم ادا کی، اس کے بعد چوہدری سجاد وڑائچ نکاح خواں کو لے کر دلہن کے کمرے کی طرف بڑھے تاکہ ایجاب قبول کرنے کا مرحلہ طے کیا جا سکے، تاہم دلہن کے کمرے میں داخل ہوتے ہی ان کا دل دھک سے رہ گیا،

"یہ نہیں ہو سکتا؟" وہ بڑبڑائے اور سوچ میں پڑ گئے، ان کی تربیت میں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی تھی اور ماہ نور کی شادی انہوں نے اسی کی پسند اور مرضی سے طے کی تھی پھر اس نے اتنا بڑا اور غلط اقدام کیوں اٹھایا؟

Downloaded from https://paksociety.com

''شاہ بانو، شاہ بانو'' دو اپنی بیگم کو آوازیں دینے لگے۔

''کیا ہوا جی؟ خیر تو ہے؟'' وہ ان کے لہجے سے گھبرا گئیں، پہلے انہوں نے خالی کمرے کو دیکھا اور پھر نکاح خواں کو، ان کی بھی سمجھ میں نہ آیا کہ معاملہ کیا ہے؟

''ماہ نور کہاں ہے؟'' چوہدری سجاد وڑائچ نے حتی الامکان اپنے لہجے کو پرسکون رکھنے کی کوشش کی لیکن پریشانی ان کے بشرے سے صاف عیاں ہو رہی تھی

''ابھی ادھر ہی تھی، میں نے خود دیکھا تھا'' شاہ بانو نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی لیکن ان کا لہجہ بھی نوٹ رہا تھا

''دلہن کے پاس بھی کسی کو ٹھہرنا چاہئے تھا اور یہ ذمہ داری آپ کی تھی۔'' چوہدری سجاد وڑائچ کے لہجے میں بتدریج سختی آتی چلی گئی

''اب مجھے کیا پتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے، آپ کی لاڈلی، آپ نے ہی سر چڑھایا ہوا تھا، ہر خواہش پوری کی، ہمیشہ ہاں میں ہاں ملائی، شادی تک اس کی مرضی سے طے کی، مجھے تو ہمیشہ ایسے رکھا کہ جیسے میں اس کی سوتیلی ماں ہوں۔'' شاہ بانو کو بھی دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

''سب خیر تو ہے نا؟'' اب کی بار مولوی صاحب نے بھی آہستگی سے پوچھ لیا جو کتنی ہی دیر سے صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے

''جی'' چوہدری سجاد وڑائچ نے آہستگی سے جواب دیا، اتنی دیر میں گھر کے ملازم اور وہ لڑکیاں بھی واپس آ گئی تھیں جو دلہن کے پاس بیٹھی تھیں، اب مولوی صاحب کے لیئے ایک کرسی لگا دی گئی اور پورا گھر دلہن کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا، گھر کی چھت، منڈیر، تمام کمرے، حتی کے باتھ روم تک دیکھ لیا یا لیکن دلہن کا کچھ پتہ نہیں چلا، اسی دوران کسی نے باہر جا کر میکال کے کان میں بھی یہ بات ڈال دی کہ دلہن اپنے کمرے میں نہیں ہے، وہ بھی واش روم جانے کے بہانے اندر آ گیا، کمرے میں گہری خاموشی تھی، تھک ہار کر سب واپس اسی کمرے میں آ گئے تھے لیکن کوئی بول نہیں رہا تھا، چوہدری سجاد وڑائچ مایوسی کی تصویر بنے بیٹھے تھے، ان کے چہرے سے ہوائیاں اڑ رہی تھیں، باہر مہمانوں میں ہر طبقہ فکر سے شہر کے معززین اور کاروباری افراد موجود تھے، یہ اطلاع اگر باہر چلی جاتی کہ دلہن گھر سے بھاگ گئی ہے تو ان کی ساری عزت، ساکھ اور غرور خاک میں مل جاتا، میکال کی سمجھ میں کچھ اور تو نہ آیا لیکن اس نے آگے بڑھ کر اپنے ماموں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر ان کے کندھے تھپتھپائے اور کھوکھلی سی آواز میں بولا

''ماموں آپ پریشان نہ ہوں، سب ٹھیک ہو جائے گا'' ابھی الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ اسی وقت ماہ نور کمرے میں داخل ہوئی، پہلے تو وہ دروازے کے پاس رک کر ٹھٹکی، پھر نکاح خواں کو دیکھ کر، تیزی سے چلتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی اور گھونگھٹ نکال لیا، سب نے اطمینان کا سانس لیا، نکاح خواں نے ایجاب قبول کروانے کی ذمہ داری پوری کی، نکاح نامے پر دستخط لئے اور ہر طرف مبارک، سلامت کا شور مچ گیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

صفیہ انور صفی

تحریر و ترتیب: یاسمین صدیق

صفیہ انور صفی صاحبہ شاعرہ اور ناول نگار ہیں۔ ان کی ایک کتاب "مجھے تمہوں سے پیار ہے" شائع ہو چکی ہے۔ پردادی امی نے ان کا نام رکھا۔ بچپن میں ہی بابا اور ماں کی وفات ہو گئی۔ حاصل زندگی میں وہ لمحات جو ماں کے ساتھ گزارے۔ آپ کی تعلیم ایم اے اردو، بی ایڈ ہے۔ اپنی شاعری کے علاوہ دوسرے شاعرہ پروین شاکر اور شاعر ناصر کاظمی پسند ہیں۔ آٹھویں جماعت سے ہی شاعری کی طرف رجحان رہا۔ پہلی بار آپ کا کلام کالج کے میگزین میں چھپا تھا۔ نثر اور شاعری دونوں میں لکھ رہی ہیں۔ شاعری کی کتاب کے بعد اب ایک ناول زیر طبع ہے۔

شادی شدہ ہیں۔ ماں ہے۔ خاوند رضوان احمد ربانی نے ان کے شوق کی تکمیل کے لیے ان کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ صفیہ انور صفی نے بہت سادہ انداز میں اپنے دلی احساسات و جذبات کی بھرپور عکاسی کی ہے۔

انہوں نے چھوٹی بحر میں بہت خوبصورتی سے ادبی فن پارے تخلیق کیے ہیں۔ بڑے بڑوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

وہ اردو ادب میں مرد و عورت کی تخالف نہیں، اسے بہت بڑا المیہ قرار دیتی ہیں۔ ادب کو دو نہیں۔ کہتی ہیں لفظوں کا استعمال ایسا ہو کہ بات دل میں اتر جائے۔ ہر وقت میں لفظوں کا استعمال بہترین ہونا چاہیے۔ وقت و حالات شاعری کی طرف لائے۔ مقصد اپنا تخلیقی سفر ہے۔

ان کا پیغام ہے۔ زندگی میں سب مل جاتا ہے، بس اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ تمام دنیا پیاری ہے، محبت اور امید کا دامن کبھی نہ چھوڑیں۔

ان سے گفتگو میں محسوس ہوا کہ وہ ادبی طور پر دوسرے لکھنے والوں کو تلقین کرتی ہیں، رہنمائی بھی کرتی ہیں۔ صفیہ انور صفی نئے لکھنے والوں کو ترغیب دیتی ہیں کہ ان کے لکھنے میں تسلسل اور خوبصورتی پیدا ہو۔

ان کو اردو ادب سے لگاؤ ہے۔ اگر ان کا یہی لگاؤ اور محنت جاری رہی تو بہت جلد اپنے گرد قارئین کا ایک وسیع حلقہ بنانے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کلام میں مزید نکھار پیدا کرے۔ آمین

☆☆☆☆☆

پھوپھو کا گھر ماہ نور کیلئے نیا نہیں تھا، اس کا بچپن اسی گھر کے لان میں کھیلتے کودتے، ہلا گلا کرتے گزرا تھا، جہاں اس کی شرارتوں کا سب سے بڑا نشانہ میکائل بنتا اور میکائل کے بدلے اس کی چھوٹی بہن صبا لیتی جو خود آفت کی پرکالہ تھی اور ایسے مواقع پر ماہ نور ہمیشہ رونی صورت بنا کر پھوپھو کے پاس پہنچ جاتی اور پھوپھو اپنی لاڈلی بھانجی پر صدقے واری ہوتی صبا اور میکائل کی کلاس لے لیتیں اور ماہ نور اس دوران موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دوڑ کر اپنے گھر واپس آجاتی جو چند ہی قدموں کے بعد واقع تھا، ماہ نور میکائل کی شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی صبا اور شاہ ویز کی بھی شادی ہو گئی، یہ رشتہ بھی ماہ نور کے بابا نے ہی کروایا تھا، شاہ ویز سافٹ ویئر انجینئر تھا اور صبا کو پسند بھی کرتا تھا لیکن شرمیلا ہونے کی وجہ سے چپ رہا، ادھر اس کی ماں ماہ نور کو اپنے بیٹے کی دلہن بنانے کے خواب دیکھ رہی تھی لیکن ماہ نور کی شادی کے بعد ایک دن اس نے بھی موقع دیکھ کر ماں کو بیٹے کی پسند سے آگاہ کر دیا، اس کی ماں نے اپنی بہن شاہدہ بانو سے بات کی اور بیگم شاہدہ بانو نے اپنے شوہر چوہدری نیاز دوراں سے، کسی کو بھی اس رشتے سے انکار نہیں تھا لہٰذا شاہ ویز اور صبا کی شادی بھی دھوم دھام سے ہوئی جس کے سارے انتظامات ماہ نور

Downloaded from https://paksociety.com

اور میکال نے اپنے ہاتھ میں رکھے اور کسی چیز کی کمی نہ ہونے دی، شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی میکال اور ماہ نور تین ماہ کیلئے یورپ کے ہنی مون ٹور سے بھی ہو آئے، یہ تین ماہ ماہ نور کیلئے کسی خواب کی مانند تھے، میکال بہت اچھا اور احساس کرنے والا شوہر تھا، اس کی ڈریسنگ سے لے کر جیولری اور کھانے پینے سے لے کر اس کے آرام تک کا پورا خیال رکھتا، وطن واپسی کے بعد ماہ نور نے گھر گرہستی سنبھال لی اور میکال نے اپنا چیمبر دونوں کیلئے زندگی بہت سہل ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆

ایک دن شاہ ویز اور صبا ان کے گھر آئے ہوئے تھے اور ڈنر کے بعد سب لان میں بیٹھ کر چائے کی چسکیاں لگاتے ہوئے گپ شپ کرنے میں مصروف تھے کہ اچانک شاہ ویز نے ماہ نور سے پوچھا۔

''بھابھی آپ شادی والے دن، عین نکاح کے وقت کہاں غائب ہو گئی تھیں؟'' صبا سے شادی کے بعد وہ بھی ماہ نور کو بھابھی ہی کہنے لگا تھا۔

''تم سے کس نے کہا؟'' ماہ نور نے اسے گھورا۔

''صبا نے۔'' شاہ ویز نے فوراً ہی بھانڈہ پھوڑ دیا۔

''جھوٹے، میں نے کب کہا؟'' صبا بھی صبا تھی، جل ککڑی، اپنے پروں پر پانی کہاں پڑنے دیتی، فوراً مکر گئی اور شاہ ویز کھسیانا سا ہو کر ہنسنے لگا، تبھی میکال کی گاڑی اندر داخل ہوئی اور موضوع تبدیل ہو گیا، اسی لمحے ماہ نور کو میکال پر بےحد پیار آیا، میکال نے شادی کے بعد آج تک شادی کے دن والے واقعہ کا دوبارہ تذکرہ نہ کیا تھا اور نہ ہی کوئی استفسار، اسے ماہ نور پر بہت بھروسا تھا، ایک لمحے کیلئے اس کے دل میں آیا کہ اسے ساری بات کھل کر بتا دے، پھر اپنی ہی سوچ پر اسے ہنسی آ گئی، اسے اصل بات کا پتہ چل گیا تو پتہ نہیں کیا سوچے؟ کوئی غلط بات تو نہیں تھی لیکن اس کا مذاق تو ضرور بن جاتا تھا، ماہ نور نے ارادہ بدل دیا۔

☆☆☆☆☆

اس دن میکال چیمبر سے واپس آیا تو ماہ نور کا بدلا ہوا روپ دیکھ کر حیران سا رہ گیا، آج وہ بات بات پر شرما رہی تھی اور اس سے نظریں بھی نہیں ملا رہی تھی۔

AANCHALPK.COM
تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے
آج ہی قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں
ماہنامہ آنچل
ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ
گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے
جو آپ کی آسودگی کا باعث ہو سکتا ہے اور وہ ہے اور صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں۔
چاہت و محبت کے موضوع پر لکھی ایسی دلکش تحریر جو آپ کی دل کی دنیا میں ہلچل کر دے
معاشرے کے تلخ حقائق کی عکاسی کرتا ناز رنگ کا ناول جو آپ پر بہت سی حقیقتیں آشکار کردے گا
خاندانی اختلافات و جھگڑوں کے پس منظر میں لکھا اقرا صغیر کا بہترین ناول جو آپ کی سوچ کو ایک نیا رخ عطا کردے
AANCHALNOVEL.COM
کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں رجوع کریں 021-35620771/2

Downloaded from https://paksociety.com

"بیگم خیریت تو ہے؟" میکال نے اسے روک کر پوچھا جو ٹیبل پر اس کیلئے کھانا لگانے میں مصروف تھی

"جی جی خیریت ہی ہے۔" اس نے چکن قورمہ کا باؤل ٹیبل پر رکھ کر آہستہ سے کہا۔

"پھر بھی، کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے" میکال نے ہنس کر کہا۔

"آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے؟" اس نے پلٹ کر پوچھا۔

"کیونکہ بدلے بدلے سے سرکار نظر آتے ہیں" میکال بدستور ہنس رہا تھا۔

"سنجیدہ ہو جائیں بیرسٹر صاحب اب آپ بچے نہیں رہے۔" ماہ نور نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"جب تک میرے بچے نہیں ہو جاتے، میں تو بچہ ہی رہوں گا۔" میکال نے بے پروائی سے کہا۔

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ اب سنجیدہ ہو جائیں۔" وہ بدستور سنجیدگی سے بولی

"کیا مطلب۔" میکال نے استفسار کیا۔

"مطلب یہ کہ اب آپ کا بچپنا ختم ہونے کے دن آرہے ہیں۔" ماہ نور نے سادگی میں ہی راز فاش کر دیا، میکال کچھ دیر تو ہکا بکا اس جملے کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتا رہا اور جونہی اس کی سمجھ میں آیا کہ ماہ نور نے اسے باپ بننے کی نوید سنائی ہے، اس نے خوشی سے نہال ہو کر ماہ نور کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

☆☆☆☆☆

میکال ایک ذمہ دار اور پیار کرنے والا شوہر تو تھا ہی، اب اس نے ماہ نور کا مزید احساس کرنا شروع کر دیا، ایک عرصہ تک انگلینڈ میں تنہا رہنے کی وجہ سے اسے کافی حد تک کوکنگ میں بھی مہارت تھی، خاص طور پر چائے اور کافی تو کمال کی بناتا، وہ خود کافی پیتا لیکن اکثر ماہ نور کو اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر دیتا تھا جس کی وہ ہمیشہ خود فرمائش کرتی تھی، گھر میں نوکروں کی کوئی کمی نہ تھی اس کے باوجود وہ ہمیشہ جلدی آجاتا اور اس کیلئے گائناکالوجسٹ کی ہدایت پر خود پرہیزی کھانا تیار کرتا، اکتوبر کی ایک چمکیلی اور خنک صبح، اتوار کے روز وہ دونوں ٹیرس پر بیٹھے باتیں کرنے میں مصروف تھے، میکال کے ہاتھ میں کافی کا مگ تھا اور ماہ نور کیلئے وہ نیم گرم دودھ کا گلاس بھر لایا تھا، میکال نے باتوں باتوں میں اس سے اچانک ہی پوچھ لیا کہ اسے پہلی بار کب احساس ہوا تھا کہ اسے محبت ہوتی ہے، ماہ نور ٹالنے والے انداز میں ہنسنے لگی۔

"یہ کوئی سوال ہے بھلا؟"

"ہاں، یہی سوال ہے اور مجھے اس کا جواب چاہئے۔" اس نے روٹھنے والے انداز میں کہا۔

"میں نہیں بتا رہی۔" ماہ نور ہنسنے لگی۔

"اور میں پوچھ کر رہوں گا۔" میکال نے پرعزم لہجے میں کہا۔

"خوش فہمی ہے جناب کی۔" ماہ نور نے اسے چھیڑا۔

"آخر بتانے میں حرج ہی کیا ہے؟" میکال نے احتجاج کیا۔

"آخر پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" ماہ نور نے اس کی نقل اتاری۔

"چلو، کسوٹی کھیلتے ہیں، جو آپشن درست ہوا، تم او کے کر دینا۔" میکال نے بظاہر ہتھیار ڈالتے ہوئے پینترا بدلا۔ ماہ نور ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر رضامندی ظاہر کر دی۔

"جب میں وطن واپس آیا اور تم نے مجھے ائرپورٹ پر دیکھا تب؟"

"نہیں۔"

"جب میں آپ لوگوں کے گھر آیا اور ماموں کے پاس بیٹھ کر تمہاری بچپن کی شرارتوں کے واقعات سنائے؟"

"نہیں۔"

"جب تم سے تمہارا سیل نمبر مانگا؟"

"نہیں۔"

"جب تمہیں دوستی کی آفر کی؟"

"نہیں۔"

"جب ہم پہلی بار لانگ ڈرائیو پر گئے؟"

"جب میں نے ویلنٹائن پر تمہیں سرخ گلاب کا پھول اور احمد فراز کی کتاب جاناں جاناں دے کر اظہار محبت کیا تھا؟"

"نہیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"جب تمہیں شادی کے لئے پروپوز کیا؟"

"نہیں۔"

"نہیں، نہیں، ہر بات پر نہیں، مطلب کیا ہے تمہارا؟ تمہیں مجھ سے پیار بھی ہے کہ نہیں۔" میکال تقریباً خفا ہی ہوگیا۔

"میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں میکال، اتنا پیار کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے، صرف پیار ہی نہیں، مجھے عشق ہے آپ سے، آپ جنون ہو میرا، تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی، آج میں آپ کے پاس، آپ کے نام سے جیتی ہوں، یہ محبت عطا ہوئی ہے، آپ نہ ملتے تو سچ میں مر ہی جاتی۔" ماہ نور روانی میں کہتی چلی گئی اور اس کے ٹپ ٹپ آنسو گویا میکال کے دل پر گرنے لگے، وہ تڑپ سا گیا۔

"مجھے تمہارے پیار پر کوئی شک نہیں، اب نہیں پوچھوں گا، پلیز رونا مت؟"

"میں بتاتی ہوں لیکن پلیز میرا مذاق مت اڑانا" ماہ نور نے تصدیق طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو میکال نے ہامی بھرلی۔

"یہ اس دن کی بات ہے جب آپ نئے نئے وطن واپس آئے تھے اور میں صبا سے ایک بک لینے آپ کے گھر آئی تھی اور بک لے کر واپس جانے لگی تو آپ نے روک لیا کہ چائے پی کر جانا، میں اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر پلاتا ہوں اور آپ نے یہ بھی بتایا کہ آپ چائے بہت اچھی بناتے ہیں۔" وہ آہستہ آہستہ بتانے لگی۔

"پھر؟" میکال نے متجسس ہوکر پوچھا۔

"پھر کیا، آپ نے چائے بنائی، میں آپ اور صبا نے مل کر پی، چائے بہت ہی مزے کی تھی، آپ کو شاید پتہ نہیں کہ میں بہت چائے پیتی ہوں، آپ مجھے چائے کی دیوانی بھی کہہ سکتے ہیں، آپ کے ہاتھ کی بنی چائے اتنی مزیدار تھی کہ سیدھی میرے دل میں اتر گئی اور چائے کے ساتھ ساتھ آپ بھی۔"

"مطلب، تم چائے کی دیوانی ہو، میری نہیں۔" میکال کا ہنس ہنس کر برا حال ہوگیا۔

"ایسا ہی سمجھ لیں۔" ماہ نور بھی چڑ گئی۔

"اوکے، اوکے، میں سوری۔" میکال نے سنجیدہ سی شکل بنانے کی کوشش کی لیکن ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہوگیا، یہ دیکھ کر ماہ نور کو بھی ہنسی آ گئی اور پھر دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر قہقہے لگانے لگے، اسی دوران چوہدری سجاد وڑائچ، بیگم شاہ بانو، شاہ ویز، صبا اور میکال کی امی بھی ٹیرس پر آ گئے، چھٹی کے دن اکثر ہی یہ لوگ آ جاتے اور کبھی میکال اور ماہ نور ان کی طرف چلے جاتے تھے، چوہدری سجاد وڑائچ نے اپنی بیٹی کو اتنا خوش دیکھا تو بہت خوش ہوئے، ماہ نور نے ان لوگوں کو بھی ساری بات بتا دی۔

"لیکن ایک بات تو کسی نے آج تک پوچھی ہی نہیں۔" ماہ نور نے اچانک کہا تو سب سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"وہ کیا ماٹو؟" چوہدری سجاد وڑائچ نے پوچھا، وہ پیار سے ماہ نور کو ماٹو ہی کہا کرتے تھے۔

"وہ یہ کہ شادی والے دن، نکاح کے وقت میں کہاں غائب ہوگئی تھی؟" ماہ نور نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

"یہ بھی خود ہی بتادو۔" میکال نے کہا۔

"میں کچن میں چلی گئی تھی، پارلر سے آنے کے بعد مسلسل تین گھنٹے بیٹھ بیٹھ کر میری ہمت جواب دے گئی تھی، اوپر سے چائے کی شدید طلب، میں نے کچن میں جا کر چائے بنائی اور مزے سے پیتی رہی، اب مجھے کیا پتہ کہ باہر کیا ہنگامہ کھڑا ہوگیا ہے" ماہ نور نے مزے سے بتایا تو سب کا ایک بار پھر ہنس ہنس کر برا حال ہوگیا، اچانک میکال اٹھا اور دودھ کا گلاس اٹھا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھا، ماہ نور نے حیران ہوکر اسے پکارا۔

"آپ کہاں چل دیئے؟"

"دودھ میں پتی ڈالنے۔" میکال نے سنجیدگی سے جواب دیا تو فضا میں ہر طرف قہقہے بکھر گئے۔

Downloaded from https://paksociety.com

ڈیول

زرین قمر

کبیر احمد فاروقی کوئی عام نوجوان نہیں تھا وہ ماں کے پیٹ سے ذہن پڑھنے کی خداداد صلاحیت لے کر پیدا ہوا تھا۔ خطرے کا احساس اسے وقت سے پہلے ہو جاتا تھا لیکن اس کی سترہویں سالگرہ پر اسے احساس ہوا کہ وہ کتنا مختلف ہے پھر ایک حادثے نے اسے احساس دلایا کہ اسے اپنی خداداد صلاحیت کو بڑھانے کی ضرورت ہے ورنہ اس کا جینا ناممکن ہوگا۔ چنانچہ اس نے اپنی صلاحیتوں کو بڑھانا شروع کر دیا اور سپر ہیرو بن گیا لیکن کوئی نادیدہ قوت تھی جو اسے مارنا چاہتی تھی۔

اس کہانی کے تمام کردار، جگہیں اور واقعات رائٹر کے ذہن کا تخیل ہیں اور کسی سے ان کی مماثلت صرف اتفاقیہ ہوگی۔

Downloaded from https://paksociety.com

Downloaded from https://paksociety.com

نہ صبح تھی نہ رات نہ روشنی تھی نہ اندھیرا عجب جھٹپٹا سا تھا۔ چیزیں نظر بھی آ رہی تھیں لیکن واضح بھی نہیں تھیں۔ وہ درختوں کے سائے میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ درختوں کے سبز سائے اندھیرے اجالے جھٹپٹے میں عجب سماں پیدا کر رہے تھے کہیں کہیں درختوں سے چھن چھن کر تھوڑی روشنی کی کرنیں نیچے پڑ رہی تھیں اس کے کانوں میں جنگل کے پرندوں کی چہکار گونج رہی تھی اچانک قریب ہی سے کوئی پرندہ اڑا جس کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سمیر نے واضح طور پر محسوس کی اور اسی لمحے اس کے سامنے موجود ایک تناور درخت کی اوٹ سے گلابی رنگ کا آنچل لہرایا اس نے پرتجسس نظروں سے ادھر دیکھا ایک نازک اندام حسینہ گلابی ملبوس میں اس درخت کے پیچھے سے نمودار ہوئی اس کے لمبے سیاہ بال اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے کے نقوش واضح نہیں تھے شاید جنگل میں موجود دھند نے انہیں قدرے چھپا دیا تھا' وہ ہوا میں تیرنے والے انداز میں آگے بڑھ رہی تھی سمیر نے چند قدم تیزی سے اٹھائے لیکن وہ ہیولا غائب ہو گیا۔ سمیر چند لمحے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا اور پھر کندھے جھٹک کر آگے بڑھا کچھ ہی دیر بعد وہی ہیولا پھر نمودار ہوا تھا اس بار ملبوس بالکل سفید تھا جو اس ہیولے کے حرکت کرنے کے ساتھ ساتھ فضا میں لہرا رہا تھا۔ اب بھی وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا تھا' پھر کئی بار وہ اسے نظر آئی ہر بار اس کا رنگ مختلف تھا وہ اسی سمت میں آگے بڑھ رہی تھی جدھر سمیر جا رہا تھا۔ اچانک کچھ دور جانے کے بعد وہ ہیولا غائب ہو گیا تھا سمیر حیران تھا کہ یہ کیا اسرار ہے وہ اس وقت خیال خوانی کے ذریعے ڈریم سینٹر کے ٹریننگ ونگ کے علاقے میں واقع گھنے جنگلوں میں سفر کر رہا تھا اس کا مقصد عالیہ کی ٹریننگ کا جائزہ لینا تھا پہلے اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن کمال سے بات کرنے کے بعد اس نے طے کیا تھا کہ وہ ایک یا دو بار عالیہ کی ٹریننگ کے دوران بھی صورت حال کا جائزہ لے گا تاکہ اس کی مہارتوں سے مطمئن ہو سکے' اس نے سرکاری طور پر اپنے وزٹ کا اہتمام کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا وہ عالیہ کو بے خبر رکھنا چاہتا تھا اس وقت وہ جس علاقے میں تھا وہاں سے کچھ ہی فاصلے پر عالیہ ٹریننگ ہال میں موجود تھی جہاں اس کے ساتھ اس کا انسٹرکٹر بشیر اور اسسٹنٹ انسٹرکٹر حامد علی بھی موجود تھے آج پہلے ہفتے کا آخری دن تھا ہال میں اس وقت تین رنگروٹس بھی موجود تھے اور انسٹرکٹر کی ہدایات کے منتظر تھے یہ ان کی پہلی فیلڈ ایکسرسائز تھی۔

"اس ایکسرسائز میں ایک نقلی لڑائی کی مشق کی جائے گی تم لوگ نہتے ہوگے اور تمہارے دشمن کے پاس نقلی گولیوں والا اسلحہ ہوگا۔ جس میں کلر کی بالز ہوں گی۔ تمہارے دشمن تعداد میں آٹھ ہوں گے' اس میں آمنے سامنے لڑائی ہوگی اور تمہاری ماہرانہ چالوں کا امتحان ہوگا اور اس میں تمہارا ٹیم ورک بھی چیک کیا جائے گا' تمہارا مقصد اپنے دشمن کو شکست دینا اور خود کو تمام چالوں سے بچانا ہوگا' صرف ایک کلر بال کے نقلی فائر کی اجازت ہوگی اگر کسی کو وہ لگ گیا تو اسے ناکام تصور کیا جائے گا۔ میں اور حامد تم پر نظر رکھیں گے وادی کے اونچے آپریشن روم سے' اب تم جا سکتے ہو اور جنگل میں اپنی اپنی پوزیشن سنبھال لو گڈ لک۔" بشیر نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی عالیہ' سرہند اور تنویر نے جنگل کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا اور بشیر اور حامد اوپر کی علاقے میں چلے گئے تھے جہاں آپریشن روم میں موجود عملہ ان کا منتظر تھا۔

عالیہ' سرہند اور تنویر اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھنے جنگل میں پرانے اور بڑے درختوں اور جھاڑیوں میں آگے بڑھتے چلے گئے تھے وہ رنگروٹس سے خود کو چھپانے کی کوشش بھی کر رہے تھے وہ بہت خاموشی سے بغیر کوئی آواز پیدا کیے آگے بڑھ رہے تھے اور اپنے دشمن کی موجودگی اپنے اطراف میں محسوس کرنے کی کوشش کر رہے تھے کچھ ہی دیر بعد وہ تقریباً پچاس فٹ اونچے ایک برج کے پاس پہنچ گئے تھے جو کنکریٹ کا بنا ہوا تھا۔

"احتیاط سے۔" اچانک عالیہ نے سب کو خبردار کیا وہ اس وقت برج کے نیچے سے گزر رہے تھے یہاں پر درخت اور جھاڑیاں نہیں تھیں اور وہ بالکل کھلی ہوئی جگہ میں تھے جہاں سے ان کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا اور وہ دشمن کی نظر میں آ سکتے تھے۔

"یہ وہ........ ہو سکتے ہیں۔" اچانک تنویر نے کہا وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا تھا' انہیں برج کے دوسری طرف سے

Downloaded from https://paksociety.com

پرندوں کے بولنے کی آوازیں آ آئی تھیں۔

"میرا خیال ہے وہ کوئی سگنل دے رہے ہیں۔" تنویر نے کہا۔

"نہیں وہ صرف پرندے ہیں۔" سرینہ نے کہا وہ عالیہ کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے اپنے خیال کی تائید چاہ رہی ہو۔ میں نے پچھلے دنوں محسوس کیا تھا کہ عالیہ میں اس سے اور دوسروں سے زیادہ صلاحیتیں ہیں وہ کسی کی موجودگی کو بہت فاصلے سے نوٹ کر لیتی ہے۔ وہ اپنے دشمن کی چال اس کے چلنے سے پہلے سمجھ جاتی ہے یہ قابل تعریف بات تھی اور خاص طور سے اس وقت میں اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔

"مجھے کچھ محسوس نہیں ہو رہا ہے۔" عالیہ نے کہا اور اس کے ساتھ ہی ان سب نے اطمینان سے برج کے نیچے سے گزرنے کا عمل پورا کرلیا۔ دوسری طرف پہنچنے کے بعد وہ پھر درختوں کی حفاظت میں پہنچ گئے تھے۔ اب ان کے سامنے جو راستہ تھا وہ موسم خزاں میں جھڑنے والے سوکھے پتوں سے بھرا ہوا تھا اس کے علاوہ کچھ درختوں کے تنے بھی پڑے ہوئے تھے۔ آگے پھر کچھ کھلی ہوئی جگہ آ گئی تھی۔

"رک جاؤ۔" اس بار عالیہ نے سرگوشی کی تھی اور ایسا اس نے اچانک ہی کیا تھا۔ سب نے اس کی بات پر عمل کیا تھا لیکن سب خاموش رہے تھے۔ وہ بغور اسے دیکھ رہے تھے وہ چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ انداز بہت محتاط تھا یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہی ہو کچھ لمحوں بعد وہ ان سب کی طرف مڑی اور ایک سمت دیکھ کر اشارہ کیا۔

"میرا خیال ہے وہ وہاں ہیں۔"

"ہمیں تھوڑی مہلت چاہیے تاکہ خود کو چھپا سکیں۔" سرینہ نے کہا لیکن اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی فائر کی آواز سنائی دی تھی اور عالیہ نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی تھی اور کلر بال اس کے پاؤں سے چند انچ کے فاصلے پر ہی گری تھی اس نے کلر بال آنے والی سمت میں دیکھا تھا۔ وہاں اسے دو نقاب بند شخص زمین پر لیٹے نظر آئے تھے ان کی رائفلوں کا رخ ادھر ہی تھا پھر چند ہی لمحوں میں عالیہ نے ان کے باقی چھ ساتھیوں کی جگہ کا بھی اندازہ لگا لیا تھا اور سب ایک دوسرے سے چند فٹ کے فاصلے پر پوزیشن سنبھالے ہوئے تھے اور ان کی رائفلیں فائر کے لیے تیار تھیں۔ اس لمحے سمیر بھی اپنے تصوراتی سفر کے دوران وہاں موجود تھا اس کی نظروں میں دونوں حریفوں کی پوزیشن واضح تھی لیکن اس نے کوئی مداخلت نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا وہ صرف اور صرف ان کی مہارتیں چیک کرنا چاہتا تھا اس کی توجہ خاص طور سے عالیہ پر تھی۔

"شٹ" تنویر نے افسوس سے کہا کیونکہ اس نے بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ تینوں اب رنگروٹس کے نشانے پر تھیں۔

"جاؤ..... تم آگے جھاڑیوں کی طرف جاؤ۔" عالیہ نے چیخ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"بریک" سرینہ نے بھی تیزی سے کہا اور سرینہ اور تنویر جھاڑیوں کی اوٹ میں جانے کے لیے بجلی سے آگے بڑھے۔ عالیہ ان کے پیچھے تھی لیکن وہ ان کے فائروں کی زد میں تھی مگر ان سے کامیابی سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی پھر وہ انہیں دھوکا دینے میں کامیاب ہو گئی تھی اور راستے کے دوسری جانب لگے چنار کے بڑے درخت کے پیچھے پہنچ گئی تھی پھر اس نے اپنی پشت درخت کے تنے کے ساتھ لگا دی تھی اور فائر بند ہو جانے تک وہیں چھپی رہی تھی۔ وہ لڑائی میں پہل نہیں کرنا چاہتی تھی اس وقت وہ صرف دفاع کر رہی تھی۔ حملہ اچانک ہوا تھا اور اسے یقین نہیں تھا کہ وہ انہیں کنٹرول کر سکے گی۔

کچھ دیر بعد فائر رک گئے تھے اور عالیہ نے اپنی ٹیم کی پوزیشن دیکھنے کے لیے اطراف کا جائزہ لیا تھا جب ان سے اس کی نظروں کا رابطہ ہوا تو عالیہ نے انہیں سگنل دیا کہ وہ پھیل جائیں اور دشمن کی پشت پر پہنچ جائیں ایک بار پھر ایک دشمن سے ہی تھیں سرینہ نے اس کا سگنل سمجھ کر اسے انگوٹھے سے ok کا اشارہ کیا اور اس کے بعد سب ایک دوسرے سے الگ راستوں پر بکھر گئے اور جنگل میں اور اندر کی طرف بڑھنے لگے۔

عالیہ بھی درختوں میں خود کو چھپاتے ہوئے اوپر کی طرف بڑھ رہی تھی زمین پر اس کے قدم بہت ہلکے اور آہستہ پڑ رہے تھے جیسے وہ ہوا میں چہل قدمی کر رہی ہو سمیر کی نظریں اسے تعریفی انداز میں دیکھ رہی تھیں عالیہ

Downloaded from https://paksociety.com

کا یہ روپ اس کے لیے نیا تھا عالیہ کے راستے میں درختوں کی سوکھی چھال موجود تھیں لیکن اس کے قدم اتنی آہستگی سے پڑ رہے تھے کہ ان پتوں کی چرمرانے کی آواز دشمن نہیں سن سکتا تھا جو اس کی موجودگی سے باخبر ہوسکے۔

چند ہی لمحوں میں وہ کافی اونچائی پر پہنچ گئی تھی اور پھر ایک جگہ رک کر کسی حرکت یا آواز کو محسوس کرنے کی کوشش کررہی تھی وہ بہت چوکنی تھی اور اپنی ساری صلاحیتوں کو بروئے کار لا رہی تھی۔ آخر کار اس نے اندازہ لگالیا اس کے داہنی جانب چند قدم کے فاصلے پر دو دشمن رنگروٹس زمین کے ساتھ چپکے ہوئے لیٹے تھے خود کو گھنی جھاڑیوں میں چھپایا ہوا تھا لیکن عالیہ کی نظروں سے نہیں چھپ سکے تھے۔ وہ بہت آہستگی سے ان کی طرف بڑھی تھی اور ان کی پشت پر پہنچ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ انہیں عالیہ کی موجودگی کا بالکل احساس نہیں ہوا تھا وہ کسی روح کی طرح حرکت کررہی تھی پھر اس کے دشمن کو بالکل موقع نہیں ملا تھا۔

"تم غلط سمت میں دیکھ رہے ہو۔" عالیہ نے پیچھے سے سرگوشی کی تھی اور وہ دونوں تیزی سے مڑے تھے لیکن انہیں اپنے دفاع کا موقع نہیں ملا تھا عالیہ نے ایک کے چہرے پر زور سے مکا مارا تھا اور وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا تھا اس کے ساتھ ہی دوسرے کے ہاتھ سے رائفل چھین کر ان دونوں پر ہی کلر بال سے فائر کردیے تھے۔

"مدد کرنے کا شکریہ۔" عالیہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور ان دونوں کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئی وہ دونوں اس کھیل سے آؤٹ ہوچکے تھے۔ چند لمحوں بعد عالیہ نے ایک فائر کی آواز سنی تھی یہ جنگل کے دوسری جانب سے آئی تھی اس کے بائیں جانب سے اسے تنویر کی غصے میں بھری آواز سنائی دی تھی۔ شاید اسے کلر بال نے ہٹ کیا تھا وہ تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی آواز کی سمت بھاگی تھی اور کچھ فاصلے پر اسے تنویر نظر آیا جسے سرینہ کھڑا کرنے کی کوشش کررہی تھی عالیہ نے بغور اطراف کا جائزہ لیا تو اسے دو دیگر رنگروٹس کچھ فاصلے پر پڑے نظر آئے۔

"سرینہ!" عالیہ نے آواز دی اور سرینہ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا۔

"سب ٹھیک ہے۔" سرینہ نے کہا عالیہ اطراف کا جائزہ لے رہی تھی ابھی چار رنگروٹس اور باقی تھے اور وہ انہیں نشانہ بنا سکتے تھے۔ وہ کہیں قریب ہی موجود ہوسکتے تھے اس نے سوالیہ نظروں سے سرینہ کی طرف دیکھا تو سرینہ نے اوپر کی سمت اشارہ کیا اور سرینہ نے اندازہ لگایا کہ وہاں تک پہنچنا مشکل تھا وہ نیچے علاقے میں تھے آگے کھلا حصہ تھا اور انہیں آسانی سے نشانہ بنایا جاسکتا تھا لیکن یہ ناممکن نہیں تھا۔ عالیہ نے سرینہ اور تنویر کو جھک جانے کا اشارہ کیا اور زگ زیگ میں بھاگتی ہوئی اوپر کی طرف جارہی تھی اس طرح خود کو خطرے میں ڈالتے ہوئے اس نے دشمن کی اصل جگہ کا اندازہ لگالیا تھا اور پھر خود کو زمین پر گرالیا تھا' پھر وہ قلابازیاں کھاتی ہوئی اس جگہ تک پہنچ گئی تھی جہاں تنویر اور سرینہ پوزیشن سنبھال چکے تھے۔

"ہائے۔" اس نے مسکراتے ہوئے تنویر سے کہا۔

"سوری عالیہ۔" تنویر نے خفگی سے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں اب ہمیں ان کی لوکیشن پتہ لگ گئی ہے۔" عالیہ نے جواب دیا۔

"تمہاری ٹیم کو سپورٹ کے لیے شکریہ۔" سرینہ نے کہا۔

"یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ عالیہ نے گن سرینہ کو پکڑاتے ہوئے کہا۔" مجھے کور کرو۔"

"ٹھہرو عالیہ' وہ چار ہیں' ان کی طرف اکیلے جانا خطرناک ہوگا۔" سرینہ نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"نہیں' کچھ نہیں ہوگا۔" عالیہ نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

"عالیہ ٹھہرو۔" تنویر نے بھی سرگوشی کی لیکن وہ آگے جاچکی تھی۔

بشیر اور حامد جنگل میں پہاڑیوں کے اوپری حصے میں کھڑے اپنی دوربین کی مدد سے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور عالیہ کی پھرتی اور چابکدستی پر حیران تھے۔

"یہ کیا کررہی ہے؟" حامد نے حیرت سے عالیہ کو دیکھتے ہوئے کہا جس نے اپنا بیگ کمر سے اتار کر نیچے رکھ دیا تھا اس کے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا اور وہ آگے بڑھ رہی تھی۔

"اس نے اپنا فالتو وزن اتار دیا ہے۔" بشیر نے کہا۔

"لیکن کیوں؟" حامد حیران تھا۔

"کیونکہ اس نے جو کچھ کرنے کا ارادہ کیا ہے شاید وہ

Downloaded from https://paksociety.com

اس وزن کی موجودگی میں نہیں کر سکتی ہو۔" بشیر احمد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ خودکشی کے مترادف ہے وہ ایک وقت میں ان چاروں کو زیر نہیں کر سکتی' اتنی دیر میں تو وہ فائر کر دیں گے۔" حامد نے کہا۔

"صبر کرو..... دیکھو وہ کیا کرتی ہے۔" بشیر نے کہا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ جانتا ہو کہ عالیہ کی اگلی چال کیا ہوگی۔

وہ دونوں بغور دیکھ رہے تھے عالیہ چھلانگیں مارتی جھاڑیوں کو عبور کر رہی تھی۔ وہ زگ زیگ بناتی ہوئی آگے کی طرف دوڑ رہی تھی اس نے چند سیکنڈ میں وہ فاصلہ عبور کر لیا تھا اور ایک جھاڑی کو آڑ بناتے ہوئے ان چاروں پر چھلانگ لگا دی تھی وہ اس حملے کے لیے پہلے سے تیار تھے لیکن اس نے اتنی پھرتی سے حملہ کیا تھا کہ انہیں اپنے ہتھیار سنبھالنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

"خدا کی پناہ۔" حامد نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

عالیہ نے چند سیکنڈ میں تین رینجرز کو زیر کر لیا تھا اور چوتھے نے اس پر فائر کی کوشش کی تھی جسے سرینہ نے ناکام بنا دیا تھا کیونکہ اس نے اپنی شاٹ گن سے اس کو نشانہ بنا لیا تھا۔

"یہ منظر دیکھ کر تمہیں کوئی یاد آیا؟" بشیر نے حامد سے پوچھا جو عالیہ اور اس کے دو ساتھیوں کو خوشیاں مناتے دیکھ رہا تھا وہ خوشی سے اچھل رہے تھے اور ایک دوسرے کو گلے لگا رہے تھے۔

"ہاں! مجھے یوں لگتا ہے جیسے ایک اور دسیم چارلی کا اضافہ ہو گیا ہے۔" حامد نے کہا۔

"عالیہ ایک بہترین فائٹر ہے۔" بشیر نے اپنا سر اثبات میں ہلاتے ہوئے کہا۔ "پچھلے ہفتوں میں اس نے ٹریننگ کے دوران یہ بات ثابت کر دی ہے لیکن وہ خود پر زیادہ انحصار کرتی ہے اور یہ چیز اس کے اور اس کی ٹیم کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔"

"کیا تم اس ٹیسٹ میں اسے پاس نہ کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟" حامد نے پوچھا۔

"نہیں' لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ شدت سے ڈریم سینٹر کی ٹیم کو جوائن کرنا چاہتی ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ خود کو ایک بہترین سرمایہ ثابت کرے گی' مجھے صرف یہ یقین کرنا ہوگا کہ وہ دیئے جانے والے احکامات کو مانے گی اور یہ بات چند دن بعد ہونے والے نفسیاتی انٹرویو میں میں معلوم کر لوں گا۔" بشیر نے کہا۔

"اس کے خون میں ڈریم سینٹر سے وفاداری شامل ہے۔" حامد نے کہا۔

"ہاں میں جانتا ہوں۔" بشیر نے جواب دیا۔ "آؤ یہ ایکسرسائز ختم ہو گئی اب واپس چلتے ہیں۔ بشیر نے حامد سے کہا اور وہ دونوں ٹریننگ سینٹر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

عالیہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ٹریننگ ونگ کی طرف جا رہی تھی کہ راستے میں اسے اپنے ذہن میں سمیر کی سرگوشی سنائی دی۔

"بہت خوب۔" سمیر کی سرگوشی میں تعریف کی جھلک کے ساتھ ساتھ خوشی کی جھلک بھی تھی۔ عالیہ چونکے بنا نہ رہ سکی۔

"تم کہاں ہو؟" اس نے اپنے ذہن میں سوال دہرایا اور جنگل میں چاروں طرف نظریں دوڑانے لگی۔ اسے کہیں سمیر کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے لیکن وہ تو میلوں دور سے بھی ذہنی رابطہ کر سکتا تھا عالیہ سے رابطہ کرنے کے لیے اس کا یہاں موجود ہونا ضروری نہیں تھا۔

"میں تمہارے بہت قریب موجود ہوں۔" سمیر کے جواب نے اسے مزید حیران کر دیا' اس نے گھوم کر اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھا تو یہ اور سرینہ باتوں میں مگن آگے بڑھتے جا رہے تھے وہ ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ تنویر نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

"کیا ہوا؟ تم چل نہیں رہی ہو ہمارے ساتھ؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں' تم جاؤ۔ میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔" عالیہ نے کہا اور وہ دونوں آگے روانہ ہو گئے۔

"اب بولو کیا کہہ رہے تھے؟" اس نے سمیر کو مخاطب کیا۔

"تمہاری آج کی پرفارمنس لاجواب رہی۔"

"تو کیا تم.....؟"

"ہاں! مجھے معلوم تھا کہ آج تمہارا امتحان ہے یہ آخری

Downloaded from https://paksociety.com

ایکسرسائز تھی میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم نے کہاں تک مہارت حاصل کی ہے؟"

"تو..... تم نے کیا دیکھا؟ اوہو یو ڈیول؟"

"میں نے دیکھا کہ تم میری سوچ سے بھی زیادہ مہارت رکھتی ہو اور تم پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔"

"تو گویا میں یہ سمجھوں کہ مجھے ڈریم سینٹر کی ٹیم میں شامل کرلیا گیا ہے؟" عالیہ نے خوشی سے کہا۔

"ابھی نہیں..... مجھے تمہارے انسٹرکٹر کی رپورٹ کا انتظار ہے اس کے بعد ہی فیصلہ کیا جائے گا اور ابھی تمہارا نفسیاتی ٹیسٹ بھی باقی ہے۔" سمیر نے جواب دیا تو عالیہ کے چہرے پر نظر آنے والی خوشی بھی غائب ہوگئی۔

"یعنی ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔" اس نے اداسی سے کہا۔

"ہاں اور تمہیں ان میں بھی پورا اترنا ہے۔"

"ٹھیک ہے..... کیا میں تمہیں دیکھ سکتی ہوں؟"

"نہیں ابھی نہیں' اس وقت میں تم سے بہت دور اپنے آفس میں موجود ہوں اور تم سے ذہنی رابطے میں ہوں لیکن بہت جلد ایسے موقعوں پر تم مجھے دیکھ بھی سکو گی....." وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا۔ "اوہ..... عالیہ تم اس وقت خطرے میں ہو..... تمہارے بائیں جانب تقریباً چالیس قدم کے فاصلے پر جنگلی گروپ کے دو فائٹر موجود ہیں جو تمہاری ہی طرف آرہے ہیں تم کہو تو میں انہیں ختم کرسکتا ہوں۔"

"نہیں..... میں اپنا دفاع خود کروں گی لیکن تمہیں کیسے پتہ چلا؟" عالیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ میں کسی اور وقت بتاؤں گا..... ابھی تم اپنا دفاع کرو۔"

"ٹھیک ہے۔" عالیہ نے کہا نہتی ہونے کے باوجود اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نہیں تھے اس نے تیزی سے بائیں جانب دیکھا..... جہاں درخت اور جھاڑیاں سر اٹھائے کھڑے تھے۔

"ادھر آگے دس قدم کے فاصلے پر ایک ٹوٹا ہوا کیبن پڑا ہے وہ اس کی سیدھ میں ہی آرہے ہیں۔ تم اس کیبن کے پیچھے چھپ کر ان کا انتظار کرسکتی ہو لیکن تم نہتی ہو تمہیں ہاتھوں سے ہی مقابلہ کرنا ہوگا۔" سمیر نے اس سے کہا لیکن اس نے سمیر کی بات کا جواب نہیں دیا اسے کچھ آگے جاکر ٹوٹا ہوا کیبن نظر آنے لگا تھا لیکن اس نے خود کو اس کے پیچھے چھپانے کے بجائے اس سے دور رہتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کردیا تھا۔

"یہ کیا کررہی ہو؟ اس طرح تم کھلی جگہ میں آجاؤ گی اور دشمن تمہیں دیکھ لے گا۔" سمیر نے تنبیہ کی۔

"تم دیکھتے رہو۔" عالیہ نے آہستہ سے کہا پھر کافی آگے جانے کے بعد وہ اک گھنی جھاڑی میں چھپ گئی تھی اس کے دشمن سمیر کے کہنے کے مطابق اگر اسی راستے سے آرہے تھے تو انہیں اسی جگہ سے گزر کر آگے جانا تھا' پھر اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا تھا' دو نوانا نوجوان اسے ادھر آتے نظر آئے تھے دونوں کا انداز بہت محتاط تھا وہ اس کے قریب سے گزر گئے تھے اور پھر چند قدم آگے ہی گئے تھے کہ عالیہ نے پیچھے سے ان پر چھلانگ لگائی تھی اور ایک ہی جست میں دونوں کو دبوچ لیا تھا' پھر اس نے ایک کے ہاتھ سے رائفل چھین کر دوسرے پر فائر کردیا تھا اور اسے ساتھ لیتے ہوئے نیچے گری تھی پھر گرتے گرتے ہی اس نے دوسرے کی گردن میں رائفل ڈال کر اسے جھٹکا دیا تھا اور اس کی گردن کا منکا توڑ دیا تھا' اگلے ہی لمحے وہ فاتحانہ انداز میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"تھینک یو سمیر۔ تم نے بروقت مجھے باخبر کرکے میری جان بچائی۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔

"نہیں' میں نے جان نہیں بچائی..... جان تو تم نے خود بچائی ہے میں نے تو صرف تمہیں خبردار کیا ہے۔" سمیر نے جواب دیا۔

"لیکن تمہیں ان دونوں کی موجودگی کا یہاں پر احساس کیسے ہوا تم تو میرے ذہن میں موجود تھے اور مجھ سے باتوں میں مصروف تھے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو لیکن عام آدمی کی نسبت میں اپنے چاروں طرف دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" عالیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"عالیہ جیسا کہ تم جانتی ہو ہمارا طبعی جسم 220 کے زاویے تک دیکھ سکتا ہے ہم صرف اپنے سامنے دیکھ سکتے ہیں' پیچھے نہیں اور اوپر اور نیچے الگ الگ دیکھ سکتے ہیں ایک ساتھ نہیں لیکن ہمارے روحانی جسم (Astral body) کا زاویہ نگاہ 360 ہوتا ہے اور ہم ہر سمت میں ایک ساتھ

Downloaded from https://paksociety.com

دیکھ سکتے ہیں اسے Spherical vision کہتے ہیں۔ ہم عام حالت میں سب چیزیں ایک ساتھ نہیں دیکھ سکتے ہمارا دماغ اس کی اجازت نہیں دیتا' کیونکہ اسے ساری زندگی صرف سامنے دیکھنے کی عادت ہوتی ہے لیکن ہمارا روحانی جسم Astral body ان چیزوں سے آزاد ہوتی ہے اس کے کوئی طبعی اعضاء نہیں ہوتے نہ آنکھیں' نہ ہاتھ' نہ جسم کے اور اعضاء ہم روحانی طور پر لاشعوری سطح پر فضا میں معلق ہوتے ہیں۔ ہم پر زمین کی مقناطیسی قوت اثر نہیں کرتی اور دوسرے طبعی قوانین بھی لاگو نہیں آتے' اس حالت میں اوپر نیچے' ادھر ادھر نہیں ہوتا بس ایک آزاد فضا میں سب کچھ دیکھنے کی طاقت ہوتی ہے آپ کا Spherical vision آپ کو کیمرے کی طرح ہر سمت میں دیکھنے کی اور سوچنے کی صلاحیت دیتا ہے مثلاً آپ اپنا گھر ہر سمت سے دیکھ سکتے ہیں' آپ فضا میں ہوتے ہیں اور باآسانی ہر طرف گھوم سکتے ہیں' اس میں آپ کا لاشعور آپ کا ساتھ دیتا ہے' روحانی جسم میں آپ کو پیچھے دیکھنے کے لیے مڑنے کی ضرورت نہیں ہوتی یہ ایسے ہی ہوتا ہے جیسے آپ آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہے ہوں یہ کام ذہن خود کرتا ہے اپنی تخلیقی صلاحیت سے جسے خاص تربیت کے بعد جاگر کیا جاتا ہے۔"

"وہ' حیرت انگیز..... یہ تم نے کہاں سے سیکھا؟" عالیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ کچھ میری خداداد صلاحیتیں ہیں اور کچھ کو غلبل کامران نے اجاگر کروایا ہے۔" سمیر نے جواب دیا۔

"انہوں نے کچھ محنت تو مجھ پر بھی کی تھی لیکن میں اتنی مہارت حاصل نہیں کرسکی ہاں اپنے ذہن میں جھانکنے آنے والے کو محسوس کرسکتی ہوں اس کی بات سمجھ سکتی ہوں۔"

"لیکن اس کی ہدایت پر عمل نہیں کرتی۔" سمیر نے اسی کے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے تم سے چاولی سے دور رہنے کے لیے کہا تھا۔" سمیر نے کہا۔

"ہاں تو؟ میں ٹریننگ کے دوران اس سے نہیں ملی۔"

"لیکن ٹریننگ پر آنے سے پہلے؟"

"پہلے بھی نہیں ملی تھی۔"

"یہاں پر تم جھوٹ بول رہی ہو..... تمہیں یاد ہے ڈیم سینئر کی ایک پرانی عمارت کی چھت پر جہاں تم چاولی سے ملی تھیں ٹریننگ پر آنے سے پہلے اور میں نے اسے فون کیا تھا۔"

"اوہ سمیر..... تم..... تم....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"یہ بہت نامناسب بات ہے اگر تمہارے اندر کچھ خداداد صلاحیتیں ہیں تو تم پر یہ پابندی بھی ہونا چاہیے کہ تم بغیر اجازت کے کسی کے دماغ میں داخل نہ ہوسکو۔" عالیہ نے خفگی سے کہا۔ "تم واقعی ڈیول ہو۔"

"لیکن ابھی میں نے صرف تمہاری حفاظت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا ہیں غلبل کامران سے اپنا وعدہ نبھانا چاہتا ہوں۔"

ٹھیک ہے لیکن مجھ سے کچھ فاصلہ رکھنا ہوگا۔ میں اپنے ذاتی معاملات میں مداخلت نہیں چاہتی۔"

"بٹر طبکہ وہ ڈیم سینئر کے قوانین کی حدود کو پار نہ کریں۔" سمیر نے لقمہ دیا۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔" عالیہ نے کہا۔ "مسٹر ڈیول۔"

"تمہیں ایک اور بات بتا دوں تمہارے انکل کمال کی مرضی نہیں ہے کہ تم چاولی سے قریب ہو انہوں نے مجھے سختی سے منع کیا ہے۔" سمیر نے کہا۔

"تمہیں میرے والد سے کیے گئے وعدے کا احترام ہے اس لیے تم میری حفاظت کررہے ہو تمہیں میرے انکل کمال کی ناراضگی کا احساس ہے اس لیے تم میری نگرانی کررہے ہو لیکن خود تم.....؟ تم میرے بارے میں کیا سوچتے ہو؟ کبھی تم نے اس کا اظہار نہیں کیا..... میں..... میں تمہیں پسند کرتی ہوں یہ بات تم بہت اچھی طرح جانتے ہو لیکن..... لیکن ہر بار..... انجان بن جانے ہو' ہر بار دوسروں کے بہانے میری حفاظت میری نگرانی کرتے ہو کیونکہ یہ تمہارے دل کی آواز ہے لیکن تم اسے ماننے کے لیے تیار نہیں۔" عالیہ نے کہا لیکن اسے سمیر کا جواب سنائی نہیں دیا۔

"سنو! کیا تم ابھی یہاں ہو؟ میری بات کا جواب دو۔" اس نے سمیر کو مخاطب کیا لیکن اس بار بھی خاموشی ہی تو وہ کاغذ اچکا کر واپسی کے لیے مڑگئی۔ "ڈیول" وہ

Downloaded from https://paksociety.com

بڑی بڑائی تھی۔

❁......O......❁

پھر ٹریننگ پروگرام کا آخری دن آ گیا تھا۔ اس روز عالیہ کا نفسیاتی ٹیسٹ تھا جو بشیر احمد کو لینا تھا' عالیہ اس انٹرویو کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کر کے آئی تھی۔ اس نے گہری ٹھنڈی سانس لی اور انٹرویو کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

"آؤ بیٹھو۔" بشیر احمد نے اپنی میز کے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ عالیہ بیٹھ گئی اور اس نے کمرے کا جائزہ لیا' وہ اس کے انسٹرکٹر بشیر احمد ہی کا کمرہ تھا لیکن وہ کمرہ اندر سے بالکل ایسا ہی تھا جیسے اس کی یونیورسٹی میں اس کے پروفیسرز کے کمرے تھے۔ بہت سادگی سے سجا ہوا ایک روشن کھڑکی کے سامنے لکڑی کی ایک لمبی سی میز جس کے اطراف اونچی اونچی کرسیاں رکھی تھیں جو خاصی آرام دہ تھیں' کمرے کی دیواروں میں کتابوں کے بڑے بڑے شیلف تھے جو کتابوں سے بھرے ہوئے تھے' کمرہ بہت زیادہ گرم تھا نہ بہت زیادہ ٹھنڈا۔

"کیسی ہو عالیہ؟" بشیر احمد نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے کرسی کی پشت گاہ سے خود کو ٹکاتے ہوئے کہا۔

"ابھی تمہارے دونوں ساتھی انٹرویو دے کر گئے ہیں تم ان کی طرح نروس نظر نہیں آ رہی ہو۔" بشیر احمد نے اسے سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے کہا' وہ اس وقت لیدر پینٹ اور سفید کلر کی ڈھیلے گلے والی شرٹ پہنے ہوئے تھی اور ایک فائٹر کے بجائے ایک اداکارہ لگ رہی تھی۔ آج کا دن پروگرام کا آخری دن ہونے کی وجہ سے "Dress down" ڈے کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ جس میں وہ لوگ اپنے عام کپڑے پہن سکتے تھے۔

"میں عام طور پر نروس نہیں ہوتی ہوں۔" عالیہ نے اطمینان سے جواب دیا جس پر بشیر احمد مسکرایا اور کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

"عام طور پر۔" اس نے دہرایا۔ "میرا خیال ہے کہ تم نے جو پچھلے دن گزارے وہ کسی طرح بھی عام نہیں کہے جا سکتے...... ان دنوں میں تم لوگ کافی ذہنی تناؤ کا شکار رہی ہو تمہیں علم ہے کہ تم سے کچھ ایسے سوالات پوچھوں گا جن سے تمہاری ذہنی کیفیت کا اندازہ ہو سکے کہ تم CSA فیلڈ آپریشن میں حصہ لینے کے لیے کس حد تک تیار ہو' مجھے معلوم ہے کہ تم نفسیات کے شعبے میں ماسٹرز کر رہی ہو' تمہارے لیے یہ سوالات آسان ہوں گے اور تم آسانی سے انٹرویو میں کامیاب ہو جاؤ گی چنانچہ میں نے اپنا ارادہ بدل رہا ہے اب میں تمہیں تمہاری کارکردگی کے بارے میں بتاؤں گا۔"

"یہ تو اچھا ہے۔" عالیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس پوری تربیت کے دوران تمہیں جو کام بھی دیا گیا تم نے پوری ذمہ داری سے اسے کیا۔ ہر سبق' ہر مشق کو اتنی کامیابی سے کیا کہ ایک نیا ریکارڈ قائم کر دیا اور اتنی شاندار صلاحیتوں کا اظہار میں نے اس ٹریننگ سینٹر میں صرف اس بار ہی دیکھا ہے تم نے فیلڈ میں مشقوں کے دوران بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے اور تم اپنے دونوں ساتھیوں کو جس طرح کمانڈ کر رہی تھیں اس سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔" بشیر احمد نے کہا وہ اپنی تعریف سن کر عالیہ مسکرائی۔

"لیکن......" بشیر احمد نے اپنی بات کو آگے بڑھانے سے پہلے رک کر عالیہ کا جائزہ لیا اب وہ کچھ نروس محسوس ہو رہی تھی شاید وہ سوچ رہی تھی کہ بشیر احمد اب اس کے خلاف کوئی ریمارک دینے والا ہے اس سے بشیر احمد کو خوشی کا احساس ہوا اس نے سوچا کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالیہ اس کے اختیار کی عزت کرتی ہے اور اسے اپنے انسٹرکٹر کی منظوری کا انتظار ہے جس کا مطلب تھا کہ وہ آئندہ احکامات کی پابندی کرنے کے لیے تیار تھی۔

"تم نے بہت جارحانہ انداز میں فائٹ کی تمہیں موقع کی مناسبت سے اپنی چالیں بدلنے پر اختیار ہے جو تمہاری ایک بہترین صلاحیت ہے تم نے اپنا written' exam بھی اچھے نمبروں سے پاس کر لیا ہے اور تم نے ایک بہترین جذبے کا اظہار کیا ہے۔"

"میں نے اس ٹریننگ کے دوران بہت سوچ سمجھ کر اور اصول و قواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے حصہ لیا ہے۔" عالیہ نے کہا۔

"شروع میں...... تم شروع میں اصول و قواعد کو فالو کر رہی تھیں لیکن آخر میں...... آخر میں تو تم نے مجھے ذرا سی

Downloaded from https://paksociety.com

دیا تھا جب اپنے دونوں ساتھیوں سے جدا ہو کر اکیلی اوپر پہاڑی پر چڑھتی چلی گئی تھیں اور اپنے چار دشمن ساتھیوں پر چھلانگ لگا دی تھی۔"

"جناب!" عالیہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن بشیر نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کر دیا۔

"تم بغیر سوچے طوفان سے ٹکرا گئی تھیں اس وقت تم نے خود کو خطرے میں ڈال لیا تھا' میں نے کبھی کسی کو اس طرح خطرے میں کودتے نہیں دیکھا ایسا کرنا عقلمندی نہیں تھی بلکہ اس طرح تمہاری ٹیم بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی اگر یہ صورت حال عام زندگی میں پیش آتی تو تم بری طرح زخمی بھی ہو سکتی تھیں اور CSA کے قانون کے مطابق تمہاری ٹیم کے ساتھی تمہیں بچانے کی کوشش کرتے اور وہ خود بھی خطرے میں پڑ سکتے تھے اور ان کی زندگیاں خطرے میں پڑ سکتی تھیں۔"

"سر! میں جانتی تھی کہ میں کیا کر رہی ہوں اور میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتی کہ جو میں نے کیا وہ بہت خطرناک تھا۔"

"تمہیں انتظار کرنا چاہیے تھا..... تم ان سے ضرور لڑتیں لیکن اتنا جوش میں آنے کی ضرورت نہیں تھی' تم بس جلدی سے فتح حاصل کرنا چاہتی تھیں تمہارے اندر صبر نہیں ہے ایک فیلڈ آپریشن کے دوران بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ آپ کی پوری ٹیم کا انحصار آپ پر ہوتا ہے اور تمہیں بے انتہا ذہنی دباؤ میں بھی عقلمندی سے فیصلے کرنے پڑتے ہیں جبکہ تم خود زخمی ہو چکا تھا اس صورت حال میں تمہیں اور بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔"

"میں آئندہ خیال رکھوں گی۔" عالیہ نے کہا وہ بات بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔

"تم نے جو مظاہرہ کیا اس سے تمہاری بے پروائی آشکار ہوتی ہے جسے CSA میں برداشت نہیں کیا جائے گا اگر تم نے احکامات پر اس طرح عمل نہیں کیا جس طرح تمہیں کہا گیا یا اپنے ٹیم لیڈر کی بات پر یقین کرنے کے بجائے اپنی سوچ پر عمل کیا تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ تم ڈریم سینئر جوائن کرنے کے لیے تیار نہیں ہو' تمہارا اپنی صلاحیتوں پر اتنا زیادہ یقین اور بھروسا تمہارے لیے خطرناک ہے تمہاری صلاحیتیں تمہارے لیے قدرت کا ایک تحفہ ہیں بہت کم لوگوں میں یہ صلاحیتیں ہوتی ہیں لیکن تمہیں....."

"مجھے پتہ ہونا چاہیے کہ مجھے کہاں ان سے کام لینا ہے اور کہاں نہیں۔" عالیہ نے بشیر کی بات مکمل کی۔

"ہاں بالکل۔" بشیر نے کہا اسے حیرت تھی کہ وہ جو عالیہ سے کہنا چاہتا تھا وہ سمجھ گئی تھی۔

"میں برسوں سے اس پر عمل کر رہی ہوں..... صبر کر کے اپنی صلاحیتوں کو تھپک تھپک کر سلاتی رہی ہوں اور اب میں سیکھ رہی ہوں کہ مجھے انہیں کس طرح کنٹرول کرنا ہے میں کوشش کروں گی کہ انہیں اپنے لیے خطرہ نہ بننے دوں۔" عالیہ نے کہا اور بشیر سمجھ گیا کہ عالیہ جو کہہ رہی ہے وہ بات اس کے دماغ میں کس نے ڈالی ہے وہ اپنی کرسی پر پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔

"چارلی نے بھی اپنی صلاحیتوں کو کنٹرول کرنا نہیں سیکھا اور جبکہ وہ اس شعبے میں خود نا کام ہے تو وہ کسی اور کو بھی کوئی بہتر مشورہ نہیں دے سکتا۔" بشیر نے عالیہ سے تشفی انداز میں کہا۔

"میں فیلڈ میں اس بات کا خیال رکھوں گی۔" عالیہ نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟" عالیہ نے پوچھا۔

"میں ایسے کہہ سکتا ہوں کہ تم نے فیلڈ میں میرے آدمیوں کو موت کے گھاٹ نہیں اتارا۔"

"قدرتی صلاحیتیں رکھنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں قاتل بن جاؤں۔"

"ہاں اگر تم انہیں کنٹرول کرنا نہیں سیکھو گی تو تم واقعی قاتل بن سکتی ہو۔" بشیر نے کہا۔

"ہاں! لیکن چارلی قاتل تو نہیں ہے۔" عالیہ نے کہا۔

"تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟" بشیر نے کہا لیکن عالیہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔

"تم چارلی کو کب سے جانتی ہو؟ اور کتنا جانتی ہو؟" بشیر احمد نے کہا اور اس کی اس بات پر عالیہ کی آنکھوں میں ایک چمک نظر آئی جس نے بشیر پر یہ واضح کر دیا کہ عالیہ چارلی سے خاصی قریب ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com

"عالیہ! ہر بار جب تم اپنی خداداد صلاحیتوں کو آزاد چھوڑ دیتے ہو تم ایسے دروازے کھول دیتے ہو جنہیں بند کرنا تمہارے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔" بشیر نے کہا اور عالیہ نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"تمہیں اپنی صلاحیتوں کو کنٹرول کرنا ہوگا ورنہ وہ تمہیں کنٹرول کریں گی میرا مطلب سمجھیں؟"

"ہاں! میں سمجھ گئی۔" عالیہ نے کہا۔ "کیا آپ مجھے فیل کردیں گے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں ابھی تمہیں تین مہینے کے آزمائشی پیریڈ کے لیے دیکھوں گا اور اگر تم نے احکامات کی حکم عدولی کی یا کوئی قانون توڑا تو تمہیں ڈریم سینٹر سے باہر کردیا جائے گا۔ اس کے لیے کوئی وارننگ نہیں دی جائے گی کوئی دوسرا موقع نہیں ملے گا' تمہاری نگرانی کی جائے گی' مجھے امید ہے تم مجھے مایوس نہیں کروگی۔"

"میں سمجھ گئی سر۔"

"میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔" بشیر نے کھڑے ہو کر اس کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"تھینک یو سر۔" عالیہ نے بھی کھڑے ہو کر مصافحہ کیا اور واپسی کے لیے پلٹ گئی۔

"تم مجھے بشیر کہہ سکتی ہو تمہارا کام یہاں ختم ہوگیا' تمہارے والد کی روح یقیناً تم پر فخر کرے گی۔" بشیر نے کہا اور عالیہ چلتے چلتے رک گئی لیکن وہ مڑی نہیں تھی۔

"میں انہیں بہتر جانتی ہوں۔" عالیہ نے کہا' وہ جذباتی ہوگئی۔

"تم جس دنیا میں داخل ہو رہی ہو وہ بہت سرد مہر' خطرناک اور برائیوں سے بھری ہوئی ہے' اسے اجازت مت دینا کہ یہ تمہیں تبدیل کرسکے' میں نے بہت سے لوگوں کو تبدیل ہوتے دیکھا ہے لیکن تم ایسا مت کرنا سمیر کے ساتھ بے وفائی نہ کرنا۔" بشیر نے کہا' عالیہ نے دروازے کی چوکھٹ کو مضبوطی سے تھام لیا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

"میں سمجھتی ہوں...... شکریہ۔" عالیہ نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

اسی شام وہ سر بشیر اور نسرین سے ملنے کے بعد واپس اپنے گھر چلی گئی تھی وہ گھر پہنچنے کے بعد فریش ہو کر کافی دیر تک اپنے بیڈ پر لیٹی اپنی ٹریننگ کے بارے میں سوچتی رہی تھی اسے حیرت تھی کہ سمیر اچانک اس کے ڈریم سینٹر میں شامل ہونے کے معاملے میں نرمی دکھا رہا تھا اور اب اس کی ٹریننگ بھی کروائی تھی' لیکن اس کو اس بات پر بھی حیرت تھی کہ اس کی دل کی کیفیت جاننے کے باوجود بھی سمیر نے کبھی اس کے دل کی بات سننے کی کوشش نہیں کی تھی جب بھی وہ اس سے اپنے دل کا حال کہنا چاہتی تھی وہ یا تو موضوع بدل دیتا تھا یا کوئی ایسی بات کرنے لگتا تھا کہ عالیہ اس سے الجھ پڑتی تھی پھر اسے اچانک ہی چارلی کا خیال آگیا تھا۔

چارلی جو بے انتہا طاقتور' بھرپور صلاحیتوں کا مالک تھا وہ اسے دل و جان سے چاہتا تھا لیکن عالیہ اس سے دور بھاگتی تھی وہ چارلی کو صرف سمیر کو بڑھانے کے لیے استعمال کررہی تھی' اس کے ساتھ چارلی کو دیکھ کر سمیر طیش میں آجاتا تھا اور عالیہ کا خیال تھا کہ ایسے ہی کسی موقع پر وہ مجبور ہو کر عالیہ کی محبت کا اقرار کرے گا لیکن اب تک ایسا نہیں ہوا تھا۔

ٹریننگ پر جانے سے پہلے بھی وہ چارلی سے ملی تھی اور سمیر نے اسے بتایا تھا کہ سمیر کو اس ملاقات کا علم ہوگیا تھا لیکن اس کے باوجود چارلی سے علیحدگی اختیار کرنے کے لیے اسے صرف یہ کہہ کر قائل کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس کے انکل اس بات کو پسند نہیں کرتے اور چارلی ایک بدنام زمانہ شخص ہے اس کی شہرت اچھی نہیں ہے اس لیے عالیہ کو اس سے دور رہنا چاہیے جبکہ عالیہ چاہتی تھی کہ سمیر اپنی محبت کا اعتراف کرے وہ جانتی تھی کہ سمیر بھی اس کی طرح محبت میں گرفتار ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ کون سی چیز ہے جو اسے عالیہ سے اظہار محبت سے روکے ہوئے ہے اس نے ایک بار پھر سمیر کو آزمائش میں ڈالنے کا فیصلہ کیا' وہ جانتی تھی کہ ڈریم سینٹر کا کمانڈر ہونے کے ناتے سمیر واقف ہے کہ آج وہ ٹریننگ سے واپس آگئی ہے اور اسے یقین تھا کہ سمیر اس سے ملنے ضرور آئے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے ذہن میں ایک پلان تیار کیا اور فوراً ہی اس پر عمل کرنے کا فیصلہ بھی کرلیا پھر چند ضروری کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے لباس تبدیل کیا تھا اور ٹھیک ساڑھے چار بجے اپنی بائیک لے کر سیکورٹی گارڈز کی نظروں سے بچتی گھر سے نکل گئی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ ویم چارلی کے باکسنگ کلب میں موجود تھی اس کی اطلاع کے مطابق وہ رات بھر

Downloaded from https://paksociety.com

وہاں اکیلا ہوتا تھا اور اسی کمرے میں سوتا تھا' کلب کا عملہ اور ٹریننگ لینے والے لوگ صبح نو بجے کے بعد آنا شروع ہوتے تھے۔ وہ نہایت آہستگی سے کلب میں داخل ہوئی تھی اس کے لیے اس نے پچھلا راستہ اختیار کیا تھا لیکن پھر اندر آنے کے بعد وسیم چاولی کے کمرے میں جانے سے پہلے اس نے کلب کا صدر دروازہ جو ہال میں کھلتا تھا کھول کر بھیڑ دیا تھا جو ایک دھکے سے کھل سکتا تھا' ایسا کرتے ہوئے اس کے چہرے پر شراوتی مسکراہٹ بکھر گئی تھی اور پھر وہ شرارتی انداز میں اٹھلاتی ہوئی وسیم چاولی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

وسیم کو اپنے دائیں کان میں کسی چیز کی پھڑ پھڑاہٹ کا احساس ہوا تھا اور وہ چونک کر اٹھ بیٹھا تھا' کمرے میں زیرو کے بلب کی ہلکی سی روشنی میں اسے ایک نسوانی ہیولا نظر آیا جس نے باریک کپڑے کا ایک لمبا گاؤن پہنا ہوا تھا جس کی آستین خاصی ڈھیلی اور لمبی تھیں لیکن وہ گاؤن اتنا باریک تھا کہ پہننے والی کا گلابی جسم اس سے کسی قدر نمایاں ہو رہا تھا اس کے خوشبودار بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ وسیم چاولی پر جھکی ہوئی تھی ایک جانی پہچانی مہک وسیم کے دماغ میں گھستی چلی گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی ایک نازک ہاتھ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا تھا۔

"عالیہ......" وسیم نے بے خود ہو کر سرگوشی کی۔

"شش......" عالیہ نے اسے سرگوشی کے انداز میں خاموش رہنے کو کہا۔

"تم اس وقت؟" وسیم نے پوچھا اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تمہیں تو میری پروا نہیں...... کچھ یاد ہے کتنا وقت ہو گیا ہمیں ملے ہوئے؟" عالیہ نے مصنوعی خفگی دکھاتے ہوئے پوچھا۔

"شاید تین ہفتے۔" وسیم نے کہا اور عالیہ اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گئی وسیم کو بھی حیرت ہوئی تھی کیونکہ عالیہ کی جانب سے کبھی ایسی بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا تھا اور وہ بھی صبح کے ایسے وقت میں جب کلب میں کوئی اور موجود نہیں تھا۔

"تم اس وقت......؟ خیریت ہے؟" وسیم نے پوچھا۔

"اچھا مجھے دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے تم سوالات کر رہے ہو تمہیں خوشی نہیں ہوئی اور تمہیں مجھ سے ملنے کا کوئی انتظار نہیں تھا یہی بات ہے نا؟" عالیہ نے کہا۔

"تم تو ناراض ہو رہی ہو میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وسیم نے نخفت سے کہا۔

"چھوڑو جو بھی مطلب تھا یہ بتاؤ جیکی گروپ سے جو مڈبھیڑ ہونے والی تھی اس کا کیا ہوا؟"

"ایک کو تو ہم نے تمہارے ٹریننگ پر جانے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا تھا ساجد کو وہ ابھی تک سیمبر کی قید میں ہے لیکن کچھ بھی اگلنے کے لیے تیار نہیں ہے سیمبر مجھے لے کر بھی اس سے تفتیش کرنے گیا تھا لیکن اچھی خاصی پٹائی ہو جانے کے بعد بھی اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"بس بات وہیں تک ہے؟"

"میرے علم میں اتنا ہی ہے۔" وسیم نے کہا اور وارفتگی کے انداز میں اس کی طرف بڑھا تھا لیکن عالیہ پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"تم صبح صبح کیسے یہاں آ گئیں؟"

"تم سے ملنے۔" عالیہ نے مختصر سا جواب دیا۔

"تو اب مجھ سے بھاگ کیوں رہی ہو؟"

"چائے پلاؤ گے؟" عالیہ نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا اور چاولی بستر سے اٹھ گیا تھا۔

"ہاں! کیوں نہیں۔" اس نے کمرے سے ملحق باتھ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا پھر وہ منہ ہاتھ دھو کر کچن کی طرف بڑھ گیا تھا اس نے اپنا سلیپنگ گاؤن نہیں اتارا تھا۔ عالیہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی چاولی چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر واپس اپنے کمرے میں آ گیا تھا اور عالیہ جیسے ہی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی تھی اس نے عالیہ کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

"یہ کیا......؟ یہ کیا حرکت ہے؟" عالیہ نے خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم جانتی ہو میں تمہیں والہانہ چاہتا ہوں...... تم میرا امتحان کیوں لے رہی ہو...... آؤ...... یہاں بیٹھو۔" چاولی نے اسے کھینچ کر ایک صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا جو اس کے بیڈ کے قریب ہی پڑا تھا۔

"چاولی مجھے چھوڑو...... میں بیٹھ جاؤں گی۔" عالیہ

Downloaded from https://paksociety.com

نے خود کو چھڑاتے ہوئے کہا۔

"ساڑھے پانچ ہو رہے ہیں تمہیں یہاں آئے آدھا گھنٹہ ہوگیا اور ہم فضول کی باتوں میں وقت ضائع کررہے ہیں۔" چارلی نے اسے اپنی طرف کھینچا اور اس بار کوئی مزاحمت کرے بغیر عالیہ اس کی طرف کھنچی چلی گئی اس نے کلب کے صدر دروازے کے کھلنے کی ہلکی سی آواز سن لی تھی اور جان گئی تھی کہ اس کا منصوبہ کامیاب ہونے والا ہے یہ آواز چارلی نہیں سن سکا تھا وہ عالیہ میں اتنا محو تھا کہ اسے آس پاس کا کوئی ہوش نہیں تھا اس نے عالیہ کو اپنی طرف کھینچ کر سینے سے لگالیا تھا اور قریب تھا کہ اس کا بوسہ لے لے کہ اچانک سمیر اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا وہ عالیہ اور چارلی کو ان سے سلیپنگ گاؤنز میں دیکھ کر حیران رہ گیا تھا اور جس حالت میں انہیں پایا تھا وہ اس کے لیے اور بھی ناقابل برداشت تھی۔

"چارلی! تم کیا کررہے ہو؟" سمیر نے غصے سے کہا اور چارلی تیزی سے عالیہ سے الگ ہوکر کھڑا ہوگیا۔

"تم...... تم اس وقت یہاں کیا کررہے ہو؟" اس نے الٹا سمیر سے سوال کردیا۔

"میں جوگنگ کے لیے نکلا تھا ادھر سے گزر رہا تھا تو کلب کا دروازہ کھلا دیکھا تو سوچا خیریت معلوم کرنے چلا آیا میں نے سوچا شاید تم رات کو دروازہ بند کرنا بھول گئے ہو۔"

"دروازہ کھلا تھا۔" سمیر نے حیرت سے پوچھا۔

"لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے میں نے خود دروازہ بند کیا تھا۔" چارلی نے کہا پھر اس نے مشکی نظروں سے عالیہ کی طرف دیکھا تھا جو انجان بنی اپنی زلفوں سے کھیل رہی تھی جیسے اسے دونوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہو پھر سمیر نے اس کی طرف غصے سے دیکھا تھا۔

"تم اس وقت یہاں کیا کررہی ہو؟" اس نے غصے سے پوچھا۔

"تمہیں یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے۔" عالیہ نے کہا۔

"تم بھول رہی ہو تمہاری حفاظت میرے فرائض میں شامل ہے اور میں اس ناتے تم سے کچھ بھی پوچھنے کا حق رکھتا ہوں۔" سمیر نے کہا چارلی کچن کی طرف بڑھ گیا تھا اور سمیر عالیہ کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا تھا وہ غصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں بچی تو نہیں ہوں تمہیں ڈیول نہیں کہتی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"تم رات اپنے گھر میں تھیں اس وقت یہاں کیا کررہی ہو میں نے باہر تمہاری بائیک دیکھی تھی تو اس طرف آیا تھا دروازہ تو بعد میں کھلا دیکھا تھا۔" سمیر نے کہا۔

"کیا میں اپنی مرضی سے کسی سے مل بھی نہیں سکتی؟" عالیہ نے ناراضگی سے پوچھا۔

"کم از کم چارلی سے نہیں۔"

"کیوں؟ وہ میرا انسٹرکٹر رہا ہے میرا دوست بھی ہے۔" عالیہ نے ضدی لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے تمہیں وارننگ دی جاچکی ہے کہ تم ڈریم سینٹر میں تین ماہ تک آبزرویشن میں ہو اور تمہاری کوئی غلط حرکت تمہیں اس سسٹم سے نکال کر پھینک دے گی۔" سمیر نے کہا تو عالیہ اسے غصے سے دیکھنے لگی۔

"یہ پابندی صرف ڈریم سینٹر کی حدود تک ہے سمیر۔" عالیہ نے کہا اور غصے سے جانے کے لیے کھڑی ہوگئی۔ سمیر بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہوگیا تھا اسی وقت چارلی ایک ٹرے میں تین کپ رکھے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"اس وقت صرف چائے مل سکتی ہے۔" اس نے چائے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا پھر ایک ایک کپ سمیر اور عالیہ کو بھی پکڑا دیا تھا اور اپنا کپ لے کر اطمینان سے صوفے پر بیٹھ گیا تھا اس نے چائے بنانے کے دوران اپنے حواس کو کنٹرول کرلیا تھا اور اب بالکل مطمئن نظر آرہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"تم واپسی پر عالیہ کو ساتھ لے جاسکتے ہو لیکن اسے زندگی گزارنے کے اصول سکھانے ہوں گے۔" چارلی نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا اور عالیہ چائے کا کپ لیے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی پھر تینوں نے خاموشی سے چائے ختم کی تھی اور سمیر نے عالیہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"میں چلی جاؤں گی۔" عالیہ نے کہا۔

"وہ تو میں جانتا ہوں لیکن میرے ساتھ ہی چلو تو بہتر ہے۔" سمیر نے کہا اور عالیہ ناگہانی کھڑی ہوگئی سمیر نے اس کی ایک اور چال ناکام بنادی تھی۔ ان کی واپسی کے وقت چارلی نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"تم کیا چاہتی ہو بار بار اس قسم کی حرکتوں کا مطلب کیا ہے؟" سمیر نے اسے اس کی بائیک کے قریب چھوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہیں خود سمجھنا چاہیے۔" عالیہ نے کہا اور بائیک پر بیٹھ کر بائیک اسٹارٹ کردی۔

"صبح ٹھیک نو بجے ڈریم سینٹر پہنچ جانا۔" سمیر نے تنبیہی انداز میں کہا اور وہ سر ہلاتی ہوئی وہاں سے رخصت ہوگئی۔ سمیر کچھ دیر وہیں کھڑا رہا تھا اور پھر واپس چارلی کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"بتاؤ...... وہ اس وقت یہاں کیا کررہی تھی؟" سمیر نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا......" چارلی نے بے پروائی سے کہا۔

"تم جانتے ہو بالکل اسی طرح جیسے میں یہ جانتا تھا کہ وہ یہاں آئے گی۔" سمیر نے یقین سے کہا۔

"تم جانتے تھے وہ یہاں آئے گی؟" چارلی نے اپنا غصہ چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اب تم کیا کروگے؟ مجھ سے لڑوگے؟" چارلی نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔

"ایک بات سن لو کان کھول کر چارلی میں تمہیں کئی بار منع کرچکا ہوں لیکن تم عالیہ سے دور نہیں رہتے۔"

"وہ خود آئی تھی...... وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" چارلی نے کہا۔

"محبت......؟ تم اسے محبت کہتے ہو تو تم سے بڑا کوئی بےوقوف نہیں ہے۔ وہ بہت چالاک ہے تم اس کی سوچ کو بھی نہیں پڑھ سکتے۔"

"تم غلط کہہ رہے ہو خیر اب اس موضوع کو بدل دو۔" چارلی نے کہا۔

"نہیں! تم مجھے کوئی حکم نہیں دے سکتے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" چارلی نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا اور سمیر پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

❁......O......❁

جیکی نے ملازم کو دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا جو اس کے کپ میں کافی ڈال رہا تھا پھر اس نے کپ اٹھا کر ایک چسکی لی تھی اور باہر کی طرف دیکھنے لگا تھا جہاں کرنل منصور احمد کرمانی اور اس کا ایک دست راست سجاد ملک بیٹھا تھا وہ دونوں جیکی کے قلعہ نما محل کے بیک یارڈ میں بیٹھے ناشتے سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ جیکی کی اس دو ایکڑ پر پھیلی ریاست کا ایک میٹر فٹ چوڑی اینٹوں کی دیوار نے احاطہ کیا ہوا تھا یہ جگہ ہر وقت سخت پہرے میں رہتی تھی اور جیکی سے اس کے ملنے والوں کو ایک ہفتے پہلے وقت لینا پڑتا تھا اور جو شخص بھی اس سے ملنے جاتا تھا اس کی مکمل تلاشی لی جاتی تھی اور ان کے سارے ہتھیار استقبالیہ پر ہی جمع کرلیے جاتے تھے اور ایسا وہ Civilian Security Authority (CSA) کی تنظیم کے ڈر سے کرتا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس تنظیم کے کسی فرد کو اس تک رسائی حاصل ہوسکے وہ اپنی رہائش گاہ کو مکمل طور پر محفوظ دیکھنا چاہتا تھا۔

"کیا ساجد ابھی تک CSA کی تحویل میں ہے؟" کرنل منصور کرمانی نے اپنے ساتھی جیکی سے پوچھا۔

"ہاں! اس تک رسائی ممکن نہیں ہے اور ضروری بھی نہیں ہے...... اس نے اپنی قبر خود کھود دی ہے۔" جیکی نے سرد مہری سے کہا۔ "پھر یہاں طاہر شاہ موجود ہے جو ساجد سے ہر لحاظ سے بہتر ہے اسے معاملات کی ساجد سے زیادہ سمجھ بوجھ ہے وہ ماڈرن تکنیک سے بھی واقف ہے اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتا ہے ساجد کی طرح آنکھیں بند کرکے خطرے میں نہیں کود پڑتا۔" اس نے اپنے اسسٹنٹ طاہر شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا جس کی عمر تقریباً چوبیس سال کے لگ بھگ تھی وہ جیکی ہی کی بغل پر بیٹھا خاموشی سے گفتگو سن رہا تھا اس کے کام کرنے کا انداز کسی بزنس مین جیسا تھا کسی کرائے پر حاصل کیے گئے غنڈے جیسا نہیں۔

"ہم چاہتے ہیں کہ یہ کام تم مکمل کردو۔" جیکی نے منصور کرمانی سے کہا اور اس کی نظریں طاہر کی طرف اٹھ گئیں جس پر طاہر مسکرایا' وہ جان گیا تھا کہ آگے کام اس نے کرنا ہے۔

"ویسا ہی کرنا ہے نا بچی کے ساتھ بھی جیسا اس کے باپ کے ساتھ کیا ہے؟ ہے نا جیکی؟" منصور نے پوچھا۔

"ہاں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایسا ہی کرنا پڑے گا ہم سوچ رہے تھے کہ وہ واپس چلی جائے گی لیکن وہ نہیں گئی جو کچھ اس کے باپ نے شروع کیا تھا وہ اسے مکمل

Downloaded from https://paksociety.com

کرنا چاہتی ہے اور میں اسے اس کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"لیکن اس کو باہر نکالنے سے CSA ختم نہیں ہو جائے گی۔" منصور نے جیکی سے کہا۔

"میں جانتا ہوں لیکن یہ میرے پلان کا پہلا حصہ ہے۔"

"اور دوسرا حصہ؟" منصور نے پوچھا۔

"دوسرے حصے میں وسیم جارلی کا قتل ہوگا۔" جیکی نے کہا اور طاہر نے چونک کر منصور کی طرف دیکھا۔

"ہاں لیکن یہ کام بہت مہنگا پڑے گا۔" منصور نے کہا۔

"تم بس یہ بتاؤ کہ تم یہ کر سکتے ہو یا نہیں؟" جیکی نے بے صبری سے پوچھا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ منصور کو بتانا چاہتا ہو کہ اس کے پاس ذہانت اور دولت کی کمی نہیں ہے۔

"میر اور وسیم جارلی سمجھتے ہیں کہ وہ میری پراپرٹی کو تباہ کردیں گے اور میرے بیرونی پارٹنرز کو خوفزدہ کردیں گے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کرنا بہت آسان ہے؟ میں چاہتا ہوں کہ میر کے کچھ قریبی ساتھیوں کو نشانہ بنایا جائے تاکہ اسے کچھ سبق حاصل ہو CSA بہت طاقتور ہوتی جارہی ہے اور مختلف موقعوں پر مجھے نقصان پہنچارہی ہے اس نے شہر سے باہر کے میرے سارے رابطے اپنے کنٹرول میں لے لیے ہیں وہ میرے بہت اہم اور مضبوط رابطے تھے۔" جیکی کی اس بات پر بھی منصور کرمانی نے طاہر کی طرف دیکھا تھا اور اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا وہ وسیم جارلی کی شہرت سے اچھی طرح واقف تھا۔

"ہاں! یہ کام ہوسکتا ہے۔" منصور نے کہا۔ "لیکن پہلے آرگنائزیشن کے ہیڈ میر کو ختم کیا جائے۔" منصور نے کہا جس پر جیکی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"اس کی دو وجوہات ہیں پہلی تو یہ کہ کوئی اسے چھو بھی نہیں سکتا وہ خود کو بہت محفوظ رکھتا ہے اس تک پہنچنے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی بہت بڑا قلعہ فتح کرنا اس کے لیے ہمیں بہت زیادہ ذرائع کی ضرورت ہوگی دوسرے یہ کہ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ کسی طرح ہم اسے ختم کرنے کی حد تک پہنچ بھی گئے تو اسے مارنے سے CSA تو ختم نہیں ہوگی اور تم کیا سمجھتے ہو کہ وہ اتنا بے وقوف ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی دشمنی ہم جیسے لوگوں سے ہے اس نے اس بات پر نہیں سوچا ہوگا کہ اگر خلیل کامران کی طرح اسے بھی نشانہ بنایا جاتا ہے تو CSA کس طرح Survive کرے گی۔ اس وقت ہمیں جس مسئلے کا سامنا ہے وہ اس کے پاس بہت ذہین اور پاورفل فیلڈ ایجنٹس موجود ہیں اور وہ ہم پر بار بار جارحانہ حملے کررہا ہے اس کی حرکتیں اتنی زیادہ بڑھ گئی ہیں کہ اس کے خلاف جنگ ناگزیر ہے وہ CSA کو تیار کررہا ہے انٹرویو کرکے بھرتی کررہا ہے انہیں ٹریننگ دے رہا ہے میر میں وہ صلاحیتیں ہیں جو خلیل کامران میں نہیں تھیں وہ ہمیں ایک حد میں رکھنا چاہتا تھا جبکہ میر ہمیں برباد کرنا چاہتا ہے لیکن وہ یہ کام افرادی قوت کے بغیر نہیں کرسکتا اگر ہم اس کے دو بہترین فائٹرز کو ختم کردیں تو اس کی بڑی طاقت کم ہوجائے گی اور اس کے بعد اس کو تباہ کرنا آسان ہوگا یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی عمارت کو گرانے کے لیے اس کی بنیاد کو کھوکھلا کردیا جائے تو عمارت خود بخود تباہ ہوجاتی ہے اگر لیڈر کو ختم کردیا تو اس کی جگہ کوئی اور بھی لے سکتا ہے۔" جیکی کی بات پر منصور نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"کب؟ کب کرنا ہے؟" منصور نے پوچھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ عالیہ کو اڑتالیس گھنٹے میں ختم کردیا جائے اور اس کے کچھ ہفتوں کے بعد ہم وسیم جارلی سے بھی نجات حاصل کرلیں گے انہیں غم بھلانے کا وقت بھی تو دینا ہوگا اور ان کے محافظوں کو ریلیکس ہونے کا بھی۔"

"سمجھو کام ہوگیا۔" منصور کرمانی نے کہا۔

وہ سب کانفرنس روم میں جمع تھے میز کے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں میں عالیہ، سربینہ اور تنویر بھی شامل تھے عالیہ سربینہ سے باتوں میں مصروف تھی کہ اچانک چونکی اس کی نظریں وسیم جارلی پر پڑی تھیں جو کمرے میں داخل ہو رہا تھا جارلی کے لیے وہ اپنے جذبات کو چھپا نہ سکی تھی اور اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نظر آئے تھے۔ جارلی نے بھی ایک نظر اس پر ڈالی تھی اور عالیہ سے دور ایک کرسی منتخب کرکے بیٹھ گیا تھا ایسا اس نے احتیاطاً کیا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ عالیہ اور اس کے تعلقات پر کسی کو شبہ بھی ہو اس

Downloaded from https://paksociety.com

کی اس حرکت پر عالیہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔
"میں نے دیکھ لیا ہے۔" سرینہ نے شرارتی انداز میں کہا۔
"کیا؟" عالیہ نے انجان بن کر پوچھا۔
"ہاں کیا؟" تنویر نے بھی پوچھا جو کچھ سن نہیں سکا تھا۔
"کچھ نہیں۔" عالیہ نے سرینہ کی طرف تنبیہی انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم پھر بات کریں گے۔" عالیہ نے سرگوشی میں سرینہ سے کہا اور اسی وقت ملیحہ شاہ بھی کمرے میں داخل ہوئی تھی جس کے تعلقات ہر وقت چاولی سے خراب رہتے تھے اور وہ اس سے بہت چڑتی تھی۔ وہ چاولی کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی لیکن ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
"یہ کون ہے؟" سرینہ نے پوچھا وہ ڈیم سینٹر کی ممبر ہونے کے ناتے ملیحہ کو نہیں جانتی تھی۔
"یہ ملیحہ شاہ ہے۔" تنویر نے جواب دیا۔
"اس کی کیا کہانی ہے؟" عالیہ نے پوچھا سب کچھ جاننے کے باوجود وہ تنویر سے جاننا چاہتی تھی۔
"لوگوں کی رائے کے مطابق یہ بہت چالاک اور شاطر عورت ہے بہت اچھی فائٹر ہے اور کہا جاتا ہے کہ وسیم چاولی اور اس کے درمیان معاشقہ چل رہا تھا لیکن اس کا انجام کچھ اچھا نہیں ہوا۔"
"کیا مطلب؟" عالیہ نے مزید کریدا۔
"وسیم اس کو گھاس نہیں ڈال رہا اور وہ اس کی دیوانی ہے لیکن وسیم اس کو ہر بار مایوس کر رہا ہے۔"
"وہ اس کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتی ایسی بے عزتی سے کیا فائدہ؟" سرینہ نے کہا۔
"وسیم نے اسے ٹھکرا کر اس کی جو بے عزتی کی ہے وہ شاید کسی طرح اس کا بدلہ لینا چاہتی ہے۔" تنویر نے کہا۔
"ہوں تو عزت کا مسئلہ ہے۔" سرینہ نے کہا۔
"ہاں! لیکن تم دونوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم تو وسیم سے محبت نہیں کرتی ہو نا؟" تنویر نے مزاحیہ انداز میں کہا۔
"ہوں۔" عالیہ نے ہنکارا بھرا تھا۔ اسی وقت کمرے میں سمیر اور ناصر محمود داخل ہوئے تھے اور سمیر کمرے میں رکھی میز پر مرکزی کرسی پر بیٹھ گیا تھا جو وسیم کی کرسی کے برابر ہی تھی اس نے اور وسیم نے ایک دوسرے کو گہری نظروں سے دیکھا تھا ناصر محمود بھی سمیر کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا اور اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائلیں قریب بیٹھے شخص کو دے دی تھیں جس نے ہر شخص کو ایک ایک فائل دینا شروع کر دی تھی۔
"گڈ ایوننگ ٹیم!" سمیر نے کہا۔ "سب سے پہلے تو میں ان لوگوں کا شکریہ ادا کروں گا جنہوں نے جیکی گروپ کے خاتمے کے لیے ہمارے آپریشن کی تیاری میں ہمارا ساتھ دیا ہے اور جن کی تیاری کئی ماہ سے جاری ہے اور جس میں ہمیں پتہ کرنا ہے کہ جیکی کو ہتھیار کون سپلائی کرتا ہے ہمیں اس طرح جیکی کے ساتھ ڈیل کرنے والے بڑے بڑے سپلائرز کی لسٹ مل گئی ہے ان کے کنٹریکٹ مل گئے ہیں جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ پاؤں کٹ گئے ہیں اور وہ ایک حد میں وہ کر ہی کام کر سکتا ہے ہم اپنے احتیاط مزید بڑھا رہے ہیں اپنی کارکردگی بڑھانے کے لیے پرانے آلات کو نئے آلات سے بدلا جا رہا ہے نئے سی سی کیمرے لگ چکے ہیں۔ آپ کو جو فائلیں دی جا رہی ہیں ان میں آپ کے لیے ہدایات ہیں اور بتایا گیا ہے کہ کس کی ڈیوٹی کس علاقے میں ہے اور اس کے ذمے کیا کام ہے۔ آپ دو دو افراد کی جوڑی میں اپنے علاقوں میں تعینات ہوں گے بالکل ایسے ہی جیسے ریگولر پرونگ کے لیے ہوتے ہیں اس آپریشن کا دورانیہ چھ سے سات گھنٹوں کا ہوگا اس سے ہمیں جو معلومات حاصل ہوں گی ان کی اہمیت بہت زیادہ ہوگی۔"
ابھی سمیر بات ہی کر رہا تھا کہ اس کی پشت پر موجود کمرے کا دروازہ کھلا اور حفیظ اندر داخل ہوا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے سمیر کے کاندھے کو تھپکی دی تھی اور سمیر اس کی طرف مڑا تھا اور حفیظ نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی جس پر سمیر نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور حفیظ کمرے سے واپس چلا گیا تھا اس کے جانے کے بعد سمیر بھی کرسی سے کھڑا ہو گیا تھا۔
"میں پانچ منٹ کی مہلت چاہتا ہوں مجھے ناصر سے کچھ بات کرنا ہے۔" سمیر نے کہا اور ناصر کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد کمرے میں سرگوشیاں شروع ہو گئی تھیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

سمیر اور ناصر کمرے سے نکل کر کاریڈور میں چند قدم آگے جا کر رک گئے تھے۔

"ناصر! تم اس آپریشن کو لیڈ کرو گے۔" سمیر نے ناصر محمود سے کہا۔

"کیا ہوا ہے؟" ناصر نے فکرمندی سے پوچھا کیونکہ سمیر اس آپریشن پر شروع سے کام کر رہا تھا اور اس کا یوں اچانک خود کو اس آپریشن سے الگ کرنا عجیب سا لگ رہا تھا۔

"حفیظ نے طاہر شاہ کا پتا لگا لیا ہے۔" سمیر نے کہا اور ناصر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اسے سمیر کی آنکھوں میں ایک آگ سی نظر آئی تھی وہ بے چین سا ہو گیا تھا۔

"طاہر شاہ؟ تم کیا پلاننگ کر رہے ہو؟" ناصر نے پوچھا۔

"مجھے اپنے ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ اب طاہر شاہ کو ہمارے مقابلے پر لایا جا رہا ہے جو ساجد سے زیادہ ہوشیار اور خطرناک ہے میں نے اس کا محل وقوع پتہ کرنے کے لیے حفیظ کو ذمہ داری دی تھی۔"

"طاہر شاہ کا تمہیں کیسے پتہ چلا؟ کیا تفتیش کے دوران ساجد نے کچھ......؟"

"نہیں...... ساجد نے منہ نہیں کھولا بس تم یہ سمجھ لو کہ میں ایک لمحے کے لیے بھی جبلی کا پیچھا نہیں چھوڑتا ہوں، کسی بھی لمحے اس کی بے خبری میں اس سے اس کی اہم معلومات حاصل کر لیتا ہوں یہ ہماری بقا کے لیے بہت ضروری ہے ایسے ہی ایک لمحے میں جب وہ منصور کرمانی کے ساتھ میٹنگ میں تھا تو میں اس کے دماغ میں موجود تھا تب مجھے پتہ چلا کہ دراصل طاہر شاہ کی گولی خلیل کامران کو لگی تھی اس نے انہیں مارا تھا۔"

"اوہ سمیر...... u, r, a, devil" ناصر نے تعریفی انداز میں کہا۔

"تم اب کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"ابھی میں حالات کا جائزہ لوں گا۔" سمیر نے کہا۔

"اوہ سمیر! میں اتنا بچہ بھی نہیں...... خلیل کامران کو اس نے قتل کیا اب وہ پھر منظر پر آیا ہے یقیناً ساجد کے پکڑے جانے کے بعد کوئی اہم ذمہ داری اسے دی گئی ہو گی۔"

"عالیہ کا قتل۔" سمیر نے کہا اور ناصر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"اور تم کہہ رہے ہو کہ تم حالات کا جائزہ لو گے...... اسے تو فوراً ختم کر دینا چاہیے۔" ناصر محمود نے کہا۔

"صبر کرو...... ناصر ختم بھی کر دیں گے۔"

"پتہ نہیں CSA میں کس کس کو نشانہ بنائے گا؟ اگر تمہیں اس کی لوکیشن کا پتہ چل گیا ہے تو میں جانتا ہوں تم آرام سے نہیں بیٹھو گے تم اکیلے اس سے لڑنے نہ پہنچ جانا ہم نہیں چاہتے کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے یہ کام ہمیں دو ہم تمہاری حفاظت کریں گے اور ادارے کی بھی۔"

"کسی کو مجھے پروٹیکٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں اس قابل ہوں کہ تمہاری اور اس ادارے کی حفاظت کر سکتا ہوں، خلیل کامران نے مجھے یونہی ذمہ داری نہیں دی تھی میں راتوں کو سوتا نہیں ناصر اپنے دشمنوں کے دماغوں میں نقب لگاتا ہوں ان کے راز کھوج لیتا ہوں، ان کی سوچ پڑھ لیتا ہوں مجھے اس کام کے لیے کسی ٹیم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ٹیم کو میری ضرورت ہے، میں مختلف کام لوگوں کے حوالے کرتا ہوں تو مجھے پہلے پتہ ہوتا ہے کہ کس سے کیا چال چلوانی ہے کس کو کہاں استعمال کرنا ہے کہ وہ زیادہ سودمند ثابت ہو سکے۔"

"لیکن میں چاہوں گا کہ میری طرف سے تم بے فکر ہو کر کام کرو، میں بھی اپنی حفاظت کر سکتا ہوں سمیر۔"

"میں جانتا ہوں...... ایک بات یاد رکھو ناصر...... گورنمنٹ کی نظریں ہم پر سے ہٹی نہیں ہیں۔" سمیر نے سرگوشی میں کہا۔ "بہت جلد وہ اپنی تفتیش شروع کر دیں گے میں ان کی پوچھ گچھ کا جواب دینے کی تیاری کر چکا ہوں تم اس کے لیے تیار نہیں ہو چنانچہ ادارے اور تمہارے لیے بھی بہتر ہے کہ تم اس وقت آپریشن کی نگرانی کرو اور باقی معاملات میں سنبھالتا ہوں۔" سمیر نے کہا تو ناصر نے ایک ٹھنڈی سانس بھری وہ جانتا تھا کہ سمیر درست کہہ رہا ہے۔

"اچھا اپنا خیال رکھنا اور جہاں کہیں ضرورت پڑے مجھے یاد کر لینا۔" ناصر نے کہا تو سمیر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم آپریشن کو لیڈ کرو۔" سمیر نے ایک بار پھر کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" ناصر نے کہا اور واپس کانفرنس روم کی طرف مڑ گیا سمیر اسے جاتا ہوا دیکھتا

Downloaded from https://paksociety.com

رہا تھا اور پھر تیزی سے چلتا ہوا کاریڈور سے نکل کر ہتھیاروں کے اسٹور کی طرف چلا گیا تھا۔

اس نے CSA کا مکمل یونیفارم پہنا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں دو TEC-9s تھیں اور وہ جیکی گروپ کے ٹھکانے پر پہنچ گیا تھا۔ یہ ٹھکانہ ہر کوئی جانتا تھا لیکن کوئی ادھر کا رخ نہیں کرتا تھا۔ یہ دو عمارتوں پر مشتمل تھا اگلے حصے میں ایک بدنام زمانہ ہوٹل تھا جہاں شراب و شباب کی محفل بھی رہتی تھی اور پچھلے حصے میں ایک ویئر ہاؤس بنا ہوا تھا اس کا مالک ایک بدنام زمانہ شخص تھا جو ہر وقت جیکی سے رابطے میں رہتا تھا۔ سمیر کی اطلاع کے مطابق طاہر شاہ وہیں چھپا تھا۔ سمیر نے خود کو تیار کیا اور ایک زوردار ٹھوکر سے دروازہ کھولتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ سیدھا شراب خانے میں ہی کھلتا تھا۔ اس کا مالک سامنے کاؤنٹر پر موجود تھا اور شراب خانے میں جیکی گروپ کے لوگ جگہ جگہ بیٹھے موسیقی اور شراب سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور پچھلی دیوار میں ایک دروازہ تھا جس کے بارے میں سمیر جانتا تھا کہ اس کے پیچھے ویئر ہاؤس موجود ہے۔

”کیا مرنے کی تیاری کرکے آئے ہو کمانڈو؟“ مالک نے سمیر کی طرف دیکھ کر کہا تو سمیر نے اپنی گن کا رخ اس کی طرف کر لیا جس پر مالک چند قدم پیچھے کھسک گیا۔

”طاہر شاہ کہاں ہے؟“ سمیر نے کہا اور مالک نے پچھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

”وہ تمہیں پیچھے ملے گا۔“ مالک نے کہا اور سمیر نے نوٹ کیا کہ کئی لوگوں کے ہاتھ ان کی کمر سے لگی گنوں کی طرف بڑھے تھے اور اس نے فائر کھول دیا تھا اس کی گنوں میں سائیلنسر لگے ہوئے تھے کمرے میں ایک ساتھ کئی چیخیں سنائی دی تھیں اور کئی لوگ فرش پر ڈھیر ہو گئے تھے چند سیکنڈ بعد اس نے فائر بند کر دیا تھا اور احتیاط سے ہال کا جائزہ لیا تھا وہاں موجود لوگوں کے چہروں پر خوف تھا اور جیکی کے جن ساتھیوں نے سمیر سے ٹکر لینے کا سوچا تھا وہ سب مر چکے تھے اس صورت حال سے مطمئن ہونے کے بعد وہ پچھلے دروازے کی طرف بڑھا تھا اس دروازے کو بھی اس نے ایک ٹھوکر مار کر کھولا تھا اس کمرے میں کوئی فرنیچر نہیں تھا سوائے ایک کنگ سائز بیڈ کے جس کے قریب زمین پر ریشمی کپڑے پڑے تھے کمرے میں عجیب سی بو بسی ہوئی تھی اور بیڈ پر ایک شخص کے ساتھ دو لڑکیاں اٹھکیلیوں میں مصروف تھیں انہوں نے سمیر پر توجہ نہیں دی تھی حالانکہ وہ ایک آندھی کی طرح کمرے میں داخل ہوا تھا۔ سمیر نے ایک فائر کیا اور دونوں لڑکیاں چونک اٹھیں وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھیں ان کے چہرے پر دہشت تھی۔

”نکلو...... یہاں سے دفع ہو جاؤ۔“ سمیر نے غصے میں ان لڑکیوں سے کہا اور وہ چیختی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔ سمیر نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا تھا اور طاہر شاہ کی طرف مڑا تھا جو اپنی جینز درست کر رہا تھا۔

”طاہر شاہ۔“

”کمانڈو سمیر احمد۔“ طاہر شاہ نے اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا اور سمیر کی طرف چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”تمہیں پتہ چل گیا ہے کہ میں نے خلیل کامران کو مارا تھا۔“ اس نے پوچھا۔

”لو اب تمہارے ارادے کچھ اور ہیں۔“ سمیر نے اسی کے لہجے میں جواب دیا۔

”تم کیا سمجھتے ہو کہ میں اتنی آسانی سے تمہارے ہاتھ لگ جاؤں گا اور تم مجھ سے اپنا انتقام لے کر رات کو سکون کی نیند سو سکو گے؟“ طاہر شاہ نے کہا۔

”ایسا نہیں ہے ہم اس قسم کی سوچوں سے آگے کی بات کرتے ہیں تم نے خلیل کامران کو مارنے کے علاوہ بھی بہت سے ایسے کام کیے ہیں جن پر تمہاری پکڑ ہو سکتی ہے ملک کی سلامتی کے خلاف کام جن کی پاداش میں تمہیں عبرت ناک سزائیں مل سکتی ہیں۔“

”تو یہ کس بات کی ہے؟“

”ہمیں کچھ ثبوت چاہئیں؟“ !

”جو تمہیں کبھی نہیں ملیں گے تم ہمیں اتنا بے وقوف سمجھتے ہو کہ ہم اپنے پیچھے ثبوت چھوڑ جائیں گے؟“

”کوئی برائی بھی نہیں چھپتی کبھی نہ کبھی پکڑی جاتی ہے مجھے بھی اسی دن کا انتظار ہے۔“

”ابھی تو تم اپنی خیر مناؤ جو تم مجھے مارنے آئے ہو لیکن تم اس کمرے سے زندہ واپس نہیں جا سکتے اب تمہارے

Downloaded from https://paksociety.com

ارادے کو خلیل کامران کے ساتھ ساتھ تمہارا بھی غم اٹھانا پڑے گا اور پھر ڈریم سینٹر والے تمہارے قاتل کو ڈھونڈتے پھریں گے۔"

"ایسا نہیں ہے طاہر' میں اکیلا ہی تم سب کے لیے کافی ہوں' میں جب چاہوں' جہاں چاہوں اور تمہارے جس ساتھی کو چاہوں نشانہ بنا سکتا ہوں بہت آرام سے بغیر ہاتھ لگائے' اسے ایسے ختم کرسکتا ہوں کہ اسے کیا کسی کو بھی یہ پتہ نہیں چلے گا کہ اسے کس نے مارا' کیوں مارا اور کیسے مارا؟" سمیر نے طاہر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاہا...... اچھا مذاق ہے۔" طاہر نے ہنستے ہوئے کہا' بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟"

"سنو...... راستہ چلتے ہوئے تمہارے برابر سے گزرتا ہوا کوئی بھی شخص اچانک تمہاری گردن دبوچ لے' تمہیں کسی تیز رفتار گاڑی کے سامنے دھکیل دے تو تم کیا کرو گے؟ تم مارے جاؤ گے' تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا کہ کس نے مارا اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم اپنی گرفت میں موجود گن سے کسی کو مارنا چاہتے ہو اور خود کو ہی نشانہ بنالو یعنی خودکشی کرلو۔"

"بھلا کوئی ایسا کیوں کرے گا؟"

"ہاں کرسکتا ہے اگر اس کا دماغ خراب ہوجائے اس کی عقل سلب کرلی جائے' اس کے دماغ کو کنٹرول کرلیا جائے' اسے معمول بنالیا جائے پھر جو اسے حکم دو وہ رہی کرے گا' میں ایسی ہی صلاحیتوں کا مالک ہوں' مجھے خلیل کامران کی طرح ختم نہیں کیا جاسکتا لوگ مجھے ایسے ہی زیرو نہیں کہتے۔" سمیر نے زہریلی مسکراہٹ سے کہا۔

"سنا تو میں نے بھی بہت کچھ ہے پر کبھی تجربہ نہیں ہوا یہ سب افواہیں بھی ہوسکتی ہیں تم نے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنے بارے میں ایسی کہانیاں مشہور کی ہوئی ہیں۔"

"میں عام طور پر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لاتا بہت ہی ناگزیر حالات میں انہیں استعمال کرتا ہوں' کیونکہ میں ان سے لوگوں کے فائدے کے لیے کام کرنا چاہتا ہوں انہیں نقصان پہنچانے کے لیے نہیں' میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ جب کسی کو کیفر کردار تک پہنچاؤں تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اسے کیوں مارا گیا اور کس نے مارا تاکہ اسے اپنے جرم کا احساس مرتے دم تک ہوجائے۔" سمیر نے کہا اور اپنی ایک گن سے فائر کیا گولی طاہر کے پیٹ میں لگی اور وہ زمین پر گر گیا' وہ تکلیف سے کراہ رہا تھا۔

"تم بچ نہیں سکتے اس کمرے میں سی سی کیمرے موجود ہیں' تمہاری ویڈیو بن گئی ہوگی' تمہیں اب کوئی نہیں بچا سکتا۔" طاہر نے کہا۔

"تم نے ہمیں اتنا نا سمجھ سمجھا ہے؟ تمہاری اطلاع کے لیے تمہارے کیمرے میرے یہاں آنے سے چند منٹ پہلے کام کرنا چھوڑ چکے ہیں اور میرے جانے کے بعد پھر کام کرنے لگیں گے۔" سمیر نے کہا طاہر فرش پر پڑا کراہ رہا تھا۔

"تو تم مجھے مارنے آئے ہو...... مجھ سے خلیل کامران کے قتل کا بدلہ لینے اور عالیہ کو بچانے کے لیے۔" طاہر نے اکھڑی ہوئی سانسوں کے دوران کہا۔

"ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔" سمیر نے کہا اور اسی لمحے طاہر نے کراہنے کے دوران بڑی پھرتی سے اپنے پاؤں میں بندھا ہوا خنجر نکال کر سمیر کے ہاتھ کو نشانہ بنایا تھا۔ سمیر کے ہاتھ سے گن چھوٹ کر گرگئی تھی اور دوسرے ہاتھ کی گن اس نے خود پھینک دی تھی وہ درد کی شدت سے کراہ رہا تھا اور چاقو اس کے سیدھے ہاتھ میں پیوست تھا۔

"تم نے سمجھا تم مجھے آسانی سے مار سکتے ہو تو یہ تمہاری بھول تھی عقلمندی اسی میں تھی کہ تم کمرے میں آتے ہی مجھے گولی مار دیتے لیکن تم تو ہیرو بن رہے تھے اب بتاؤ تکلیف ہورہی ہے؟" طاہر نے کھسکتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چاقو کھینچ کر نکال لیا تھا جس کے ساتھ اس کے ہاتھ سے کچھ کھال بھی ٹوٹ کر نکل گئی تھی اور وہ ایک بار پھر تکلیف سے کراہ اٹھا تھا۔

"تم سمجھتے ہو میں تنہا ہوں؟ چنانچہ مجھے مارنا آسان ہوگا' تم نے غلطی کی جو مجھے وقت دیا۔"

"تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں آسان موت دی جائے یا جلدی سے مار دیا جائے' تمہیں تکلیف دے دے کر مارنا چاہیے۔" سمیر نے کہا۔

"میں چاہتا تو تمہارا ہاتھ تمہارے تن سے بھی جدا کرسکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔"

"مجھ پر رحم دکھانے کی ضرورت نہیں ہے الو کے

Downloaded from https://paksociety.com

جلے۔" سمیر نے اسے گالی دی وہ اپنی تکلیف پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا اور گھٹنوں کے بل کھڑا ہونا چاہ رہا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے ایک بار میں نے طفیل کامران پر بھی حملہ کیا تھا میں اس کا گلہ دبا کر مارنا چاہتا تھا وہ تکلیف کی شدت میں تمہارا نام پکار رہا تھا تمہیں مدد کے لیے پکار رہا تھا لیکن تم وہاں نہیں تھے پھر لوگوں نے اس کی آواز سن لی اور میں وہاں سے بھاگ آیا۔"

"بکواس بند کرو..... ایسا کچھ نہیں ہوا..... مجھے طفیل کامران نے کچھ نہیں بتایا۔"

"اس نے تمہیں اور بھی بہت کچھ نہیں بتایا..... خیر...... میرا خیال ہے میں عالیہ کو اس سے بھی زیادہ آسانی سے ماروں گا بس وہ اور میں اکیلے ہوں گے میرے لیے یہ کام آسان ہوگا۔"

"میں تمہیں روکوں گا۔" سمیر نے کہا اور اس نے اپنی تکلیف کی پروا نہ کرتے ہوئے طاہر کا گھٹنا پکڑا اور اس کے سہارے کھڑا ہو گیا اس کے ساتھ ساتھ طاہر فرش پر پھر گر گیا تھا اور سمیر نے اس کے چہرے پر زوردار گھونسہ مارا تھا جس سے اس کی ناک ٹوٹ گئی تھی پھر سمیر نے اس کے بال پکڑ کر اس کا سر زور زور سے فرش سے مارنا شروع کر دیا تھا طاہر خود کو اس کی گرفت سے آزاد کروانا چاہتا تھا لیکن سمیر نے اسے دبوچ لیا تھا اور اپنا سارا وزن اس پر ڈالا ہوا تھا اور اس کے جسم پر مکوں کی بارش کر دی تھی یہاں تک کہ طاہر نے مدافعت کرنا چھوڑ دی پھر سمیر نے اپنی گن اٹھائی تھی۔

"تم عالیہ کو نہیں بچا سکتے۔" طاہر نے کہا وہ اپنی نیم وا آنکھوں سے سمیر کو دیکھ رہا تھا سمیر نے اپنی گن اٹھا کر اس پر فائر کیا تھا اور گولی اس کی کھوپڑی سے پار نکل گئی تھی جس سے اسی وقت طاہر کی موت واقع ہوئی تھی۔

"ابھی کہانی شروع ہوئی ہے۔" سمیر نے آہستہ سے کہا اور دیوار سے ٹیک لگائی پھر اس نے اپنا سیل فون نکالا تھا اور اس پر نمبر ڈائل کیا تھا۔

"ناصر! مجھے مدد کی ضرورت ہے یہ جگہ پورٹ لینڈ سے پانچ منٹ کے فاصلے پر ہے۔" نائٹ کلب" سمیر نے فون بند کر کے جیب میں رکھا اسے علم تھا کہ ناصر کچھ ہی فاصلے پر موجود ہے وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل کر شراب خانے کے کاؤنٹر تک آ گیا تھا خون بہت بہہ جانے کی وجہ سے اس پر غنودگی چھا رہی تھی اور وہ خود کو ہوش میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا پھر جلد ہی ناصر وہاں پہنچ گیا تھا۔

❁.....()....❁

عالیہ کی آنکھ اپنے سیل فون کی بیل سے کھلی تھی جو اس کے بیڈ کے قریب ٹیبل پر رکھا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا تھا۔

"ہاں میں عالیہ بول رہی ہوں۔" اس نے کہا اور پھر دوسری طرف کی بات سننے لگی پھر وہ چونکی تھی۔

"کیا.....؟ اوہ میں ابھی آتی ہوں۔" اس نے کہا اور تیزی سے اپنے اوپر سے چادر اتار کر پھینک دی پھر اس نے بڑی عجلت میں لباس تبدیل کیا تھا وہ حیران تھی کہ اتنی رات گئے اسے سمیر نے فون کر کے کیوں بلایا تھا' کوئی معمولی بات ہوتی تو وہ یقیناً ایسا نہ کرتا' اس نے کبھی کسی معمولی سی بات کے لیے عالیہ کو یوں تنگ نہیں کیا تھا لیکن اس کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ وہ بہت پریشان ہے۔ عالیہ تیار ہو کر بڑی عجلت میں گھر سے نکلی تھی اور اس نے سفر کے لیے بائیک کا انتخاب کیا تھا وہ حیران تھی کہ عالیہ سے اس وقت ملنے کے لیے سمیر نے اس قبرستان کا انتخاب کیوں کیا تھا' جہاں اس کے والد دفن تھے جب وہ وہاں پہنچی تو سمیر قبرستان کے احاطے کے باہر ہی اس کا منتظر تھا اس نے بائیک ایک طرف کھڑی کی اور سمیر کی طرف بڑھ گئی جو اس وقت سگریٹ پی رہا تھا۔

"تم بہت زیادہ اسموکنگ کرنے لگے ہو۔" عالیہ نے اسے ٹوکا۔

"ہاں کام کی زیادتی کی وجہ سے ایسا ہے۔" سمیر نے بات بتائی اور عالیہ بغور اسے دیکھنے لگی۔

"تم نے فون پر بتایا تھا کہ کوئی اہم کام ہے؟" عالیہ نے پوچھا۔

"ہاں میں ویسے تو تمہیں فون پر ہی بات بھی بتا دیتا لیکن تمہارا فون سیکیور نہیں ہے اس لیے تمہیں یہاں بلایا جانا بھی ضروری تھا۔"

"تم نے کہا تھا کہ تم مجھے میرے والد کے بارے میں کوئی اہم اطلاع دو گے؟" عالیہ نے کہا۔

"ہاں! میں تمہیں طفیل کامران کے قاتل کے بارے

Downloaded from https://paksociety.com

میں بتانا چاہتا ہوں۔'' سمیر نے کہا اور خاموش ہوگیا۔ عالیہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اس کا دل سینے میں تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

''کیا.....؟ بولو..... میں سن رہی ہوں۔'' اس نے بے چینی سے کہا۔

''کل رات اسے مار دیا گیا۔'' سمیر نے کہا۔

''کیا اسے CSA نے مارا؟''

''نہیں! اس کے بہت سے دشمن تھے۔'' سمیر نے بات بنائی۔

''ہاں یہ تو مجھے یقین ہے۔''

''میرا خیال تھا کہ اس بارے میں تمہیں ضرور بتاؤں تم بھی جاننے میں دلچسپی رکھتی ہوگی۔'' سمیر نے کہا اور عالیہ شدت جذبات سے اس سے چمٹ گئی اس نے سمیر کو اپنی بانہوں میں لے لیا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

''شکریہ۔'' اس نے کچھ دیر بعد سمیر سے الگ ہوتے ہوئے کہا تو سمیر کی سسکی نکل گئی اس سے الگ ہوتے ہوئے عالیہ نے انجانے میں اس کے دائیں بازو کو ہلکا سا دبایا تھا اور سمیر کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے تھے۔

''کیا ہوا؟ تمہارے بازو میں تکلیف کیوں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''کچھ نہیں آپریشن کی مشقوں کے دوران ایک گن کا ہتھا زور سے لگ گیا تھا۔'' سمیر نے جھوٹ بولا وہ عالیہ کو سچ نہیں بتانا چاہتا تھا ورنہ وہ اس پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دیتی اور وہ اس وقت اس کے سوالوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''کیا تم ٹھیک ہو؟'' عالیہ نے پوچھا۔

''ہاں ہاں! میں ٹھیک ہوں..... بالکل ٹھیک۔'' سمیر نے کہا چند لمحے وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے رہے جیسے ایک دوسرے سے کچھ کہنا چاہتے ہوں لیکن دونوں میں سے کسی نے بھی اس خاموشی کو توڑنے کی ہمت نہ پائی۔

''اچھا اب مجھے چلنا چاہیے۔'' عالیہ نے کہا اور سمیر نے اثبات میں سر ہلایا وہ اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا پھر اچانک ہی اس نے عالیہ کو آواز دی۔

''عالیہ سنو۔'' اس کی آواز پر عالیہ رک گئی اور پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

''تم چارلی سے ہوشیار رہنا۔'' اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ دیا۔

''ہاں میں خیال رکھوں گی۔'' عالیہ نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تو سمیر نے اثبات میں سر ہلایا پھر عالیہ وہاں سے مڑ گئی تھی اور کچھ دیر بعد سمیر بھی اپنی رہائش گاہ پہنچ گیا تھا۔

پھر وہ بستر پر کافی دیر تک کروٹیں بدلتا رہا تھا لیکن اسے نیند نہیں آرہی تھی بار بار اس کے سامنے طاہر شاد کا مردہ جسم آجاتا وہ کروٹ بدل کر دھیان کسی اور خیال میں لگاتا لیکن پھر طاہر شاد کا چہرہ اس کے سامنے آجاتا پہلے اس کا خیال تھا کہ اگر وہ خلیل کامران کے قاتل کو اس کے انجام تک پہنچا دے گا تو اسے سکون نصیب ہوجائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا اس کی بے چینی بڑھ گئی تھی اور وہ اس کے لیے کسی سے مدد بھی نہیں لے سکتا تھا کیونکہ اس نے کسی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس نے طاہر شاد کو قتل کر دیا ہے اور طاہر شاد ہی خلیل کامران کا اصل قاتل تھا اس نے جب طاہر شاد کو قتل کرنے کے بعد ناصر کو فون کر کے بلایا تھا تو وہ زخمی حالت میں لڑکھڑاتا ہوا شراب خانے سے باہر آگیا تھا اور وہیں سے ناصر اسے ساتھ لے گیا تھا۔ اسے ہر حالت میں صرف اپنے اوپر ہی انحصار کرنا تھا اور اپنی ذہنی حالت کو کنٹرول کرنا تھا اس کے اوپر بہت سے لوگوں کی ذمہ داری تھی اسے یقین تھا کہ وہ جلد ہی اپنے حواس پر قابو پالے گا۔ چنانچہ اس نے نیند کی دو گولیاں لیں اور کچھ دیر بعد گہری نیند سو گیا۔

کئی گھنٹے بعد اس کے فون کی گھنٹی بجی تھی اور اس نے چونک کر فون اٹھایا تھا دوسری طرف سے انسٹرکٹر بشیر بول رہا تھا۔

''سمیر میرے پاس ایک بری خبر ہے۔'' بشیر نے کہا اور سمیر اٹھ کر بیٹھ گیا ایسا کرتے ہوئے اس کے منہ سے کراہ نکل گئی تھی کیونکہ انجانے میں اس کا بازو دب گیا تھا۔

''سمیر کیا بات ہے؟ تم ٹھیک تو ہو؟'' بشیر نے پوچھا۔

''ہاں! میں ٹھیک ہوں..... سن رہا ہوں..... بولو کیا بات ہے؟''

Downloaded from https://paksociety.com

"جنگی نے پولیس کو اطلاع دی ہے کہ CSA نے اس کے ایک درجن کے قریب لوگ مارے ہیں اور ایک شخص جس کی پہچان طاہر شاہ کے نام سے ہوئی ہے وہ بھی جنگی کے شراب خانے پر قتل کیا گیا ہے وہاں ہر طرف خون ہی خون بکھرا پڑا ہے۔"

"لیکن ہمارا فیلڈ آپریشن تو دوسرے علاقے میں تھا۔" سمیر نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تمہیں اس حادثے کی اطلاع تھی؟" بشیر نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم تم کیا بات کر رہے ہو؟" سمیر نے کہا دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی سمیر محسوس کر سکتا تھا کہ بشیر کو شک ہے کہ یہ سمیر نے کیا ہے۔

"کام تمہارے انداز میں کیا گیا ہے...... اور کمال کامران نے ایک ایمرجنسی میٹنگ بلائی ہے چند گھنٹے پہلے جس میں سرکل کے سارے لوگ تھے اس کا کہنا تھا کہ یہ کام تم نے کیا ہے میں نے اور حامد نے بہت کہا کہ وہ غلط بات کر رہا ہے لیکن اس نے ایک نہیں سنی تم تو جانتے ہی ہو کہ وہ کسی کی نہیں سنتا' اس کا کہنا ہے کہ تمہاری وجہ سے ڈرم سینٹر بدنام ہو رہا ہے اور اس نے ممبرز سے درخواست کی ہے کہ وہ تمہیں سپورٹ نہ کریں۔"

"تم کیا سمجھتے ہو کیا وہ طاہر شاہ کی موت کو انجوائے کر رہا ہے ایسے شخص کی موت کو جو اس کی بیٹی کو ختم کرنے والا تھا؟" سمیر نے پوچھا۔

"تم جانتے ہو اس کا کام کرنے کا اپنا ہی ایجنڈا ہوتا ہے۔" بشیر نے کہا۔

"مجھے انفارم کرنے کا شکریہ۔" سمیر نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"جو بھی حالات ہوں میں اور حامد تمہیں ہی سپورٹ کریں گے سمیر۔" بشیر نے کہا۔

"شکریہ بشیر میں تم سے پھر بات کروں گا۔" سمیر نے کہا اور فون بند کر دیا۔

سمیر بستر سے آہستگی سے اٹھا تھا اس نے کوشش کی تھی کہ اس بار اس کے بازو پر زور نہ پڑے پھر اس نے اپنے پرسنل سیل سے ناصر محمود کو فون ملایا تھا۔

"ناصر کل میرے گھر پر ایک ایمرجنسی میٹنگ رکھو سورج غروب ہونے کے بعد اور تمام شیڈول کے کام ہونے کے بعد تم حفیظ کو لے کر آنا۔" اس نے جواب سنے بغیر فون بند کر دیا تھا اور پھر اپنے بیڈ پر لیٹ گیا تھا وہ پریشان نہیں تھا کیونکہ چیزیں اسی طرح وقوع پذیر ہو رہی تھیں جیسا کہ اس نے پہلے ہی اندازہ لگایا ہوا تھا' بس وہ اندازے سے کچھ زیادہ تیزی سے وقوع پذیر ہو رہی تھیں۔

❁......()......❁

سمیر سے رخصت ہونے کے بعد عالیہ واپس اپنے گھر آ گئی تھی وہ بہت دیر تک اس کے بارے میں سوچتی رہی تھی' سمیر نے اسے یہ تو بتا دیا تھا کہ اس کے والد کے قاتل کو ختم کر دیا گیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے کس نے اور کیسے ختم کیا ہے اسے سمیر کے بازو کا زخم بھی یاد تھا جس کے لیے اس نے کہا تھا کہ فیلڈ آپریشن کے دوران چوٹ لگی ہے لیکن عالیہ کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ سمیر اس سے کچھ چھپا رہا ہے اس نے بہت دیر سوچا لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی وہ کسی سے اس بات کو شیئر بھی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اس سے ہر معاملے کو راز داری میں رکھنے کا عہد لیا گیا تھا پھر اچانک اس کے ذہن میں چارلی کا خیال آیا وہ سمیر سے بہت قریب تھا اور اس کے بہت سے آپریشنز میں اس کے ساتھ ہوتا تھا اس نے چارلی سے ملنے کا فیصلہ کیا اس کا خیال تھا کہ وہ چارلی سے سب کچھ اگلوا لے گی شام تک کا وقت اس نے بہت مشکل سے گزارا تھا اور رات کو جلد سونے کے لیے بیڈ پر چلی گئی تھی یہ بات سیکورٹی گارڈ کو پتہ ہوتی تھی اور اسی وقت میں وہ چوروں کی طرح گھر سے باہر نکلتی تھی جسے آج تک سیکورٹی گارڈز نہیں پکڑ سکے تھے' کچھ ہی دیر میں وہ چارلی کے باکسنگ کلب میں اس کی خواب گاہ میں موجود تھی' چارلی اس کو وہاں دیکھ کر خوش ہو گیا تھا۔

"کیا آج کوئی نہیں آیا؟" عالیہ کا اشارہ کلب کے فائٹرز کی طرف تھا جو چارلی سے ٹریننگ لینے وہاں آتے تھے اور رات نو بجے تک وہاں رونق لگی رہتی تھی۔

"آج ہفتہ ہے اور ہفتے کے دن چھٹی ہوتی ہے وہ لوگ اتوار کو آتے ہیں تم بے فکر ہو جاؤ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔" چارلی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا تم کل سمیر کے ساتھ تھے؟" عالیہ نے بے تکلفی سے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ چونک کر اسے

Downloaded from https://paksociety.com

دیکھنے لگا وہ جانتا تھا کہ عالیہ ذاتی طور پر اسے ملنے آئی ہے کیونکہ وہ اسے پسند کرتی ہے پھر اسے عالیہ کا وہ سوال عجیب سا لگا اس نے سوچا کہ وہ اس بارے میں کیوں جاننا چاہتی ہے؟

"کیا اس کا جواب دینا ضروری ہے؟" چارلی نے کہا۔

"ہاں! اگر چاہو تو دے بھی سکتے ہو اور نہ چاہو تو نہ دو۔" عالیہ نے بے پروائی سے کہا۔

"کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ ہم صرف اپنی بات کریں..... میرا مطلب ہے کہ یہ سیمر کہاں سے بیچ میں آ گیا؟" چارلی نے چڑنے والے انداز میں کہا۔

"میں یونہی پوچھ رہی تھی کئی روز سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی اچانک خیال آ گیا تھا۔"

"کیا یہ مجھوں کہ اس کے لیے بھی تمہارے دل میں ایسی جگہ ہے جیسی میرے لیے؟" چارلی نے پوچھا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"یہ تم نے کیسا سوال کر دیا..... تم جانتے ہو کہ میں اس کے مقابلے میں تمہیں ترجیح دیتی ہوں۔" عالیہ نے اٹھلاتے ہوئے کہا اور چارلی نے بے ساختہ اسے اپنی بانہوں میں لے لیا تھا پھر اس نے بیڈ پر قلابازی کھاتے ہوئے میز پر رکھی اپنی گن اٹھائی تھی اور عالیہ کو لیے ہوئے بیڈ سے فرش پر چھلانگ لگا دی تھی۔

"خطرہ ہے۔" اس نے عالیہ کے کان میں سرگوشی کے انداز میں یہ الفاظ ادا ہوئے تھے۔ ویسے ہی عالیہ نے بھی محسوس کیا تھا کہ کمرے کے باہر آہٹیں سنائی دے رہی تھیں اسے حیرت تھی کہ چارلی نے اس سے پہلے خطرے کو محسوس کر لیا تھا گویا وہ اب بھی اس سے زیادہ تیز اور پھرتیلا تھا۔

چند سیکنڈ بعد ہی بیڈ پر رکھے تکیوں سے گولیاں ٹکرائی تھیں اور چارلی نے اپنی گن سے فائر کرنے کی کوشش کی تو اسے ناکامی ہوئی تھی۔

"اوہ شٹ یہ تو خالی ہے۔" چارلی نے آہستہ سے کہا اس نے عالیہ کو چھوڑ دیا تھا اور فرش پر رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا' خود کو باہر سے آنے والے فائروں سے بچانے کی کوشش بھی کر رہا تھا' کمرے میں آٹو میٹک فائر کی آوازیں گونج رہی تھیں وہ رینگتا ہوا اپنے بیڈ کی دراز سے دوسری گن نکالنے کی کوشش کرنے لگا' اسی وقت پھر فائر ہوئے اور وہ بچنے کے لیے تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اتنی دیر میں عالیہ نے اپنی دونوں پنڈلیوں پر بندھے ہولسٹر میں سے ایک سے خنجر نکال لیا تھا۔ چارلی اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا اس نے باہر سے آنے والی آوازیں دھیان سے سننے کے لیے آنکھیں بند کر لی تھیں اور چند لمحوں بعد ہی وہ مزید تھی اور بجلی کی تیزی سے خنجر پھینکا تھا انہیں دوسرے ہی لمحے ایک چیخ سنائی دی تھی اور ساتھ ہی کسی کے گن سمیت فرش پر ڈھیر ہونے کی آواز آئی تھی۔

"شکریہ۔" چارلی نے کہا اسے مہلت مل گئی تھی کہ دراز میں سے دوسری گن نکال لے جس میں وہ کامیاب ہو گیا تھا اسی وقت پھر فائر ہوئے تھے اور چارلی اور عالیہ جھک گئے تھے اب فائر کرنے والے شاید قریب آ گئے تھے کیونکہ گولیاں ان سے کچھ ہی فاصلے پر گر رہی تھیں اور فائروں کی آوازیں بھی قریب آتی جا رہی تھیں۔

"ٹھہرو۔" چارلی نے عالیہ سے کہا اس نے اپنی گن میں میگزین لگایا تھا اور باقی اپنی جیب میں رکھ لیے تھے۔ عالیہ نے بھی دوسرا خنجر نکال لیا تھا۔

"ریڈی۔" چارلی نے اس سے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا اسی لمحے ایک گن مین قلابازی کھاتا کمرے میں آیا اور کھڑے ہوتے ہی فائر کرنا شروع کر دیئے اسے اپنے ٹارگٹ کا علم نہیں تھا چارلی نے بڑی پھرتی سے اس کی کھوپڑی کا نشانہ لے کر فائر داغ دیا تھا اور وہ گن مین نیچے گر گیا تھا اس کی کھوپڑی سے خون نکل کر فرش پر پھیل گیا تھا۔

"چلو..... یہاں سے نکلو۔" چارلی نے تیزی سے عالیہ سے کہا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ روم کے دروازے کی طرف بڑھا تھا پھر دونوں نے کسی کی موجودگی کو محسوس کیا تھا اور ایک دوسرے کا ہاتھ چھوڑ کر کمرے کی دیواروں سے ٹیک لگائی تھی اور دروازے پر نظریں تھیں وہ دونوں خاموش تھے ان کی نظریں ایک دوسرے کے اشاروں پر تھیں قدموں کی آہٹ قریب آ رہی تھی۔ اگلا گن مین کچھ ہی لمحوں میں ان کے سامنے آنے والا تھا۔ عالیہ نے اپنی گرفت اپنے خنجر پر مضبوط کر لی اور چارلی بھی گن کا رخ دروازے کی طرف کیے تیار کھڑا تھا آنے والے پر چارلی

http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

Downloaded from https://paksociety.com

کی نظر پہلے پڑی تھی چارلی نے ہاتھ بڑھا کر اسے اندر کھینچ لیا تھا اور عالیہ نے اپنی ٹانگ گھما کر اس کی کمر میں ماری تھی جس سے وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا تھا' چارلی نے تیزی سے اس کے ہاتھ پکڑ کر انہیں اس کی کمر کے پیچھے کر کے پکڑ لیا تھا اور عالیہ نے بیڈ روم کا دروازہ لاک کر دیا تھا۔ چارلی نے اپنی گن کا رخ اب بھی اس کی طرف کیا ہوا تھا۔

"یہاں اور کتنے لوگ ہیں؟" چارلی نے اس سے پوچھا۔

"میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔" اس نے غصے سے کہا اور چارلی نے اس کے کاندھے پر فائر کر دیا اس کی چیخ نکل گئی۔

"بتاؤ کتنے لوگ ہیں۔" چارلی نے دوبارہ پوچھا۔

"ایک درجن ہیں۔" اس نے کہا جس پر عالیہ اور چارلی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"نشانہ کون ہے؟" چارلی نے پوچھا تو اس نے عالیہ کی طرف دیکھا۔

"اسے مارنے کے بعد ہم دونوں آپس میں سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔" گن مین نے کہا اور چارلی نے اس پر گن تان لی پر وہ فائر کرنے ہی والا تھا کہ عالیہ نے اسے روک دیا۔

"نہیں رک جاؤ۔" عالیہ نے کہا اور چارلی نے اس پر گولی چلانے کے بجائے اس کے کاندھے میں گن کی نوک چبھو دی وہ درد کی شدت سے کراہنے لگا پھر دوسرے ہی لمحے اس نے گن کا بٹ اس کی کنپٹی پر دے مارا تھا اور وہ ڈھیر ہو گیا تھا۔

"بے ہوش ہو گیا ہے۔" عالیہ نے کہا اور پھر وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے۔

"ہمیں میکر کو کال کر دینا چاہیے۔" عالیہ نے کہا۔

"اب کال کرنے کا وقت نہیں ہے جب یہ معاملہ ختم ہوگا تو CSA والے یہاں پہنچ جائیں گے ابھی انہیں بھول جاؤ اور مقابلہ کرو۔" چارلی نے کہا وہ دروازے سے نکل گیا تھا اور ہال کی طرف بڑھا تھا اس کے ساتھ ہی چار دو افراد نے ان پر حملہ کیا تھا لیکن چارلی ان کے لیے تیار تھا اس نے ایک کا کندھا پکڑ کر اس کو اوپر اٹھا لیا تھا اور اسے ایک دیوار سے دے مارا تھا پھر وہ اسے بار بار دیوار سے مارتا رہا تھا عالیہ ایک ساتھ دو فائٹرز سے لڑ رہی تھی چارلی نے ساتھ ساتھ دوسرے شخص کو بھی اپنی نظروں پر رکھا ہوا تھا وہ جب بھی اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا چارلی اسے ایک زوردار کک مار دیتا تھا اور وہ دور جا گرتا تھا۔

"تم لوگوں کی یہ ہمت کہ تم میرے گھر میں گھس کر مجھے مارنے آئے ہو...... میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ ساری زندگی یاد رکھو گے۔" چارلی نے چیخ کر کہا پھر اچانک ہی جم کے ہال کی چھت سے رسیوں کو پکڑے چھ سیاہ پوش افراد بھی نیچے اترنے لگے تھے پہلے عالیہ کی نظر ان پر پڑی تھی اور اس نے چارلی کو بھی اشارہ کیا تھا تب تک چارلی اپنے دوسرے حریف سے بھی پیچھا چھڑا چکا تھا اور عالیہ نے بھی ان کے دونوں ساتھیوں کو ختم کر دیا تھا اب وہ دونوں ان چھ افراد سے لڑنے کے لیے تیار تھے۔

"کم آن...... آؤ...... آگے بڑھو...... دیکھوں تم کتنے بہادر ہو۔" چارلی نے اپنی گن اپنی بیلٹ میں لگے ہولسٹر میں رکھتے ہوئے کہا۔ "آؤ ہتھیاروں کے بغیر...... مردوں کی طرح لڑو۔" چارلی انہیں للکار رہا تھا اور پھر عالیہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب نیچے اترنے والے تینوں فائٹرز نے اپنے ہتھیار نیچے پھینک دیے اور چارلی کی طرف لپکے ان میں سے ایک کو عالیہ نے پاؤں سے کک لگائی تھی اور وہ دیوار کے ساتھ رکھی بک شیلف سے ٹکرایا تھا عالیہ اس پر مزید حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھی تھی کہ اچانک اس کو احساس ہوا تھا کہ کوئی اس کے پیچھے ہے اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا تھا ایک فائٹر نے اسے گھونسا مارنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بچ گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس نے پہلے والے فائٹر کو پھر ٹانگ سے کک لگائی تھی اور وہ پھر بک شیلف میں گھس گیا تھا اس کے سامنے موجود فائٹر زیادہ ماہر تھا وہ اتنا پھرتیلا تھا کہ عالیہ اس پر نظریں نہیں ٹھہرا پا رہی تھی پھر اچانک اس نے عالیہ کو گرفت میں لے لیا تھا وہ اس سے چھوٹنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کوشش میں وہ قریب رکھی میز سے ٹکرائی تھی اور فرش پر گر گئی تھی میز کا کونہ اس کی کمر میں چبھا تھا اور وہ تکلیف سے کراہی تھی چارلی نے اس کی کراہنے کی آواز سنی تو پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا لیکن وہ اس وقت تین فائٹرز سے لڑ رہا تھا ایک کو ٹھکانے لگا چکا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"عالیہ وقاص لڑائی مت لڑو حملہ کرو۔" چارلی نے تنبیہی انداز میں کہا وہ جانتا تھا کہ عالیہ اس سے اچھی فائیٹ کر سکتی ہے اسی لیے عالیہ نے اپنے پیروں کی قینچی بنا کر اپنے حریف کو اس میں پھنسایا اور دیوار کی طرف اچھال دیا وہ دیوار سے ٹکرا کر نیچے گر گیا تھا اور عالیہ پھرتی سے کھڑی ہوگئی تھی پھر اس نے ایک اور زوردار کک ماری تھی اور اس کا حریف دیوار سے ٹکرا کر پھر نیچے گر گیا تھا لیکن دوبارہ اٹھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ عالیہ چارلی کی طرف مڑی تھی جو مزید دو لوگوں کو زیر کرنے کے بعد ایک اور فائٹر سے لڑ رہا تھا اور ایک دوسرا فائٹر اس پر گن تانے ہوئے تھا' وہ چارلی کے پیچھے تھا اور چارلی اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ عالیہ نے پھرتی سے اپنا خنجر نکالا تھا اور اس فائٹر کی طرف پھینکا تھا' فضا میں تیر کی طرح خنجر لہرایا تھا اور فائٹر کے سینے میں پیوست ہوگیا تھا اس کی چیخ کی آواز پر چارلی نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر پلٹ کر عالیہ کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ عالیہ نے اسے دیکھ کر سر کو ہلکی سی جنبش دی تھی اور اپنی پشت پر موجود حریف کی طرف مڑ گئی تھی پھر وہ اس سے لڑتی ہوئی شیشے کی دیوار تک چلی گئی تھی اور اپنے مخصوص انداز میں گھوم کر پاؤں کی ایک کک اسے ماری تھی وہ اپنا بیلنس برقرار نہ رکھ سکا تھا اور عالیہ کو ساتھ لیتا ہوا شیشے کی دیوار سے ٹکرایا تھا دیوار ٹوٹ گئی تھی اور عالیہ اس کے ساتھ دس فٹ نیچے جا گری تھی اس کے دائیں پہلو میں دیوار کا شیشہ چبھ گیا تھا اس کا حریف چاروں شانے چت پڑا تھا کیونکہ ایک تیز دھار شیشے سے اس کا گلا کٹ گیا تھا چارلی نے پھرتی سے اپنے حریف کو ٹھکانے لگایا تھا اور دوڑتا ہوا عالیہ کے پاس آ گیا تھا۔

"اوہ ٹھہرو...... ہلنا نہیں۔" اس نے عالیہ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ نوکدار شیشہ خاصا اندر تک چلا گیا تھا۔ عالیہ کراہ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" عالیہ نے نحیف آواز میں کہا اس کا خاصا خون بہہ گیا تھا اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی تو چارلی نے اسے سہارا دیا اس کی قمیص خون سے رنگی اور دائیں پہلو سے چبھا ہوا شیشہ جھانک رہا تھا چارلی نے اس ٹکڑے کو پکڑا اور عالیہ اس کا مطلب سمجھ گئی اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔

"یہ نکالنا ضروری ہے عالیہ' تمہیں کچھ تکلیف تو ہوگی۔" چارلی نے کہا پھر اس نے اپنی شرٹ اتار کر اس کو تہہ کیا تھا اور اس کی گدی سی بنائی تھی اور پھر شیشے کے ٹکڑے کو پکڑا تھا۔

"چارلی جھجکو نہیں نکال دو۔" عالیہ نے ہمت کر کے کہا چارلی نے ٹکڑے کا سرا پکڑا اور عالیہ نے اپنی گرفت اس کے کاندھے پر مضبوط کرلی پھر چارلی نے ایک ہی کوشش میں شیشے کو باہر کھینچ لیا تھا پھر شیشہ پھینک کر اپنی تہہ کی ہوئی شرٹ اس کے زخم پر لگادی تھی اور اسے دبا کر پکڑ لیا تھا تاکہ خون بہنے میں کمی ہوجائے۔

"تمہیں آئندہ کے لیے unbreakable شیشہ لگوانا چاہئیں۔" عالیہ نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

"سمجھو کہ ہوگیا۔" چارلی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا عالیہ تیز تیز سانس لے رہی تھی۔

"عالیہ اپنی سانسوں کو کنٹرول کرو ایک گہری سانس لو۔" چارلی نے کہا۔

"مجھے تھکن محسوس ہورہی ہے۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔" چارلی نے زور سے کہا وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں غنودگی آرہی تھی۔ "تمہیں سونا نہیں ہے جاگتی رہو...... میری طرف دیکھو۔" وہ بار بار اسے جاگنے کے لیے کہہ رہا تھا۔

"تمہیں وریم سینٹر کے ER میں لے جانا پڑے گا۔" چارلی نے کہا اور اسی وقت کسی کے اندر آنے کی آواز سنائی دی' چارلی اور عالیہ اس آواز پر چونکے تھے۔

"اس کو پکڑ کر رکھو۔" چارلی نے اپنی جو شرٹ عالیہ کے زخم پر رکھی تھی اس پر عالیہ کا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور قریب پڑی ایک حریف کی رائفل اٹھائی اور اس کا رخ دروازے کی طرف کردیا وہ دونوں سانسیں روکے ہوئے آنے والے کا انتظار کررہے تھے۔ عالیہ کی نظریں دروازے پر تھیں پھر جیسے جسم کے یونیفارم کی جھلک نظر آئی تھی اور جسم میں پہنے جانے والے شوز کی جھلک بھی نظر آئی تھی لیکن چارلی آنے والے کا نشانہ لے کر فائر کرچکا تھا۔

"نہیں چارلی نہیں۔" فائر کی آواز کے ساتھ ہی عالیہ چیخی تھی لیکن دیر ہوچکی تھی گولی رائفل سے نکل چکی تھی اور آنے والا دروازے کے قریب ہی ڈھیر ہوگیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"اوہ میرے خدا۔" عالیہ نے افسوس سے کہا اور چارلی نے اپنے ہاتھ سے رائفل نیچے رکھ دی اور گرنے والے لڑکے کی طرف دوڑا پھر وہ اس کے سامنے دو زانو بیٹھ گیا تھا۔

"اوہ لڑکے......تم؟" چارلی نے حیرت سے کہا۔

"زسیم چارلی؟" لڑکے نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہاں۔" چارلی نے اس کے زخم کو سہلاتے ہوئے کہا۔ عالیہ آنکھوں میں آنسو لیے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میں......تم سے ملنے یہاں آیا تھا......تم میرے ہیرو ہو...... میں تم سے ٹریننگ لینا چاہتا تھا۔" لڑکے نے اکھڑی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔

"میں معافی چاہتا ہوں...... مجھے معلوم نہیں تھا۔" چارلی نے دکھ سے کہا جس پر لڑکا مسکرایا اور اس نے چارلی کا ہاتھ تھام لیا چند لمحوں بعد ہی اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ چارلی لڑکے کو چھوڑ کر کھڑا ہوگیا اور غصے اور افسوس میں دیوار پر مکے مار رہا تھا۔

"چارلی یہ ایک حادثہ تھا تم نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔" عالیہ کی آواز کمرے میں گونجی۔

"ہاں! یہ ایک حادثہ تھا۔" چارلی نے غصے میں چیختے ہوئے کہا اس کی نظریں لڑکے کے بے جان جسم پر ٹکی ہوئی تھیں اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"ہماری لڑائی کے دوران یہ نہ جانے کہاں سے آگیا میں سمجھا یہ بھی ان میں سے ہے۔" چارلی نے کہا۔

عالیہ آہستہ آہستہ گھسٹتی ہوئی اس کے قریب آگئی تھی اور ایک دیوار کا سہارا لے کر بیٹھ گئی تھی۔

"ہمیں سمیر کو فون کردینا چاہیے۔" عالیہ نے کہا۔

"تم ہمیشہ اس کے بارے میں ہی کیوں سوچتی ہو؟" چارلی نے غصے سے کہا اور عالیہ سمجھ گئی کہ وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا اس کے ہاتھ جذبات کی شدت سے کانپ رہے تھے اس کی آنکھیں لڑکے کی لاش پر ٹکی تھیں۔

"چارلی ہمیں بتانا ہوگا ایک بے گناہ لڑکا مارا گیا ہے اور اس جگہ کو دیکھو یہ تو بالکل ایک جنگ کا میدان لگ رہی ہے۔" عالیہ نے اسے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے۔" چارلی نے کہا اور اپنے فون سے سمیر کا نمبر ڈائل کیا۔

"سمیر میں چارلی بول رہا ہوں، مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے ہمارا مقابلہ ہوا ہے تیرہ لوگ مر چکے ہیں جن میں ایک عام شہری ہے جو اتفاقاً مارا گیا۔" چارلی نے کہا۔

"تم کہاں ہو؟"

"اپنے باکسنگ کلب میں میڈیکل ایڈ بھی چاہیے عالیہ زخمی ہے۔"

"میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" سمیر نے کہا اور چارلی نے فون بند کرکے عالیہ کی طرف دیکھا۔

"وہ دس منٹ میں آرہا ہے۔" چارلی نے کہا۔

پھر ٹھیک دس منٹ بعد وہ وہاں پہنچ گئے تھے ان کے ساتھ میڈیکل ٹیم بھی تھی اور ورلڈ سینٹر کا ڈاکٹر طلحہ بھی اس کے ساتھ آیا تھا۔

"اگر ان دونوں کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس حملے میں نہیں بچ سکتا تھا۔" ڈاکٹر طلحہ نے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا سمیر چارلی کے دفتر میں چارلی اور عالیہ سے بات کر رہا تھا۔

"تیرہ......؟" سمیر نے ڈاکٹر طلحہ سے پوچھا۔

"ہاں۔" ڈاکٹر طلحہ نے جواب دیا اور سمیر نے غصے سے مٹھیاں بند کرلیں۔

"حملہ کرنے والوں کو کیسے پتہ چلا؟ کیا انہیں دیواروں نے مخبری کی؟" سمیر نے غصے سے کہا۔

"تمہارے بازو کا زخم کیسا ہے؟" ڈاکٹر طلحہ نے سمیر سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے چند ہفتوں میں ٹھیک ہو جائے گا کچھ درد ہے لیکن اس بارے میں زیادہ بات نہ کرو۔" سمیر نے محتاط انداز میں کہا اور چارلی کی طرف مڑا۔

"جبلی گروپ کے لوگ میرے بہترین ایجنٹس کو ختم کر رہے ہیں۔" اس نے زور سے کہا۔

"دیکھو سمیر اس وقت تمہیں کافی مسائل کا سامنا ہے اگر تم چاہو تو میں کچھ دن کے لیے اس لڑکے کی موت کو راز رکھ سکتا ہوں۔" ڈاکٹر طلحہ نے کہا۔

"نہیں، میں چاہتا ہوں انہیں بھی پتہ چلے کہ چارلی کو ان کی مدد چاہیے۔"

"ٹھیک ہے جہاں میرا کام ختم ہوگیا ہم پھر بات کریں

Downloaded from https://paksociety.com

کہ اب میں چلتا ہوں۔" ڈاکٹر طلحہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" سمیر نے اسے جانے کی اجازت دے دی اور پھر چارلی کی طرف مڑا جو دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور عالیہ اپنے پہلو میں بندھی بینڈیج کو سہلا رہی تھی اس کے چہرے پر زخموں کے نشان تھے یہی حال چارلی کا بھی تھا۔

"بتاؤ یہاں کیا ہوا ہے؟" سمیر نے چارلی سے پوچھا۔

"میں پہلے بھی بتا چکا ہوں وہ اچانک ہی حملہ آور ہوئے تھے ہم نے انہیں زیر کرلیا تھا پھر اچانک وہ لڑکا آ گیا میں سمجھا کہ وہ بھی انہی کا ساتھی ہوگا چنانچہ میں نے......"

"تم نے فائر کردیا۔" سمیر نے غصے سے کہا اور چارلی نے اثبات میں گردن ہلائی اس نے شرمندگی میں دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا تھا۔

"یہ ایک حادثہ تھا۔" عالیہ نے مداخلت کی۔

"تیرہ لوگ......" سمیر نے عالیہ کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے چارلی سے کہا اور چارلی نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا تو سمیر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

"تیرہ لوگ تمہیں مارنے کے لیے ایک ساتھ یہاں داخل ہوئے انہوں نے ایک راستہ بند کردیا مگر یہاں دوسرا راستہ بھی ہے تمہیں پتہ تھا کہ ان کے پاس بھاری اسلحہ بھی ہے اور تم نے تنہا ان سے لڑنے کا ارادہ کرلیا۔"

"ہاں اس میں برائی کیا ہے؟" چارلی نے کہا۔

"جب اتنی تعداد میں اسلحے کے ساتھ تمہارا سامنا دشمن سے تھا تو تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی ایسے موقعے پر صاف نظر آ رہا تھا کہ نقصان تمہارا ہی ہونا تھا تم اوور کانفیڈنس کا شکار ہو تم نے جذباتی ہو کر فیصلہ کیا اور نقصان اٹھایا۔"

"معاف کرنا یہ کوئی جذباتی فیصلہ نہیں تھا اس وقت میرے سامنے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔" چارلی نے بھی اسی انداز میں غصے سے جواب دیا۔

"نہیں یہ جذباتی فیصلہ ہی تھا۔"

"وہ میرے گھر میں گھسے تھے۔" چارلی نے کہا۔

"چارلی تم ایک سینئر ممبر ہو ڈریم سینٹر کے تمہیں ان باتوں سے آگے سوچنا چاہیے تم تربیت یافتہ اور ماہر فائٹر ہو

دراصل مصیبت یہ ہے کہ تم مجھے خاطر میں نہیں لاتے' یہاں سے آٹھ مردہ اور پانچ شدید زخمی ملے ہیں جن میں ایک مردہ شہری بھی ہے۔ میں یہ باتیں ویکا وُ سے الگ نہیں کرسکتا۔"

"تمہارا مطلب کیا ہے؟" چارلی نے کہا۔

"میں تمہیں ابھی اور اسی وقت تمہاری ڈیوٹی سے برخاست کرتا ہوں۔" سمیر نے کہا اور چارلی حیرت سے اسے دیکھنے لگا وہ اسے ڈریم سینٹر کی ملازمت سے نکال رہا تھا عالیہ نے اس کے حق کے لیے بولنا چاہا تو سمیر نے اسے بھی خاموش کردیا۔

"تم تو ابھی آزمائشی مراحل میں ہو کبھی بھی میرے حکم پر سوال اٹھانے کی کوشش مت کرنا۔" سمیر نے کہا تو چارلی نے عالیہ کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"کب تک؟" اس نے سمیر سے پوچھا۔

"جب تک مجھے یہ یقین نہ ہوجائے کہ تم جذبات سے نہیں بلکہ عقل سے فیصلے کرنے کے قابل ہوگئے ہو۔ پہلے میں تمہیں نارتھرن ٹریننگ سینٹر بھیج رہا ہوں جہاں تم دیمان اعظمی کے ساتھ تین ہفتے کی ٹریننگ کرو گے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے سمیر میں اس احمق کے ساتھ وقت نہیں گزار سکتا۔" چارلی نے کہا۔

"چارلی' تم نے ایک معصوم لڑکے کو مارا ہے اگر تم ابھی اس دکھ کو محسوس نہیں کرو گے تو یقین کرو بہت جلد تمہیں مدد لینے کی ضرورت پڑسکتی ہے۔" سمیر نے کہا۔

"بکواس ہے۔" چارلی نے کہا اور کمرے سے جانے لگا لیکن سمیر نے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا۔

"میں تمہاری مدد کرنا چاہ رہا ہوں' میں جانتا ہوں کہ اس سے تمہیں دکھ ہو رہا ہے۔" سمیر نے نرم لہجے میں کہا۔

"تم سمجھتے ہو تم میری مدد کرسکتے ہو؟" چارلی نے بھی نرم لہجے میں پوچھا۔

"میں کوشش تو کرسکتا ہوں لیکن تمہیں میرے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔" سمیر نے کہا لیکن سمیر نے منع کرنا چاہا تو اسی وقت عالیہ نے پھر مداخلت کی۔

"چارلی پلیز۔" اس نے التجا کرنے والے انداز میں کہا اور سمیر اور چارلی نے ایک دوسرے کو بامعنی انداز میں دیکھا چارلی جانتا تھا کہ عالیہ اور اسے ساتھ دیکھ کر سمیر کو دکھ

Downloaded from https://paksociety.com

ہوا ہوگا اور اب چارلی سے عالیہ جس انداز میں پیار سے التجا کر رہی تھی وہ سمیر کو یہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے کتنا قریب ہیں' سمیر کو اس بات کا دکھ ضرور ہوا ہوگا لیکن اس نے اپنے دکھ کا بالکل اظہار نہیں کیا تھا چارلی نے سوچا اسے عالیہ کی بات مان کر سمیر کو ایک دھچکا اور دینا چاہیے۔

"ٹھیک ہے' تم کہتی ہو تو میں تیار ہوں۔" چارلی نے کہا اس کے جواب پر سمیر نے کچھ نہیں کہا تھا وہ اطراف کا جائزہ لینے لگا تھا جگہ جگہ شیشے ٹوٹے پڑے تھے فرنیچر الٹا پلٹا پڑا تھا' گولیوں کے خول دیواروں میں اور فرش پر پڑے تھے' ساری جگہ ایک جنگ کا میدان لگ رہی تھی۔

"تم یہاں نہیں رہ سکتے' تمہیں ہارتھرن ٹریننگ سینٹر جانا ہوگا کل شام کو ورانہ ہو جاؤ میں ریحان الٰہی سے بات کروں گا وہ تمہیں فون کر کے تفصیلات بتا دے گا جب تم واپس آؤ گے پھر ہماری ملاقات ہوگی۔" سمیر نے کہا۔

"شکریہ۔" چارلی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا لیکن اس کی آنکھوں میں ایسے تاثرات تھے جنہیں سمیر سمجھ نہیں سکا تھا کہ کیا نام دے' چارلی نے عالیہ کو سہارا دیا تھا اور کمرے سے نکل گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

کمرے سے نکلنے کے بعد چارلی عالیہ کے ساتھ اس کی رہائش گاہ پر آ گیا تھا' عالیہ ہر ممکن طریقے سے اس کی دل جوئی کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن آج کے واقعے نے اسے خاصا دل برداشتہ کیا تھا' اس نے اپنی ساری زندگی میں کبھی کسی بے گناہ کو قتل نہیں کیا تھا اس کے جم خانہ میں گھس آنے والے بارہ لوگوں کو مارنے کا اسے بالکل افسوس نہیں تھا کیونکہ وہ اسے مارنے آئے تھے اور اس نے اپنے دفاع میں انہیں مارا تھا' لیکن ایک بے گناہ لڑکے کے مارے جانے کا اسے بے حد افسوس تھا۔

عالیہ اس کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی اور اپنی جیکٹ اتارتے ہوئے اس کے پہلو میں سخت تکلیف ہوئی تھی اس نے درد کی شدت سے دانت بھینچ لیے تھے اور چارلی اس کی مدد کرنے کے بجائے دروازے میں کھڑا خلا میں گھورتا رہا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو؟" عالیہ نے اس سے پوچھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" چارلی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ہم اس معاملے پر بات کر سکتے ہیں اس سے تمہارا دل بھی ہلکا ہو جائے گا۔" عالیہ نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا لیکن وہ پیچھے ہٹ گیا۔

"اب بات کرنے کے لیے رہ ہی کیا گیا ہے عالیہ! میں نے ایک معصوم کی جان لی ہے یہ ٹھیک ہے کہ یہ ایک حادثہ تھا لیکن ہم کتنی ہی بات کیوں نہ کر لیں اس حادثے کو بدلا نہیں جا سکتا اور پھر ابھی مجھے اس سلسلے میں ریحان سے بھی نارتھرن سینٹر میں بات کرنا ہوگی۔" چارلی نے جواب دیا۔

"ہم دونوں وہاں موجود تھے لیکن غلطی مجھ سے بھی ہو سکتی تھی۔" عالیہ نے اسے سمجھایا۔

"لیکن ایسا نہیں ہوا..... فائر میں نے کیا تھا' شاید میں تمہاری حفاظت کے لیے زیادہ پریشان تھا میں نے عجلت کا مظاہرہ کیا۔"

"چارلی!" عالیہ نے پیار سے کہا اور پھر اس کی طرف بڑھی۔

"بس کرو عالیہ۔" چارلی نے غصے سے کہا اور مزید پیچھے ہٹ گیا۔

"ٹھیک ہے میں اس پر بات نہیں کروں گی لیکن اگر تمہیں میری ضرورت ہے تو میں یہاں تمہارے پاس موجود ہوں تمہیں یہ غم بھلانے میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔" عالیہ نے کہا وہ باتیں کرتے ہوئے اس کے بہت قریب پہنچ گئی تھی اور اس کے بازو کو پیار سے سہلا رہا تھا اسی وقت چارلی نے اسے زور سے دھکا دیا تھا اور وہ خود کو سنبھالنے کے دوران صوفے سے ٹکرائی تھی اس کے پہلو میں درد کی لہر دوڑ گئی تھی اور اس نے کراہتے ہوئے اپنا ہاتھ اپنے پہلو کے زخم پر رکھ لیا تھا۔

"اوہ..... میں معافی چاہتا ہوں..... میرا مقصد..... میرا مقصد یہ نہیں تھا۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے..... ہم اس پر اب بات نہیں کریں گے۔" عالیہ نے کہا اس کی آنکھوں سے اداسی جھانک رہی تھی اور اس کی زبان پر بہت سے سوالات تھے جو وہ چارلی سے پوچھنا چاہتی تھی لیکن وہ تو بالکل بھی بات کرنے کے

Downloaded from https://paksociety.com

موڈ میں نہیں تھا۔

''دراصل میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت مجھے تمہارے ساتھ یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔'' چارلی نے کہا۔

''کیا؟'' عالیہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''مجھے اس وقت اپنے جذبات پر کنٹرول نہیں ہے میں غصے سے پاگل ہو رہا ہوں نہیں چاہتا کہ مجھ سے مزید کوئی غلطی ہو جائے۔''

''تم اس کی پروا مت کرو...... میں بھی زخمی ہوں اور تم بھی زخمی ہو ہمیں آرام کی ضرورت ہے۔'' عالیہ نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا اور چارلی تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے عالیہ کے بازو مضبوطی سے تھام لیے اور اسے جھنجوڑ دیا۔

''تم میری بات نہیں سمجھ رہی ہو...... معصوم لڑکے کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ معمولی حادثہ نہیں ہے...... میری ذہنی حالت پریشان کن ہے میں خود بھی اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہا ہوں اس حالت میں میں تمہارے قریب بھی آنا نہیں چاہتا۔''

''چپ ہو جاؤ۔'' عالیہ نے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔

''اس وقت میرا یہاں سے چلے جانا بہتر ہے مجھے یہاں سے جانا ہوگا۔'' چارلی نے کہا۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں میری پروا نہیں ہے میں زخمی ہوں اور تم مجھے اس حال میں چھوڑ کر جا رہے ہو؟ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔'' عالیہ نے کہا چارلی اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

''ہاں یونہی سمجھ لو۔'' اس نے نا چاہتے ہوئے بھی کہا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' عالیہ چیخی۔

''بس مجھے تم سے اور کچھ نہیں کہنا میں تمہیں مزید دکھ دینا نہیں چاہتا۔'' چارلی نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

''جاؤ چلے جاؤ...... تمہیں میری پروا نہیں ہے۔'' عالیہ نے کہا اور وہ واقعی چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا عالیہ اس کے دور ہوتے ہوئے قدموں کی آواز سنتی رہی تھی۔

❁......()......❁

سمیر اپنے لونگ روم میں ناصر محمود اور حفیظ کے ساتھ کھڑا تھا وہ کافی دیر سے کچھ کاغذات کا مطالعہ کر رہے تھے جو سمیر نے انہیں دیے تھے اور سمیر انتظار کر رہا تھا کہ ان کاغذات میں موجود انفارمیشن کو ٹھیک سے پڑھ لینے کے بعد وہ دونوں اس سے اس ٹاپک پر بات کریں۔

''اس کا مطلب ہے یہ ایک بلیک آپریشن یونٹ ہوگا؟'' ناصر محمود نے پوچھا۔

''نہیں اس کے دو حصے ہوں گے۔'' سمیر نے واضح کیا۔ ''ایک ٹیم الفا اور دوسرا ٹیم بیٹا' ٹیم الفا CSA کے خفیہ اور بڑے آپریشنز کی تفتیش اور کارروائی کرے گی اور ٹیم بیٹا شہر میں ہونے والے آپریشنز سے تعلق رکھے گی اور ایسے آپریشنز پر کام کرے گی جس کا علم اس ٹیم کے ممبر کے علاوہ کسی غیر متعلق شخص کو نہیں ہوگا' اس میں تم دونوں' میں' سرکل کی ٹیم سب شامل ہیں اور اس پر عمل جب ہوگا جب گورنمنٹ مداخلت کرے گی تمہارا کیا خیال ہے؟'' سمیر نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے یہ مناسب ہے۔'' ناصر محمود نے حفیظ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''حفیظ کیا تم ٹیکنیکل ٹیم کو ہینڈ کر لو گے؟'' سمیر نے پوچھا۔

''یہ میرے لیے چیلنج سے کم نہیں ہوگا لیکن ناممکن نہیں ہے ہمیں الفا اور بیٹا کے درمیان مواصلاتی رابطہ رکھنا ہوگا تاکہ آپریشنز کی معلومات' رپورٹ' ریکارڈ' وغیرہ جمع کیا جاسکے اس کے لیے ہم ایک دوسرا سرور Server استعمال کریں گے اس کے لیے مجھے علیحدہ محفوظ فریکوئنسی بنانا ہوگی تاکہ گورنمنٹ اور باقی CSA کے لوگ وہ انفارمیشن حاصل نہ کرسکیں اس کے لیے ہمیں ایک الگ جگہ کی بھی ضرورت ہوگی ہیڈ کوارٹر کے علاوہ۔''

''کیا تمہارے ذہن میں کسی جگہ کا نام ہے؟'' ناصر محمود نے پوچھا وہ سمیر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یہاں' میرے گھر میں۔'' سمیر نے کہا جس پر ناصر اور حفیظ نے بامعنی انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور سمیر نے اپنی بات کی مزید وضاحت کی۔

''گیراج کے ساتھ جو بیسمنٹ ہے وہ خاصا بڑا ہے اور وہاں اسلحہ بھی موجود ہے اور اس وقت ہمارے پاس سب سے محفوظ جگہ یہی ہے یہ انڈر گراؤنڈ ہے جیکی نے

Downloaded from https://paksociety.com

طاہر شاہ کے معاملے پر گورنمنٹ کو اقدام کرنا ہے ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" سمیر نے کہا۔

"ہم سمجھ گئے۔" حفیظ نے کہا۔

"تمہیں یہاں انتظامات مکمل کرنے میں کتنا وقت لگے گا؟" سمیر نے پوچھا۔

"جتنا بھی وقت تم ہمیں دے سکو کافی ہوگا۔" حفیظ نے کہا۔

"ٹھیک ہے' باقی معاملات میں اور ناصر دیکھ لیں گے۔" سمیر نے کہا۔

"اس پروگرام کو مرکزی ٹیم سے اپروو بھی تو کروانا ہوگا۔" ناصر نے کہا۔

"میں چند ہفتوں میں پروگرام ان کے سامنے پیش کردوں گا۔" سمیر نے کہا۔ "لیکن ہمیں ہر حال میں کام کا آغاز ابھی کرنا ہوگا۔"

"تمہیں چارلی کے بارے میں ریحان سے رپورٹ بھی تو لینا ہوگی۔" ناصر نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں! میں اس سے بات کرلوں گا۔" سمیر نے جواب دیا۔

اس مخالفت کے علاوہ جو سمیر اور چارلی کے درمیان اکثر رہتی تھی اور جس کی وجہ چارلی کا اصول وقانون پر نہ چلنا تھا سمیر' چارلی اور ناصر کے درمیان دوستی بھی بہت تھی اس وقت ناصر بھی سمیر کی طرح چارلی کے لیے پریشان تھا۔

لیکن سمیر جانتا تھا کہ کسی معصوم کی جان لینے کا مطلب ہوسکتا تھا اس نے بہت سال اس ادارے میں گزارے تھے اس سے عوام کے غیض میں آنے کا خطرہ تھا سمیر کو یقین نہیں تھا کہ چارلی اس صورت حال کا سامنا کرسکے گا اور ایک کمانڈر کی حیثیت سے اسے مشکل حالات کا سامنا ہوسکتا تھا اور وہ دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ ایسے حالات نہ ہوں تو بہتر ہے۔

"وہ کل یہاں سے روانہ ہوجائے گا تب تک وہ عالیہ کے ساتھ رہے گا' چنانچہ وہ ریحان اعظمی سے ملنے تک عالیہ کے ساتھ محفوظ رہے گا۔" ناصر محمود نے کہا۔

"نہیں' ایسا نہیں ہے سیکورٹی نے رپورٹ دی ہے کہ تین گھنٹے پہلے وہ اس کی جگہ سے جاچکا ہے انہوں نے اس کی موجودگی کا پتہ شہر سے باہر ایک ہوٹل میں لگایا ہے اس کے بعد اس کی کوئی بھی موومنٹ ریکارڈ پر نہیں آئی ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ رات وہیں گزارے گا۔ ہم نے اس پر گہری نظر رکھی ہوئی ہے۔" سمیر نے کہا۔

"عالیہ کا گھر چھوڑنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟"

"میں نہیں جانتا' میں وہاں نہیں تھا۔" سمیر نے کہا۔

"لگتا ہے ان دونوں میں جدائی ہوگئی ہے۔" حفیظ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا وہ اپنے سامنے پڑے ہوئے کاغذات کو بغور دیکھ رہا تھا۔

ناصر محمود نے سمیر کی طرف فکرمندی سے دیکھا وہ جان گیا تھا کہ سمیر کا وہاں جانے کا ارادہ ہے۔

"نہیں تمہیں وہاں نہیں جانا چاہیے اسے اکیلے رہنے دو وہ تنہائی میں اپنے مسئلے پر سوچے گا اس کا کوئی حل نکالے گا یا اپنی حالت پر قابو پالے گا اگر تم وہاں جاؤ گے تو وہ اسے تمہاری بے جا مخالفت سمجھے گا اور اسے پسند نہیں کرے گا تم جانتے ہو وہ کتنا محتاط شخص ہے اسے اس کے حال میں رہنے دو کل وہ تارتھرن سینٹر کی طرف روانہ ہوجائے گا اور ہم سب سے زیادہ ریحان اس کی مدد اچھے طریقے سے کرسکے گا۔"

"لیکن تم بھی اس کی مدد کرسکتے ہو۔" ناصر نے کہا۔

"کیا؟"

"ہاں تم نے بھی لوگوں کو مارا ہے اور پھر اس کیفیت سے خود کو آزاد بھی کرایا ہے۔" ناصر نے کہا۔

سمیر کافی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے ناصر کی طرف دیکھا۔

"پہلے اسے یہ ماننا ہوگا کہ اس سے کیا غلطی ہوئی ہے پھر اس کی ذمہ داری اٹھانا ہوگی اس کے بعد ہی وہ آگے کام کرنے کے قابل ہوسکے گا اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو......"

سمیر نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تو ہم اسے کھو دیں گے۔" ناصر نے کہا۔

"ہاں۔" سمیر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

دوسرے روز صبح ہی صبح ریحان اعظمی نے سمیر سے اس کے آفس میں ملاقات کی تھی سمیر اسے اچانک وہاں دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

"ریحان تم خیریت تو ہے؟" سمیر نے پوچھا ریحان خاصا پریشان نظر آرہا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''چاولی..... ہمیں اس سلسلے میں ایک مسئلہ درپیش ہے۔'' اس نے چڑھتی ہوئی سانسوں کو درست کرتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے؟ بتاؤ۔''

''میں اپنے آفس میں تھا کہ میرے اسٹاف کے ایک شخص نے مجھے فون پر بتایا کہ چاولی نے ہماری حفاظتی ٹیم کو جھانسا دے کر فرار حاصل کرلیا ہے۔''

''یہ کب کی بات ہے؟''

''ابھی چند منٹ پہلے کی۔''

''کسی کو کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا' میرا مطلب ہے کوئی موت یا کوئی زخمی؟''

''نہیں' میرا اسٹاف اس کی شہرت سے اچھی طرح واقف ہے۔'' دیجان نے کہا اور سمیر نے ایک ٹھنڈی سانس لی اسے صورت حال کا اندازہ ہوگیا تھا۔

''سمیر' میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس صورت حال کو ازناکیس نمٹنے میں سنبھال لوں گا اور چاولی کو بھی ڈھونڈ نکالوں گا اگر تم اس کے خلاف وڈ الرٹ نہیں دینا چاہتے تو نہ دو میں اس کے خلاف ریڈ الرٹ دے دوں گا اور اسے مفرور قرار دوں گا۔''

''میں صورت حال سمجھ سکتا ہوں۔'' سمیر نے کہا۔

''میں اس سے زیادہ خطرناک صورت حال کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا جبکہ چاولی جیسا شخص مفرور ہوجائے۔''

''میں تم سے اتفاق کرتا ہوں' ٹھہرو میں ایک کال کرتا ہوں۔'' سمیر نے کہا اور دیجان نے اثبات میں سر ہلایا۔ سمیر نے عالیہ کا نمبر ملایا تھا۔

''ہیلو! میں چاہتا ہوں کہ تم میرا ایک اہم کام کردو۔'' اس نے عالیہ سے کہا وہ جانتا تھا کہ عالیہ انکار نہیں کرے گی اور دیجان کو پتا نہیں تھا کہ سمیر نے کس کا نمبر ڈائل کیا ہے۔ پھر وہ کچھ دیر تک عالیہ کو ہدایات دیتا رہا تھا اور دیجان یہی سمجھ رہا تھا کہ سمیر سیکورٹی کے کسی شخص سے بات کررہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد سمیر نے فون بند کردیا تھا اور اس کی طرف مڑا تھا۔

''ٹھیک ہے تم ویٹ کرو میں کچھ دیر میں تم سے بات کرتا ہوں۔'' سمیر نے کہا اور دیجان اس کے کمرے سے رخصت ہوگیا تھا جس کے ساتھ ہی سمیر بھی اٹھ گیا تھا۔ اسے بلیک آپریشن کے لیے ایک اہم میٹنگ کرنا تھی جس کے ممبرز بورڈ روم میں جمع ہوچکے تھے وہ جانتا تھا کہ عالیہ' چاولی کو ڈھونڈنے میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے کیونکہ وہ چاولی سے قریب ہے جذباتی لگاؤ رکھتی ہے اس کی شخصیت کو سمجھتی ہے اور چاولی بھی اس سے رابطے میں رہنے میں کوئی مزاحمت نہیں کرے گا وہ عالیہ کے ذریعے چاولی کو بہ آسانی ڈھونڈ سکتا تھا۔

اس نے بورڈ روم میں داخل ہوکر وہاں کا ایک طائرانہ جائزہ لیا سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر موجود تھے کمال نے تفصیلی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ عالیہ کے بارے میں سمیر سے اپنی مخالفت کو ابھی تک نہیں بھولا تھا اور عالیہ کو CSA میں شامل کرنے پر ناراض تھا۔

''اتنے کم نوٹس پر یہاں آنے کے لیے میں آپ سب کا شکر گزار ہوں میں زیادہ وقت ضائع نہیں کروں گا اور سیدھا اصل مسئلے پر بات کروں گا' ہمیں اس وقت گورنمنٹ کی طرف سے کچھ تفتیش کا سامنا ہے میں نے کوشش کی ہے کہ اس کارروائی کے دوران بھی ہمارے آپریشنز جاری رہیں اور ان میں ہمیں بیوروکریٹس کی مخالفت کا سامنا نہ کرنا پڑے میں اس پروگرام پر عمل کرنے کے لیے آپ کی رضامندی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' سمیر نے کہا پھر اس نے آپریشنز کے سلسلے میں اپنا پلان بتایا تھا۔

''جو کچھ تم نے بیان کیا وہ مشکل تو ہے لیکن ناممکن نہیں میں تمہارے پروگرام کی حمایت کرتا ہوں۔'' حامد نے کہا۔

''یہ بہت اچھا پلان ہے۔''

''میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں۔'' دیجان نے کہا وہ بھی میٹنگ میں موجود تھا اس کے علاوہ بھی کمرے میں موجود کئی لوگوں نے اثبات میں سر ہلا کر اپنی تائید کا اظہار کیا۔

''کیا ہم اس وقت کوئی نئی چیز کی تائید کررہے ہیں۔'' کمال نے غصے سے کہا۔ ''یہ بات یاد رکھو کہ ہمارا کمانڈر نے ایک شخص کو قتل کیا ہے اور کئی جیلی گروپ کے لوگوں کو ظالمانہ طریقے سے مارا ہے اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ پولیس کو اس کی اطلاع دے دی گئی ہے اور اس کی وجہ سے پورا ادارہ خطرے کا شکار ہے۔'' کمال نے اپنے دل کی بھڑاس

Downloaded from https://paksociety.com

نکالی۔

"یہ صرف ایک الزام ہے کمال مجھے امید ہے تمہیں اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے حقائق دینا ہوں گے۔" بشیر نے کہا اس کی نظریں سمیر پر لگی ہوئی تھیں جو کمال کی بات نہایت غور سے سن رہا تھا۔

"حقائق اور ثبوت کو چھوڑو موقع گواہوں کے مطابق اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیا اس بات سے تم انکار کرو گے کہ تمہارا عمل سراسر تمہارے ذاتی جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا کیا تم اس بات سے انکار کرسکتے ہو۔" اس نے سمیر سے پوچھا۔ "تمہاری طاہر شاہ سے ویسے بھی دشمنی تھی۔" کمال نے کہا سمیر کا چہرہ کسی بھی قسم کے تاثر سے عاری تھا وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ٹیبل پر آگے کی طرف جھکا۔

"میری خواہش تھی کہ اس معاملے پر ہم اکیلے میں بات کریں' کمال لیکن تم نے اسے ناممکن بنا دیا' مجھے یقین ہے کہ تم ایسی صورت حال پیدا کرنے کے لیے کافی عرصے سے انتظار کررہے ہو چنانچہ میں بھی کھل کر بتانا چاہتا ہوں کہ ہاں میں نے طاہر شاہ کا قتل کیا ہے۔"

سمیر کی بات پر کمرے میں موجود سب کے چہروں پر بے چینی کے آثار نظر آنے تھے لیکن سمیر نے اپنی بات جاری رکھی تھی' کمال اس صورت حال سے محظوظ ہورہا تھا اس نے پھر کچھ بولنے کی کوشش کی تھی لیکن سمیر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کے لیے کہا تھا۔

"اس رات مجھے ایک پیغام وصول ہوا تھا کہ طاہر شاہ میرے ادارے کے ایک فرد کو قتل کرنے والا ہے اور وہ ایجنٹ عالیہ تھی۔" سمیر کچھ دیر کے لیے رکا اور اس نے کمال کے چہرے کا جائزہ لیا وہ اس بات کا ردعمل کمال کے چہرے پر دیکھنا چاہتا تھا۔

"میرے پاس اس معاملے سے نمٹنے کے لیے صرف چند گھنٹے تھے ہاں طاہر شاہ کو مارنے کے لیے میرے پاس کچھ ذاتی وجوہات بھی تھیں اس نے اس ادارے کے سربراہ خلیل کامران کو مارا تھا جو میرے لیے والد کا درجہ رکھتا تھا لیکن وہ اس ادارے کی بھی اہم شخصیت تھا وہ منصور احمد بدنام زمانہ دہشت گرد کے گروپ کا حصہ تھا وہ دہشت گرد گروپ جو ساری دنیا میں بے دھڑک سفر کرتا ہے جہاں چاہتا ہے دہشت گردی پھیلاتا ہے اور حکومتوں تک کو بے

نعت رسول مقبول ﷺ

اے رسول خدا!
تیری عظمت پہ لاکھ سجدے کروں
دونوں جہاں میں بس تجھ پہ ہی مروں
تیرا شکر ادا میں ہردم کروں
یہ ہی ہر دم ہو کہ حکم پہ عمل کروں
یہی چاہوں سدا
اے رسول خدا!
حیات تیری قرآن کی تفسیر
ذات تیری سچائیوں کی سفیر
بس تو ہی جہاں کا دلی ہو ہیر
مجھے اپنا بنادے تو نظیر
میری یہی ندا
اے رسول خدا!
تیری عظمت' تیری آبرو
آج بھی ہے میرے روبرو
تیری آرزو جہاں کا سرور
یہی وعدہ ترا
اے رسول خدا!
جھولی پھیلاؤں گی تیرے سامنے
بن کے مسلمان آؤں گی تیرے سامنے
جھوٹی قسمیں نہ کھاؤں گی تیرے سامنے
جو ہوں بس ہوں میں تیرے سامنے
اے رسول خدا! اے رسول خدا!

غزل

چاہتی ہوں میں امیر بنوں
وارث کے نخرے بنوں
پیار امر کی مالا پہنوں
جس جوگی فقیر بنوں
تجھ کو ایسے پاؤں میں
میں تیری جاگیر بنوں
تجھ کو جب بھی چاہے
تو جس ہمدم دل گیر بنوں
تجھ سے ایسا پیار کروں
میں تیری توقیر بنوں

حنیفہ انور صفی

Downloaded from https://paksociety.com

اثر کر دیتا ہے جن کو کوئی لگام ڈالنے والا نہیں، میں نے اسے ٹاسٹ کی اور اس نے ایک کروا دیا طاہر شاہ کو انجام تک پہنچایا یہ کوئی جذباتی یا ذاتی انتقام نہیں تھا میں کسی ایک معمولی سے کام کے لیے اپنے ادارے کو خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ میں نے یہ اکیلے انجام دیا اس کام کو کرنا ناگزیر تھا لیکن میں اب کے حالات کو دیکھتے ہوئے بھی CSA کو اس معاملے سے الگ ہی رکھنا چاہتا ہوں اور اس واقعے کی ذمہ داری تن تنہا اپنے کاندھوں پر لیتا ہوں۔'' سمیر نے کہا کمال نے بشیر کی طرف دیکھا وہ جاننا چاہتا تھا کہ بشیر، سمیر کے مقابلے میں اس کی حمایت کرتا ہے یا نہیں۔

''سمیر درست کہہ رہا ہے طاہر شاہ کو راستے سے ہٹانا ایک درست عمل ہے اس کے ذریعے منصور تک یہ پیغام جائے گا کہ اس کا دہشت گرد گروپ ناقابل تسخیر نہیں ہے۔ اسے بھی نشانہ بنایا جاسکتا ہے اور اس عمل سے CSA کے ایک بڑے ایجنٹ کی زندگی بھی بچی ہے اور اکیلے اس کام کی ذمہ داری لینا بھی مستحسن عمل ہے سمیر ایسے کاموں کے لیے تربیت یافتہ ہے میں اس کے فیصلے کی تائید کرتا ہوں اور اس معاملے میں مجھے مزید کچھ نہیں کہنا۔'' ریحان اعظمی نے اپنی رائے دی جس پر کمال کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نظر آئے۔

''کمال تم ان باتوں پر سوال اٹھا رہے ہو جنہیں تم نہیں سمجھتے تم اور تمہاری ذاتی بنائی ہوئی مخالفتوں کی جماعت میرے خلاف کچھ ثابت نہیں کر سکتے تمہارے پاس کوئی ایسا ایجنڈا نہیں ہے جو یہ فیصلہ کر سکے کہ ادارے کے لیے کیا اہم ہے اور فائدہ مند ہے تمہارا مسئلہ صرف اس ادارے میں طاقت حاصل کرنے کا ہے تم مجھے ہٹانا چاہتے ہو اور میری جگہ حاصل کرنا چاہتے ہو اور تم طفیل کامران کے بھائی ہونے کی وجہ سے میری جگہ حاصل کرنا چاہتے ہو، تم یہ بات برداشت نہیں کر سکتے کہ یہ جگہ تمہیں دینے کے بجائے تم سے بیس سال جونیئر شخص کو دے دی گئی ہے۔''

''یہ غلط ہے تم مجھ سے ایسی بات کرنے کی جرات بھی کیسے کر سکتے ہو؟'' کمال نے غصے سے کہا اور سمیر نے اپنے دونوں ہاتھ زور سے میز پر مارے۔

''کمال! بہت ہو گیا بس کرو ہم اس وقت جنگ کی حالت میں ہیں اس وقت ان باتوں کا ٹائم نہیں ہے۔ پچھلے دو مہینوں سے جنگی گروپ نے میرے ادارے کے دو لوگوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی ہے اور وہ یہاں دیکھیں گے تمہیں ابھی ہمیں پولیس ڈپارٹمنٹ کا بھی سامنا کرنا ہوگا' تمہاری بات بے محل اور بے موقع ہے تم جاسکتے ہو۔'' سمیر نے غصے سے کہا اور اپنی جیب سے کچھ کاغذات نکال کر کمال کے سامنے ڈال دیے جنہیں کمال پڑھنے لگا' اس کے چہرے پر غیر یقینی کی کیفیت تھی۔

''یہ کاغذات اس معاملے کو آفیشل بناتے ہیں...... میں نے بہت کوشش کی کہ یہ صورت حال پیدا نہ ہو لیکن میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا ان کاغذات کے ساتھ ڈریم سینٹر کے تمام شعبے تعاون کریں گے اور ان کی رو سے تم مزید اس ادارے کا حصہ نہیں ہو تمہیں ایک کمانڈر کی حیثیت سے میری حیثیت کی Respecet نہیں ہے۔''

''میں CSA کا سیکنڈ فاؤنڈر ہوں۔'' کمال نے کہا۔

''ڈریم سینٹر اور CSA کی بنیاد طفیل کامران نے رکھی تھی تم محض اس کے ساتھ تھے محنت ساری اس کی تھی۔'' سمیر نے کہا کمال کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''تم چاہو تو اب بھی CSA کا حصہ رہ سکتے ہو تمہیں پورا تحفظ دیا جائے گا۔'' سمیر نے کہا اور کمال اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''تم کیا سمجھتے ہو کیا تم اس ادارے کو ڈکٹیٹر شپ میں بدل دو گے اور ذمہ دار شخصیات کو ہٹا دو گے تاکہ جو چاہو آزادی سے کر سکو؟'' کمال نے طیش میں کہا۔

''معاملہ یہ نہیں ہے میں ادارے اور اس کے قانون کا احترام کرتا ہوں اس میں ذات کا کوئی دخل نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو مجھے سب کی حمایت حاصل نہ ہوتی۔''

''تم بہت بڑی غلطی کر رہے ہو۔'' کمال نے کہا وہ سمیر کے اور قریب آ گیا تھا صورت حال دیکھ کر بشیر کا ہاتھ اپنے ہولسٹر پر چلا گیا تھا۔

''اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایسے اظہار نہ کرتا۔'' سمیر نے کہا' کمال نے کمرے میں موجود لوگوں کے چہروں کا جائزہ لیا سب کے چہروں پر اس کے لیے ناپسندیدگی کے آثار تھے اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پاؤں پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا اس نے اپنے پیچھے دروازہ زور سے

Downloaded from https://paksociety.com

بند کیا تھا۔

کمال کے جانے کے بعد بشیر نے سمیر کے کاندھے پر آہستہ سے تھپکی دی تھی اور سمیر نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ کچھ دیر بعد ریحان اس کے پاس آیا تھا اور اسے اپنے ساتھ ایک کونے میں لے گیا تھا۔

"تم نے بہت بہترین طریقے سے اپنا دفاع کیا ہے۔" ریحان نے کہا اور سمیر اسے حیرت سے دیکھنے لگا کیونکہ ریحان نے کافی عرصہ کمال کے ساتھ کام کیا تھا اور اس کا اچھا دوست بھی تھا۔

"میں سمجھتا تھا کہ تم کمال ہی کا ساتھ دو گے کیونکہ تم اس کے دوست ہو۔"

"دوستی اپنی جگہ ہے وہ ایک ذہنی تعلق ہے لیکن معاملہ ہمارے ادارے کا ہے اور میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ ادارے کے حق میں تم نے اچھا فیصلہ کیا۔"

"شکریہ۔" سمیر نے کہا اور ریحان مسکرانے لگا۔

"کمانڈر! کمال کی باتیں سارے ادارے کو بتانا ضروری نہیں میری رائے یہ ہے کہ تمہاری قائدانہ صلاحیتیں خلیل کامران سے بہتر ہیں طالب علم ایک دن استاد کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں اور ادارے کے لوگ تم پر اعتماد کرتے ہیں۔ تم کو ہماری تائید حاصل ہے۔" ریحان کی بات پر سمیر دھیرے سے مسکرایا تھا۔

❀.....❀

ایک نسبتاً سنسان علاقے میں عالیہ ایک گلی کا کونہ مڑ کر ایک فیکٹری کے پیچھے پہنچی اسی وقت کسی نے اسے دبوچ کر کھینچا اور دیوار کے ساتھ لگا دیا۔ وہ خاصی زور سے دیوار سے ٹکرائی تھی اور اس اچانک حملے کے لیے بالکل تیار نہیں تھی اسے حیرت تھی کہ اگر کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا تو اسے بالکل احساس نہیں ہوا تھا اور ایسا چارلی ہی کر سکتا تھا وہ اس کے سامنے کھڑا تھا اور نہایت غصے سے اس کی طرف گھور رہا تھا۔

"تم میرا تعاقب کیوں کر رہی ہو؟" اس نے غصے سے پوچھا لیکن عالیہ نے اسے جواب دینے کے بجائے اسے زور سے پیچھے دھکیلا اور اس کی گرفت سے آزاد ہو گئی۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ہم دونوں کے راستے اب جدا ہیں۔" چارلی نے کہا۔

"تم فکر مت کرو تمہاری بات اچھی طرح میری سمجھ میں آ گئی ہے میں خود تمہارے پیچھے نہیں آئی بلکہ سمیر نے میری ڈیوٹی لگائی ہے کہ میں تمہیں ڈھونڈھ کر ہیڈ کوارٹر لاؤں ہمارے پاس صرف اور صرف چھتیس گھنٹے ہیں اس کے بعد تمہیں ایک مفرور ایجنٹ قرار دے دیا جائے گا۔" عالیہ نے کہا۔

"تم نے مجھے واپس لے جانے کے لیے کیا منصوبہ بنایا ہے؟" چارلی نے حقارت سے پوچھا وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا شاید اس کے چہرے سے تاثرات پڑھنا چاہتا تھا۔

"میں خود بہت سے طریقوں کے بارے میں بتا سکتا ہوں تم مجھے ہتھکڑیاں لگا کر لے جاؤ گی یا پستول دکھا کر مرعوب کرو گی یا ساتھیوں کی مدد سے گرفتار کرو گی..... تمہارا کیا پلان ہے؟" اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"تم NIA سے کیوں فرار ہوئے؟" عالیہ نے اس کی باتیں اور طنزیہ انداز کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ اس کے رویے کو بڑھاوا نہیں دینا چاہتی تھی۔ "تم بشیر کو مشکل میں ڈال بیٹھے ہو وہ تمہاری مدد کرنا چاہتا تھا۔"

"سب بکواس ہے ..... وہ تمہارا ہیرو ڈیول سمیر..... ہاں میں اسے ڈیول ہی کہوں گا..... وہ کیا چاہتا ہے..... آخر کار وہ اس لڑکے کا قتل میرے سر پر ہی ڈالیں گے جبکہ تم بھی اچھی طرح سے جانتی ہو کہ وہ صرف ایک حادثہ تھا' میں نے جان بوجھ کر اسے قتل نہیں کیا' وہ اتفاق سے وہاں آ گیا تھا اور

Downloaded from https://paksociety.com

جب دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے تو ایسے اتفاقیہ حادثے بھی ہوجاتے ہیں۔"

"ہاں ایسے حادثے ہوجاتے ہیں اور میں اس کی گواہ ہوں سمیر بھی یہ بات جانتا ہے لیکن ایک قانونی چارہ جوئی تو ضروری ہے تمہارا یوں فرار ہونا تمہیں مزید مشکوک بنا رہا ہے۔" عالیہ نے اسے سمجھایا۔ "ہم تمہارے حق میں ہی کام کررہے ہیں...... سمیر تمہاری مدد کرسکتا ہے...... تم خود کو اپنی الجھی ہوئی ذہنی کیفیت سے نکالو اور ہم پر بھروسہ کرو۔"

"یہ ناممکن ہے۔" چارلی نے غصے سے کہا۔

"دیکھو سمیر کو اپنی مدد کرنے دو...... وہ تمہیں اس مشکل سے نکال لے گا...... تم میرے ساتھ چلو وہ تمہیں ہیڈ کوارٹر میں دیکھنا چاہتا ہے۔" عالیہ نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اور پھر؟ پھر کیا ہوگا؟ وہ میرے گناہ گار یا بے گناہ ہونے کا فیصلہ کرے گا؟ مجھ سے سوالات کرے گا؟ مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے کہے گا؟" چارلی نے لگاتار کئی سوال کردیے۔ "وہ مجھے سمجھائے گا مجھے درس دے گا کہ کسی معصوم کی زندگی لینا کتنا بڑا گناہ ہے جیسے میں نے یہ سب جان بوجھ کر کیا ہو؟"

"تم سمجھتے کیوں نہیں؟"

"کیا سمجھوں؟ میرا ضمیر مطمئن ہے...... میں خود کو مجرم نہیں سمجھتا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو میں نے اس رات تمہیں دیکھا تھا تم نادم و شرمندہ تھے۔"

"وہ محض ایک ذہنی جھٹکا تھا جو اس اچانک حادثے سے مجھے لگا تھا۔" چارلی نے وضاحت کی جو ابھی عالیہ چند قدم پیچھے کھسک گئی اسے چارلی سے ... محسوس ہورہا تھا گویا وہ کسی بھی قسم کا جھوٹ بولنے کے لیے بھی تیار تھا وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ عالیہ خود موقع پر اس کے ساتھ موجود تھی۔

"مجھے تم پر یقین نہیں ہورہا ہے تم موجودہ حالات کا سامنا کرنے سے کترا رہے ہو اور اسی لیے جھوٹ بول رہے ہو لیکن تم اکیلے نہیں ہو...... میں تمہارے ساتھ ہوں میں تمہاری پروا کرتی ہوں۔"

"نہیں تم میری بات سنو! جو کچھ ہوا مجھے اس کی پروا نہیں ہے عالیہ وہ سب اتفاقیہ تھا مجھے اس جال میں پھنسایا جارہا ہے۔"

"لیکن وہ قتل تو تھا اس کے نتائج بھگتنا تو ہوں گے۔" عالیہ نے کہا۔

"ہاں یہی بات تو ہے جو تمہارے اور سمیر کے چہرے سے نقاب اتار رہی ہے میری آنکھیں کھل گئی ہیں اب مجھے سب کچھ مختلف نظر آرہا ہے...... تمہاری محبت...... سمیر کی دوستی...... سب دکھاوا تھا۔"

"نہیں چارلی ایسا نہیں ہے تم غلط قسم کے خیالات کو اپنے دل میں جگہ مت دو۔" عالیہ نے اس کی لیدر کی جیکٹ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔ "تم میری بات سنو...... اگر تم نے ایسا سوچا اور ایسی باتوں کو اپنے دل اور دماغ میں جگہ دی تو تم ایک ایسے منفی راستے پر چل پڑو گے جس سے تمہاری واپسی ممکن نہیں ہوگی۔" عالیہ نے اسے سمجھایا۔

"ہم جیسے لوگ شاید اس لیے بنے ہیں کہ ہم اپنی جداگانہ سوچ اور فطرت کی وجہ سے ہمیشہ منفرد راستوں پر چلیں اس کے لیے خدا ہمیں صلاحیتیں بھی منفرد دیتا ہے۔" چارلی نے اطمینان سے کہا۔

"تمہاری سوچ کتنی غلط اور خطرناک ہے میں تو تمہیں بہت اچھا انسان سمجھتی تھی۔" عالیہ نے مایوسی سے کہا۔

"میں اب تمہیں دکھاؤں گا کہ میں کس قسم کا انسان ہوں۔" چارلی نے کہا اور عالیہ کو پکڑ کر ایک

Downloaded from https://paksociety.com

بار پھر دیوار سے دے مارا اور سارا وزن اس پر ڈال دیا کہ عالیہ کا دم گھٹنے لگا اور وہ اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگی وہ اس کی بیلٹ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا عالیہ اس سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی وہ جانتی تھی اس کے ارادے اچھے نہیں تھے۔

"چارلی رک جاؤ..... باز آجاؤ....." وہ چیخ رہی تھی لیکن چارلی نے اسے نہیں چھوڑا تھا۔

"نہیں چارلی نہیں....." اس نے چیخ کر کہا اس بار اس کی آواز میں خوف تھا پھر اچانک اس نے اپنا سر چارلی کے منہ پر دے مارا تھا اس کی ضرب چارلی کی ناک پر پڑی تھی اور عالیہ نے ہڈی چٹخنے کی آواز سنی تھی۔ چارلی چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا تھا ان دونوں کی نظریں ملی تھیں عالیہ نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا پھر وہ لڑنے کے لیے تن کر کھڑا ہو گیا تھا اور دونوں ہاتھوں کے مکے بنا کر عالیہ کو فائیٹ کی دعوت دی تھی۔

"کم آن..... آؤ" اس نے غصے سے کہا۔ "تم کیا سمجھتی ہو تم مجھے ہرا سکتی ہو؟ تم مجھے زبردستی پکڑ کر لے جا سکتی ہو۔" پھر اس سے پہلے کہ عالیہ کوئی جواب دے اس نے ایک مکا اس کے کاندھے پر مارا تھا اور وہ ایک بار پھر دیوار سے جا لگی تھی درد سے اس کی کراہ نکل گئی تھی پھر فوراً ہی دوسرا مکا عالیہ کے چہرے پر پڑا تھا پھر اس نے لگاتار عالیہ پر مکوں کی بارش کر دی تھی عالیہ زمین سے لگ گئی تھی وہ اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ مکوں کی ضربوں سے اس کے منہ سے خون نکلنا شروع ہو گیا تھا۔

"تمہیں چاہیے کہ تم مجھ سے دور رہو۔" چارلی نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ عالیہ بہ مشکل کھڑی ہوئی تھی اور چارلی کی طرف مڑی تھی اس نے جیکٹ کی آستین سے اپنے منہ سے بہتا ہوا خون صاف کیا تھا اتنی دیر میں چارلی اس کے قریب آچکا تھا لیکن عالیہ بھی اپنا چاقو نکال چکی تھی جسے دیکھ کر چارلی ایک ہی جگہ پر رک گیا تھا اور عالیہ اسے دیکھ کر چاقو لہرا رہی تھی۔

"پھر ملیں گے..... اگلی بار صبح....." چارلی نے ہنستے ہوئے کہا وہ آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف کھسکتا چلا گیا تھا اور عالیہ خود کو بہتر انداز میں کھڑے رکھنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"Shit" اس نے افسوس سے کہا اسے چارلی کے یوں نکل جانے کا افسوس تھا۔

❀.....❀.....❀

عالیہ جب اپنے گھر پہنچی تو اسے وہاں کسی کی موجودگی کا احساس ہو گیا تھا اس کا دل خوف سے دھڑکنے لگا۔ اس نے سوچا کہیں چارلی ہی دھوکا دے کر وہاں نہ پہنچ گیا ہو۔ وہ اچانک ہی ایک حادثے کے بعد سے اتنا بدل گیا تھا کہ سمیر اور عالیہ سے شدید نفرت کرنے لگا تھا۔ وہ دبے قدموں سے گھر کی طرف بڑھی تب ہی اس کے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا اور اسے اپنے ذہن میں سمیر کی موجودگی کا احساس ہوا وہ مسکرانے لگی۔

"میں ہوں عالیہ..... میں جانتا ہوں تم نے بھی میری موجودگی کو محسوس کر لیا ہے..... میں جانتا ہوں تم زخمی ہو..... آؤ..... اندر آجاؤ۔" عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ گھر میں داخل ہو گئی تھی۔ سمیر پورچ ہی میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور سگریٹ پی رہا تھا عالیہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا چاقو بند کر کے اپنی جیکٹ میں رکھ لیا تھا جو اس نے خطرہ محسوس کرنے پر نکالا تھا اور سمیر کے قریب پہنچ گئی تھی۔

"سمیر!" اس نے والہانہ انداز میں کہا۔

"ہاں آج تم نے خوب چارلی کا مقابلہ کیا۔" سمیر

Downloaded from https://paksociety.com

نے کہا اور عالیہ کے چہرے پر حیرت چھا گئی وہ پورچ کی چند سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی تو تکلیف اس کے چہرے سے عیاں تھی پورچ میں آن لائٹ اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

"چارلی...... اس کی مجھے اس سے توقع نہیں تھی۔" سمیر نے عالیہ کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لینے کی کوشش کی لیکن عالیہ نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا تھا اور پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"میرا خیال ہے تم مجھے اسی لیے ڈریم سینٹرز میں شرکت کرنے سے منع کرتے تھے۔" عالیہ نے کہا اور سمیر نے آگے بڑھ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"مجھے دیکھنے دو۔" سمیر نے کہا اور وہ اس کی طرف مڑی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے سمیر آہستہ سے اس کے قریب ہو گیا اور اس کا چہرہ اپنے قریب کر لیا پھر اپنی انگلیوں سے اس کی آنکھ کے نیچے پڑ جانے والے زخم کو سہلایا تھا اس کے چہرے پر جگہ جگہ اپنے ناخنوں سے کھرونچے بھی مارے تھے لیکن اس نے ایک بات اور بھی محسوس کی تھی کہ چارلی نے اس کے جبڑے کی ہڈی سے دور دور ہی وار کیے تھے ہڈی اپنی جگہ محفوظ تھی اس نے اطمینان کا سانس لیا اور محبت بھری نظروں سے عالیہ کو دیکھا وہ بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"اس نے کوئی اور نقصان تو نہیں پہنچایا؟" سمیر نے ذو معنی انداز میں کہا اور عالیہ اس کا مطلب سمجھ گئی وہ تھوڑی ہچکچائی تھی لیکن سمیر اس کی نظروں سے بھانپ گیا تھا کہ اس کے ساتھ چارلی کا رویہ کیا رہا تھا۔

"اس سے ایسی ہی حرکت کی توقع کی جا سکتی ہے وہ خطرناک شیطان ہے۔" سمیر نے کہا۔

"ہاں لیکن وہ تمہیں Devil کہتا ہے۔" عالیہ نے کہا۔

"میں اس کے لیے ڈیول ہوں اور ان لوگوں کے لیے جو برائیوں کو ہوا دیتے ہیں جو بے مقصد لوگوں کو بلاوجہ موت کے گھاٹ اتارتے ہیں جیسے طاہر شاہ تھا جیسے چارلی گروپ ہے...... منصور ہے۔"

"میں جانتی ہوں لیکن تم فکر مت کرو میں نے اس کو بے قابو ہونے سے پہلے ہی روک دیا تھا۔" عالیہ نے کہا اور سمیر سے مزید قریب ہو گئی تھی۔ سمیر نے اسے والہانہ اپنی بانہوں میں لے لیا تھا اور وہ ان میں سما گئی تھی جیسے وہاں پناہ لے رہی ہو جیسے وہاں وہ ہر جگہ سے زیادہ محفوظ ہو اسے سکون مل رہا تھا۔

"مجھے ہر حال میں اسے گرفتار کرنا ہوگا' پچھلے چند گھنٹے جو گزر گئے ہیں انہوں نے اسے مزید خطرناک بنا دیا ہے۔" سمیر نے کہا۔

"میں جانتی ہوں۔" عالیہ نے کہا اس کا سر سمیر کے سینے سے لگا تھا لیکن پھر وہ تیزی سے پیچھے ہٹی تھی اور اس کی آنکھیں گھر کے چاروں طرف جائزہ لے رہی تھیں۔ جہاں خاصی دھند چھائی ہوئی تھی۔

"کیا ہے؟" سمیر نے کہا لیکن عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ بغور دھند کو دیکھ رہی تھی جیسے وہاں کچھ تلاش کر رہی ہو پھر وہ آگے بڑھی تھی اور پورچ کی ریلنگ پر جھک کر آگے دیکھنے لگی تھی سمیر نے اپنی گن نکال لی تھی اس کی انگلیاں ٹریگر پر تھیں اور وہ کسی بھی اچانک تبدیلی کے لیے خود کو تیار کر چکا تھا۔ درختوں کی پتیوں کی سرسراہٹ صاف محسوس کی جا سکتی تھی پھر اچانک فرش پر بھاری قدموں سے سوکھی پتیاں چرمرانے کی آواز سنائی دی اور اسی وقت چاند کی مدھم روشنی میں پورچ سے چند قدم کے فاصلے پر چارلی کا چہرہ نظر آیا وہ پورچ کی طرف ہی بڑھ رہا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"تمہیں اپنی صلاحیتوں کو مزید چمکانے کی ضرورت ہے جنہیں میں ایک سیکنڈ میں ختم کرسکتا ہوں۔" چارلی نے عالیہ سے کہا اور عالیہ نے اپنا خنجر نکال لیا۔

"میرا خیال ہے کہ CSA والوں نے اپنے ایجنٹس کو صحیح طرح ٹریننگ نہیں دی ہے...... کیونکہ سمیر تم نے بشیر احمد سے کہا تھا کہ عالیہ کو اچھی ٹریننگ نہ دے ورنہ وہ چارلی جیسی بن جائے گی۔" چارلی نے سمیر کو مخاطب کرکے کہا۔

"تم یہاں کیا کررہے ہو؟" سمیر نے پوچھا اور چارلی نے پورچ میں قدم رکھا عالیہ نے گھبرا کر سمیر کی طرف دیکھا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان دونوں کی مڈبھیڑ ہو۔

"سمیر؟" عالیہ نے تنبیہی انداز میں کہا جیسے سمیر کو لڑنے سے باز رکھنا چاہتی ہو۔

"تم عالیہ کے پاس کیا کررہے ہو؟ جبکہ تم جانتے ہو کہ میں اسے پسند کرتا ہوں۔" چارلی نے نفرت سے کہا۔

"تمہیں شاید یہ جان کر دکھ ہو کہ وہ کبھی بھی تمہیں نہیں چاہتی تھی۔" سمیر نے کہا اور چارلی نے غصے سے عالیہ کی طرف دیکھا۔

"مجھے بھی شک تھا کہ یہ مجھے بے وقوف بنارہی ہے۔" چارلی نے کہا۔

"میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں تم عالیہ سے دور رہو...... میں نے تمہیں پہلے بھی تنبیہ کی تھی۔" سمیر نے کہا۔

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں...... عالیہ کو یہ سب پسند ہے۔" چارلی نے ہنستے ہوئے کہا اور سمیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کا گلا پکڑ لیا۔ چارلی نے بھی حملہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن سمیر نے پستول کا رخ اپنی

ماہنامہ
حجاب کراچی
شائع ہوگیا ہے
اس کے علاوہ
خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی مستقل سلسلے
اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آراء کے مطابق
Infoohijab@gmail.com
info@aanchal.com.pk
کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771-2
0300-8264242

Downloaded from https://paksociety.com

طرف دیکھ کر رک گیا تھا۔

"میرا خیال ہے تمہیں کوئی حرکت نہیں کرنا چاہیے؟" سمیر نے کہا۔

"تم مجھ پر گولی چلاؤ گے کمانڈر؟" چارلی نے کہا۔ "اب ثابت ہو گیا کہ عالیہ بھی بے قصور نہیں ہے وہ تمہارا ساتھ دے رہی ہے اور مجھ سے محبت کا جھوٹا ڈھونگ رچایا تھا اس نے۔" چارلی نے کہا پھر اس سے پہلے کہ سمیر کوئی جواب دے عالیہ نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی تھی اور اس کے کاندھے پکڑ کر اسے اپنی اور جھکاتے ہوئے اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ایک زبردست کک لگاتی ہوئی نیچے گری تھی چارلی کی چیخ نکل گئی تھی اور وہ اپنے گھٹنوں پر بیٹھ گیا تھا اس کے ہاتھ اپنی ٹانگوں کے درمیان تھے اور وہ سانسیں درست کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تمہاری قسمت اچھی ہے کہ میں نے یہ استعمال نہیں کیا۔" عالیہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر لہراتے ہوئے کہا اور سمیر کو عالیہ کی حرکت پر غصہ آ گیا وہ اس کے کام کو مزید مشکل بنا رہی تھی اب کسی بھی حال میں چارلی کو ان کے مخلص ہونے کا یقین نہیں ہو سکتا تھا۔

"اوہ خدایا؟" چارلی نے بے یقینی سے عالیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نیچے بیٹھے رہو۔" عالیہ غرائی۔

"تمہیں اندازہ ہے جو دھوکا تم نے میرے ساتھ کیا اس غم کو بھلانے میں مجھے کتنا وقت لگے گا؟" چارلی نے کہا۔

"ہمارے درمیان جو بھی تھا ختم ہو چکا ہے۔" عالیہ نے کہا۔

"نہیں یہ کبھی ختم نہیں ہوگا..... اصل کہانی تو اب شروع ہوئی ہے۔" چارلی نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔ سمیر کو اس کی آنکھوں میں نفرت کی آگ نظر آ رہی تھی وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس کی سچائی کو سمیر محسوس کر سکتا تھا وہ کسی صورت بھی عالیہ کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"کیا یہ دھمکی ہے؟" عالیہ نے پوچھا جواب میں چارلی، سمیر کی طرف دیکھ کر ہنسا تھا وہ جانتا تھا کہ سمیر اس کی بات کا مطلب سمجھ گیا ہے سمیر نے عالیہ کو درمیان سے ہٹا دیا۔

"میرا فون اٹھاؤ اور ناصر سے کہو کہ ہمیں ایک بند گاڑی کی ضرورت ہے۔" پھر وہ عالیہ پر جھک گیا تھا اور سرگوشی میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"میرا کوڈ ڈیلٹا فائیو ٹائن چارلی ہے۔" سمیر نے کہا اور فون عالیہ کو پکڑا دیا عالیہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور فون لے کر پورچ سے نکل گئی تھی۔

"میں اس معاملے میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔" سمیر نے چارلی کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم نے مجھے ایسا نہیں کرنے دیا۔ تم میرے احکامات کے خلاف NTI سے فرار ہو گئے اور آج رات تم نے اپنی ایک ساتھی ایجنٹ سے فائٹ کی تم نے میری کمانڈ کی بھی پروا نہیں کی تمہارا یہ رویہ ناقابل برداشت ہے تمہارے اس رویے کی بدولت تمہارے اطراف موجود لوگ بھی خطرے میں پڑ سکتے ہیں اور میں کسی بھی ایسی چیز کی اجازت نہیں دے سکتا جس سے میری ایجنسی میرے ادارے کو نقصان پہنچے۔" سمیر نے کہا چارلی خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم میرے بہترین ساتھیوں میں سے تھے میں نہیں چاہتا تھا کہ بات یہاں تک پہنچے۔" سمیر نے کہا۔ پھر وہ خوش ہو گیا تھا وہ دعا مانگ رہا تھا کہ اسے وہ نہ کرنا پڑے جو وہ کرنے کا ارادہ کر چکا تھا لیکن وہی

Downloaded from https://paksociety.com

ہوا چارلی نے اس پر چھلانگ لگائی تھی اور سمیر نے فوراً ہی ایک الیکٹرک ڈیوائس کو اس کے جسم سے چھو دیا تھا جس کے لیے وہ پہلے سے تیار تھا اس ڈیوائس سے روشنی کی ایک لہری نکلی تھی اور ایک ہائی وولٹیج الیکٹرک کا کرنٹ چارلی کے جسم سے ٹکرایا تھا اس کا جسم ایک لمحے کے لیے تڑپا تھا اور پھر غیر متحرک ہو گیا تھا۔ سمیر پیچھے ہٹا تھا اور چارلی بے ہوش ہو چکا تھا اس نے چارلی کی نبض چیک کی تھی جو ٹھیک تھی۔

"تم نے مجھے مجبور کر دیا چارلی۔" سمیر نے افسوس سے کہا۔

چارلی نے قید خانے میں بچھی ایک چٹائی پر کروٹ بدلی اور آنکھیں کھول دیں اس کا سر بھاری ہو رہا تھا اور وہ بے چینی محسوس کر رہا تھا اس نے کئی دن سے کسی انسان کی شکل نہیں دیکھی تھی وہ جانتا تھا کہ اس کے خلاف یہ کارروائی سمیر ہی نے کروائی تھی اس نے کئی دن سے سگریٹ نہیں پیا تھا جس کے بغیر اس کا ایک لمحہ نہیں کٹتا تھا شراب نہیں پی تھی کسی عورت کا قرب میسر نہیں آیا تھا اور اس کے خیال میں کسی آدمی کو بے قابو کرنے کے لیے یہ ہی سب حربے ہو سکتے تھے اور سمیر اسے توڑنا چاہتا تھا اچانک اسے لوہے کے بڑے بڑے کنڈے کھلنے کی آواز آئی اور چند لمحوں بعد سمیر اس کے سامنے کھڑا تھا اس کے ساتھ دو سیکیورٹی گارڈز تھے سمیر نے انہیں باہر رکنے کا اشارہ کیا وہ پیچھے ہو گئے اور چارلی کے کمرے میں سمیر کے داخل ہونے کے بعد دروازہ لاک کر دیا۔

سمیر چند لمحے کھڑا چارلی کو گھورتا رہا تھا اور چارلی اس کی تعظیم کے لیے کھڑا نہیں ہوا تھا حالانکہ وہ اس کا کمانڈر تھا لیکن چارلی اس کی بے عزتی کرنا چاہتا تھا۔

"مجھے امید ہے کہ تمہیں جتنا ٹائم دیا گیا اس میں تم نے سوچا ہوگا کہ تم نے جو کچھ کیا وہ غلط تھا۔" سمیر نے اس سے کہا۔

"تم نے مجھے کئی دن سے جس بے جا میں رکھا ہوا ہے ہاں مجھے وقت ملا ہے۔"

"تمہیں اپنے دماغ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے وقت درکار ہوگا...... میں تمہاری مدد کرنا چاہ رہا ہوں چارلی۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارا کیریئر یہاں بنا رہے۔"

"کیا واقعی؟ میں سمجھتا ہوں کہ تم میرا بھلا نہیں چاہتے۔" چارلی نے کہا اور آرام سے لیٹ گیا۔

"اٹھ جاؤ۔" سمیر نے حکم دیا۔

"اگر میں تمہارا حکم نہیں مانوں گا تو تم مجھے پھر الیکٹرک شاک دو گے؟" چارلی نے پوچھا۔

"مجبوراً" سمیر نے کہا اور چارلی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تم نے عالیہ کے ساتھ جو بدسلوکی کی اس کے بارے میں کیا کہو گے؟" سمیر نے پوچھا اور چارلی سمجھ گیا کہ عالیہ نے اسے اس بارے میں بتا دیا ہے۔

"وہ میری غلطی تھی۔" چارلی نے کہا۔

"چارلی تم بالکل کنٹرول سے باہر ہو چکے ہو..... تم اپنے ہی ادارے کے ایک ایجنٹ سے الجھ پڑے؟"

"میں پیچھے ہٹ گیا تھا تم جانتے ہو۔" چارلی نے کہا۔

"تمہیں غلط نیت سے اسے ہاتھ نہیں لگانا چاہیے تھا۔" سمیر نے غصے سے کہا۔ "تمہارے ایکشن ایسے ہیں کہ CSA ان پر اقدام کرنے پر مجبور ہے چارلی تم موقع کی نزاکت کو سمجھ نہیں رہے ہو۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں۔" چارلی نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اگر سمجھ سکتے ہو تو پھر میرے ساتھ تعاون کرو میں تمہیں ایک آخری موقع دینے کے لیے تیار

Downloaded from https://paksociety.com

ہوں۔"

"لڑکے کے ساتھ جو بھی ہوا وہ افسوسناک ہے لیکن تمہیں ادارے کے ساتھ کام کرتے رہنے کے لیے اس تکلیف دہ عمل سے گزرنا ہوگا لیکن اگر تم قانونی چارہ جوئی سے بچو گے تو تمہاری اب تک کی تمام کامیابیوں پر پانی پھر جائے گا مجھ پر یقین کرو میں تمہیں اس مشکل سے نکال لوں گا تم سمجھتے ہو کہ اس واقعے سے انکار کر کے یا اسے اتفاق کہہ کر تم اپنے ضمیر کو مطمئن کر لو گے؟ نہیں، تمہارا ضمیر تمہیں چین سے نہیں بیٹھنے دے گا لیکن اگر تم مکافاتِ عمل سے گزرو گے اور بے گناہ ثابت ہو جاؤ گے تو تمہارا ضمیر مطمئن ہوگا اور تمہارا کردار جو لوگوں کی نظر میں منفی ثابت ہو رہا ہے وہ منفی نہیں رہے گا۔"

"میرے بارے میں تم ایسا سوچتے ہو سمیر۔"

"ہاں میں ایسا ہی سوچتا ہوں۔" سمیر نے کہا اور چارلی کھڑا ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"نہیں..... تم سمجھتے ہو کہ میں برے کردار کا آدمی ہوں، میں دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے طاقت کا مظاہرہ کرتا ہوں اور انہیں مرعوب کرتا ہوں تو میں بھی مانتا ہوں کہ یہ درست ہے میں نیک اور اچھا بننے کا مظاہرہ کرتے کرتے تنگ آ گیا ہوں میں نے تمہاری ہدایات اور تمہارے ادارے کے قانون پر چلنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن ایسے موقعوں پر مجھے گھٹن کا احساس ہوتا ہے میں خود پر جبر کرتا ہوں میں خود کو بدل نہیں سکتا میں اپنی فطرت کے ساتھ آزادی سے جینا چاہتا ہوں، لڑکا مر گیا اس کی غلطی تھی وہ غلط وقت پر وہاں آیا تھا میرا کوئی قصور نہیں ہے اور مجھے کسی کی پروا بھی نہیں ہے۔"

سمیر بغور چارلی کو دیکھ رہا تھا وہ اپنے جوش میں بولتا جا رہا تھا، سمیر پر یہ حقیقت آشکار ہو گئی تھی کہ چارلی چاہتا ہے کہ وہ سمیر کو غلط ثابت کر دے اور اس پر برتری حاصل کر لے وہ کسی طرح بھی سمیر کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھا سمیر نے مڑ کر جیل کا دروازہ کھٹکھٹایا تاکہ گارڈ دروازہ کھول دیں اور وہ باہر نکل جائے پھر وہ باہر جا ہی رہا تھا کہ چارلی اچانک بولا۔

"میں عالیہ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ناممکن ہے۔" سمیر نے جواب دیا اور باہر نکل گیا سیکورٹی گارڈ نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا تھا سامنے ہی ناصر محمود اور عالیہ کھڑے تھے انہیں وہاں دیکھ کر سمیر حیران ہوا تھا۔

"کیا کہتا ہے؟" ناصر نے پوچھا اس کا اشارہ چارلی کی طرف تھا۔

"مجھے افسوس ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں..... وہ اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے۔" سمیر نے مایوسی سے کہا۔ ناصر اور عالیہ کے چہرے پر بھی مایوسی کی جھلک نظر آئی تھی جسے عالیہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی وہ دل سے چارلی کی بد دعا کرنا چاہتی تھی کیونکہ وہ اس سے خاصی قریب رہی تھی حالانکہ چارلی نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا اس کے چہرے پر زخم تازہ تھے جو چارلی نے لگائے تھے۔

"مجھے اس سے بات کرنے دو۔" عالیہ نے کہا۔

"کیا تم اس جیل خانے کے اندر اکیلی جا کر اس سے ملنا چاہتی ہو؟ یہ حماقت ہوگی۔" سمیر نے کہا۔

"کچھ نہیں ہوگا..... اور اگر کچھ ہوا تو تم یہاں باہر موجود ہو گے میری مدد کے لیے۔"

"نہیں..... میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔" سمیر نے قطعی انداز میں کہا۔

"میرا خیال ہے میں اسے سمجھانے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔" عالیہ نے کہا۔

"تم سمجھ نہیں رہی ہو..... اسے اس کے حال پر

Downloaded from https://paksociety.com

چھوڑ دو۔" سمیر نے سمجھایا۔

"میں ایسا نہیں کرسکتی۔" عالیہ نے ضد کی اور سمیر نے ناصر کی طرف دیکھا اور آنکھوں کے اشارے سے اجازت دینے کے لیے کہا۔

"مجھے صرف ایک موقع دو۔" عالیہ پھر بولی۔

"تم بھی یہی چاہتے ہو؟" سمیر نے ناصر سے پوچھا۔

"اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔" ناصر نے جواب دیا تو سمیر نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"ٹھیک ہے دروازے کے قریب رہنا اس کو قریب مت آنے دینا' ہم باہر ہی موجود ہیں۔" سمیر نے کہا اور گارڈ سے دروازہ کھلوادیا۔ عالیہ اندر چلی گئی تھی اور گارڈز نے پھر دروازہ بند کردیا تھا۔

"یہ میں اپنی مرضی کے خلاف کررہا ہوں ناصر۔" سمیر نے قدرے ناراضگی سے کہا۔

"ہم اس چھوٹی سی کھڑکی سے دیکھ سکتے ہیں۔" ناصر نے دروازے میں موجود چھوٹی کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

چارلی دروازہ کھلنے کی آواز پر مڑا تھا اور اپنے سامنے عالیہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا پھر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

"بس زیادہ قریب آنے کی اجازت نہیں ہے۔" عالیہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے رکنے کے لیے کہا۔

چارلی اس کی درخواست مانتے ہوئے اس سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا تھا اسے علم تھا کہ ناصر اور سمیر دروازے کی کھڑکی سے اندر اس پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔

"تمہارے چہرے پر ان نشانات کے لیے مجھے افسوس ہے لیکن تم اب بھی اچھی لگ رہی ہو۔" چارلی نے ڈھٹائی سے کہا۔

اس کی نظریں عالیہ کے جسم کا طواف کررہی تھیں اس نے نیلی جینز کے ساتھ سادہ سی شرٹ پہنی ہوئی تھی وہ ڈریم سینٹر کے سیکورٹی کے یونیفارم میں نہیں تھی اس کا مطلب تھا کہ وہ ڈیوٹی پر نہیں ہے بلکہ ذاتی طور پر اس سے ملنے آئی ہے۔

"میں یہاں تم سے ملنے ایک دوست کی حیثیت سے آئی ہوں۔" عالیہ نے کہا۔

"ہم کبھی بھی دوست نہیں تھے..... جب تم نے سمیر کے مقابلے میں مجھے کم تر ثابت کیا اور اس کے ساتھ دیا تب سے ہم دوست نہیں رہے۔" چارلی نے جواب دیا۔

"تم کیسی باتیں کررہے ہو چارلی' میں یہاں تمہاری مدد کرنے آئی ہوں تم سمیر کی آفر قبول کرلو چارلی اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو CSA سے نکل جاؤ گے اور تمہیں مفرور قرار دے دیا جائے گا اور پھر تمہیں ڈریم سینٹر سے بھی نکال دیا جائے گا جبکہ سمیر تمہیں رہائی کا پروانہ دینا چاہتا ہے تمہیں اس کی بات مان لینی چاہیے۔"

"کیا واقعی؟" چارلی نے غصے سے کہا اور عالیہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی لیکن دوسرے ہی لمحے چارلی نے اس پر چھلانگ لگادی تھی۔ عالیہ زور سے چیخی تھی تب تک چارلی اس کی گردن کے گرد اپنی بانہیں ڈال کر اسے head lock لگا چکا تھا۔

"چارلی..... باز آجاؤ..... اسے چھوڑ دو۔" باہر سے سمیر اور ناصر کی آوازیں ایک ساتھ آئی تھیں لیکن چارلی پر ان آوازوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ عالیہ اس کی گرفت سے چھوٹنے کی کوشش کررہی تھی۔ چارلی نے اسے ایک جھٹکا دے کر دیوار سے اس کا چہرہ ٹکرایا تھا اور اس کی چیخ نکل گئی تھی۔ اب چارلی اس طرح

Downloaded from https://paksociety.com

کھڑا تھا کہ دروازے کی طرف اس کی پشت تھی اور ناصر اور سمیر عالیہ کو نہیں دیکھ سکتے تھے چارلی کے بازو عالیہ کے گلے کے ساتھ لپٹے ہوئے تھے اور اسے پیچھے کی طرف جھکائے ہوئے تھے کمر کے درد سے وہ کراہ رہی تھی۔

"حرکت مت کرو پیاری ورنہ گردن ٹوٹ جائے گی۔" چارلی نے اس کے کان میں سرگوشی کی لیکن عالیہ اس سے خود کو چھڑانے کی جدوجہد کررہی تھی۔

"میں نے کہا حرکت مت کرو۔" چارلی نے پھر کہا اور اپنے بازوؤں پر مزید کھنچاؤ ڈالا عالیہ ایک بار پھر چیخی تھی۔

"چارلی؟" سمیر نے زور سے دروازے پر مکا مارتے ہوئے کہا اور سیکورٹی گارڈز کو اپنے ہتھیار تیار رکھنے کا اشارہ کیا اس نے اور ناصر نے بھی اپنی گنیں نکال لی تھیں۔

"دروازے کے قریب سے ہٹ جاؤ۔" اس بار ناصر چیخا لیکن چارلی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"چارلی باز آجاؤ۔" سمیر نے اپنی گن مضبوطی سے سنبھالی اور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں ضرورت ہے کمانڈر کہ تم باز آجاؤ۔" چارلی نے کہا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" سمیر نے پوچھا۔

"مجھے یہاں سے جانے دو۔" چارلی نے چیخ کر کہا۔

"چارلی میں یہ نہیں کرسکتا۔" سمیر نے جواب دیا۔

"تو پھر یہ ماری جائے گی۔"

"چارلی!" سمیر چیخا۔

"سمیر تم جانتے ہو میں جب کچھ کرنے پر آتا ہوں تو ہچکچاتا نہیں۔" چارلی نے جواب دیا پھر وہ چند لمحے سمیر کے جواب کا انتظار کرتا رہا تھا لیکن خاموشی رہی تھی۔

"سوری۔" چارلی نے عالیہ کے کان میں سرگوشی کی اور پھر اس کی جینز کی اگلی جیب میں ہاتھ ڈال دیا عالیہ نے مزاحمت کرنا چاہی تھی لیکن وہ بے بس تھی چارلی نے جیب میں سے اس کا چاقو نکال لیا تھا جو وہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتی تھی پھر اس نے چاقو کھول لیا تھا۔

"میں یہ موقع کھونا نہیں چاہتا۔" اس نے پھر عالیہ کے کان میں سرگوشی کی۔

"نہیں..... تم ایسا نہیں کرسکتے۔" عالیہ نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ سمیر تمہاری چیخیں سنے۔" اس نے سفاکی سے کہا اور اس کے ساتھ ہی تیزی سے چاقو کی نوک عالیہ کے بازو میں چبھو دی وہ زور سے چیخی پھر وہ سانس لینے کے لیے رکی تھی تو چارلی نے تیزی سے چاقو اس کے بازو سے باہر نکالا تھا اور فرش پر پھینک دیا تھا ایک بار پھر عالیہ کی چیخ نکل گئی تھی۔

"تم یہ کیوں کررہے ہو؟" عالیہ نے کراہتے ہوئے پوچھا۔

"میں جانتا ہوں کہ CSA اب مزید میرے ساتھ نہیں ہے۔" اس نے عالیہ کی گردن کے گرد اپنے بازوؤں کا گھیرا تنگ کرتے ہوئے کہا۔ "اب وقت آگیا ہے کہ میں اپنا راستہ بدل لوں۔" چارلی نے کہا اس کے ساتھ ہی اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تھی اور فوراً دروازے کی طرف منہ کرکے عالیہ کو اپنی ڈھال بنالیا تھا اور جیسے ہی سمیر اور ناصر اندر داخل ہوئے تھے اس نے عالیہ کو ان پر زور سے دھکا دیا تھا اور وہ دونوں زمین پر گرے تھے پھر دونوں سیکورٹی گارڈز کو دھوکا دینا اس جیسے فائٹر کے لیے کچھ مشکل نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

تھا اس نے ان دنوں کی گنیں بھی چھین لی تھیں اور بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

سمیر چند ہی لمحوں میں عالیہ کو ایک طرف ہٹا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" ناصر نے عالیہ سے پوچھا۔

"ہاں۔" عالیہ نے غصے سے کہا۔ "مجھے اپنی گن دو۔" عالیہ کی بات پر ناصر کچھ جھجکا تھا لیکن عالیہ نے اس کے ہاتھ سے اس کی گن لے لی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ اسے روکتا وہ اسی سمت بھاگی تھی جدھر چارلی گیا تھا۔

"الارم بجواؤ اور مزید لوگوں کو یہاں بلاؤ۔" سمیر نے تیزی سے کہا اور ناصر نے جلدی سے اپنا وائرلیس نکال لیا تھا پھر وہ سمیر کو چارلی کی مخالف سمت میں جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔

چارلی CSA کے بیس منٹ سے اچھی طرح واقف تھا چنانچہ بغیر رکاوٹ کے بھاگتا چلا گیا تھا پھر وہ ایک ایسی جگہ پہنچا تھا جہاں سیکورٹی نہیں تھی وہ پہلے سے اس مقام سے واقف تھا۔

اچانک ایک فائر کی آواز آئی تھی اور گولی قریب رکھے سیکورٹی ڈیسک پر لگی تھی جو اس کے دائیں ہاتھ پر رکھا تھا وہ بال بال بچا تھا اس نے مڑ کر دیکھا تو عالیہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی اور اس کی گن کا رخ چارلی کی طرف تھا۔

"تم بہت بڑی غلطی کر رہی ہو۔" چارلی نے اسے دھمکی دی اور اپنے ہاتھ میں موجود گن کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ عالیہ کی آنکھوں میں غصہ موجود تھا وہ اپنی جگہ پر کھڑی تھی اس کے بازو سے خون بہہ رہا تھا اور بازو کانپ بھی رہا تھا چارلی کے اندازے کے مطابق وہ بازو میں شدید درد محسوس کر رہی تھی اس نے دل ہی دل میں عالیہ کی ہمت کو داد دی۔

"گن پھینک دو۔" عالیہ غرائی۔

"نہیں۔" چارلی نے کہا اور اس کی طرف بڑھا عالیہ کے چہرے پر خوف کے آثار تھے جنہیں دیکھ کر چارلی مسکرا رہا تھا اس کی نظریں عالیہ کا جائزہ لے رہی تھیں وہ اندازہ لگا رہا تھا کہ عالیہ کی اگلی چال کیا ہو سکتی ہے۔

"عالیہ کیا تم سمجھتی ہو کہ تم مجھ پر گولی چلا سکتی ہو؟ چلو ٹرائیگر دباؤ..... مجھے شوٹ کرو۔" اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"کیا واقعی تم یہ خطرہ مول لینا چاہتے ہو؟" عالیہ نے کہا اور چارلی نے اندازہ لگا لیا کہ وہ اس پر فائر کرتے ہوئے جھجک رہی ہے۔

"ہاں..... ہاں بالکل۔" چارلی نے کہا اور پھر اس سے پہلے کہ عالیہ کوئی جواب دے اس نے ایک کرسی اٹھا کر عالیہ پر دے ماری تھی اور وہ زمین پر گر گئی تھی۔ یہ سب چارلی نے اتنی پھرتی سے کیا تھا کہ عالیہ کو کچھ سوچنے کا موقع نہیں ملا تھا اور گن اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ عالیہ تیزی سے اٹھی تھی اور اس کی طرف مڑی تھی اور چارلی اسے دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

"تم مجھ سے فائٹ کرنے کا سوچنا بھی نہیں عالیہ تم جیت نہیں سکو گی۔" چارلی نے اس کا مذاق اڑایا اور اس کے ساتھ ہی اس کے پیٹ پر ایک کک ماری عالیہ جھک گئی اس نے پھر دوسری کک ماری اور پھر اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اسے گھمایا اور دیوار سے ٹکرا دیا۔ عالیہ لڑکھڑا گئی تھی اور کھڑے رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

Downloaded from https://paksociety.com

اناڑی

انجم فاروق ساحلی

ایک نوآموز فن کار کا قصہ وہ اپنے تئیں خود کو مکمل سمجھے ہوئے تھا مگر ایک روز اس کا سامنا ایک منجھے ہوئے فن کار سے ہو گیا۔

انگریزی ادب سے انتخاب ایک دلچسپ کہانی

"سر۔" مسز گرافلٹن نے انٹرکام پر اپنی سیکریٹری کی شیریں آواز سنی۔

"مسٹر فلنچ نامی ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کون۔" مسٹر گرافلٹن نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ سیکریٹری نے بتایا ان کا تعلق شانی فوٹو اسٹوڈیو سے ہے۔ مسٹر گرافلٹن نے ایک گہری سانس کھینچ کر اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرا اور ایک انگلی سے دایاں گال کھجاتے ہوئے سوچنے لگے۔

"لوگ کس قدر بے پروا اور بے رحم ہوتے ہیں۔ انہیں ایک صنعت کار کی بے پناہ مصروفیت کا قطعی احساس نہیں ہوتا۔ مزدوروں کے معاملات، سرمائے کی لوٹ پھیر، پیداوار کی کھپت اور ٹیکسوں کی بھرمار بے چارے صنعت کار پر کتنے بوجھ لادے ہوتے ہیں پھر بھی جسے دیکھو منہ اٹھا کر چلا آرہا ہے ملاقات کے لیے۔ ان لوگوں کو اگر وقت نہ دیا جائے تو ناراض ہوتے ہیں، کوستے ہیں، گالیاں بکتے ہیں، سرمایہ دار اور مغرور ہونے کے طعنے دیتے ہیں۔"

انہوں نے سیکریٹری سے کہا۔

"مسٹر فلنچ سے کہو میں بے حد مصروف ہوں، وہ آئندہ ہفتے کسی روز تشریف لے آئیں۔"

"وہ آپ سے آج ہی ملنے پر مصر ہیں سر۔" سیکریٹری کے لہجے سے بے تابی ظاہر ہو رہی تھی۔

"ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے محض آپ سے ملاقات کی خاطر نیویارک سے یہاں تک کا سفر کیا ہے۔" مسٹر گرافلٹن کے حلق سے گھٹی گھٹی ناقابل فہم آواز نکلی۔

"بہت اچھا بھیج دو۔" نووارد درمیانے قد کا ایک دبلا پتلا آدمی تھا۔ اس کی شکل گلہری جیسی تھی، بال سیاہ تھے اور آنکھوں سے کینہ توزی جھلکتی تھی۔ وہ اپنے ایک ہاتھ میں بڑے سائز کا ایک پھول دار لفافہ تھامے ہوئے تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ چند لمحوں تک وہ مسٹر گرافلٹن کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے ایک جھٹکے سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ مصافحے کا انداز عجیب تھا جیسے میدان جنگ میں دشمن کو ختم کرنے کے لیے تلوار گھونپتے ہیں۔ مسٹر گرافلٹن نے پھرتی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ نووارد نے اپنا تعارف کروایا۔

"مجھے فلنچ کہتے ہیں میرا تعلق شانی فوٹو اسٹوڈیو نیویارک سے ہے، ممکن ہے آپ نے شانی فوٹو اسٹوڈیو کا نام سنا ہو؟"

"نہیں۔" مسٹر گرافلٹن نے اپنا گنجا سر ہلایا۔

"میں نیویارک بہت کم جاتا ہوں۔"

"لیکن گزشتہ مہینے آپ نیویارک آئے تھے نا؟" فلنچ نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ہاں پچھلے ماہ ایک کاروباری میٹنگ میں شرکت کرنے کے لیے میں نیویارک گیا تھا لیکن مجھے یاد نہیں آرہا کہ آپ سے......؟"

"آپ کو یاد آ بھی نہیں سکتا۔" فلنچ نے مسٹر گرافلٹن کی

Downloaded from https://paksociety.com

بات کاٹ دی۔ اس کے پتلے ہونٹوں پر ایک شاطرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہماری ملاقات روایتی انداز میں نہیں ہوئی تھی جیسے اس وقت ہو رہی ہے آپ کو شاید علم نہ ہو میرے اور آپ کے کچھ دوست مشترکہ ہیں۔'' فلنچ بھورے لفافے کی ڈوری کھولنے لگا۔

''مسٹر گرالفن مجھے احساس ہے کہ آپ بے حد مصروف آدمی ہیں میں آپ کا زیادہ وقت ضائع نہیں کروں گا۔ البتہ آپ کی اطلاع کے لیے یہ ضرور کہوں گا کہ ہماری کمپنی تجارتی میٹنگوں اور دیگر تقریبات کی تصاویر اتارنے میں ماہر تصور کی جاتی ہے۔ ملک بھر میں ہماری خدمات سے بے حد استفادہ کیا جاتا ہے۔ ہمارے مستقل گاہکوں میں امریکا کے چند معزز تاجر بھی شامل ہیں۔ ان کی فہرست میں آپ کا نام شامل کرنا ہمارے لیے فخر کا باعث ہوگا۔''

''معاف کیجیے مسٹر فلنچ! مجھے تصویریں اتروانے کا قطعی شوق نہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میری تصویر کبھی اچھی نہیں آتی۔'' مسٹر گرالفن زبردستی مسکرائے۔

''شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ نے کبھی ہماری خدمات حاصل نہیں کیں۔ گزشتہ مہینے ہم نے آپ کے حکم اور علم کے بغیر رضا کارانہ طور پر آپ کی چند تصویریں اتاری تھیں مجھے یقین ہے آپ وہ تصویریں دیکھ کر اپنے خیالات تبدیل کرلیں گے۔''

''میری تصویریں؟'' مسٹر گرالفن نے قدرے تعجب سے کہا۔

''جی ہاں بہت عمدہ تصویریں ہیں آپ دیکھیں گے تو پھڑک اٹھیں گے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں تصنع کا شائبہ تک نہیں اور اس لیے کہ آپ کی لاعلمی میں کھینچی گئی ہیں۔ آپ انہیں پسند کرنے پر مجبور ہو جائیں گے مسٹر گرالفن ملاحظہ فرمائیے۔''

فلنچ نے لفافے سے ایک تصویر نکال کر مسٹر گرالفن کے سامنے ڈال دی۔ پھر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر ان کے خوش گوار ردعمل کا انتظار کرنے لگا۔ تصویر پر نظر پڑتے ہی مسٹر گرالفن کا منہ کھل گیا اور آنکھیں حلقوں سے ابلنے لگیں۔ فلنچ نے جوش سے کہا۔

''ہے نا غیر معمولی۔ خود ہمیں بھی اتنے اچھے نتائج کی امید نہیں تھی جو بھی یہ تصویریں دیکھے گا اس کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔''

مسٹر گرالفن کی طبیعت خوش تو آگیا ہوتی۔ صاف ہو گئی۔ وہ منہ کھولے آنکھیں پھاڑے اپنی تصویر دیکھ رہے تھے ان کے جسم پر ایک بنیان کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بنیان کی وجہ سے ان کی توند کی بدنمائی بڑھ گئی تھی۔ وہ ننگے فرش پر ننگے پیر ایک ہاتھ میں سرخ شراب کا گلاس تھامے کسی حسین عورت کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ ان کے سرخ ہونٹوں پر

Downloaded from https://paksociety.com

شدید مسکراہٹ تھی اور چمکدار آنکھوں میں مسرت بھری دعوت تھی۔ بال کھلے ہوئے تھے ٹانگیں لمبی لمبی تھیں۔ اس کا پرکشش بدن شباب کے نشے میں چور تھا ایسا لگتا تھا کہ جیسے ذرا سے لمس میں گدگدی سے دہرا ہو جائے گا۔ قلیچ آسودہ لہجے میں بولا۔

"مسٹر گرالفلن آپ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں کہ ہم اپنے معزز کرم فرماؤں کو انتخاب کا حق نہیں دیتے نہیں جناب ایسی بات نہیں ہے۔ مجھے یہ اطلاع دیتے ہوئے بہت مسرت ہو رہی ہے کہ میرے پاس آپ کی بارہ تصویریں ہیں۔ یہ سب مختلف زاویوں سے مختلف حالتوں میں کھینچی گئی ہیں۔ بس یوں سمجھ لیجیے ہر تصویر اپنی جگہ ایک شاہکار ہے۔" اس نے لفافے سے باقی تصویریں نکالتے ہوئے کہا۔

قلیچ ایک ایک کر کے تصویریں ان کے سامنے ڈالتا رہا۔ مسٹر گرالفلن میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ کسی تصویر کو ہاتھ لگاتے۔ ان کی آنکھیں وحشت زدہ انداز میں پھٹی ہوئی تھیں ان کا دل نہایت شدت سے دھڑک رہا تھا۔ جیسے پسلیاں توڑ کر نکلنے کے لیے بے تاب ہو۔ انہوں نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ ان کی زبان سوکھ گئی تھی اور حلق میں کانٹے پڑ گئے۔

"جہاں تک قیمت کا سوال ہے۔" قلیچ نے اپنے ہاتھ ملتے ہوئے خوش مزاجی سے کہا۔

"ہم آپ کو اپنا مستقل خریدار بنانا چاہتے ہیں اس لیے ہم نے ان تصویروں کی قیمت بے حد کم رکھی ہے۔ آپ شاید یقین نہ کریں۔" اس کا لہجہ ڈرامائی ہو گیا۔

"ہر تصویر کی انفرادی قیمت صرف تین سو ڈالر ہے اور اگر آپ بارہ تصویروں کا پورا سیٹ خریدنا چاہیں تو پورے سیٹ کی قیمت صرف تین ہزار ڈالر ہو گی۔ جی ہاں صرف تین ہزار ڈالر۔ اس طرح ہر تصویر پر آپ کو پچاس ڈالر کی بچت ہو گی۔ آپ ایک کاروباری آدمی ہیں مجھے یقین ہے آپ اتنی زبردست بچت کا موقع گنوانا پسند نہیں کریں گے۔" مسٹر گرالفلن ٹکٹکی باندھے سامنے بکھری ہوئی تصویریں دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ قلیچ بولا۔

"میں نہیں چاہتا آپ عجلت میں کوئی فیصلہ کریں لیکن مسٹر گرالفلن مجھے سہ پہر تین بجے سے پہلے نیویارک واپس پہنچنا ہے آپ کو میری اس مجبوری کا احساس کرنا چاہیے۔"

مسٹر گرالفلن نے تصویروں پر سے نظر اٹھائی اور نووارد کی طرف دیکھا۔

"اس عورت کو جانتے ہو۔" ان کے حلق سے پھنسی ہوئی آواز نکلی۔

"ہاں تم اس سے اچھی طرح واقف ہو۔ تم اس روز اس کے فلیٹ میں ہی تھے اور تمام وقت وہیں رہے چھپ چھپ کر تصویریں اتارتے رہے۔"

"مسٹر گرالفلن!" قلیچ کا لہجہ خشک ہو گیا۔

"میں عجلت میں ہوں اور یہ سودا جلد سے جلد ختم کرنا چاہتا ہوں۔ از راہ کرم میرا اور اپنا وقت فضول باتوں میں ضائع نہ کیجیے۔ لیکن اگر آپ یہ تصویریں خریدنا ناپسند کریں اس صورت میں مجھے ایک اور گاہک سے ملاقات کرنا پڑے گی۔ اس گاہک کو ان تصاویر سے دلچسپی ہے یہ تصویریں مجھے آج ہی فروخت کر کے سہ پہر تین بجے سے پہلے واپس پہنچنا ہے۔"

"ایک اور گاہک۔" مسٹر گرالفلن بڑبڑائے۔

قلیچ بہت زور سے ہنسا۔

"جی ہاں مسٹر گرالفلن آپ خود صنعت کار ہیں۔ اس نکتے سے اچھی طرح واقف ہوں گے کہ ایسی اشیاء کی پیداوار منافع بخش نہیں ہوتی جس کے ایک سے زائد گاہک نہ ہوں۔ میں جس گاہک کا ذکر کر رہا ہوں وہ اس قصبے میں موجود ہے۔ میرا اشارہ آپ کی بیوی کی طرف ہے۔"

"لورا میری بیوی۔"

"جی ہاں کیا آپ کو تعجب نہیں ہوا؟"

"نہیں۔" مسٹر گرالفلن نے سر ہلایا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"یہ خیال میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔"

"اب ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں اس لیے ہمیں یہ سودا فوراً مکمل کرلینا چاہیے۔ غرض ہے ہماری کمپنی نقد کو چیک پر ترجیح دیتی ہے۔"

"صاحب زادے میں انکار کرتا ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں بزرگوار۔" مسٹر گرافلن دونوں کہنیاں میز پر جما کر آگے جھک گئے۔

"میں یہ تصویریں خریدنے سے انکار کرتا ہوں۔ کوئی رقم نہیں۔ نہ نقد نہ چیک کچھ بھی نہیں۔" فلنچ کی آنکھیں بجھ گئیں۔ چند لمحوں بعد اس کی آنکھوں کے دیے ٹمٹمائے پھر پہلے سے زیادہ روشن ہوگئے۔

"اگر یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے تو میں......"

"ہاں یہ میرا آخری فیصلہ ہے لیکن اس کے علاوہ میں نے کچھ اور بھی فیصلے کیے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں مسٹر گرافلن!" فلنچ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"تمہیں معلوم ہے تمہاری اس حرکت کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟ کیا تمہیں احساس ہے کہ تم نے مجھے کون سے فیصلے کرنے پر مجبور کردیا ہے؟"

"پتہ نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" مسٹر گرافلن نے آنکھیں بند کرلیں۔

"آج تم نے میری زندگی کا خاتمہ کردیا ہے۔"

"یہ مذاق ہے۔"

"میں سنجیدہ ہوں مسٹر! میں اس وقت مرگیا تھا جب تم اس کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ اب مجھے زندہ مت سمجھو اور یہ بھی سمجھ لو کہ میری موت کے ذمہ دار تم ہو۔ تم میرے قاتل ہو۔" فلنچ کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ ابھری۔

"آپ ایک کاروباری آدمی ہیں مسٹر گرافلن! ایسی جذباتی گفتگو آپ کو زیب نہیں دیتی۔"

"یہ جذباتی گفتگو نہیں ٹھوس حقائق ہیں۔" مسٹر گرافلن کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہوگئی تھیں۔ وہ سیدھے ہوکر بیٹھ گئے۔

"تمہیں معلوم ہے میں نیویارک کیوں گیا تھا؟ میں چند پرانے کاروباری دوستوں سے ملنے گیا تھا۔ سمجھے تم؟ میں پرانی دوستی اور تعلقات کا واسطہ دے کر ان سے اپنے مال کا آرڈر لینا چاہتا تھا۔ آج کل میرا کاروبار بہت مندا ہے۔ اگر مجھے آرڈر نہ ملے تو میں چھ ماہ کے اندر اندر دیوالیہ ہوجاؤں گا۔ مجھے اپنی فیکٹری بند کرنا پڑے گی اور ملازموں کو بے روزگار کرنا پڑے گا۔ میرے پاس جتنا سرمایہ رہ گیا ہے اس سے زیادہ سے زیادہ چھ مہینے تک فیکٹری کھلی رہ سکتی ہے۔ اب تم سمجھے میرے کاروبار کی حالت کیا ہے؟" فلنچ نے مصنوعی ہمدردی سے سر ہلایا۔ مسٹر گرافلن کہہ رہے تھے۔

"ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ میں اپنے پرانے دوستوں سے آرڈر لینے گیا تھا لیکن میں اپنے مقصد میں ناکام رہا۔ میرے سبھی دوستوں نے مجھے واضح طور پر کوئی یقین نہیں دلایا۔ مجھ سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اس رات اپنے تمام اصول بالائے طاق رکھ دیے اور اپنی تباہی کا غم شراب میں گھولنے کی کوشش کی۔ میں نے اتنی شراب پی اتنی شراب پی کہ ہوش وحواس سے بیگانہ ہوگیا۔ اچھے برے کی تمیز کھو بیٹھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک نوجوان لڑکی مجھ بوڑھے کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہوگئی۔ بہرحال فی الوقت میری معاشی حالت اتنی ابتر بھی نہیں ہے کہ میں تمہیں تین ہزار ڈالر نہ دے سکوں مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ تین ہزار ڈالر تمہیں مطمئن کرسکیں گے۔ نہیں چند ہفتوں یا چند مہینوں بعد تم پھر آدھمکو گے۔"

"لیکن اس کے لیے ابھی سے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"مسٹر گرافلن ان باتوں کا موجودہ سودے سے کیا تعلق ہے؟"

"تعلق نہ سہی لیکن تم یہ حقائق جھٹلا نہیں سکتے۔ یہ خوف

Downloaded from https://paksociety.com

کی ابتدا ہے۔ آج تم مجھے بارہ تصویریں بیچ کر چلے جاؤ گے لیکن چند ہفتوں بعد تم یہی تصویریں دوبارہ فروخت کرنے آؤ گے۔ اس وقت ان کی قیمت بھی مختلف ہوگی پھر تم برابر آتے رہو گے اور یہ تصویریں مجھے اس وقت تک فروخت کرتے رہو گے جب تک میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہوگا۔" فلپنج کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"میں بڑی جلدی میں ہوں مسٹر گرالفن میرے پاس یہ سب باتیں سننے کے لیے وقت نہیں ہے۔"

"مسئلہ یہ ہے کہ کیا موجودہ صورت میں میرے سامنے کوئی متبادل راستہ ہے؟ اگر تم سے تصویریں نہیں خریدوں گا تو تم انہیں لے کر میری بیوی کے پاس پہنچ جاؤ گے۔ ہماری شادی کو اٹھائیس سال ہو گئے ہیں۔ اس طویل رفاقت نے ہمیں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزم بنا دیا ہے۔ مجھے اپنی بیوی اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے ہمارے دو بچے جوان ہو گئے ہیں ان کی محبت اور ان کے دلوں میں میرا جو احترام ہے وہ بھی میری زندگی کی سب سے بڑی متاع ہے۔ اگر یہ تصویریں بچے دیکھ لیں تو؟" مسٹر گرالفن کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"اب ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں مسٹر گرالفن!" فلپنج نے کہا۔

"آپ کے سامنے کوئی متبادل راستہ نہیں ہے ہمیں فوراً سودا طے کر لینا چاہیے۔"

"نہیں ابھی ایک راستہ باقی ہے۔" مسٹر گرالفن سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"تم نے تمام راستے بند کر دیے ہیں صرف ایک راستہ باقی ہے۔" انہوں نے کانپتی انگلیوں سے دراز کھولا اور کچھ ٹٹولنے لگے چند لمحوں بعد ان کا ہاتھ ریوالور کے ساتھ باہر نکلا۔ فلپنج کا رنگ زرد پڑ گیا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں مسٹر گرالفن؟"

"اس کے سوا میرے پاس کوئی راستہ نہیں تم نے کوئی راستہ چھوڑا ہی نہیں۔ یہ ریوالور صرف ضابطے کی کارروائی ہے ورنہ میں تو اس وقت مر گیا تھا جب تم نے اس کمرے میں قدم رکھا تھا۔" فلپنج کھڑا ہو گیا۔

"ہمیں احمقانہ حرکتوں سے پرہیز کرنا چاہیے مسٹر گرالفن۔ ریوالور ایک طرف رکھ دیجیے اور یہ معاملہ کاروباری طریقے سے نمٹائیے۔"

"گفتگو کے لیے اب کوئی موضوع نہیں بچا۔" فلپنج نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"آخر..... آخر آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"بس ضابطے کی کارروائی پوری کرنا ہے اس کے سوا میں اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔ پہلے میں تمہیں گولی ماروں گا تاکہ آئندہ تم اس طرح کسی کی عزت سے نہ کھیل سکو اور کسی کو زندہ درگور نہ کر سکو۔"

"آپ..... آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ آپ اس طرح دن دیہاڑے اس عمارت میں مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ آپ فوراً پکڑ لیے جائیں گے۔"

"مجھے کوئی نہیں پکڑ سکتا۔" مسٹر گرالفن نے کہا۔

"پکڑے تو زندہ آدمی جاتے ہیں مردوں کو کون پکڑ سکتا ہے۔ تمہیں گولی مار کر میں فوراً خودکشی کر لوں گا۔" فلپنج پر سکوت طاری ہو گیا پھر جیسے ہی اس نے ریوالور کا حفاظتی کھٹکا ہٹنے کی آواز سنی اسے ہوش آ گیا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو۔" اس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی اور سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں ہو سکی۔ اس نے دیوانوں کی طرح پہلے دروازے کی طرف دیکھا پھر کھڑکی کی طرف۔

"یہ پاگل پن نہیں دانش مندی ہے۔ یہی ایک راستہ دانش مندی کے تقاضے پورے کرتا ہے۔" مسٹر گرالفن ریوالور بلند کر کے اس کی پیشانی کا نشانہ باندھنے لگے۔

"آپ غلط سمجھے مسٹر گرالفن۔" فلپنج نے گھبراتے ہوئے کہا۔

"میرا ارادہ یہ تھا کہ آپ سے تین ہزار ڈالر لے کر

تصویروں کے نیگیٹو ضائع کردوں گا۔ آپ...... آپ یقین کیجیے پلیز۔"

"تم مجھے احمق سمجھتے ہو برخوردار ذرا میری عمر دیکھو بال سفید ہوگئے ہیں میرے۔ میں نے دنیا دیکھی ہے۔ بلیک میلروں کی خصلت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ کسی بلیک میلر کے ہاتھوں سسک سسک کر ذلت کے ساتھ جان دینے سے بہتر ہے کہ اسے قتل کرکے خودکشی کرلی جائے۔ خودکشی میں محض چند لمحوں کی اذیت ہوتی ہے مگر بلیک میلنگ تو مدتوں جان نہیں چھوڑتی۔" وہ پرسکون انداز میں نشانہ درست کرنے لگے۔

"نہیں ٹھہرو۔" فلنچ دہشت زدہ ہوکے بے اختیار پیچھے ہٹا۔ اس کا پاؤں ایک کرسی میں الجھ گیا۔

"پلیز مسٹر گرالفن آپ پہلے میری بات سن لیجیے۔"

"میں قسم کھاتا ہوں کہ واپس نہیں آؤں گا۔ میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں۔"

"فضول ہے۔" گرالفن سنجیدگی سے بولے۔

"جب تک تمہارے پاس تصویروں کے نیگیٹو موجود ہیں تمہارے کسی حلف کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ میں تو اپنی زندگی گزار چکا ہوں مگر تمہاری جوان موت پر مجھے ذاتی افسوس ہوگا کاش تم روزی کمانے کے لیے یہ ذریعہ اختیار نہ کرتے۔"

"سنیے...... سنیے۔" فلنچ نے چیختے ہوئے جلدی سے کوٹ کی اوپری جیب میں ہاتھ ڈالا۔

"نیگیٹو میرے پاس موجود ہیں جناب! یہ لیجیے یہ ہیں گن لیجیے پورے بارہ ہیں آپ یہ نیگیٹو بھی خرید سکتے ہیں جناب یقین کیجیے۔"

"ایسی چیزوں کا معاوضہ ادا کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔" مسٹر گرالفن نے ہاتھ مار کر نیگیٹو بلیک میلر کی طرف پھینک دیے۔

"آپ انہیں رکھ لیجیے جناب ریوالور کی لبلبی پر بڑھتا ہوا دباؤ دیکھ کر وہ گلا پھاڑ کے چیخا۔

"بالکل مفت جناب بالکل مفت اور تصویریں بھی۔ مہربانی کرکے مجھے ماریے نہیں میں درخواست کرتا ہوں انہیں آپ میری طرف سے تحفہ سمجھیے پلیز مسٹر گرالفن پلیز۔"

مسٹر گرالفن چند لمحوں تک سوچتے رہے۔ پھر ان کا ریوالور تھاما ہاتھ آہستہ آہستہ نیچا ہو گیا۔

"بہت اچھا۔" وہ ایک گہری سانس لے کے مغموم انداز میں میز پر بکھرے نیگیٹو اٹھا کر گننے لگے۔

"ٹھیک ہے اب تم دفع ہوجاؤ۔" بلیک میلر پھرتی سے ایڑیوں پر گھوما اور بجلی کی طرح کمرے سے نکل گیا۔

مسٹر گرالفن خالی خالی نظروں سے دروازے کو دیکھتے رہے پھر رومال نکال کر انہوں نے پیشانی خشک کی۔ مواصلاتی آلے پر سیکریٹری کی سہمی ہوئی آواز ابھری۔

"کیا ہوا سر؟ آپ خیریت سے تو ہیں؟"

"سب ٹھیک ہے ڈیزی!"

مسٹر گرالفن نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

سیکریٹری نے کہا۔ "وہ شخص دوڑتا ہوا باہر نکلا تھا۔ وہ کون تھا سر؟"

"ایک اناڑی تھا ڈیزی! ایسے لوگ کبھی اپنے پیشے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"چھوڑو میرے لیے ذرا کافی بنالاؤ۔" انہوں نے دراز کھول کر خالی ریوالور احتیاط سے اندر رکھ دیا۔

DOWNLOADED FROM
PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded from https://paksociety.com

روپ محبت کے

ریاض بٹ

ایک اور تفتیشی کہانی لے کر حاضر خدمت ہوں محبت کے کئی روپ ہیں اور یہ محبت ہر روپ میں اپنا آپ منوالتی ہے صرف محسوس کرنے والا دل چاہیے جس طرح ایک قول ہے کہ آپ اپنے بچوں کی خاطر دنیا کو ٹکڑے ٹکڑے کر سکتے ہیں یہ بھی محبت کا ایک روپ ہے اسی طرح انسان یہ سوچتا ہے کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے لیکن جب کوئی انسان قانون کو ہاتھ میں لیتا ہے تو قانون حرکت میں ضرور آتا ہے۔

اور جب بات انسپکٹر خالد جیسے تھانیدار کی ہو تو......

کچھ لوگوں کے پولیس کے متعلق کچھ اچھے خیالات نہیں ہیں وہ اسے رشوت خور بددیانت اور نہ جانے کون کون سے القابات سے نوازتے ہیں اس کے متعلق میں صرف اتنا کہوں گا کہ ہر دور میں زیادہ تر پولیس والے اچھے رہے ہیں تبھی یہ نظام چل رہا ہے لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ پر ایک اٹل حقیقت ہے کہ کچھ کالی بھیڑوں اور گندی مچھلیوں نے سارے تالاب کو گندا ظاہر کرنے کا تاثر دے دیا ہے میں جس تھانے میں جاتا تھا وہاں میں ایسے پولیس اہلکاروں کے متعلق کارروائی کرتا تھا اور کم از کم اپنے تھانے میں ان کا وجود برداشت نہیں کرتا تھا۔ نئے تھانے میں آنے کے بعد میں نے ایسے ہی اہلکار کے متعلق کارروائی کی تھی ایک دن میں اپنی ڈیوٹی تھانے میں سرانجام دے رہا تھا کہ ایک تاجر ایک جوان کو لے کر میرے پاس آیا اور بتایا جناب میں یہ دوکانوں سے چیزیں چراتا ہے آج میں نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہے بازار والے اسے مارنا چاہتے تھے لیکن میں اسے پکڑ کر آپ کے پاس لے آیا ہوں یہ تقریباً شام کا وقت تھا میں نے تاجر کا بغور جائزہ لیا یہ ایک بھلا مانس اور صلح جو بندہ لگتا تھا عمر چالیس سال کے ارد گرد قریب ہوگی رنگ گندمی اور ماتھا چوڑا تھا۔

میں نے اسے عزت سے بٹھایا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے بہت اچھا کیا اب میں دیکھتا ہوں کہ یہ کتنے پانی میں ہے؟"

"ٹھیک ہے جناب اب میں چلتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ اس کا خیال رکھیں گے۔"

وہ چلا گیا اور میں اس کے ذومعنی جملے کو اپنے ذہن میں دہراتے ہوئے اس پر غور کرنے لگا۔

میں نے جوان کی طرف دیکھا اس کی عمر بیس بائیس سال ہوگی اس نے نیلے رنگ کا شلوار قمیص زیب تن کیا ہوا تھا کپڑوں کے اوپر اس نے کالا کوٹ پہنا ہوا تھا یہ دسمبر کا مہینہ تھا اور سردی اپنے شباب پر تھی۔ جوان غربت کا مارا ہوا لگتا تھا کیونکہ اس نے جو کوٹ پہنا ہوا تھا وہ یہی ظاہر کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے اسے توقع ہو کہ اب اس کی دھنائی شروع ہونے والی ہے میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا تم واقعی چور ہو؟"

وہ میرے قدرے نرم لہجے سے چونک سا گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"تھانیدار صاحب میں آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی جسارت نہیں کرسکتا میں واقعی دوکانوں سے چیزیں چراتا ہوں لیکن مجبوری ہے۔"

"کیا مجبوری ہے تم جوان ہو محنت مزدوری بھی کرسکتے ہو۔" میں نے اسے گھورا۔

"دراصل میری ریڑھ کی ہڈی میں چوٹ لگی ہوئی ہے میں محنت مزدوری نہیں کرسکتا۔"

"بے وقوف کے بچے تم نے بازاروں میں معذوروں کو کچھ نہ کچھ بیچتے ہوئے نہیں دیکھا۔" مجھے غصہ آنے لگا تھا کیونکہ میں نے تاڑ لیا تھا کہ یہ کسی استاد کا سکھایا ہوا ہے اور مجھے چکر دینے کی کوشش کررہا ہے۔

"جناب آپ مجھے چھوڑ دیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" اس نے میرے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"ذرا اپنا شناختی کارڈ دکھاؤ۔"

"وہ تو اس وقت میرے پاس نہیں ہے۔" میں نے ہیڈ کانسٹیبل زاہد کو بلا کر جوان کو اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"زاہد اس کو حوالات میں بند کردو صبح اس سے بات ہوگی۔" پھر جوان کو دبکا مارتے ہوئے کہا۔

"اچھی طرح سوچ لو اور سب کچھ سچ سچ بتانے کی تیاری کرلو ورنہ تمہاری ہڈیوں کا سرمہ بن جائے گا۔ دراصل میں اسے سوچنے کا موقع دینا چاہتا تھا اور ابھی تشدد نہیں کرنا چاہتا تھا نہ جانے کیوں مجھے اس پر غصہ اور ترس بیک وقت آ گیا تھا ویسے میں اسے سنبھلنے کا موقع دینا چاہتا تھا لیکن دوسری صبح مجھے افسوس ہونے لگا کہ میں نے اسے ڈھیل کیوں دی؟"

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبداللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُم مریم	نایاب جیلانی	ایمائے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لیے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لیے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

http://paksociety.com

Downloaded from https://paksociety.com

صبح جب میں تھانے میں داخل ہوا تو مجھے یہ خبر سننے کو ملی کہ جوان فرار ہو گیا ہے۔ میرا غصہ ساتویں آسمان کو چھونے لگا اور میں نے سب کو تھانے کے صحن میں لائن حاضر کر لیا۔ دونوں اے ایس آئی اس وقت تھانے میں نہیں تھے لائن حاضر اہلکاروں میں شبینہ ڈیوٹی والے اہلکار بھی شامل تھے یہ ہیڈ کانسٹیبل زاہد سپاہی سجاد نوید عارف اور ضمیر تھے میں نے ان کو علیحدہ کر لیا اور ان کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے کرخت آواز میں کہا۔

"مجھے سچ سچ بتاؤ کہ تم میں کالی بھیڑ کون ہے؟ جس نے جوان کو فرار کروایا ہے۔"

"سر...... جس حوالات میں جوان بند تھا اس کا دروازہ صبح ٹوٹا ہوا ملا ہے۔" سپاہی نوید نے بتایا۔

"تم بتاؤ زاہد کل شام تم نے ہی اسے حوالات میں بند کیا تھا؟"

"جی ہاں سر۔"

"اس کی تلاشی وغیرہ لی تھی؟" میں نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ خاموش رہا مجھے اس کا لہجہ عجیب لگا۔ باقیوں کو اپنی اپنی ڈیوٹی پر بھیج کر میں زاہد کو اپنے کمرے میں لے گیا ان میں شبینہ ڈیوٹی والوں کو میں نے چھٹی دے دی تھی۔ اتنے میں اے ایس آئی اسلم بھی میرے کمرے میں آ گیا اور جب اسے صورت حال سے آگاہی ہوئی تو وہ بھی ہیڈ کانسٹیبل زاہد کو گھورنے لگا۔

ہماری تفتیش کے آگے وہ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا اور اس نے سچ اگل دیا۔ اس نے دس ہزار روپے لے کر جوان کو فرار کروایا تھا بقول اس کے ایک معزز سا بندہ رات کو تھانے میں آیا تھا جس نے اس کے ساتھ ڈیل کی تھی۔

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا تھا کہ تم اتنا بڑا جرم کر کے ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو جاؤ گے اے ایس آئی اسلم نے اٹھ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ وہ خاموش رہا جب اے ایس آئی نے اسے تھپڑ رسید کیا تو وہ بولا۔

"دراصل معزز شخص نے مجھے کہا تھا کہ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی اس کی پہنچ بہت اوپر تک ہے۔"

"تمہیں تو نوٹ دیکھ کر سب ہرا ہرا نظر آنے لگا ہو گا اور ان نوٹوں نے تمہاری عقل کے سارے بلب فیوز کر دیے ہوں گے۔ ذرا اپنے اس معزز شخص کا حلیہ تو بتاؤ؟" پھر میں نے اس کا بتایا ہوا حلیہ نوٹ کیا تھا۔ قارئین آپ نے اندازہ لگایا ہو گا کہ ہم نے ہیڈ کانسٹیبل زاہد کے ساتھ کیا کیا ہو گا بہرحال یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد آپ پر واضح ہو گیا ہو گا ویسے زاہد نے اتنی چالاکی اور چابکدستی سے یہ کارروائی کی تھی کہ شبینہ ڈیوٹی والے اہلکاروں کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی۔ یہ اس واقعے کے غالباً چھٹے دن کا ذکر ہے کہ ہمیں اطلاع ملی لیڈی ڈاکٹر ثمر اقبال کو کسی نے خنجر کے پے در پے وار کر کے قتل کر دیا ہے آگے بڑھنے سے پہلے ثمر اقبال کے متعلق بتا دوں حالانکہ یہ معلومات مجھے بعد میں حاصل ہوئی تھی۔

ثمر اقبال ایک پرائیویٹ اسپتال میں تھی جو شہر کے اس حصے میں واقع تھا جو ہمارے تھانے کی حدود میں آتا تھا اسپتال کافی بڑا تھا یہ اسپتال شیخ حامد کی ملکیت تھا ثمر اقبال ایک ماہر گائناکولوجسٹ تھی اقبال اس کے شوہر کا نام تھا آج کل دونوں میاں بیوی میں ان بن چل رہی تھی اور ثمر اقبال اسپتال میں ہی بنے ہوئے ایک کوارٹر میں رہتی تھی۔ میں نے سپاہی عظمت اور سپاہی منظور کو ساتھ لیا اور اسپتال میں پہنچ گیا کوارٹر دو کمروں پر مشتمل تھا ایک کمرے میں اس کی لاش بستر پر پڑی تھی بستر خون سے تر تھا میں نے بغور لاش کا معائنہ کیا تو یہ بات میرے علم میں آئی کہ یہ کسی ایسے بندے کا کام ہے جو اپنے دل میں اس کے لیے بہت زیادہ کینہ اور نفرت رکھتا تھا دو زخم دل کے مقام پر تھے ایک پیٹ کے اوپر تھا جب کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بھی شدید زخمی تھیں لگتا تھا اس نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے کافی جدوجہد کی تھی اور اسی کشمکش میں اس کی انگلیاں زخمی ہوئی تھیں اس وقت کوارٹر کے باہر ڈاکٹرز لیڈی ڈاکٹرز نرسنگ اسٹاف اور باقی عملے کے کافی لوگ جمع تھے۔

میں نے ضروری کارروائی کے بعد لاش کو سپاہی منظور کی نگرانی میں سول اسپتال بھجوا دیا اور وہاں موجود مذکورہ بالا افراد سے فرداً فرداً مختصر سوال کیے۔

لیڈی ڈاکٹر شمشاد اور ڈاکٹر عاطف مجھے کام کے لگے

Downloaded from https://paksociety.com

باقی سب کو فارغ کر کے میں نے انہیں کمرے میں اپنے سامنے بٹھالیا ان کے چہروں سے لگ رہا تھا جیسے انہیں اس واقعے سے بہت دکھ ہوا ہو۔ میں نے شمشاد سے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحبہ شمراس کوارٹر میں اکیلی رہتی تھی؟"

"نہیں تھانیدار صاحب اس کے ساتھ میں رہتی تھی۔"

"آپ..... میں نے حیران نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا رات کو بھی آپ اس کے ساتھ تھیں؟"

"نہیں تھانے دار صاحب میں ایک سرجن ہوں شام کو ایک روڈ ایکسیڈنٹ کا مریض آیا تھا میں اور ڈاکٹر عاطف صبح تک اسپتال میں مصروف رہے تھے دراصل مریض کی دونوں ٹانگیں اور بازو شدید زخمی تھے اور ہمیں اس کا آپریشن کرنا پڑا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے مقتولہ رات کو فلیٹ میں بالکل اکیلی تھی۔"

"جی ہاں کبھی کبھی بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم دونوں میں ایک کسی ایمرجنسی کی صورت میں اسپتال میں ہوتی ہے۔"

"آپ کے خیال میں یہ کارروائی کس نے کی ہے؟" میں نے بغور اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتی ہوں میں تو خود حیران ہوں کہ اتنی اچھی اور ہر کسی کے کام آنے والی ہستی کو اتنی بے دردی سے کون مار گیا۔" میں نے دیکھا کہ اس کے دل کا دکھ پانی بن کر اس کی آنکھوں میں تیر رہا ہے۔

"اچھا آپ یہ بتائیں کہ مقتولہ کی اپنے شوہر لیکن ذرا ٹھہریے پہلے آپ یہ بتایئے....." میں نے چند لمحے توقف کیا پھر بولا۔

"مقتولہ کا شوہر اقبال کرتا کیا ہے؟"

"تھانیدار صاحب آپ نے اقبال فلور ملز کا نام سنا ہوگا۔"

"میں نے نہیں سنا۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا دراصل مجھے اس تھانے میں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔

"بہرحال اقبال فلور مل کا مالک ہے ثمر کا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا یہ اقبال ایک دن اسپتال میں مریض بن کر آیا اور ثمر پر عاشق ہوگیا پھر یہ عاشقی شادی تک پہنچ گئی تھانے دار صاحب اگر آپ ناراض نہ ہوں تو ایک بات پوچھوں.....؟" لیڈی ڈاکٹر شمشاد نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔" آپ بلاتکلف اور بلا جھجک سوال پوچھ سکتی ہیں جب میں اتنے سوال و جواب کر رہا ہوں تو۔"

"یہ مرد پہلے منت سماجت اور خودکشی کر لینے کی دھمکی دے کر عورت کو شادی پر مجبور کرتے ہیں پھر ان پر شک کر کے ان کی زندگی میں زہر کیوں گھول دیتے ہیں۔" میں نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"دیکھیں میرا تجربہ تو یہ کہتا ہے کہ نہ سارے مرد ایسے ہوتے ہیں اور نہ ساری عورتیں بے وفا ہوتی ہیں دراصل مرد اپنی محبوبہ کو ڈبی میں بند کر کے رکھنا چاہتا ہے۔"

"لیکن تھانیدار صاحب یہ زیادتی نہیں ہے خاص طور پر ایسی عورت کے ساتھ جو ڈاکٹر ہو؟"

"دیکھیں جی یہ بحث بہت لمبی ہو جائے گی آپ یہ بتائیں کہ اقبال اپنی بیوی پر کس قسم کا شک کرتا تھا؟ میں نے بے فائدہ بحث میں الجھنے کی بجائے اصل موضوع کی طرف آنے کے لیے سوال کیا۔

"اقبال..... لیڈی ڈاکٹر شمشاد نے ڈاکٹر عاطف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ شک تھا کہ شاید ثمر ان میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

"حالانکہ تھانے دار صاحب ایسی کوئی بات نہیں تھی وہ صرف میری کولیگ تھیں۔" ڈاکٹر عاطف نے پہلی دفعہ لب کشائی کرتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر عاطف تیس بتیس سالہ ایک خوبرو جوان تھا بال اس کے گھنگریالے تھے اور اس کے دائیں گال پر ایک چھوٹا سا تل اس کی مردانہ وجاہت میں اضافہ کر رہا تھا بہرحال وہ جنس مخالف کے لیے بے پناہ کشش رکھتا تھا۔

میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اقبال کا شک صحیح تھا ویسے اگر رقابت کی بات تھی تو ڈاکٹر عاطف کو قتل ہونا چاہیے تھا۔

"یہ کیا چکر تھا؟ ابھی میں کسی نتیجے پر پہنچنے سے قاصر تھا میں نے ان کو یہ کہہ کر فارغ کر دیا کہ مجھے ان کی ضرورت

Downloaded from https://paksociety.com

پھر بھی پڑ سکتی ہے۔" مجھے دراصل پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار کرتا تھا سپاہی عظمت کوارڈ کے باہر الرٹ کھڑا تھا میں نے اسے آواز دے کر اندر بلا لیا پھر میں نے اس کے ساتھ مل کر کمرے کا دوبارہ بغور جائزہ لینا شروع کر دیا۔ جیسا کہ ذکر آ چکا ہے بستر کی چادر خون سے بھری ہوئی تھی کمرے میں اور سامان کے ساتھ ایک لکڑی کی خوبصورت میز تھی جس کے اوپر دو چائے کے خالی کپ پانی کا جگ دو کانچ کے خوبصورت اور نازک گلاس رکھے ہوئے تھے۔ ان چیزوں کے متعلق میں نے لیڈی ڈاکٹر شمشاد سے پوچھا تھا۔

وہ بھی حیران تھی کہ دو کپ کیوں؟ یہ سوال اس کے لبوں پر بھی تھا کہ رات دوسرا بندہ یا بندی اس کوارڈ میں کون تھا یا تھی؟ ویسے......ایش ٹرے میں سگار کے کچھ ادھ جلے ٹکڑے بھی تھے جو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ کوئی مرد رات کو اس کوارڈ میں تھا۔ وہ کون تھا؟ کیوں آیا تھا؟ کیا واقعی نمرہ کو قتل کر کے گیا تھا؟"

کافی پراسرار معاملہ تھا البتہ ایک بات طے تھی کہ جو کوئی بھی تھا مقتولہ اس سے واقف تھی رات کی تاریکی میں چھپے ہوئے راز مجھے معلوم کرنے تھے کوارڈ کو سر بمہر کروانے سے پہلے میں نے سپاہی عظمت کو حکم دیا کہ وہ سگار کے ادھ جلے ٹکڑے اور ان کی راکھ محفوظ کر لے۔ تھانے میں واپس آ کر میں نے یہ چیزیں اپنی میز کی دراز میں رکھ دیں سگار امپورٹڈ تھے ویسے سگار دیکھ کر لیڈی ڈاکٹر شمشاد نے ایک بات کی تھی جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اے ایس آئی اسلم کا تعلق لاہور سے تھا وہ زیادہ تر پنجابی میں بات کرتا تھا اس کی باتیں اور ضرب الامثل بڑے مزے کی ہوتی تھیں ان کا تذکرہ وقتاً فوقتاً کہانی میں ہوگا بہر حال اسے بلا کر میں نے تازہ کیس اس کے سامنے رکھ دیا وہ بولا۔

"سر تفتیش کا آغاز کہاں سے کرنا ہے؟"

"وہ تو میں تمہیں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آنے کے بعد بتاؤں گا سر دست میں نے تمہیں ایک اور کام کے لیے بلایا ہے۔"

"جی سر حکم۔"

"جس جوان کو فرار کروایا گیا ہے اس کا سراغ لگانا ہے" میں نے میز کی دراز کھول کر کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس کے اوپر جو حلیہ لکھا ہوا ہے اس کا خاکہ بنوانا ہے۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

اس کے جانے کے بعد میں نے میز پر رکھے ہوئے کاغذات ترتیب سے رکھے اور سوچوں کے گھوڑے دوڑانے لگا تاجر بڑے ذومعنی انداز میں یہ کہہ کر گیا تھا کہ "مجھے امید ہے آپ اس کا خیال رکھیں گے" ویسے میں نے سارے عملے سے کہہ دیا تھا یہ بات باہر نہیں نکلنی چاہیے کہ اب وہ ہماری زیر حراست نہیں ہے۔ بہر حال مجھے اسے ڈھونڈنا تھا اور ساتھ ہی اس بندے کا بھی سراغ لگانا تھا جو اسے لے گیا تھا مجھے اپنی پوری سروس میں اس قسم کے حالات سے بہت کم واسطہ پڑا تھا۔ یہ واقعہ پولیس ڈیپارٹمنٹ پر ایک دھبہ تھا میری ہمیشہ سے یہ عادت اور روٹین رہی ہے کہ میں عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے بستر پر جاتا تھا اس رات میں نے اپنے رب ذوالجلال سے خصوصی طور پر دعا مانگی کہ باری تعالیٰ مجھے سرخرو کرے اور میں اس دھبے کو مٹا سکوں۔ ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ وہ خدا بزرگ و برتر ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے وہ جو مانگو دیتا ہے بس مانگنے کا ڈھنگ آنا چاہیے۔

اگلی صبح ابھی مجھے اپنی ڈیوٹی سنبھالے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ سپاہی عظمت نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میرے سامنے لا کر رکھ دی رپورٹ کے مطابق مقتولہ کی موت رات دو اور تین بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی دل پر لگے زخم مہلک ثابت ہوئے تھے انگلیوں پر زخم کی تعداد چھ تھی پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر نے لکھا تھا کہ مقتولہ نے اپنی جان بچانے کے لیے مزاحمت کی ہوگی جس کی وجہ سے اس کی انگلیاں زخمی ہوئی ہوں گی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے ساتھ لاش بھی آ گئی تھی جو میں نے اسپتال سے آتے ہوئے محلے کو ضروری کاغذی کارروائی کرنے کے بعد دے دی تھی اب مقتولہ کو آخری منزل تک لیڈی ڈاکٹر شمشاد نے پہنچانا تھا کیونکہ جیسا کہ ذکر آ چکا ہے مقتولہ کا آگے پیچھا کوئی نہیں تھا لیکن مجھے ایک بات بہت عجیب لگ رہی تھی کہ ابھی تک مل اونر اقبال سامنے نہیں آ رہا تھا۔ بے شک اس کے بیوی کے ساتھ اختلافات تھے ان کی آپس میں ان بن تھی لیکن ایسے

Downloaded from https://paksociety.com

موقع پر اسے سامنے آنا چاہیے تھا یہ بات مجھے لیڈی ڈاکٹر شمشاد سے پوچھنا یاد نہیں رہی تھی کہ انہوں نے ثمر کے قتل کی اطلاع اقبال کو بھجوائی تھی یا نہیں؟" بہر حال میں نے سپاہی منظور کو بلا کر اس کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ اقبال کو تھانے لے آئے لیکن دو گھنٹے بعد سپاہی منظور نے آ کر یہ اطلاع دی کہ اقبال نہ فلور مل میں ملا ہے اور نہ اپنی رہائش گاہ پر۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ اقبال کی رہائش گاہ مل کے قریب ہی تھی اس نے مل کے ساتھ ہی اپنی کوٹھی بنائی تھی جہاں آج کل وہ اپنی ماں اور بہن کے ساتھ رہ رہا تھا اس کی بہن شادی شدہ تھی اور اس کا خاوند روزی روٹی کی تلاش میں کسی عرب ملک میں گیا ہوا تھا شاید شمشاد نے مجھے ملک کا نام بھی بتایا تھا جو اس وقت میرے ذہن سے محو ہو گیا تھا در اصل میرا ذہن جوان کی وجہ سے الجھا ہوا تھا یہ اسی شام کی بات ہے کہ میں سپاہی عظمت کو لے کر اس کی کوٹھی میں پہنچ گیا یہ تقریباً ایک کنال پر بنی بڑی دیدہ زیب کوٹھی تھی ہم سادہ کپڑوں میں تھے ہماری حتی الامکان کوشش ہوتی تھی کہ وردی کی وجہ سے محلوں میں سنسنی اور ہراس نہ پھیلے اور لوگ خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ نہ بنائیں اگر لوگوں کو رائی میسر آ جائے تو پہاڑ بنانے میں وہ دیر نہیں لگاتے ہاں البتہ اگر ہمیں یقین ہو جائے کہ جہاں ہم جا رہے ہیں وہ مجرم ہیں تو ہم وردی میں ڈنکے کی چوٹ پر جاتے ہیں ویسے...... ہم نے اپنے تعارف کے ساتھ جب اس نوکر کے ہاتھ اپنے آنے کی غرض و غایت اندر پہنچائی تو ہمیں فوراً اندر بلا لیا گیا آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ دو کمروں کے چھوٹے سے گھر میں دس بارہ بندے رہ رہے ہوتے ہیں اور بڑی مشکل سے گزر اوقات کرتے ہیں لیکن یہاں معاملہ مختلف تھا اتنی وسیع و عریض کوٹھی میں اس وقت صرف دو ذی روح تھے ایک اقبال کی بوڑھی والدہ اور اس کی بہن ثروت باقی نوکر ہوں گے جن کی تعداد سے ہمیں غرض نہیں تھی۔ جس ڈرائنگ روم نما کمرے میں ہمیں بٹھایا گیا وہ کافی بڑا تھا پاؤں کے نیچے دبیز قالین تھا صوفے چمکیلے اور قیمتی تھے میں نے مکینوں کا بغور جائزہ لیا۔ اقبال کی والدہ کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ تھی لیکن صحت اچھی تھی ثروت تیس سال سے زیادہ عمر کی تھی اسمارٹ اور خوبصورت تھی۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور ساٹھ سالہ خاتون کی

اللہ کی نصیحت

"(مسلمانو) یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔ یقین جانو اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بے شک اللہ ہر بات سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو۔ تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار ہوں ان کی بھی۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر تم واقعی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول کے حوالے کر دو۔ یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے۔"

(النساء: ۵۸، ۵۹)

افتخار احمد...... کراچی

دو بھائیوں کا قصہ

ایک سردار کے دو لڑکے مصر میں تھے۔ ایک نے علم حاصل کیا' دوسرے نے مال جمع کیا۔ آخر کار ایک بہت بڑا عالم بن گیا اور دوسرا بادشاہ ہو گیا۔ اس کے بعد یہ مالدار اپنے بھائی عالم کی طرف ذلت کی نظر سے دیکھتا تھا اور کہتا تھا کہ میں سلطنت تک پہنچ گیا اور تو ویسے ہی عاجزی اور غربت میں رہا۔ اس عالم نے جواب دیا: اے بھائی! اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر مجھ پر تجھ سے زیادہ واجب ہے اس لیے کہ میں نے پیغمبروں کی میراث یعنی علم حاصل کیا اور تجھ کو فرعون اور ہامان کی میراث ملی یعنی ملک مصر کی بادشاہت۔

فائدہ: قناعت (تھوڑے پر مطمئن رہنا) بڑی نعمت ہے اسی کے ذریعہ غریب بھائی نے علم نبوت کی دولت حاصل کر لی تھی۔

مرسلہ: عبدالرشید...... پشاور

Downloaded from https://paksociety.com

طرف دیکھتے ہوئے سوال و جواب کا آغاز کیا۔

"آپ کی طرف سے شہر کی لاش لینے کوئی نہیں آیا اس کی کیا وجہ ہے؟"

"تھانیدار صاحب وہ ساوے تعلقات توڑ کر چلی گئی تھی پھر ہم کیوں گدلے پانی میں ہاتھ مارتے۔" خاتون نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب کیا آپ کے بیٹے نے اسے طلاق دے دی تھی؟"

"میں نے تو اس بے وقوف کو کئی بار کہا تھا لیکن وہ ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔"

"مجھے لگتا ہے کہ آپ اس شادی سے خوش نہیں تھیں؟"

"دیکھیں جی بھائی جان پتہ نہیں اس کی کس ادا پر مرمٹے تھے وہ تو آزاد پنچھی تھی وہ تو راتوں کو بھی اسپتال جاتی تھی آخر بھائی جان کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور......" ثروت نے گویا اپنے دل کا غبار نکال لیا میں ان سے فضول بحث میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے تو دی ٹو دی پوائنٹ بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ویسے بھی مجھے ان عورتوں کی سیاست سے کوئی غرض نہیں تھی۔

میں نے ثروت کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "بی بی تمہارا بھائی جان کدھر ہے؟"

میں نے دیکھا کہ اس کی پیشانی پر ناگواری کی سلوٹیں پڑ گئی ہیں۔

"تھانیدار صاحب کیا آپ بھائی جان پر کسی قسم کا شک کررہے ہیں؟"

مجھے غصہ آگیا لیکن میں نے اسے مصلحت کے پردے میں لپیٹتے ہوئے نرم لہجے میں ہی کہا۔

"تم اس بات کو چھوڑو سوال کا جواب دو۔"

"بھائی جان قطر گئے ہیں وہاں میرے شوہر ہوتے ہیں" ثروت نے بتایا۔

"اچانک جانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

اس سے پہلے کہ ثروت جواب دیتی اقبال کی ماں بولی "وہ تو کئی دن سے کہہ رہا تھا لیکن مل کے کاموں سے فرصت نہیں تھی۔"

میری تجربہ کار نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ ماں بیٹی جھوٹ بول رہی ہیں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور تھی جس کے لیے انہیں جھوٹ کا سہارا لینا پڑ رہا تھا۔

"دیکھیں میں خود چل کر آگیا ہوں اور وہ بھی بغیر وردی کے میں نے آپ لوگوں کی عزت کا خیال کیا ہے ورنہ میں آپ کو تھانے بھی بلا سکتا تھا اور ایک بات کان کھول کر سن لیں یہ کام میں اب بھی کرسکتا ہوں۔" میں نے سیدھی انگلیوں سے گھی نہ نکلتے دیکھ کر انگلیاں تیڑھی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

میں نے دیکھا کہ میری دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے اور اقبال کی والدہ نے اپنی بیٹی کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تھانیدار صاحب اقبال سات آٹھ دنوں سے سخت پریشان تھا میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا مل میں خسارے کا سامنا ہے پچھلے دنوں دو مشینیں خراب ہوگئیں کچھ گندم بھی کالی ہوگئی ہے اور اب میں آپ کو حقیقت بتانے لگی ہوں کہ ہم خود پریشان ہیں اقبال ہمیں کچھ بتائے بغیر کہیں نہیں جاتا تھا لیکن اس بار شاید ایسا ہوگیا ہے۔"

"اوہ......" میں نے ہنکارا بھرا۔ چند لمحے کچھ سوچا پھر ثروت کے چہرے پر اپنی نظر ٹکاتے ہوئے کہا۔

"حیرانگی والی بات ہے کاروبار وغیرہ میں نفع نقصان تو ہوتا رہتا ہے اس طرح اچانک غائب ہوجانا سمجھ سے بالاتر ہے۔" ثروت کچھ نہ بولی اس نے سر جھکا لیا تھا۔ ڈرائنگ روم کا ماحول ایسا ہوگیا تھا جیسے یہاں کوئی فوتگی ہوگئی ہو۔ مجھے یہ بات بھی کھٹک رہی تھی کہ پہلے ماں بیٹی نے مجھے گمراہ کرنے کی کوشش کیوں کی تھی؟ بہرحال اب یہاں ہمارا کوئی کام نہیں تھا ہم ماں بیٹی کو یہ کہہ کر تھانے میں واپس آگئے کہ جونہی اقبال آئے اسے تھانے بھیج دیں وہ موبائل کا دور تو تھا نہیں کہ ہم اقبال کو ٹریس کرلیتے۔ تھانے میں واپس آکر میں نے اے ایس آئی اسلم کو اپنے کمرے میں طلب کرلیا۔

"یس سر۔" وہ بیٹھنے کے بعد بولا۔

"میں نے اب تک کی ہوئی تفتیش سے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"خالے کا کیا ہوا؟"

Downloaded from https://paksociety.com

"سر خاکہ بنانے والا آج کل سخت بیمار ہے ویسے سر سپاہی نوید بھی گزارے لائق خاکہ بنالیتا ہے اگر آپ اجازت دیں تو اسے میں اس کام پر لگا دوں۔" اس نے جواب دیا۔

"بالکل لگا دو ہمیں تو آم کھانے ہیں پیڑ نہیں گننے۔"

"ٹھیک ہے سر یہ کام آج ہی ہو جائے گا ویسے میرے خیال میں فلور مل کا ایک چکر لگا آئیں تو بہتر ہے۔"

"تم نے میرے منہ کی بات چھین لی یہ کام تم کرو گے مجھے کل تک رپورٹ چاہئے۔"

"آپ بالکل فکر نہ کریں سر ہر بات کل تک آپ کے سامنے ہوگی مجھے اقبال کا اچانک غائب ہو جانا کھٹک رہا ہے۔" اس کے جانے کے بعد میں ضروری کاغذات کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس دن کا بقایا حصہ انہیں کاموں میں گزر گیا اگلے دن بارش لے کر آیا جس نے سردی میں اضافہ کر دیا سپاہی عظمت نے کوئلوں کی انگیٹھی جلا کر میرے کمرے میں رکھ دی تھوڑی دیر بعد وہ پھر میرے سامنے موجود تھا اس اطلاع کے ساتھ کہ شیخ حامد آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

میں نے انہیں بلا لیا ان کے ہاتھ میں چھڑی تھی جب وہ میرے کہنے پر میرے سامنے بچھی ہوئی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ چکے تو میں نے بغور ان کا جائزہ لیا وہ شکل و صورت سے ایک خدا ترس انسان لگتے تھے انہوں نے تھری پیس سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا عمر کا اندازہ میں نے چالیس بیالیس سال کے قریب لگایا انہوں نے لب کشائی کرتے ہوئے کہا۔

تھانیدار صاحب میں کسی کام سے کراچی گیا ہوا تھا جونہی ابھی ایک گھنٹے پہلے واپس آیا اور اسپتال میں گیا تو لیڈی ڈاکٹر کے قتل کی اطلاع ملی۔

"بس جی بڑا افسوس ناک واقعہ ہے۔"

"تھانیدار صاحب میرے خیال میں متولہ کردار کی بڑی پکی تھی یہ حیران کن واقعہ ہے آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔" شیخ حامد صاحب نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا سوائے اس کے کہ کسی مرد نے قتل والی رات اس کے کوارٹر میں وقت گزارا تھا۔"

میں نے شیخ حامد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تھانیدار صاحب میں اس لیے حاضر ہوا تھا کہ ڈاکٹر عاطف کے متعلق آپ کو بتاؤں۔"

"جی فرمایئے میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

"ویسے دلوں کا حال تو سوہنا رب ہی جانتا ہے لیکن۔" چند لمحوں کے لیے وہ رکے..... پھر بولے۔

"اقبال کا شک بے جا تھا میں نے ڈاکٹر عاطف کو ایک معقول اور اپنے کام سے کام رکھنے والا بندہ پایا ہے۔"

"میرا اندازہ بھی آپ سے مختلف نہیں ہے لیکن شہر قتل ہوئی ہے اور ہمیں قاتل کو تلاش کرنا ہے نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ قتل کا تعلق اسپتال سے ہی ہے۔"

"یعنی....." شیخ حامد نے حیران نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"آپ کے خیال میں اسپتال کے کسی بندے نے ہی شہر کو قتل کیا ہے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں شیخ صاحب قاتل باہر کا بندہ بھی ہو سکتا ہے میں نے صرف یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قتل کی وجہ اسپتال کے کسی واقعے سے ہو سکتی ہے۔"

"اچھا لیکن کونسے واقعے سے؟" شیخ صاحب نے استفساری لہجے میں کہا۔

"ابھی میں خود الجھا ہوا ہوں میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا لیکن مجھے امید ہے کہ میں انشاء اللہ جلد ہی یہ معمہ حل کر لوں گا۔"

"وہ تو مجھے آپ سے یہی امید ہے لیکن ایک بات میں بھی کہے بنا رہ نہیں سکتا کہ....."

"ربڑ کی گیند کو آپ جتنی زور سے دیوار پر ماریں گے وہ مارنے والے زور سے کئی گنا زیادہ زور سے واپس آئے گی یہی اصول محبت کا بھی ہے۔"

"بالکل شیخ صاحب یہ بات میرے ذہن میں بھی ہے کہ جتنی شدت سے محبت ہوتی ہے نفرت کی شدت اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے اقبال کو میں نے نظر انداز نہیں کیا وہ میرے ہتھے چڑھے تو دودھ علیحدہ اور پانی علیحدہ ہو سکتا ہے۔" چند اور باتیں کرنے کے بعد شیخ صاحب چلے گئے تھے اور میرے ذہن میں اقبال کے متعلق شک مزید پختہ کر

Downloaded from https://paksociety.com

گئے تھے۔ ہشام کو نما کر میرے سامنے تھا میں نے اسے میز کی دراز میں سنبھال لیا ابھی اس کو ظاہر کرنے کا صحیح وقت نہیں آیا تھا اگلے دن بارہ بجے کے قریب اے ایس آئی اسلم میرے سامنے بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا۔

"سر مل میں تو معاملہ ہی الٹ ہے۔۔"

"کیا مطلب۔"

"سر فلور مل بڑے منافع میں چل رہی ہے نہ تو پچھلے کئی ماہ سے کوئی مشین خراب ہوئی ہے اور نہ ہی گندم خراب ہوئی ہے۔" میری حیرت ساتویں آسمان کو چھو رہی تھی اتنا اندازہ میں نے ماں بیٹی سے سوال جواب کرکے لگا لیا تھا کہ دونوں نے بعد میں بچی باتیں کی تھیں پھر یہ سب کیا تھا؟"

اقبال نے جھوٹ بولا تھا اپنی ماں اور بہن سے لیکن کیوں؟ اس کے پیچھے کیا وجہ تھی؟ یا پھر اسے کونسی پریشانی تھی جس کو وہ اپنی ماں اور بہن کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا میں نے اے ایس آئی سے کہا۔

"اقبال کا ملنا بہت ضروری ہے تم نے خفیہ طریقے سے مل میں معلومات حاصل کی ہوں گی۔"

"بالکل سر میرے خیال میں یہی مناسب تھا۔"

"ٹھیک ہے تم نے جو مناسب سمجھا کیا لیکن اب مناسب یہ ہے کہ ہم کھل کر سامنے آئیں یا تم کسی سپاہی کو بھیجو اور اقبال فلور مل کے جنرل منیجر کو تھانے بلوا لو۔"

"یس سر میں ابھی جنرل منیجر سلطان محمود کو بلواتا ہوں۔" تقریباً دو گھنٹے بعد سلطان محمود میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ یہ ایک دراز قامت خوش شکل اور خوش لباس شخص تھا اس کے چہرے کے تاثرات اسے ایک محنتی اور شریف آدمی ظاہر کر رہے تھے۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو تھانے میں بلانے کا مقصد تو آپ پر آشکار ہو ہی چکا ہوگا۔"

"بالکل تھانیدار صاحب آپ اقبال صاحب کے متعلق پتہ کرنا چاہتے ہوں گے۔"

"بالکل سلطان صاحب وہ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔"

"تھانیدار صاحب اقبال صاحب اس بار مجھے بھی چکمہ دے گئے یعنی مجھے بھی کچھ نہیں بتایا۔"

"آج کل وہ پریشان تھے کیا آپ کو یہ بھی نہیں پتہ کہ وہ کیوں پریشان تھے؟"

"حالانکہ انہوں نے کبھی کھل کر بات نہیں کی لیکن میرے خیال میں وہ اپنی بیوی کے متعلق پریشان تھے وہ اسے بہت چاہتے تھے لیکن اقبال صاحب کی ماں اور بہن نے ان کی بیوی کا جینا حرام کر دیا تھا وہ ناراض ہو کر چلی گئی تھی۔"

"اب تو وہ قتل ہو چکی ہے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ماں بیٹی نے انہیں قتل کروا دیا ہو۔" میں نے اسے ایک اور زاویے سے سمجھنے کی کوشش کی۔

"یہ ممکن نہیں ہے تھانیدار صاحب وہ اتنی بڑی جرأت نہیں کر سکتیں۔" بہرحال مجھے اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا میں نے اسے رخصت کرتے ہوئے کہا کہ جونہی اقبال کا کوئی سراغ ملے مجھے مطلع کیا جائے میں سوچ رہا تھا کہ شاید اقبال ایک لمبے عرصے کے لیے غائب ہو گیا مگر کئی دفعہ انسان سوچتا ہی رہ جاتا ہے اور وہ کچھ ہو جاتا ہے جس کی توقع بھی نہیں ہوتی۔

یہ ایک دن بعد کی بات ہے مجھے سپاہی منظور نے آ کر اطلاع دی "سر اقبال صاحب آئے ہیں۔"

"فوراً بھیجو۔" میں نے میز پر بکھرے کاغذات کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ چند منٹ بعد ہی جو شخص میرے سامنے آیا میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ دراز قد کلین شیو چہرے پر خون کی لالی عمر بتیس سال کے اریب قریب ہوگی لیکن اس وقت وہ چہرے سے پریشان لگتا تھا جیسے اس کا کوئی قریبی عزیز فوت ہو گیا ہو یہ حقیقت بھی تھی میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا وہ بیٹھ گیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تھانیدار صاحب یہ کیا ہو گیا ثمر کو کس نے قتل کیا؟"

"پہلے آپ یہ بتائیں کہ اچانک کدھر غائب ہو گئے تھے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"جناب یہ ذرا لمبی کہانی ہے اور مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے آپ مجھے ہی قاتل سمجھ رہے ہیں۔"

"دیکھیں جب کوئی قریبی بندہ اچانک منظر سے غائب ہو جائے تو پہلا شک اسی کی طرف جاتا ہے۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"جناب تھانیدار صاحب کہانی میں آپ کو سنا دیتا ہوں

Downloaded from https://paksociety.com

فیصلہ آپ خود کرلیں۔"

"سنائیے جناب ہم کہانیاں سننے کے لیے ہی بیٹھے ہیں۔"

"تھانیدار صاحب میں اپنے دوستوں کا مذاق اڑایا کرتا تھا جب وہ مجھے سناتے تھے کہ فلاں لڑکی یا عورت انہیں پہلی نظر میں اچھی لگ گئی ہے اور وہ ہجر و فراق میں اکثر ستارے شماری کرتے ہیں لیکن جب میں نے ثمر کو دیکھا تو یہ سب حقیقت تھا آپ کا وقت قیمتی ہے اس لیے میں بات یا اپنی کہانی کو ذرا مختصر کروں گا میں نے بڑی مشکل سے ثمر کو اپنی محبت کا یقین دلایا اور آخر اسے اپنی شریک حیات بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن ابھی عشق کے امتحان اور بھی تھے میری والدہ اور بہن نے ثمر کو دل سے اپنی بہو اور بھابھی تسلیم نہیں کیا وہ اسے ٹارچر کرتی رہتی تھیں خاص طور پر ان کو ثمر کا رات میں اسپتال میں رہنا بالکل پسند نہیں تھا۔ وہ میرے کان بھی بھرتی رہتی تھیں اور مجھے مجبور کرتی رہتی تھیں کہ میں اسے طلاق دے دوں۔"...... وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا۔ تو میں نے اس کی خاموشی میں نقب لگاتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ بھی تو اس پر شک کرتے تھے کہ وہ ڈاکٹر عاطف میں دلچسپی رکھتی ہے۔" وہ چونک کر بولا۔

"یہ بات آپ کو کس نے بتائی؟"

"دیکھیں آپ اس بات کو چھوڑیں کہ مجھے کس نے کیا بتایا آپ صرف میرے سوال کا جواب دیں۔"

"تھانیدار صاحب میری والدہ اور بہن نے میرا دماغ اتنا خراب کردیا تھا کہ میں ثمر پر شک کر بیٹھا یہ میری بھول تھی اور میری اس بھول کی سزا مجھے یہ ملی کہ ثمر مجھ سے ناراض ہوکر اسپتال میں بنے کوارٹرز میں آ کر رہنے لگی اگر مجھے یہ پتہ ہوتا کہ......" وہ خاموش ہوگیا لیکن اس کی آنکھیں چہرے کے تاثرات اس کا ادھورا فقرہ مکمل کررہے تھے۔ مجھے اچانک ڈاکٹر شمشاد کی بات یاد آگئی میں نے اس کے چہرے کے تاثرات کو اپنے سوال و جواب کی بندوق کے لیے کاندھا بنانے کا فیصلہ کرلیا۔

"اقبال صاحب شاید آپ نے کافی دیر سے سگار نہیں پیا۔"

"اوہ ہاں" اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آگئی آپ کا خیال بالکل صحیح ہے لیکن آپ کے سامنے؟"

"میری طرف سے اجازت ہے۔" میں نے لبوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک دیدہ زیب سگار کیس نکالا اور ایک سگار منتخب کرکے اسے لائٹر کا شعلہ دکھایا میں نے دیکھ لیا تھا کہ یہ اسی برانڈ کے سگار ہیں جن کے ادھ جلے ٹکڑے مجھے مقتولہ کے کوارٹرز سے ملے تھے اور یہاں میں وہ بات بھی آپ کے گوش گزار کردیتا ہوں جسے میں نے پہلے گول کردیا تھا یہ بات مجھے لیڈی ڈاکٹر شمشاد نے بتائی تھی کہ اقبال بھی اسی برانڈ کے سگار پیتا ہے۔

"اقبال صاحب آپ ایک معزز انسان ہیں اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھ سے جھوٹ نہیں بولیں گے۔" وہ حیران نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تھانیدار صاحب میں آپ کی بات نہیں سمجھا؟"

"جس رات ثمر کا قتل ہوا اس رات آپ نو بجے سے تین بجے تک کدھر تھے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ تو یہ بات ہے میں اس رات دس بجے سے بارہ بجے تک ثمر کے پاس تھا اور اس کے بعد اپنی کار میں بیٹھ کر اسکردو کی طرف نکل گیا تھا۔"

"ثمر کے پاس۔" میں نے زیر لب دہرایا۔

"حیرانگی کی بات ہے آپ کے درمیان تو ناچاقی تھی۔"

"دراصل ایک تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا دوسرے مجھے یہ احساس بھی ہوگیا تھا کہ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔" چند لمحے رک کر اس نے سگار کے چند گہرے گہرے کش لگائے پھر بولا۔

"تھانیدار صاحب میں غیر ارادی طور پر اس کے در پر پہنچ گیا میں نے دروازہ کھٹکھٹایا مجھے امید نہیں تھی کہ وہ مجھے اندر بلالے گی اس نے نہ صرف مجھے اندر بلایا بلکہ چائے بھی بنا کر پلائی لیکن جب میں نے اس سے اپنے رویے اور شک کی معافی مانگنی چاہی تو وہ مجھ سے اکھڑ گئی اور بولی۔

"میں نے صرف اس لیے آپ کو اندر بلالیا کہ آپ کو سمجھا سکوں کہ اب ہمارے راستے جدا ہوگئے ہیں آپ مجھے

Downloaded from https://paksociety.com

آزاد کر دیں اس کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اگر میں زیادہ دیر اور ٹھہرا رہا تو وہ مجھے خود ہی جانے کے لیے کہہ دے گی میں وہاں سے نکل آیا میرا ذہن ماؤف ہو گیا تھا مجھے یہ بھی دکھ تھا کہ یہ دن مجھے میری والدہ اور بہن کی باتوں نے دکھایا ہے میں کسی کو بتائے بغیر اسکردو کی طرف نکل گیا، یہاں میرا ایک دوست رہتا ہے ابھی میرا واپس آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن کل میں نے مل کے حالات معلوم کرنے کے لیے جنرل منیجر سلطان محمود کو فون کیا تو یہاں کے حالات کا علم ہوا اور مجھے واپس آنا پڑا۔"

"میں تو کچھ اور سمجھ رہا تھا لیکن یہاں معاملہ ہی اور نکل آیا تھا۔" اب ایک بات وہ جاننی تھی میں نے اقبال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے اپنی والدہ اور بہن سے یہ کیوں کہا تھا کہ آپ کو مل میں خسارے کا سامنا ہے حالانکہ میری اب تک کی ہوئی تفتیش یہ ظاہر کرتی ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تھانیدار صاحب کبھی کبھی ایسے حالات سے سابقہ پڑ جاتا ہے کہ انسان اپنے آپ سے بھی جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جاتا ہے میں اگر یہ کہتا کہ میں ثمر کی وجہ سے پریشان ہوں تو مجھے بہت سی سرزنش اور ناقابل برداشت باتیں سننی پڑتیں اس لیے مجھے جھوٹ بولنا پڑا تھانے دار صاحب اب مجھے ایک اور بھی شک ہے۔"

"کون سا شک۔" میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"تھانیدار صاحب آپ کہیں گے کہ میں نے بلاوجہ اور بغیر ثبوت اپنی بیوی پر شک کیا اور اب اس شک کی کیا وقعت رہ جاتی ہے؟"

"آپ اس بات کو چھوڑیں کہ میں کیا سوچوں گا اپنے شک کا اظہار کریں۔"

"میں نے ایک سال پہلے پرویز نامی ایک جوان کو مل سے چوری چھپے سیمنٹ لے جانے پر نوکری سے نکال دیا تھا وہ یہ کام کئی ماہ سے کر رہا تھا لیکن پہلے پکڑا نہیں گیا تھا۔"

"ذرا اس جوان کا حلیہ تو بتائیں۔" قارئین یہ سوال غیر ارادی طور پر میری زبان پر آ گیا تھا۔ شاید میری دعاؤں کے رنگ لانے کا وقت آ گیا تھا اور جب اقبال نے اس جوان کا حلیہ بتایا تو میں اچھل پڑا۔

"یہ تو وہی جوان تھا جس کی مجھے تلاش تھی اب تو اس کا نام بھی مجھے معلوم ہو گیا تھا۔

"پرویز کہاں رہتا ہے؟" اور آپ کا شک کیا ہے؟" میں نے اپنے جوش کو دباتے ہوئے کہا۔

"وہ مجھے اس رات اسپتال میں نظر آیا تھا جب میں ثمر کے پاس گیا تھا اور وہ قتل ہوئی تھی۔" پھر اقبال نے اپنا شک بتایا تھا یہ بات اس کو ایک دن ثمر نے بتائی تھی۔ پھر میں نے اس سے پرویز کا پتہ نوٹ کر کے اسے رخصت کر دیا تھا پھر...... میں نے اے ایس آئی اسلم کو بلا کر اسے کہا کہ وہ دو سپاہیوں کو ساتھ لے جائے اور پرویز کو لے آئے لیکن چار گھنٹے بعد واپس آ کر اس نے بتایا کہ پرویز نہیں ملا وہ کچھ معلومات لے کر آیا تھا ان میں کچھ معلومات اقبال کی زبانی مجھ تک پہنچ چکی تھیں انہی معلومات کو بنیاد بنا کر اقبال نے پرویز پر شک کا اظہار کیا تھا۔ ان کا ذکر آگے آئے گا۔

ہم نے مخبروں کا جال تو اسی دن سے پھیلا دیا تھا جس دن سے پرویز ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ جس بابا نمبس سال پرویز ہمیں چکر دے رہا تھا سیانے کہتے ہیں کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی آخر چھری کے نیچے آئے گی یہ اگلے دن کی شام کی بات ہے کہ مخبر نے ہمیں اطلاع دی۔ پرویز کو صابر آباد گاؤں سے باہر واقع ایک ڈیرے پر دیکھا گیا ہے رات کو میں نے ایک چھاپہ مار پارٹی کو ڈیرے پر چھاپہ مارنے کے لیے روانہ کر دیا جس کی قیادت اے ایس آئی اسلم کر رہا تھا اور اس پارٹی میں ہیڈ کانسٹیبل اکبر خان بھی شامل تھا لیکن لگتا تھا کہ انہیں چھاپے کی اطلاع قبل از وقت ہو گئی تھی وہاں صرف پرویز ہی نشے میں دھت ہاتھ لگا تھا باقی افراتفری میں فرار ہو گئے تھے تاہم یہ بتا رہے تھے کہ وہ لوگ بہت جلدی میں فرار ہوئے تھے۔ بہر حال پرویز کو میں نے حوالات میں بند کروا دیا وہ اتنی زیادہ پی گیا تھا کہ اسے کچھ ہوش نہیں تھا وہ اول فول بک رہا تھا اس کی حالت دیکھ کر مجھے غصہ بھی آ رہا تھا اور ہنسی بھی میں نے حوالات کے باہر کڑا پہرا لگوا دیا بہر حال مجھے امید تھی کہ حوالات میں ٹھنڈا فرش اور ٹھنڈی رات اس کا سارا نشہ ہرن کرنے کے لیے کافی ہو گی اور ہوا بھی یہی۔

اگلی صبح جب میں اپنے کمرے میں اپنی سیٹ سنبھال کر

Downloaded from https://paksociety.com

بیٹھ چکا تھا تو پرویز کو میرے سامنے لایا گیا۔ وہ تو بکری بن گیا تھا نہ ہمیں اس کا ریمانڈ لینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور نہ کسی قسم کا تشدد کرنے کی اس نے لیڈی ڈاکٹر ثمر کو قتل کرنے کا اقرار کرلیا۔ یہ کوئی وقتی اشتعال کی بات نہیں تھی بلکہ کافی دنوں سے ایک لاوا اس کے دماغ میں پک رہا تھا جو اس رات آتش فشاں کی طرح پھٹ گیا اب سب سے پہلے ان باتوں اور معلومات کا ذکر ہوجائے جو اقبال کی زبانی اور اے ایس آئی کے توسط سے مجھ تک پہنچی تھیں اس میں پرویز کا بیان بھی شامل ہے پرویز کو بچپن ہی سے چوری چکاری کی عادت تھی جو عمر کے ساتھ ساتھ پختہ ہوگئی اس کی ماں اسے جنم دے کر اس جہان فانی سے کوچ کرگئی تھی جب وہ پانچ سال کا ہوا تو اس کے والد سخاوت نے دوسری شادی کرلی اور وہ نئی بیوی کے ناز نخرے میں لگ گیا اور پرویز توجہ اور پیار سے محرومی کی وجہ سے مادر پدر آزاد ہوگیا جب وہ جوان ہوا تو اسے اپنی خالہ زاد شمو سے محبت ہوگئی وہ خالہ کے گھر جاتا رہتا تھا شمو کی توجہ اور پیار نے اسے اس کا گرویدہ بنادیا وہ اس کے لیے گھر والوں سے چوری چھپے کھانے کی چیزیں رکھتی تھی اب پرویز ہر دوسرے تیسرے دن خالہ کے گھر جانے لگا اپنے گھر میں بہت کم رہتا تھا پھر اس کا زیادہ تر وقت شادے کے ڈیرے پر گزرنے لگا شادا پکا استاد تھا ایسے پیار سے محروم اور زمانے کے ستائے ہوئے جوان اس کے ڈیرے پر تھے۔ شادے نے انہیں دوکان سے چیزیں چرانے پر لگادیا تھا اور وہ پرویز اور دوسرے لڑکوں کو تسلی دلاسہ دیتا رہتا تھا کہ وہ اگر پکڑے بھی گئے تو وہ انہیں تھانے سے ہی چھڑالے گا یہ سب بدمعاشی وہ کانسٹیبل زاہد کے بل بوتے پر کرتا تھا بہر حال بات ہورہی تھی شمو اور پرویز کی جب شمو کے والدین کو پتہ چلا کہ گھر میں کیا کھچڑی پک رہی ہے تو انہوں نے پرویز کے آنے پر پابندی لگادی شمو نے احتجاج کیا تو اس کے والد نے اسے یہ بتادیا کہ اس کی منگنی اس کے تایا زاد قیوم سے بچپن میں ہی ہوگئی تھی قصہ مختصر ایک ماہ کے اندر اندر شمو کی شادی کردی گئی اور وہ روتی دھوتی پیا دیس سدھار گئی ادھر پرویز کی دنیا اجڑ گئی اب اس کا زیادہ تر وقت شادے کے ڈیرے پر گزرنے لگا...... تقریباً ایک سال کا عرصہ اسی طرح گزر گیا پھر اسے اطلاع ملی کہ شمو کی ڈلیوری کے دوران موت واقع ہوگئی ہے اس کا کیس لیڈی ڈاکٹر ثمر نے کیا تھا پرویز نے مجھے بتایا کہ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ سب کچھ لیڈی ڈاکٹر ثمر اقبال کی بے پروائی کی وجہ سے ہوا اسے یہ بات بھی پتہ چلی تھی کہ اقبال ثمر سے والہانہ محبت کرتا ہے وہ اقبال کو بھی اذیت دینا چاہتا تھا جب انسان کے ذہن میں منفی سوچیں در آئیں تو جو کچھ ہوجائے وہ کم ہے پرویز تو یہ بھی بھول گیا کہ اقبال نے اسے چوری کرنے پر نوکری سے نکالا تھا اور شاید وہ یہ بات بھی فراموش کر بیٹھا کہ جو کچھ ہونا ہوتا ہے وہ ہوجاتا ہے اور یہ سب کچھ صرف اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے ویسے بھی اس وقت اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا کہ شمو لیڈی ڈاکٹر ثمر کی بے پروائی سے موت کی وادی میں پہنچی تھی یا؟ اب ہمیں مطلب صرف اس بات سے تھا کہ پرویز نے کوارٹر کی دیوار پھاند کر سوتے میں ثمر کو بے دردی سے قتل کیا تھا بقول اس کے دروازہ (کمرے کا) اسے کھلا ملا تھا پرویز نے یہ بھی بتایا تھا کہ خنجر کے پہلے وار کے بعد ہی ثمر بیدار ہوگئی تھی اور اس نے مزاحمت کی تھی جس کی وجہ سے اس کی انگلیاں فگار ہوگئی تھیں اس لیے میں نے مختصراً مقدمہ بنا کر پرویز کو قانون کے حوالے کردیا تھا سیشن کورٹ نے اسے سزائے موت دی تھی کسی نے ہائی کورٹ میں اپیل نہیں کی آخر میں اس بات کی وضاحت کردوں کہ پرویز کو تھانے سے لے کر جانے والا شادا ہی تھا جو فی الحال فرار ہوگیا تھا شادے کا انجام جاننے کے لیے اگلی کہانی کا انتظار کریں۔ ایک بات کی اور وضاحت کردوں اس دوران پرویز نے اقبال کی فلور مل میں بھی تقریباً ڈھائی ماہ کام کیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

علم لاحاصل

جاوید احمد صدیقی

علم ایک گہرا سمندر ہے۔ اب تک کوئی انسان نہ تو سمندر کی گہرائی کو درست ناپ سکا ہے نہ آسمان کی وسعتوں میں چھپے اسرار کو آشکار کر سکا ہے۔ انسان نے جب بھی اپنی کوشش کی تو اس نے ایک نئے راز کو اپنا منتظر پایا۔

سائنس دان کا قول ہے جاہلوں کے سامنے بے علم کا ادھورا انکشاف کیا تھا

دونوں جگری دوست تھے حالانکہ معاشی لحاظ سے بڑا فرق تھا۔ احمد معمولی خاندان کا چشم چراغ تھا اور انور اس کا ایک اتفاقاً ملاقات میں دوست بن گیا تھا۔ اور اپنے اپنے لحاظ سے خوب محنت کرنے والے اور آگے کی سوچنے والے بھی تھے۔

دونوں کے بچے پڑھ رہے تھے۔ انور تو جیسے تیسے اپنے گھر کی گاڑی کھینچ رہا تھا مگر یہی سوچتا کہ آگے کیا ہوگا؟ چند سال کے بعد دونوں آپس میں ملے تو احمد نے پوچھا۔

"بچوں کا کیا بنا؟"

انور بولا۔ "یار بیٹا تو کنگلا نکلا کوئی نوکری نہیں کرتا۔ بلکہ میرا جو تھوڑا بہت کام جو تھا وہ بھی ڈبو دیا۔"

اب ملاقات بھی برسوں بعد ہو رہی تھی۔ گھر کی رام کہانی بھی سنی۔

احمد کہنے لگا کہ "بھئی حوصلہ رکھو اللہ کوئی سبب بنا دے گا۔"

احمد کہنے لگا۔ "ہوا کیا تھا؟"

"انور بولا۔ "یار آٹھویں میں میرا بیٹا سیکنڈ آیا تھا۔ رزلٹ دکھا کر بولا اگلی دفعہ ضرور فرسٹ آؤں گا۔ میں نے پوچھا اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟ بیٹے نے کہا جولڑکا فرسٹ آیا ہے اس کا باپ مزدور ہے۔ اس کے پاس نئی کلاس' نئے کورس کی کتابیں خریدنے کے لیے پیسے نہیں۔ میں نے بیٹے سے ان کا ایڈریس معلوم کر کے بچے کو کتابیں پکڑا دیں اور اب وہ انگلینڈ میں ڈاکٹر ہے۔ ہر ماہ کچھ رقم بھی بھیج دیتا ہے۔" احمد یکدم خاموش ہو گیا۔

" کہنے لگا بیٹے کو میرے پاس بھیج دو۔ ہمارے پاس کچھ کورس کروائے جاتے ہیں اور اگر لکھنے لکھانے کا شوق ہوا تو ضرور آگے جائے گا۔"

انور نے بد دلی سے ہاں کر دی۔ اگلے ہی روز بیٹا علی صبح صبح احمد کے اس انسٹیٹیوٹ پہنچ گیا۔ اس کا آئی کیو اور اینٹیلیجنس ٹیسٹ لیا گیا۔ بزنس کے فروغ کے لیے خاص کلاس میں داخل کر لیا گیا۔ چند دنوں میں ہی آگے بڑھنے لگا۔ اتفاق کی بات ہے کہ احمد کے یورپ کے پروفیسر جو آتے رہتے تھے وزٹ پر آئے۔ تمام ایڈوانس کلاسوں کے طالب علموں کو ایک خاص موضوع پر لکھنے کے لیے مضامین اور کہانیاں دی گئیں۔

...ty.com

اصل مقصد تھا کہ جو بھی کرنا ہے اور رزلٹ لینا ہے اسے اپنے وقت میں ہی حاصل کرلو تاکہ ایسی ایجاد ایسے کام سیکھنے والے لوگ بھی مستفید ہوسکیں۔

ہاں وہ کام یا موضوع کتنا ہی سائنسی ہو' کارآمد ہو' اگر حال کے ضمن میں فائدہ مند نہ ہوا تو کیا ہوگا۔

اسی موضوع پر لکھنا ہے یا ہمارے سوال نامے کا جواب دیں۔ جو یہ سب چیزیں ثابت کرسکیں اس کے لیے بہترین انعام باہر جا کر پڑھائی اور بہترین نوکری بھی ملے گی۔ یہ بھی ٹاپ یونی ورسٹی کی طرف سے تمام رجسٹرڈ طالب علموں کی بذریعہ کوریئر یہ سوالنامہ بھیج دیا جائے گا جس کا جواب ایک ہفتہ کے اندر واپس پوسٹ کردیا جائے گا اور پھر صحیح جوابات والوں کو مطلع کردیا جائے گا۔

اور پھر علی کو وہ حل کرنے والا مقابلہ بھی مل گیا۔ یہ ایک کہانی تھی' جو کچھ اس طرح سے تھی۔

''کسی زمانے میں کہیں ایک بڑا سائنس دان رہتا تھا۔ وہ تھا بھی ماہر فلکیات' اس کا نام بھی ایجت تھا۔ لوگوں نے کہنا شروع کردیا کہ ایجت نے کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرلیا تھا کہ وہ آسمان کا کوئی بھی ستارہ صفحہ ہستی سے مٹا سکتا تھا۔ اگر کوئی ہنگامی صورت حال ہو۔ اسی زمانے میں بادشاہ ہوا کرتے تھے تو اس کے بارے میں سنا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے حضور پیش کیا جائے۔

ایجت سائنس دان کو دربار میں حاضر کیا گیا۔ بادشاہ نے پوچھا۔

''کیا تم ہی وہ ایجت ہو جس کے بارے میں یہ افواہ ہے کہ کوئی بھی ستارہ وہ جب چاہے ختم کرسکتا ہے۔''

''جی ہاں سلطان معظم! یہ محض افواہ نہیں ہے میں واقعی ایسا کرسکتا ہوں مگر ظاہر ہے کہ ایک انتہائی اقدام ہے جو میں صرف اسی وقت کروں گا جب اس کی اشد ضرورت ہوگی یا ایسا کرنا ناگزیر ہوچکا ہوگا۔''

سلطان معظم نے کہا تو چلو ایسا کرو یہ جو سامنے سب سے چمکتا دمکتا روشن ستارے کو دیکھ رہے ہو اس ستارے کو اسی وقت ختم کردو۔''

''مگر سلطان معظم! ایجت نے خوف سے سفید ہوتے ہوئے کہا۔

''میں کسی ستارے کو کسی علم کے بغیر کیوں ختم کروں؟ یہ کام اسی صورت میں مناسب ہوگا جب کوئی بڑی اور اہم ایمرجنسی ہو۔''

سلطان معظم بولے۔

''کیا میری خواہش کسی ایمرجنسی سے کم ہے؟

Downloaded from https://paksociety.com

رے کو ایک لمحے میں گل کر دو ورنہ تمہاری زندگی کا
غ گل کر دیا جائے گا۔"

کہنے کو اب کیا باقی رہ گیا تھا۔ اہجت سائنس
ن سپاہیوں کے ساتھ بھاگا بھاگا گھر گیا۔ اپنی بنائی
ئی لیبارٹری سے سائنسی آلات اٹھالایا۔ آلات کو ایک
پر نصب کیا اور محویت کے ساتھ اپنا نام عمل کرتا رہا۔
ھ دیر کے بعد بادشاہ سلامت کو اطلاع دی اور کہا۔

"سب بزرگوں سے زیادہ ذہین' عالموں اور دانش
وں کے خیر خواہ اور انسانیت کے جہاں پناہ! وہ ستارہ
ب کی خواہش کے مطابق ختم کر دیا گیا ہے۔"

سلطان آبا اور پھر اس نے آسمان پر نظر ڈالی دیکھا وہ
ارہ تو اب بھی پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے اور
ی جگہ پر موجود ہے۔

"ہوں' تو تم نے اپنی عبرت ناک موت کے حق دار
ر بدقسمت انسان بن چکے ہو اور اپنے ہر دل عزیز بادشاہ
سے مذاق کرتے ہو۔ خدمت گار و سنو۔"

"جہاں پناہ....." اہجت نے بادشاہ کے قدموں پر
گر کر فریاد کی۔

"میرا سر قلم نہ کیجیے میری بات سن لیجیے۔ مجھے اس کی
وضاحت دلائل سے کرنے کا موقع دیجیے۔"

"اب یہ وضاحت تم دوسری دنیا میں جا کر کرنا۔"

اہجت کا سر قلم کر دیا گیا اور نیزے پر لٹکا کر فصیل شہر
پر رکھ دیا گیا تاکہ دوسرے ایسے لوگوں کو عبرت حاصل
ہو۔

اس واقعے کو تیس سال گزر گئے۔ پچاس سال اور
پھر سو سال۔ لوگ رفتہ رفتہ اس واقعے کو بھول گئے۔
اہجت کو بھی اور اس بادشاہ کو بھی جس نے اس کا سر قلم
کر دیا تھا اور اس بات کو بھی کہ اسے یہ عبرت ناک سزا
کیوں دی گئی تھی۔

اور پھر سو سال اور گزر گئے..... پھر دو سو سال اور پھر
بیالیس سال چار دن دو گھنٹے چالیس منٹ اور....."

فلکیات کے ماہرین نے آسمان کی طرف دیکھا تو
ان پر بیدار کھلا کہ وہ ستارہ وہاں نہیں تھا۔ ان لوگوں نے
اپنے سب اوطاقی اور انوکاسی آلات کی مدد سے پھر تلا
ش کیا پھر اچھی طرح تلاش کیا۔ مگر وہ ستارہ آسمان پر
کہیں نظر نہ آیا۔ انہوں نے پھر دنیا کی ایک بہت بڑی
کانفرنس بلائی اور بڑے بڑے ماہر فلکیات نے ان کی
ہاں میں ہاں ملائی۔

سب نے مشترکہ اعلامیہ جاری کیا۔ کیوں کہ فلکیات
کے علم نے انتہائی ترقی کر لی تھی اور بڑے بڑے راز افشا
ہو رہے تھے۔ اصل میں سائنس دان اہجت نے تو روشنی
کی رفتار کو ناپا ہوگا اور یہ معمہ حل نہ کر سکا ہوگا کہ ایسے
معرکہ کرنے سے پہلے بادشاہ یا کسی بھی شخص کو جن کے
سامنے یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ ستارہ غائب ہو جائے گا۔
تمام وضاحت کرنے کے بعد جب وہ لوگ سمجھ جائیں تو
یہ کارنامہ انجام دینا تو اس طرح بے موت نہ مارا جاتا۔

اس کا حل یہ تھا کہ ان ستاروں کی روشنی لاکھوں
کھربوں لائٹ ایئرز میں جا کر زمین پر آتی ہے۔

اور علی آخر کار اس کہانی کی بنیاد پر انعام اور
اسکالرشپ کا حق دار ٹھہرا۔ اس ستارے کی روشنی جو ایک
عرصہ ہوا ختم ہو چکا تھا اور کر دیا گیا تھا۔ زمین تک پہنچنے
میں چار سو بیالیس سال چار دن دو گھنٹے اور چالیس منٹ
لگتے تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com

فن پارے

دیس بدیس نئے اور پرانے لکھاریوں کی
رنگا رنگ تحریریں جو آپ کے دل کو چھو لیں گی

بد دعا	فاطمہ حسینی
مجرم	محمد خالد جاوید
دکان آئینہ ساز	ماہ جبین آصف
ماسا	محمد شعیب

Downloaded from https://paksociety.com

بد دعا

فاطمہ حسینی

"کبھی سوچا بھی ہے تم نے کہ تم زندگی سے کیا چاہتے ہو؟" اس کے سر پہ کھڑی ایمن بڑے کڑے تیوروں سے اسے گھورتے ہوئے سوال کر رہی تھی وہ اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے ایمن اس سے نہیں دیواروں سے بول رہی ہو۔

"میں تم سے بات کر رہی ہوں کوئی جواب ہے تمہارے پاس میرے اس سوال کا یا نہیں؟" اب اس نے مزید سلگ کر کہا تھا۔

تب وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا وہ اس کی مسکراہٹ پہ پوری جان سے جل کر رہ گئی تھی۔ اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے سوالیہ نظروں سے ایمن کو دیکھا اور گویا ہوا۔

"سوچنے کا وقت ہی نہیں ہے میرے پاس تمہیں پتا تو ہے میں کتنا مصروف رہتا ہوں"

"ہاں پتا ہے کہاں مصروف رہتے ہو دیکھو میں تمہیں آخری مرتبہ بتا رہی ہوں اپنے جینے کا ڈھنگ تبدیل کر لو ورنہ۔۔۔"

اس نے اسے وارننگ دیتے ہوئے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا جبکہ وہ ایمن کو دیکھ رہا تھا جو اس پر غصہ کر رہی تھی۔

"ورنہ کیا۔۔۔ یار کتنی بار کہا ہے اپنی بات پوری کیا کرو مجھے الجھن ہوتی ہے ادھوری باتوں سے۔" وہ پہلی بار اس کی بات سن کر جھنجھلایا تھا۔

"اور جن سے ادھوری آدھی محبت کرتے ہو ان کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا" اس نے کاٹ دار لہجے میں اس سے سوال کیا تھا۔

"میں کسی سے محبت نہیں کرتا اور آدھی ادھوری کی تو تم مجھ سے بات ہی نہ کرو محبت کوئی کتاب نہیں ہے جسے میں آدھا ادھورا پڑھ کر رستے میں چھوڑ آیا ہوں اور تم کب سے ناصح بن گئی ہو جب دیکھو اسکول کی ماسٹرنی کی طرح سے مجھ سے سوال جواب کرتی نظر آتی ہو آخر تمہاری پرابلم کیا ہے ایمن؟" اب وہ ایمن سے اس کے سوالات کی وجہ جاننا چاہ رہا تھا۔

"تم کسی سے محبت نہیں کرتے یہ تو میں بھی جانتی ہوں مگر اپنی جھوٹی محبت کا جھانسا تو دیتے ہو نا ان معصوم لڑکیوں کو اب یہ مت کہنا کہ یہ بھی سراسر جھوٹ ہے۔" وہ سخت مزاجی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"جب جانتی ہو تو ان سارے سوالات کا کوئی جواز نہیں بنتا" وہ تیز لہجے میں بولتا جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا اس نے سر جھٹکتے ہوئے اپنے قدم آگے بڑھانے تھے مگر ایمن کی کاٹ دار آواز نے اس کے بڑھتے قدم روک دیے اس نے پلٹ کر ایمن کو کڑے تیوروں سے گھورا تھا۔

"سچ اتنا ہی کڑوا ہوا کرتا ہے جب سچ برداشت نہیں ہوتا تو ایسے کام کرتے ہی کیوں ہو؟" ایمن کا کاٹ دار لہجہ اسے غصہ دلا گیا تھا۔

"ایمن بس اب مزید ایک لفظ نہیں میں بہت برداشت کر چکا ہوں اب مزید میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا ابھی تم نے میرا غصہ دیکھا نہیں ہے اس لئے تم اتنا بول گئی ہو میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو تم دوست ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم کچھ بھی کہہ دو گی اور میں سن لوں گا ہر غلط بات تم مجھ سے منسوب کر کے روز مجھے کٹہرے میں کھڑا کر دیتی ہو آخر مسئلہ کیا ہے تم کو مجھ سے اگر اتنا مسئلہ ہو رہا ہے دوستی رکھنے میں تو ختم کر دو اس دوستی کو اور مجھے میرے رستے پہ چلنے دو آج کے بعد میں تمہیں جانتا ہوں اور نہ ہی تم مجھے" وہ یہ کہہ کر تیزی سے چلتا ہوا وہاں سے نکل آیا تھا اور ایمن نے اس کے جانے کے بعد اپنا غصہ ٹیبل پہ مکا مار کر اتارا تھا اور بعد میں اپنا ہی ہاتھ درد سے کراہ کر سہلانے لگی تھی۔

"تمہیں ایسے نہیں جانے دے سکتی میں زیان جب تک تمہیں احساس نہ دلا دوں کہ تم غلطی پہ ہو میں تمہیں اپنی زندگی سے جانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔" اس نے خود کلامی کی تھی اور خود بھی اپنا بیگ اٹھا کر آفس سے باہر نکل آئی تھی۔

"معلوم نہیں خود کو افلاطون کی اولاد کیوں سمجھتی ہے یہ لڑکی جب دیکھو مجھ پہ رعب جمانے کی ناکام کوشش میں لگی رہتی ہے

Downloaded from https://paksociety.com

کتنی بار صفائی دے چکا ہوں اسے کہ میں کسی بھی لڑکی سے نہ تو محبت کرتا ہوں نہ ہی کسی کو بیوقوف بنایا ہے اب لڑکیاں خود ہی میری محبت میں مبتلا ہو جائیں تو اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے نہ مگر اس افلاطون کی نانی کو کون سمجھائے یہ سب وہ تو بس مجھ پر ٹھپہ لگا چکی ہے کہ میں ایک ڈھل مل سا ہوں جو جہاں لڑکی دیکھتا ہوں پھسل جاتا ہوں۔" زیان فی اسپاٹ میں عفان کے ساتھ بیٹھا ایمن سے اپنی ہونے والی تازہ لڑائی کا احوال سناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اب ایمن کا تجزیہ ایسا بھی غلط نہیں ہے فرحین تو یاد ہی ہوگی تجھے تیری پہلی دوست تھی جو تیری محبت میں اتنی پاگل تھی کہ اپنا گھر بھی تیرے لئے چھوڑ آئی تھی۔" عفان نے اسے یاد دلایا تو وہ خفیف سا ہو گیا اور اپنا سر کھجانے لگا تھا اب وہ فرحین والی بات کو جھٹلا تو سکتا نہیں تھا۔

"میں نے نہیں کہا تھا اسے کہ میرے لئے اپنا گھر چھوڑ آئے وہ خود آئی تھی اور تم شاید بھول رہے ہو میں اسے اسی وقت اس کے گھر چھوڑ آیا تھا ساتھ ہی نائمہ آنٹی کو بتا بھی دیا تھا کہ وہ کیا حماقت کرنے جا رہی ہے۔" اس نے اپنا دفاع کیا۔

"آج وہ تیری وجہ سے ایسے انسان کی منکوحہ ہے جس کی شکل سے بھی اسے چڑ تھی وہ تیری وجہ سے ایک بے رنگ زندگی گزارنے پر مجبور کر دی گئی ہے اس کا ذرا بھی احساس ہے تجھے۔" عفان کو فرحین سے ہمدردی تھی۔

"میں نے اس کا برا نہیں چاہا تھا آنٹی کو اس کی غلطی کا اس لئے بتایا تھا کہ وہ اسے ایسی حماقت دوبارہ کرنے سے باز رکھ سکیں مگر انہوں نے تو الٹا کر اس کی شادی ہی کر ڈالی وہ بھی راحیل سے جس کے سائے سے بھی وہ بچا کرتی تھی اس میں میرا کیا قصور ہے یار میں نے تو ان کی عزت بچائی تھی جو مجھے مہنگی پڑ گئی اپنے ہی دوستوں کی نظر میں مجھے اس بات کے لئے غلط ٹھہرایا جاتا ہے۔" وہ خفیف سا ہو کر بول رہا تھا فرحین کے معاملے میں وہ خود کو اپنے دوستوں کی طرح قصوروار سمجھتا تھا۔

"تو چاہتا تو نائمہ آنٹی سے اپنی اور فرحین کی شادی کی بات کر سکتا تھا پر تو نے ایسا نہیں کیا وہ اس وقت بنا کسی سوال جواب کے فرحین سے تیری شادی کروا دیتیں مگر تجھے تو اپنا دامن صاف دکھانے کا شوق چڑھا ہوا تھا اس لئے تو نے اس کی زندگی کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا۔" عفان نے پھر اسے ملامت کی اس کا سر ندامت سے جھک گیا تھا۔

"یار میں اس سے محبت نہیں کرتا تھا وہ میری اچھی دوست تھی بس۔" وہ شکستہ سے لہجے میں بولا تھا۔

"وہ تو تجھ سے محبت کرتی تھی ناں کیا تیرے لئے یہ کافی نہیں تھا۔" عفان نے اب اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے تیز لہجے میں سوال کیا تھا۔

"نہیں تھا میرے لئے کافی جس سے میں محبت ہی نہیں کرتا اس کے ساتھ کیسے شادی کر لیتا میں!" اس نے کہا۔

"بالکل ویسے ہی جیسے فرحین نے شادی کی راحیل سے۔" عفان نے اسی کے انداز میں کہا۔

"میں ایک آدھی ادھوری زندگی نہیں گزار سکتا اور جس بات کے لئے میں قصوروار ہوں ہی نہیں اس کے لئے تم اور ایمن مجھے کیوں قصوروار ٹھہرانے میں لگے رہتے ہو مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے میں نے اس کے خاندان کا نام مٹی میں ملا دیا ہے آنٹی کو اس کے گھر چھوڑنے کا بتا کر۔" اب اسے عفان پر غصہ آ رہا تھا جو آج بھی یہاں ایمن کا کردار ادا کر رہا تھا اسے احساس جرم میں مبتلا کر کے۔

"اس کے خاندان کی عزت تو اس سے شادی کر کے بھی رکھ سکتا تھا کتنے مان سے آئی تھی وہ تیرے پاس مگر تو نے اس کی محبت کا مان رکھا نہ دوستی کا جا کر دیکھ اسے کتنی ویرانی ہے اس کی آنکھوں میں جس کے قہقہوں سے زندگی چھلکا کرتی تھی آج وہ ہر پل روتی ہے تیری محبت اس کیلئے وہ ناسور بنی ہے جو اسے نہ جینے دیتی ہے نہ ہی مرنے دیتی ہے [illegible] نے اچھا نہیں کیا فری کے ساتھ زیان اس بات کیلئے ہم میں سے کوئی بھی تجھے کبھی معاف نہیں کریگا۔" عفان کو فری کی شادی راحیل سے ہو جانے کا بے انتہا دکھ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایمن اس سے ان دنوں ناراض تھی وہ بھی اس سارے قصے سے واقف تھی۔

"تو بھول رہا ہے نائمہ آنٹی نے مجھے کہا تھا کہ وہ میں ہی ہوں جس کے ورغلانے پر ان کی بیٹی رات کے اندھیرے میں گھر چھوڑ کر نکلی اور جب مجھے یہ خوف ہوا کہ اس کے گھر چھوڑ دینے پر آنٹی میرے خلاف قانونی کارروائی کرا سکتی ہیں تو میں

Downloaded from https://paksociety.com

بیرو دین کران کی بیٹی کو چھوڑنے ان کے گھر چلا آیا ہوں کہ وہ اپنی عزت کا پاس رکھنے کے لیے اس کی شادی مجھ سے کروا دیں گی تو یہ میری بھول ہے اگر میں دنیا کا آخری لڑکا بھی ہوا تو وہ فرحین کی شادی مجھ سے نہیں کروائیں گی انھوں نے اسی وقت مجھے اپنے گھر سے نکل جانے کو کہا تھا اب میں اتنا بے غیرت نہیں ہوں کہ اتنی باتیں سننے کے بعد ان کی دہلیز دوبارہ پار کرتا اپنی شخصیت کا مان توڑ کر میں دوستی کا مان نہیں رکھ سکتا تھا میں نے ان کی عزت کو رکھا ہے یہ بات کسی کو نہیں کہی کہ فرحین گھر چھوڑ کر میرے پاس آئی تھی تم لوگوں نے مجھے جو سمجھا ہے سمجھو مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا میں کیا ہوں کیسا ہوں یہ میں جانتا ہوں تم لوگ نہیں۔'' وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا عفان کے ساتھ آنے کا بھی اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا اس نے بھی اسے اسی احساس جرم میں مبتلا کرنے کی کوشش کی تھی۔ جس میں ایمن اسے مبتلا کیا کرتی تھی وہ ہر ایک کی نظر میں غلط ٹھہرایا جا چکا تھا اس لیے کسی کے بھی سامنے کوئی صفائی دینا حماقت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ زیان، فرحین، ایمن اور عفان ایک ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتے تھے فرحین کی زیان کے لیے پسندیدگی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی وہ کئی بار زیان سے اپنی محبت کا اظہار بھی کر چکی تھی زیان اس کی باتوں کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا کرتا تھا وہ زیان کے لیے اتنی دیوانی تھی کہ کسی بھی لڑکی کا وجود اس کے پاس برداشت نہیں کرتی تھی ایک دن اچانک ہی وہ زیان کے گھر پہنچ گئی تھی اور اسے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کے لیے اپنا گھر چھوڑ آئی ہے تب زیان اسے سمجھا کر واپس اس کے گھر لے آیا تھا اور مائدہ کو ساری بات بتادی تھی جس پر مائدہ نے ایکشن لیتے ہوئے زیان کو ہی اس سب کا الزام دیا تھا اور اسے بھلا برا کہہ کر اپنے گھر سے جانے کا کہہ دیا تھا اور فوری طور پر فرحین کی شادی اس کے کزن راحیل سے کروادی تھی وہ جو راحیل سے چڑا کرتی تھی اسی کے نام سے منسوب کر دی گئی تھی اس نے زیان سے منت کی تھی کہ وہ اس سے شادی کر لے اپنی فیملی کو اس کے گھر بھیج دے مگر زیان نے ایسا نہیں کیا تھا اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی ایسا نہیں تھا کہ اسے فرحین سے ہمدردی نہیں تھی مگر وہ مائدہ آنٹی کی بات نہیں بھولا جو انھوں نے اسے کہی تھی زیان نے اس دن کے بعد فرحین کے گھر کا رخ نہیں کیا تھا اب حال یہ تھا کہ ایمن اور عفان اس پر غصہ کرتے نظر آرہے تھے وہ ان کی وجہ سے غصے پر چڑ جایا کرتا تھا۔

.....☆☆.....

وہ دھیمے سروں میں گنگناتے ہوئے آفس جانے کی تیاری کر رہی تھی جب ہی اس کا موبائل بجنے لگا اس نے موبائل اسکرین پر فرحین کا نام جگمگاتا دیکھا۔

''اتنی صبح مجھے یاد کیا جا رہا ہے آج کیا کوئی خاص دن ہے فرح؟'' اس نے موبائل فون کان سے لگاتے ہوئے فرحین سے پوچھا۔

''نہ سلام نہ دعا فون اٹھاتے ہی شروع ہو گئی ہو تم۔'' فرحین نے کہا۔

''تمہیں زیادہ نیکیاں کمانے کا موقع فراہم کیا ہے تم کرلو سلام یہ بتاؤ کیسی ہو تم؟''

''ایمن مجھے تم سے ملنا ہے کیا تم مجھ سے ملنے گھر آسکتی ہو؟'' فرحین نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں شام کو آفس سے واپسی پر آتی ہوں تمہاری طرف۔''

''ابھی نہیں آسکتیں۔''

''کیا ہوا ہے فرح تم پریشان لگ رہی ہو کوئی بات ہوئی ہے۔'' ایمن نے پوچھا تو وہ رونے لگ گئی اور ایمن پریشان سی ہو گئی۔

''نہیں بس ایسے ہی دل بھر آیا تھا کسی ان چاہے انسان کے ساتھ زندگی گزارنا کیسا ہوتا ہے اس کا اندازہ مجھے راحیل سے شادی کے بعد ہو رہا ہے میں.....'' بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گئی ایمن اس کے رونے سے پریشان تھی اسے زیان پر غصہ آرہا تھا اگر اس وقت زیان اس کے سامنے ہوتا تو وہ اس کے عتاب کا شکار ہوئے بنا نہیں رہ سکتا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"تم رونا بند کرو میں ابھی آرہی ہوں۔" اس نے کہا وہ بڑی عجلت میں اپنے کمرے سے نکلی تھی۔

"امی میں جا رہی ہوں۔" وہ کچن میں کام کرتی عارفہ سے کہتی دروازے کی جانب بڑھی عارفہ کچن سے باہر نکلیں اور اسے پکارا۔

"ناشتہ تو کرلو ایمن۔"

"دیر ہو رہی ہے آفس میں کروں گی۔" وہ بولتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

"عجیب ڈھنگ ہیں اس لڑکی کے روز ہی دیر ہو رہی ہوتی ہے اسے مجال ہے جو کبھی ٹھیک سے بیٹھ کر ناشتہ کرلے" وہ بڑبڑاتی ہوئیں واپس کچن میں آگئی تھیں۔

ایمن نے اسٹاپ تک کا فاصلہ بڑی تیزی سے طے کیا تھا قریب سے گزرتے رکشا کو روکنے کیلئے اسے ہاتھ دیا تھا مگر رکشا والا اس سے زیادہ جلدی میں تھا وہ رکا نہیں ایمن نے غصے سے زمین پر پیر مار کر سڑک کی دھول اڑائی جب ہی قریب میں کار آکر رکی اور ڈرائیونگ سیٹ سے زیان نے سر نکال کر اسے دیکھا۔

"اب غصہ معصوم سی سڑک کی دھول پر کیوں اتار رہی ہو نکمی خود گھر سے لیٹ ہو کبھی ٹائم پر گھر سے نکل جایا کرو تمہارا تو ریکارڈ ہے تم کبھی یونیورسٹی میں ٹائم پر نہیں پہنچی ہو تو آفس تم جیسی پونچی کیسے ٹائم پر جا سکتی ہے۔"

وہ کل شام ہونے والی جھڑپ کو یکسر فراموش کر چکا تھا ابھی بڑے دوستانہ موڈ میں تھا۔

"زیان مجھے دیر ہو رہی ہے تم ہٹو سامنے سے۔" وہ بدمزہ ہوئی تھی اسے دیکھ کر۔

"آؤ بیٹھو گاڑی میں میں بھی آفس ہی جا رہا ہوں۔" اس نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ اس کے لئے کھولا۔

"میں آفس نہیں جا رہی ہوں۔" اس نے کہا۔

"آفس نہیں جا رہی ہو تو آفس ٹائم میں کہاں جا رہی ہو میں ابھی آنٹی کو جا کر بتاتا ہوں کہ ایمن آج آفس نہیں آئی ہے۔" اس نے مذاق کیا۔

"کیوں فرح کی طرح سے میری بھی قسمت پھوڑنے کا ارادہ ہے کیا دیکھو زیان میں فرح نہیں ہوں جو خاموشی سے عشق کی سولی پر چڑھ جاؤں گی اور تم صاف بچ کر نکل جاؤ گے" ایمن نے بنا کسی لحاظ کے اس پر طنز کیا تھا فرح کے ذکر پر اس کے چہرے پر سایہ سا آکر گزر گیا تھا۔

"نہیں تم سیدھے سچے اور سیدھے لوگوں کے لائق ہو ہی کہاں ایک سیدھے سچے والی تمہیں ملی تو تھی تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے یہ میں نہیں بھولی ہوں ابھی" وہ کھردرے سے لہجے میں بولی وہ اسے دیکھنے لگا۔

"تم سے بات کرنا ہی بیکار ہے ابھی جاتا ہوں کے دھکے کھاتی ہوئی۔" وہ بھنا کر بولا۔

"تو کہا کس نے ہے کہ مجھ سے بات کرو تم زہر لگتے ہو مجھے تم مت آیا کرو میرے سامنے فرح کی زندگی کھا کر تمہیں سکون نہیں ملا جواب میرے پیچھے لگ گئے ہو جاؤ اپنا راستہ ناپو۔" وہ اسے لتاڑتے ہوئے بولی۔

"کیا......!" وہ حیرت سے چیخا اور غصے میں کار سے باہر نکل آیا تھا اور اس کے سامنے کھڑا ہو چکا تھا۔ "میں پیچھے لگا ہوں تمہارے شکل دیکھی ہے کبھی اپنی تم نے" تم جیسی کو تو میں اپنے گھر میں ماسی بھی نہ رکھوں بات کرتی ہو تم کہ میں پیچھے لگا ہوں زیان کسی کے پیچھے نہیں جاتا ابھی تمہاری جیسی لڑکیاں گھومتی ہیں میرے آگے پیچھے میں تو پلٹ کر کسی کو لفٹ تک نہیں کراتا اور تم بات کر رہی ہو میں آگے پیچھے گھومنے کی۔" وہ بھی اب اس سے الجھ پڑا تھا ہمیشہ نرم لہجے میں بات کرنے والا زیان بیچ سڑک پر کسی سے الجھا تھا اور مقابل کوئی اور نہیں اس کی اپنی دوست تھی کتنی عجیب بات تھی ایک دوست کی دوستی میں اس پر الزام لگا تھا کہ اس نے اسے ورغلا کر گھر سے بھگایا تھا اور اب دوسری سے سرراہ الجھ پڑا تھا زیان کی زندگی اسے کس مقام پر لے کر جا رہی تھی اس کا اندازہ نہ اسے تھا نہ ہی اس سے الجھنے والی ایمن کو تھا خالہ سعیدہ جو اپنی بیٹی کو کالج چھوڑ کر واپس گھر آرہی تھیں ایمن کو پوری آنکھیں کھول کر اس لڑکے سے لڑتے دیکھا جو گلا پھاڑ کر بول رہی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"کچھ زیادہ ہی آزادی دے دی ہے عارفہ نے اسے دیکھو ذرا لحاظ نہیں ہے اس لڑکی میں بھلا کوئی اسے بھی بیچ سڑک پر کھڑے ہو کر مردوں کے منہ لگتا ہے کیا جانے کیا بات ہوئی ہے جو یہ یوں چیخ رہی ہے۔" وہ وہیں رک کر خود کلامی کرنے لگیں۔

"شٹ اپ اب تم نے ایک لفظ بھی بولا تو میں منہ توڑ دوں گی تمہارا۔" وہ تلملا کر چیخی تھی۔

"کیوں تماشہ بنا رہی ہو رستہ چلتے لوگ رک کر دیکھ رہے ہیں تمہیں۔" زیان نے اسے احساس دلانے کی کوشش کی کیوں کہ سعیدہ خالہ کی طرح کچھ لوگ رک کر ان دونوں کو الجھتا دیکھ کر رک گئے تھے۔

"تو دیکھیں مجھے نہیں پروا کسی کی لوگوں کو پتا ہونا چاہیے کہ تم جیسوں کا حشر میرے جیسی لڑکی کیسے کرتی ہے۔" وہ بے پروائی سے بولی۔

"اللہ بچائے تم جیسی لڑکی سے وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوا واپس جانے کیلئے مڑا تو اس نے اس کی بات پر سلگ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو روکا۔

"کیا کہا تم نے دوبارہ سے کہنا۔" زیان نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"کہاں پھنس گیا میں جاؤ یار معاف کرو مجھے غلطی ہوگئی مجھ سے جو تم کو پکار لیا۔" زیان نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"معاف ہی تو نہیں کیا جا سکتا تمہیں تمہارا جرم اتنا سنگین ہے کہ اس کی معافی تمہیں اس زندگی میں تو ملنے سے رہی۔" ایمن نے زہریلے لہجے میں کہا تھا۔

"مجھے تمہاری معافی کی ضرورت ہے بھی نہیں۔" وہ جھنجھلا کر بولا تھا اور اپنی کار میں بیٹھ کر غصے سے فوں فوں کرتا روانہ ہو گیا تھا اور وہ رکشا میں بیٹھ گئی تھی سعیدہ خالہ اپنی جگہ متعجب سی تھیں۔

"جانے کون تھا جس سے الجھ رہی تھی ابھی عارفہ کو بتاتی ہوں جا کر۔" وہ اپنے گھر جانے کی بجائے عارفہ کی طرف چلی آئی تھیں

اور ساری بات عارفہ کے گوش گزار کر دی تھی عارفہ یہ سب سن کر پریشان ہو گئی تھیں۔

"عارفہ یوں سر راہ الجھنا کوئی نیک نامی نہیں ہے جو دیکھے گا جانے کیا سمجھے گا ایمن کو ذرا سمجھا کر رکھو وہ کوئی بچی نہیں ہے اب شادی کی عمر ہوگئی ہے اس کی ان سارے کارناموں کے ساتھ سسرال جائے گی تو خوب نام کمائے گی خاندان کا۔"

انہوں نے اس کی آئندہ آنے والی زندگی کی بات کر کے عارفہ کو مزید پریشان کر دیا تھا سعیدہ تو اپنے گھر چلی گئی تھیں مگر عارفہ کو نئی پریشانی میں مبتلا کر گئی وہ پہلے ایمن کی بے جب زبانی سے پریشان تھیں اب اس کے سر راہ کسی سے الجھنے کا سن کر ان کی پریشانی بڑھ گئی تھی۔

ایمن فرحین کے گھر پہنچ چکی تھی اس نے فرحین کو بغور دیکھا تھا اس کا چہرہ مرجھایا ہوا لگ رہا تھا جو آنکھیں چراغ جیسی روشن ہوا کرتی تھیں اب وہ بجھی ہوئی تھیں عجیب سا درد تھا جو اس کے چہرے پر پھیلا ہوا تھا ایمن اس کا روپ دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی اور دل میں زیان کے لئے کدورت اور بڑھ گئی تھی۔

"یہ کیا حال بنا رکھا ہے تم نے اپنا...... تم بھول کیوں نہیں جاتی ہو پچھلی باتوں کو اور کیا فائدہ ہے اس سنگ دل کو یاد کرنے کا جس نے ایک بار بھی تمہارے بارے میں نہیں سوچا خود کو کیوں تکلیف دے رہی ہو اسے یاد رکھ کر۔" ایمن اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کرنے لگی۔

"میں اگر اسے بھول گئی تو زندگی میں باقی کیا رہ جائے گا میرے پاس ایک اس کی یادیں ہی تو ہیں جو مجھے جینے کی آس دلاتی ہیں میں اسے یاد کیے بنا نہیں رہ سکتی۔" اس نے بے بسی سے کہا تو ایمن اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تم یہ کیوں بھول جاتی ہو فری کہ اب تم فرحین ارسلان نہیں ہو فرحین راحیل ہو کسی کی بیوی ہو تم اور اس شخص کے ساتھ تم

Downloaded from https://paksociety.com

زیادتی کی مرتکب ہو رہی ہو جس کے ساتھ تم شادی جیسے بندھن میں بندھی ہو۔ٹھیک ہے میں مانتی ہوں تمہیں زیان سے محبت تھی مگر اس نے کیا کیا تمہارے ساتھ تمہاری محبت کو رسوا کر دیا اور دوسری جانب تم راحیل کو دیکھو کتنا عظیم انسان ہے وہ اس نے ایک ایسی لڑکی کو اپنا ہم سفر چنا جو اسے چاہتی ہی نہیں تھی اس نے یہ جاننے کے باوجود بھی تم سے شادی کی کہ تم زیان سے محبت کرتی ہو کتنا باظرف انسان ہے وہ اور تم اس کے ساتھ کم ظرفی کا مظاہرہ کر رہی ہو ایسے باظرف انسان کے ساتھ تم اس کے ساتھ اچھا برتاؤ بھی تو کر سکتی ہو فری یہ اس کا شرعی حق ہے اب وہ تمہاری زندگی کا محور ہے زیان نہیں تم راحیل کے ساتھ ایک اچھی زندگی گزار سکتی ہو اگر تم تھوڑی وسعت دو اپنے دل کو تو سب کچھ ممکن ہے۔'' ایمن اسے سمجھا رہی تھی۔

''راحیل اچھا انسان ہوگا مگر میں اس دل کا کیا کروں جو صرف ایک ہی نام کی مالا جپتا ہے مجھے زیان کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے میں جانتی ہوں میں راحیل کے ساتھ اچھا نہیں کر رہی مگر میں مجبور ہوں ایمن تم نہیں جانتیں میرا دل اب بھی صرف زیان کے لیے دھڑکتا ہے میں اس کے بنا جینا نہیں چاہتی پر جی رہی ہوں روز مرتی ہوں میں میری روح پہ لگے گھاؤ تم میں سے کسی کو نظر نہیں آتے۔'' وہ یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی ایمن کو اس کے دکھ پر رونا آ رہا تھا۔

''زیان کتنے بدنصیب ہو تم، تم نے اس انسان کو اپنی کم عقلی کھو دیا جو دنیا میں تمہیں سب سے زیادہ چاہتا ہے کاش تم نے قدر کر لی ہوتی فری کی محبت کی تو فری ایک اچھی زندگی گزار رہی ہوتی وہ یوں گھٹ گھٹ کر نہیں مر رہی ہوتی زیان تمہیں فری کا دل توڑنے کی سزا ضرور ملے گی تم بھی ایسے ہی تڑپو گے جیسے فری تڑپتی ہے تم بھی ایک بے محبت زندگی گزارنے پر ایسے ہی مجبور کر دیے جاؤ گے جیسے تم نے فری کو مجبور کیا یہ دنیا ہے آج جو آپ کسی کے ساتھ کر رہے ہیں کل وہ سب آپ کے ساتھ بھی ہوگا۔'' اس نے دل میں زیان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا وہ کافی دیر فری کو سمجھاتی رہی تھی واپسی پر اس کے دل میں اداسی در آئی تھی۔

شام وہ گھر واپس آئی تو عارفہ اس کی منتظر تھیں اس کو دیکھتے ہی انھوں نے پہلا سوال یہی کیا کہ وہ سارا دن کہاں تھی جو اس کے لیے غیر متوقع تھا وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''زیان آیا ہوگا آپ کے کان بھرنے اسے فری کی زندگی برباد کر کے سکون نہیں ملا ہے جو اب میرے پیچھے پڑ گیا ہے ابھی فون کر کے بتاتی ہوں اسے میں فری نہیں ہوں جو آسانی سے سولی پر چڑھ جاؤں گی اسے بھی ساتھ لے کر مروں گی اس نے سمجھ کیا رکھا ہے مجھے۔'' وہ اپنے موبائل سے اس کا نمبر ڈائل کرنے لگی مگر اس کا نمبر مصروف آ رہا تھا۔

''زیان نہیں آیا تھا سعیدہ خالہ آئی تھیں انہوں نے سڑک پر تمہیں کسی سے الجھتے دیکھا تھا بس یہی پوچھنے کیلئے تمہارے آفس میں فون کیا تھا تو پتا چلا تم آج آفس نہیں گئی ہو تمہیں اندازہ بھی ہے کچھ میں سارا دن کتنا پریشان رہی ہوں۔'' عارفہ نے اسے بتایا تو وہ ٹھنڈی پڑ گئی۔

''فری کے گھر گئی تھی اسے ملنے امی بہت دکھی ہے وہ زیان کی بے وفائی نے اسے جیتے جی مار ڈالا ہے وہ پہلے والی فری لگتی ہی نہیں ہے۔'' وہ اب فری کیلئے دکھی ہو رہی تھی۔

''دیکھو ایمن زیان نے فری کے ساتھ کچھ غلط نہیں کیا تھا اس نے ایک طرح سے اس کے ساتھ اچھا کیا اسے اس کے گھر چھوڑ آیا اب یہ نائمہ کی غلطی تھی کہ اس نے خود اس بات کو ہوا دے کر زیان کو بدنام کر دیا زیان کی نیکی اس کے گلے پڑ گئی وہ تم سب کی نظروں میں غلط ٹھہرایا جا رہا ہے جب کہ غلط اقدام فری بیٹی نے کیا تھا جب ایک انسان اسے صاف لفظوں میں کہہ رہا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہی نہیں ہے تو اس کیلئے گھر چھوڑ دینا حماقت ہی تھی جو فرحین نے کی تھی اور اس سے بڑی حماقت نائمہ نے کی زیان پر الزام لگا کر اور وہی غلطی تم کر رہی ہو تمہیں فری معصوم اور زیان ظالم لگتا ہے غلط کس کے ساتھ ہوا ہے یہ تم بھی جانتی ہو فری کی عزت کو اس نے رکھا اس کے گھر پہنچا کر اگر نائمہ زیان پر الزام نہ لگاتی تو آج حالات مختلف ہوتے فری سے وہ شادی کر لیتا مگر نائمہ نے اس کے ساتھ منفی رویہ رکھا جس کی وجہ سے فرحین کی یہ حالت ہے زیان ایک اچھا خاندانی لڑکا ہے وہ کسی کی رسوائی کا سبب کبھی نہیں بنے گا تم اسے نائمہ کی کسوٹی پر نہ پرکھو جو دل کے اچھے ہوتے ہیں وہ ہمیشہ دوسروں کا بھلا

Downloaded from https://paksociety.com

ہی کرتے ہیں برا بھی نہیں کرتے۔" عارفہ اسے سمجھا رہی تھیں وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ آئی تھی اس نے مزید کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

پچھلے تین دن سے زیان آفس نہیں آ رہا تھا اسے پروا بھی نہیں تھی کہ وہ کیوں نہیں آ رہا ہے عفان نے اسے لنچ ٹائم میں بتایا۔

"ایمن زیان نے یہاں سے جاب چھوڑ دی ہے ابھی سر امتیاز نے مجھے بتایا ہے کہ وہ انہیں اپنا ریزائن دیا ہے کل شام انہوں نے آج اسے بلایا تھا مگر وہ آیا نہیں میں نے اسے کال کی تھی وہ کہہ رہا تھا وہ یہاں سے کچھ عرصے کیلئے جا رہا ہے۔"

"تو جانے روکا کس نے ہے اسے۔" وہ بے پروائی سے بولی۔

"دوست ہے وہ ہمارا کیا تمہیں اس کے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا؟" عفان نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیوں میں فری ہوں کیا جو اس کے جانے سے پریشان ہو جاؤں گی اچھا ہے جا رہا ہے خوامخواہ میرا خون جلتا رہتا ہے اسے دیکھ دیکھ کر۔" وہ اس کے جانے کا سن کر پرسکون ہوگئی تھی۔

"کیسی دوست ہو ایمن تم کیا تمہیں کوئی فرق نہیں پڑا اس بات سے کہ زیان جا رہا ہے؟" عفان نے برا مان کر پوچھا۔

"کیا اسے بھی فرق پڑا فری کی زندگی برباد کرکے اور وہ کون سا کالے پانی کی سزا میں جا رہا ہے یہ ان امیر زادوں کے چونچلے ہوتے ہیں تبدیلی آب و ہوا کیلئے ملک سے باہر جانا۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔

"کیا تمہیں ذرا بھی پروا نہیں ہے زیان کی۔"

"مجھے کیوں ہوگی اس کی پرواہ وہ میری ماسی کا بیٹا ہے جو میں اس کی پروا کروں گی جاتا ہے جائے میں تو دعا کروں گی کبھی پلٹ کر واپس ہی نہ آئے مجھے اس کی شکل دیکھ کر غصہ آنے لگتا ہے۔" وہ بولے جا رہی تھی۔

"حد ہے یار تم سے کاش کے اس کے دل کی تم کو خبر ہو جائے اور تم اس سے راضی ہو جاؤ۔" عفان نے یاس بھرے لہجے میں کہا۔

"مجھے نہیں لینی اس کے دل کی خبر میں تو دعا کرتی ہوں اس کا دل بھی ویسی ہی چوٹ کھائے جیسی چوٹ اس نے فری کو دی ہے۔" اس نے سنگدلی کا مظاہرہ کیا اور سفاکی سے بولی۔

"اس کا دل چوٹ کھا چکا ہے ایمن اسے تمہاری دی ہوئی بددعا لگ گئی ہے جس سے اسے محبت ہے وہ لڑکی اس سے محبت نہیں کرتی۔

مجرم

محمد خالد جاوید

"ماما جانی...... ماما جانی۔" قندیل اونچی اور خوشی سے بھرپور آواز میں ماں کو آوازیں دے رہی تھی۔

"ارے کیا ہوا؟ کیوں چلا رہی ہو؟" ماں نے باورچی خانے سے قندیل کو ڈانٹا۔

"ماما سنیں گی تو خوشی سے پاگل ہو جائیں گی۔"

"کچھ بتاؤ گی بھی یا پہیلیاں ہی بجھواؤ گی۔"

"ماما جانی...... زوہیب بھائی کا فون ہے سعودی عرب سے۔"

"کیا کہا؟ زوہیب؟ میرا زوہیب؟" ماں کے ہاتھ سے روٹی بناتے ہوئے آٹا زمین پر گر گیا ہاتھ کانپ رہے تھے اور خوشی سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

فون کان سے لگایا تو ایک دھیمی سی اور لرزتی ہوئی آواز آئی۔

"ماں...... ماں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

مگر ماں کی آواز گلے میں ہی گھٹ کر رہ گئی اور آنسو ٹپ ٹپ نیچے گرنے لگے، جس آواز کو سننے کی آس میں وہ وقت سے کہیں پہلے بوڑھی ہوگئی تھی وہ آج اچانک رضیہ کی مردہ ہوتی ہوئی روح کو دوبارہ جگا بخش رہی تھی۔

''ماں میں آپ کا زوہیب میں تو اس قابل بھی نہیں کہ معافی مانگ سکوں مگر اللہ کے بعد ایک ماں ہی ایسی ہستی ہے جو صرف ایک سجدہ پر معاف کر دیتی ہے۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

پھر نجانے کیا ہوا کہ رضیہ کے ہاتھ سے موبائل گر گیا اور وہ خود بھی فرش پر ڈھیر ہوگئی۔

قندیل سخت پریشانی میں پاپا کو آوازیں دینے لگی۔ گریز قندیل کی لرزتی آواز سن کر انتہائی پریشانی کے عالم میں کمرے سے باہر کودوڑے اور رضیہ کو اٹھا کر بیڈ تک لے آئے اور اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تو وہ ہوش میں آگئیں۔

''آخر ہوا کیا ہے؟'' انہوں نے قندیل کو مخاطب کیا۔

''وہ پاپا جانی زوہیب بھائی کا فون آیا تھا''

''کیا..... اپنے زوہیب کا؟''

''جی۔''

قندیل دوڑ کر موبائل اٹھا کر لائی اسی دوران دوبارہ فون آگیا۔

سالوں بعد اکلوتے بیٹے کی آواز سن کر ان کی آنکھیں فرط جذبات سے ڈبڈبا گئیں۔

''او زوہی..... میرے بچے۔'' گریز کے لہجے میں غصہ، پیار اور انتہائی خوشی کا ملا جلا تاثر تھا۔

''جی..... پاپا.....!'' زوہیب نے انتہائی گلوگیر آواز میں روتے ہوئے پاپا کو مخاطب کیا۔

''اوے الو کے کانوں والے۔'' گریز نے اپنے مخصوص انداز میں ڈانٹا۔

''جی پاپا جو لیے بولے پلیز یہ الفاظ سننے کو میرے کان ترس گئے۔''

''کوئی ایسے بھی کرتا ہے اپنے بوڑھے ماں باپ کے ساتھ پلٹ کے نہیں پوچھا زندہ ہیں یا مر گئے میں بھی تو اتنا عرصہ وہاں رہا مگر ماں کی ایک آواز پر سب کچھ چھوڑ کر واپس آگیا۔

''بس پاپا مجھے معاف کر دیں بھٹک گیا تھا میں انگلینڈ سے پاکستان آرہا ہوں اور آپ کی بہو اور پوتی بھی ساتھ ہیں۔''

''ارے الو کے کانوں والے شادی بھی کر لی؟ پوچھا تک نہیں تو نے ایک دفعہ۔'' گریز نے پیار سے ڈانٹا۔

وہ سات دن سات صدیوں کے برابر تھے پل پل انتظار بھلا خرجدہ سے آنے والی فلائٹ شام 6 بجے لاہور ایئرپورٹ پر لینڈ کر گئی انتہائی بے قراری کے عالم میں ائرپورٹ لاؤنج کے اندر جہاں تک نظر جا سکتی تھی اپنے بیٹے کو ایک نظر دیکھنے کے لئے برسوں کی پیاسی نگاہیں ادھر سے ادھر تیزی سے گھوم رہی تھیں۔

''وہ رہا..... وہ رہا..... میرا زوہی۔'' گریز چلا اٹھا گریز اتنی اونچی تھی کہ اپنے عزیزوں کو لینے آئے ہوئے دوسرے لوگ حیرانی سے دیکھنے لگے۔

زوہیب نے باہر آتے ہی اپنے ماں باپ کو اکٹھے ہی اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور بے تحاشا چومنے لگا وہ بھی اس کو چومتے ہوئے رونے لگے کچھ دیر بعد جب دلوں کو قرار آیا تو گریز نے آگے بڑھ کر سر تاپا پردے میں لپٹی ہوئی اپنی بہو کو پیار دیا اور اپنی پوتی کو گود میں اٹھا کر چومنے لگے یوں لگا جیسے صدیوں کو قرار آگیا ہو۔ گھر پہنچ کر بہو کو اس کے لئے تیار کیے گئے خاص کمرے میں بٹھایا گیا اور سب اس کے گرد بیٹھ گئے۔

گریز بھی کرائے پر لی گئی گاڑیوں سے فارغ ہو کر سیدھے بہو کے کمرے کی طرف آئے۔

بہو ان کے استقبال کے لئے ادب سے کھڑی ہوگئی مگر جونہی گریز کی نظر بہو پر پڑی وہ ٹھٹک کر وہیں جامد ہوگئے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی اور یکدم پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف تیزی سے چل دیئے پھر زوہیب کو آواز دی۔

''زوہیب بہو کو میرے کمرے میں بھیجو اور آپ سب لوگ باہر رہو۔''

Downloaded from https://paksociety.com

سب پریشان ہو گئے کہ یہ آخر کیا ماجرا ہے۔

بہو بھی انتہائی پریشانی کے عالم میں بت بنی کھڑی تھی اور پھر سہمی ہوئی ڈرتے ڈرتے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند ہو گیا ایک گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور زوہیب کو اندر بلایا گیا مگر زردیوار کی طرف منہ کئے کھڑے تھے اور بہو صوفے پر ایسے بیٹھی تھی جیسے بدن کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

"زوہیب! اس کو اسی وقت طلاق دے دو۔"

"مگر..... کیوں پاپا.....!" زوہیب شدت غم سے رو پڑا۔

"کیونکہ..... یہ تمہاری ..... بہن ہے۔"

گلریز کی آواز کسی گہرے کنویں سے آرہی تھی۔

اور..... پھر اگلی صبح دونوں میاں بیوی کمرے میں مردہ پائے گئے۔

......☆☆......

دکان آئینہ ساز

مہ جبین آصف

مقامی آرٹ گیلری میں پینٹنگ کی نمائش تھی۔آرٹ گیلری کیا تھی گویا مجموعہ شاہکار۔۔اعلیٰ حسن لطیف کے حامل۔۔سرمئی دھوئیں اڑاتے۔۔۔صندلی سگار منہ میں دبائے مخمور زدہ ساحر ماحول میں اپنے ذوق اعلیٰ کی بولیاں لگانے۔۔۔روحانی تعیش جینے کی خواہش سے چور۔لوگ موجود تھے۔۔۔مصور کے آلات ہنر خون دل سے بنے شہ پارے۔۔۔تخلیق کے کرب سے کشید لمحے۔۔سب ہی خرید و فروخت کے عمل سے گزارے جا رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔کچھ ہی دیر کے بعد سرمئی سوٹ میں ملبوس صندلی سگار منہ میں دبائے۔۔۔سیٹھ نے اک شاہکار پینٹنگ گاڑی میں رکھوائی۔۔۔۔۔۔لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اک اور تخلیق کا سوچ۔۔۔۔۔اک حسین شہ پارہ۔۔ذوق جمال کو۔۔حسن لطیف و جسمانی تعیش کو مہمیز کرتا۔۔۔قدرت کے برش سے پینٹ شدہ رنگوں میں ڈھلی خاکی و قوسی تخلیق۔۔۔اجنتا کی مورت۔۔مریم کے تقدس۔۔نور سے ڈھلے معطر پیکر کی بھی۔وہ آج رات اس کے لیے بکنگ کرانا نہیں بھولا تھا۔

......☆☆......

جاسا

محمد شعیب

"انسانی زندگی کی مثال ایک خوبصورت گلدستے کی سی ہے اور اس گلدستے کی خوبصورتی اس کی رنگ برنگی، دلکش، آنکھوں میں رچ جانے والی پتیاں ہیں۔انسان انہی پتیوں سے گھرا ہوا ایک پھول ہے۔جس کے گرد ہر رنگ ہے، ہر رشتہ ہے اور یہی رشتے اس کی خوبصورتی کو مزید نکھارتے ہیں لیکن کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی نام نہیں ہوتا، جن سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہوتا مگر پھر بھی ایک احساس ہمیں ان سے جوڑے رکھتا ہے، ان سے جدا نہیں ہونے دیتا اور وہ احساس روح سے جڑا ہوتا ہے۔اس رشتے کی بنیاد روح ہوتی ہے اور جس رشتے کی بنیاد روح بن جائے وہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹتا چاہے وقت آپ کا کتنا ہی امتحان لے مگر ایک بار جو رشتہ روح سے جڑ جائے اسے کوئی علیحدہ نہیں کر سکتا۔۔۔" کانوں میں چند فقرے لگائے وہ آج کی دلنشین باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔شاید وہ واقعی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہا تھا اگر وہ کسی اور موضوع

Downloaded from https://paksociety.com

پر باتیں کرتا لیکن اس کی رشتوں پر مبنی کچی باتیں اس کے دل کو چھو رہی تھیں۔ اس کا ایک ایک بول اس کی زندگی کے پچھلے ایک سال کی ترجمانی کر رہا تھا۔ وہ اپنی تعلیم مکمل کرنے انگلینڈ آیا تھا اور وہاں اسے جس رشتے کو قریب سے جاننے کا موقع ملا وہ شاید کبھی نہیں بھلا سکے گا اور اگر بھولنے کی کوشش بھی کرے تب بھی وہ رشتہ اسے وہ وقت کبھی نہیں بھولنے دے گا۔ وہاں اس کو ایک نیا رشتہ ملا ایک نئی پہچان ملی۔ وہ ان لمحوں میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ کب آریبے کی باتیں اپنے اختتام کو پہنچ گئیں، اسے بھنک تک نہیں ہوئی۔ وہ اب اپنے خیالوں میں محویت کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑکی پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ شاید وہ پورا سفر اسی طرح کاٹ دیتا اگر وہ اس کے پاس آ کر اس کے خیالوں میں مخل نہ ہوتی۔

''ماسا! آپ یہاں۔۔۔ آپ بھی پاکستان جا رہے ہیں؟'' کشف نے پاس آ کر اس سے پوچھا۔ وہ اسے وہاں دیکھ کر پہلے تو حیران ہوگیا مگر جب اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسد اور انعم کو بھی اپنی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے پایا۔ انعم کی گود میں بیٹھا پانچ سالہ علی راحیل کو دیکھتے ہی خوشی سے اچھلنے لگا اور نیچے اتر کر اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''اسد۔۔۔ تم؟؟'' راحیل نے حیرت سے پوچھا

''یہی سوال میں تم سے کرنے والا تھا؟ تم یہاں کیسے؟ تمہاری فلائٹ تو کل کی تھی ناں تو پھر آج؟'' اسد نے استفہامیہ انداز میں راحیل سے پوچھا

''فلائٹ تو واقعی کل کی تھی مگر گھر سے بار بار فون آ رہے تھے۔ اوپر سے انہوں نے مجھ سے پوچھے بغیر کل ہی میری منگنی کی تاریخ بھی طے کر دی۔ اب بھلا اگر میں کل جاتا تو۔۔۔'' شانے اچکاتے ہوئے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی

''اوہ۔۔۔ تو بھائی صاحب رشتہ ازدواج میں بندھنے جا رہے ہیں۔ مبارک ہو تو۔۔۔'' اسد نے شوخ بھرے لہجے میں کہا

''مبارک ہو راحیل۔۔ تم تو بڑے چھپے رستم نکلے، اتنی بڑی بات ہم سے چھپا کر رکھی۔'' انعم نے بھی اس کو چھیڑتے ہوئے کہا۔ راحیل کے سرخ و سفید رخسار پر سرخی چھا گئی۔

''اوہ۔۔۔ ہو۔۔۔ اب تو جناب صاحب شرمانے لگ گئے۔۔'' وجاہت بھی اب اگلی سیٹ پر آ گیا۔ تینوں بچے اب راحیل کے پاس تھے۔ علی راحیل کی گود میں بیٹھا ہینڈ فری سے کھیلنے لگا۔ کشف اس کے ہاتھوں کو کھلونا سمجھ کر کھیل رہی تھی اور وجاہت اس کے پاس آ کر اس سے باتیں کرنے لگا اور بار بار راحیل کا چہرہ اپنی طرف کرنے کی کوشش کرتا مگر وہ اسد اور انعم کے ساتھ باتوں میں مصروف رہا لیکن بیچ بیچ میں مسکرا کر وجاہت کی طرف دیکھتا اور دوبارہ باتوں میں مصروف ہو جاتا۔

☆ ... ☆ ... ☆

انگلینڈ آنے پر راحیل ایک فلیٹ میں شفٹ ہوگیا۔ اس کے فلیٹ کے سامنے اسد کا فلیٹ تھا۔ وہ اپنی فیملی کے ساتھ وہاں رہتا تھا۔ روزانہ کا آنا جانا اور آپس میں باتیں کرنے سے دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست بن گئے اور صرف وہی نہیں راحیل کا انعم کے ساتھ بھی کافی ہنسی مذاق چلتا رہتا۔ جب صبح شام گھر میں آتا جاتا رہتا تو بچوں سے بھی ملاقات ہوتی رہتی۔ راحیل کو بچوں سے دلی لگاؤ تھا۔ اسی لئے وہ ان کے ساتھ بچہ بن جاتا اور چھٹی والے دن بچوں کو پکنک کے لئے لے جاتا۔ بچے بھی اس سے اتنے مانوس ہوگئے کہ پورا ہفتہ بس سنڈے کا انتظار کرتے۔ شروع میں وہ اس کو اس کے نام سے پکارتے مگر ایک دن اچانک علی کے منہ سے ماسا نکل گیا۔ ماسا کا لفظ سن کر راحیل، اسد اور انعم ہنس دیئے۔

''واہ راحیل۔۔۔ اب تو تم میرے بچوں کے ماسا بن گئے۔'' اسد نے چھیڑتے ہوئے کہا

''ویسے ٹھیک کہا ہے علی نے۔ تم لگتے بھی ماسا ہی ہو۔ جس طرح میں ان کا خیال رکھتی ہوں بالکل اسی طرح تم بھی ان کا خیال رکھتے ہو۔ کوئی دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا یہ تمہارے بچے نہیں ہیں۔ تمہیں پتا ہے کل جب میں ٹیرس پر ٹہل رہی تھی تو مسز انور۔۔۔ جو کل ہی ہمارے اوپر والے فلیٹ میں شفٹ ہوئی ہیں۔۔۔ مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ بچے آخر کس کے ہیں ہمارے یا راحیل کے۔'' کچن سے ٹوسٹ کی ایک ٹرے لا کر ٹیبل پر رکھ دی اور سب کو ایک ایک ٹوسٹ کھانے کو دیا

Downloaded from https://paksociety.com

''اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔۔۔ بھابھی۔'' وہ شرما رہا تھا

''آ۔۔۔ہا۔۔۔ایسی ہی بات ہے جناب صاحب۔۔۔بس اب یہ طے ہو گیا۔۔بچو آج سے تم سب راحیل کو ماما ہی کہو گے۔۔۔او کے'' بچوں کو نصیحت کی تو تمام بچوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔اس دن کے بعد اسد کے تینوں بچوں نے راحیل کو ماما کہنا شروع کر دیا۔

☆......☆......☆

''اچھا پھر اب ہم چلتے ہیں۔۔۔'' پارکنگ ایریا سے باہر آ کر وہ ایک ٹیکسی کی طرف بڑھنے لگے۔راحیل بھی اپنا سامان اٹھائے ٹیکسی کے انتظار میں جنگلے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ایک دم اسد بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا

''کیا ہوا اسد؟ تم ایسے بھاگتے ہوئے کیوں آئے؟'' اسد کا سانس پھولا ہوا تھا

''اب ہم جب دونوں ایک ہی شہر میں ہیں تو اپنا نمبر ہی دے دو۔کال ہی کر لیا کریں گے۔''

''اوہ۔۔۔میں تو بھول ہی گیا۔'' اس نے اپنا ہاتھ سر پہ مارا۔وہ واقعی بھول گیا تھا

''یقین جانو مجھے یاد ہی نہیں رہا۔میں ابھی دے دیتا ہوں'' اس نے اپنے سوٹ کیس سے ایک ڈائری نکالی اور ایک کاغذ پھاڑ کر اپنا موبائل نمبر اپنے نام کے ساتھ لکھ دیا۔اور پھر اس کاغذ کو اسد کے ہاتھوں میں تھما دیا۔اسد نے اس کاغذ کو اپنی پچھلی پاکٹ میں رکھا اور پھر ہاتھ ملا کر انعم اور بچوں کے پاس چل دیا۔ٹیکسی اس کے سامنے سے گزری۔تینوں بچے کھلی کھڑکی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے اس کو خدا حافظ کہہ رہے تھے۔وہ آگے بڑھا اور مسکرا کر اللہ حافظ کہا۔وہ انہیں جاتا دیکھ رہا تھا کہ پیچھے ایک ہارن کی آواز نے اسے پلٹنے پر مجبور کر دیا۔کار کی فلیش لائٹس روشن تھیں۔کار میں بیٹھے لوگوں کے چہرے واضح نہ تھے۔وہ ہاتھوں کو آنکھوں پر رکھ کر مبہم چہرے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔اتنے میں ڈرائیونگ سیٹ سے ایک آدمی اتر کر اس کی طرف بڑھنے لگا۔فلیش لائٹس کی وجہ سے صرف ایک جسم نظر آ رہا تھا مگر چہرہ مبہم تھا۔وہ آدمی راحیل کے پاس آیا

''بھائی۔۔۔'' پاس آنے پر اس کا چہرہ واضح ہوا تو راحیل خوشی سے اس کے گلے لگ گیا۔یہ اس کا بھائی مبارک تھا۔اس کے ساتھ اس کی کزن میمونہ بھی تھی۔میمونہ کے ساتھ ہی اس کی نسبت اس کے گھر والوں نے طے کی تھی۔میمونہ اور راحیل بچپن سے ہی ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور اسی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے گھر والوں نے ان کی شادی کا فیصلہ کیا۔میمونہ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور ترچھی نگاہوں سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔

وہ بھی مبارک سے باتیں کرنے کے دوران کن انکھیوں سے اس کے خوب صورت چہرے کو دیکھ رہا تھا۔آج اس نے اس کے پسندیدہ رنگ کو زیب تن کیا ہوا تھا۔پانچ منٹ باتیں کرنے کے بعد مبارک کو اچانک یاد آیا کہ کار وہ اسٹارٹ ہی چھوڑ آیا تھا۔اس نے ہنستے ہوئے گھر جانے کا کہا۔تینوں کار میں جا بیٹھے۔راحیل مبارک ساتھ آگے بیٹھ گیا۔میمونہ پچھلی سیٹ پر براجمان ہوئی۔پورے راستے میں مبارک قہقہے لگا کر راحیل سے باتیں کرتا رہا۔اس سے انگلینڈ کے بارے میں پوچھتا رہا۔کیسا رہا ایک سال؟ کیسے گزرا ایک سال؟ کیا اس کو ہماری یاد آئی؟ اور بھی پتا نہیں کیا کچھ۔۔۔راحیل ہاں۔۔۔ہنہ۔۔۔جی کہہ کر جواب دیتا رہا اس کی نظریں ابھی بھی میمونہ پر مرکوز تھیں۔گھر پہنچنے پر سب نے اس کا پرجوش انداز میں استقبال کیا۔اس کی امی، ابو چچا، چچی اور بھابھی سب بہت خوش تھے۔ان کا بیٹا ایک سال کے بعد گھر آیا تھا۔اس کی خوب آؤ بھگت کی جا رہی تھی۔اس کے من پسند کھانے ٹیبل پر اس طرح سجائے ہوئے تھے جیسے ریشمی کپڑے پر رنگ برنگے ستارے چمک رہے ہوں۔ہر کوئی اپنی محبت نچھاور کر رہا تھا۔ایک محبت کا ہاتھ اس کی امی کی طرف سے آتا تو کبھی اس کی چچی اس کے ناز نخرے اٹھاتی۔رات کے دو بج گئے تو سب اس کے کمرے سے چلے گئے۔اس نے الماری سے نائٹ سوٹ نکالا۔نائٹ سوٹ آج بھی اسی انداز میں ہینگر کیا گیا تھا جیسا کہ ایک سال پہلے ہوتا تھا۔آف وائٹ کلر کا کرتا پاجامہ جس پر وہ بہت ریلیکس محسوس کرتا تھا مگر انگلینڈ میں ہر وقت جینٹ شرٹ یا پھر ٹراؤزر وغیرہ پہنتے پہنتے وہ تھک چکا تھا۔آج وہ اپنا من پسند لباس کرتا پاجامہ اپنے ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔ہلکی سی مسکراہٹ کے بعد وہ واش روم میں گیا اور کرتا پاجامہ پہن کر باہر آ گیا۔رات کی تاریکی میں چاند

Downloaded from https://paksociety.com

کی روشنی اس کی کھڑکی سے کمرے میں تانک جھانک کررہی تھی۔ اس چاندنی کو دیکھے اسے ایک سال بیت گیا تھا۔ اس نے اپنے کمرے کی ہر چیز کو بہت مس کیا۔ اپنے آرام دہ پلنگ سے لے کر اس کی اوپر لگی سیاہ رنگ کی بیڈ شیٹ، الماری سے لے کر اس میں موجود دراز، صوفے سے لے کر دیوار پر لگی اس کی ہنستی مسکراتی تصویر جو اس بے جان دیوار کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دیتی۔ اپنی بالکونی کو وہ کیسے بھول سکتا تھا؟ جہاں بیٹھ کر وہ اکثر چاندنی رات کے مزے لیتا تھا۔ آج اس کا انتظار ختم ہو چکا تھا۔ اس کی بالکونی اسے پکار رہی تھی۔ وہ دھیمے قدموں کے ساتھ بالکونی میں گیا۔ چاند ہنستے ہوئے اسے تک رہا تھا۔ جیسے اسے کہہ رہا ہو کہ میں نے بھی تمہیں بہت یاد کیا۔ تمہیں دیکھنے کو میں ترس گیا تھا۔ درختوں پر موجود پتوں کی سرسراہٹ اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ انگلینڈ میں یہ سب کچھ نایاب تھا۔ وہ اپنی بالکونی میں کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ تب اس کی نظر اپنے کمرے کے ساتھ والی بالکونی پر پڑی۔ جہاں میمونہ کھڑی اس کو تک رہی تھی۔ سیاہ گاؤن پر اس کی لہراتی زلفیں، اس کے دمکتے چہرے کو مزید روشن کررہی تھیں۔ وہ ٹکٹکی باندھے راحیل کو دیکھ رہی تھی۔ راحیل اب اس کی طرف بڑھنے لگا۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" اس نے رومانوی انداز میں پوچھا

"اپنے چاند کو۔" اس نے بھی رومانوی انداز میں جواب دیا

"پھر تو کل تمہاری عید ہے کیونکہ ایک سال بعد یہ چاند نکلا ہے اور چاند دیکھنے کے بعد تو عید ہی ہوا کرتی ہے۔" اس نے میمونہ کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی مگر وہ پیچھے ہٹ گئی

"اوں۔۔۔ ہنوں۔۔۔ ابھی نہیں۔۔۔ ابھی وقت ہے۔" وہ شرماتے ہوئے بالکونی سے اپنے کمرے میں چلی گئی اور کھڑکی کو بند کردیا۔ راحیل نے مسکراتے ہوئے اپنے ہونٹ کاٹے اور خود بھی اپنے کمرے میں آگیا۔

☆...☆...☆

پورا گھر دلہن کی طرح سجایا جارہا تھا۔ لال ڈوریاں سنگ مرمر کی طرح چمکتی دیواروں کے حسن کو مزید نکھار رہی تھیں۔ گھر کا ہر فرد کسی نہ کسی کام میں مصروف تھا۔ میمونہ بھی کام کرا رہی تھی مگر کوئی اس کو کسی کام کو ہاتھ لگانے بھی نہیں دے رہا تھا۔

"تو کیا ہوا؟ صرف منگنی ہی تو ہے۔" آخر کار وہ چڑ کر بولی۔ عام حالات میں وہ صبح سے شام تک کسی نہ کسی کام میں لگی رہتی تھی۔ آج جب اسے کسی بھی کام کو کرنے سے منع کیا گیا تو اسے بہت عجیب لگ رہا تھا

"منگنی ہے اسی لئے تو کہہ رہی ہوں، آج بیٹھ کر آرام کرو۔۔۔ بس آرام کرو۔۔۔" سعیدہ نے اسے کندھوں سے پکڑ کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا

"نہیں۔۔۔ امی۔۔۔ مجھے کام کرنا ہے۔۔۔" نرمی سے ان کے ہاتھوں کو کندھوں سے پیچھے کیا اور دوبارہ کھڑی ہوگئی

"اچھا۔۔۔ تجھے کام کرنا ہے ناں، تو اس طرح کر جا کر اپنے 'آن' کو اٹھا۔" انہوں نے لفظ آن پر زور ڈال کر کہا۔ ان کا اشارہ جس کی طرف تھا وہ فوراً سمجھ گئی

"امی۔۔۔" اس کے گال شرم کے مارے سرخ ہوگئے۔ چہرے پر لالی چھا گئی اور اپنی نظریں نیچے جھکا لیں

"اوہو۔۔۔ اب شرم آرہی ہے۔ چل جا۔۔۔ جا کر راحیل کو اٹھا۔ دو بجنے کو ہیں ابھی تک اپنے کمرے سے باہر نہیں آیا۔ چار بجے کا فنکشن ہے اور صاحب زادے ابھی تک سو رہے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے سعیدہ دوبارہ کچن کی طرف چلی گئی مگر وہ وہیں کھڑی سیڑھیوں پر نظر جمائے کھڑی رہی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ بچپن سے لے کر آج تک ایک گھر میں رہے۔ اکٹھے بیٹھے۔ اکٹھے کھیلے، اکٹھے ہنسے اور اکٹھے روئے مگر کبھی ایک دوسرے سے بات کرنے میں جھجک محسوس نہ ہوئی۔ پھر آج کیوں؟ شاید رشتے کا نام بدل گیا تھا اور شاید احساس بھی۔ اب راحیل پہلے والا راحیل نہیں تھا۔ وہ بدل چکا تھا۔ پہلے وہ صرف اس کا کزن تھا مگر اب ہونے والا ہمسفر۔ رشتے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں، صرف اپنی شناخت بدل لینے سے احساسات بھی بدل دیتے ہیں۔ وہ اپنے خیالوں کی دنیا میں اس قدر گم تھی کہ کب وہ سیڑھیاں چڑھ کر اس کے کمرے کے دروازے کے سامنے آگئی۔ اسے خود پتا نہ چلا۔ دروازے کے سامنے پہنچ کر وہ اپنے خیالوں سے باہر آگئی۔ اس

Downloaded from https://paksociety.com

نے اپنے آپ کو جھٹکا اور دروازے پر دستک دینا چاہی۔

''لیکن اگر نیند خراب ہوگئی تو؟؟؟'' دستک دیتے دیتے اس کے ہاتھ رک گئے۔ وہ اس کے آرام میں مخل نہیں ہونا چاہتی تھی مگر اس نے صبح سے اس کا دیدار بھی نہیں کیا تھا۔ صبح سے دوپہر تک کا یہ وقت اس نے کیسے کاٹا، صرف وہ جانتی تھی۔ بہانے بہانے سے اس کے دروازے کے سامنے سے گزرتی کہ شاید دروازہ کھلا ہی جائے مگر وہ ہر بار بند ملا۔ اندر سے صرف خاموشی باہر آتی رہی۔ اب بھی صرف خاموشی تھی جو بند دروازے کے پیچھے سے سنی جاسکتی تھی۔ دو منٹ کھڑی وہ اسی شش و پنج میں رہی کہ آیا اسے دستک دینی چاہئے یا نہیں، آخر کار اس نے حوصلہ کر کے دستک کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر جیسے ہی ہاتھ دروازے سے لگا ہوا تو آہستہ سے کھٹ کی آواز آئی۔ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ اندھیرے نے باہر جھانکنا شروع کر دیا

''یہ کیا۔۔۔ دروازہ کھلا ہے؟'' اس کی حیرت میں اضافہ ہوگیا۔ کچھ سوچتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئی تو کمرے میں ہر سو اندھیرا تھا۔ کھڑکیوں کے سامنے ابھی تک پردے گرے ہوئے تھے۔ اس نے کھڑکیوں کی طرف بڑھ کر پردے ہٹائے تو سورج کی چمکیلی روشنی اندھیر کمرے میں داخل ہوئی۔ چند لمحوں میں ہی اندھیرے کی موت ہوگئی۔ روشنی نے جنم لے لیا۔ ہر شے روشن ہوگئی۔ اس کی نظر بیڈ پر جا کر ٹھہر گئی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ واش روم کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ وہ حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''یہ راحیل کہاں چلا گیا؟ کمرے میں بھی نہیں ہے۔۔۔ کہاں جاسکتا ہے؟'' وہ چیزوں کو گھورتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ شاید وہ انہی خیالوں میں کھوئے شام کر دیتی اگر پیچھے سے تائی امی کی آواز نہ آتی۔

''میمونہ۔۔۔ جلدی آؤ۔۔۔ مہندی گھولو۔۔۔''

''آئی تائی امی۔۔۔'' خیالوں کی دنیا سے باہر آکر قدرے اونچا جواب دیا اور پھر کمرے سے باہر آگئی۔ دیوار پر لگی گھڑی چلتی رہی۔ دو سے تین۔ تین سے چار اور پھر چار سے پانچ بج گئے مگر کسی کا دھیان راحیل کی طرف نہ گیا۔ گھر کے تمام افراد تیار ہوگئے۔ میمونہ بھی ایک سادہ مگر نفیس لباس پہنے اپنے ہونے والے ساجن کا انتظار کر رہی تھی۔ سفید لبادے پر چمکتے سرخ ستارے اور نارنجی رنگ کی لیس دور سے ہی دیکھنے والے کو اپنی طرف مائل کر رہی تھیں۔ چہرے پر ہلکا سا میک اپ اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔ اس کے بال پیچھے سے اس طرح سیٹ کئے ہوئے تھے کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جائے۔ رخسار کے ساتھ اس کی زلفوں کا ایک خم تھا جو اس کے چاند سے روشن چہرے کو بوسہ دے رہا تھا۔

''آج تو میری بیٹی چاند لگ رہی ہے۔'' سعیدہ نے اس کی بلائیں لیں

''مگر اس چاند کا سورج کہاں ہے؟ وہ دکھائی نہیں دے رہا۔'' اپنی دیورانی کی بات سنتے ہی شاہدہ نے پوچھا۔ ان کا اشارہ اپنے بیٹے راحیل کی طرف تھا۔ تائی امی کے پوچھنے پر میمونہ کو یاد آیا کہ وہ تو گھر پر ہے ہی نہیں۔ اس نے سب کو راحیل کی غیر موجودگی کے بارے میں بتایا تو سب پریشان ہوگئے۔

''مجھے معاف کر دیں۔۔۔ مجھے بالکل بھی یاد نہیں رہا آپ کو بتانا۔۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے مگر اس کے تایا ابو وسیم نے آکر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اسے حوصلہ دیا۔ مبارک راحیل کا فون ٹرائی کرتا رہا مگر فون بجتا رہا اور کسی نے فون نہ اٹھایا۔ سب کی پریشانی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ اسے انگیجمنٹ سے آئے ابھی ایک دن بھی نہیں گزرا تھا اور اس طرح اس کا بغیر بتائے کہیں چلے جانا سب کے لئے فکر مندی کا باعث تھا۔ ایک گھنٹہ بیت گیا مگر اس کی کچھ خبر نہ تھی۔ مہمان بھی بار بار راحیل کا پوچھ رہے تھے۔ وہ سب کو یہ کہتے ہوئے ٹال رہے تھے۔

''بس۔۔۔ ابھی آجاتا ہے۔ اپنے دوستوں کے ساتھ گیا ہوا ہے۔'' مگر دل افسردہ تھا۔ مبارک اس کو ڈھونڈنے گیا اور آدھ گھنٹے بعد واپس آگیا لیکن راحیل کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ سب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میمونہ کی ہچکیاں بندھ گئی۔ شاہدہ بھی اپنے اکلوتے بیٹے کے بارے میں سوچ سوچ کر رونے لگ گئی۔ مبارک اور وسیم کی نظریں دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ رات نے دستک دے دی۔ گھڑی نے ۹ بجا دیئے۔ سب مہمان جا چکے تھے۔ تب دروازے پر دستک ہوئی۔

Downloaded from https://paksociety.com

مبارک نے فوراً دروازہ کھولا۔ وہاں راحیل تھا۔ سفید کرتا پاجامے میں ملبوس۔ اس کے چہرے پر ایک تاسف تھا۔ آنکھیں پرنم تھیں اور ان پر ورم نمایاں تھی جیسے مسلسل رونے پر سوج گئی ہوں۔

''راحیل۔۔۔ کہاں چلے گئے تھے تم؟'' مبارک نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے گلے لگایا۔ اس کا جسم بے جان تھا۔ جیسے کسی نے اس کی روح نکال لی ہو۔ لبوں پر مہر خاموشی تھی۔

''میرا بیٹا۔۔۔'' شاہدہ اس کی طرف لپکی اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر ممتا کی پیاس کو کسی قدر بجھایا۔ وسیم اور شہریار بھی اس کے پاس آئے اور اس کے چہرے کو بوسہ دیا۔

''کہاں چلے گئے تھے تم؟ تمہیں معلوم ہے ہم کتنے پریشان ہو گئے تھے۔'' شہریار نے نرمی سے استفسار کیا۔

''ایک دوست کی ڈیتھ ہو گئی تھی چاچو۔ وہاں گیا تھا۔'' اس نے کمزور و ناتواں آواز میں جواب دیا۔

''لیکن ایک بار فون تو کر دیتے۔۔۔'' وسیم نے تحکی میں کہا

''کچھ نہیں ہوتا بھائی جان۔۔۔ چلو بیٹا اندر آؤ۔۔۔'' راحیل کی حالت کو دیکھتے ہوئے شہریار نے راحیل کی طرف داری کی اور اسے اندر لے گئے۔

☆.....☆.....☆

موبائل کی رنگ نے راحیل کی نیند میں دخل اندازی کی۔ اس نے کروٹ بدل کر فون اٹھایا جو سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھیں۔ اس نے فون ریسیو کیا اور مریل سی آواز میں ہیلو کہا مگر اگلے ہی لمحے وہ مکمل طور پر بیدار ہو گیا۔ فون سے جو خبر اس نے سنی، اس خبر نے اس کی نیند اڑا دی۔ اس کی آنکھیں کھلیں کی کھلی رہ گئیں۔

''میں ابھی آتا ہوں۔۔۔'' اس نے لحاف کو پرے پھینکا اور سلیپر پہن کر واش روم کی طرف بڑھنے لگا۔ لیکن ذہن میں ایک خیال آیا کہ اگر کپڑے چینج کیے تو کہیں دیر نہ ہو جائے۔ اس نے ویسے ہی جانے کا فیصلہ کیا۔ بیڈ روم کا دروازہ کھولا۔ اس کی نظر وال کلاک پر پڑی، جو صبح کے دس بجا رہا تھا۔ ٹی وی لاؤنج سے گزرتے ہوئے وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ خود اسے بھی کسی کو بتانا یاد نہ رہا۔ وہ تیز قدم اٹھاتا ہوا گیراج کی طرف آیا مگر وہاں کوئی کار موجود نہ تھی۔ گھر میں تین کاریں تھیں اور تینوں میں سے ایک بھی وہاں موجود نہ تھی۔

''اوہ۔۔۔ شٹ۔۔۔'' اس نے گیٹ کو ایک زوردار ٹھوکر لگائی اور پھر باہر سڑک پر آ گیا۔ ایک ٹیکسی وہاں سے گزر رہی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ گیا اور پورے بیس منٹ کے بعد ٹیکسی نے اسے ایک اسپتال کے آگے اتار دیا۔ وہ مضبوط قدموں کے ساتھ اسپتال میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے اثرات نمایاں تھے۔ رو رو کر اسے بچوں کا خیال کھائے جا رہا تھا۔ وہ کس حال میں ہوں گے۔ اپنے آپ کو کیسے سنبھال رہے ہوں گے۔ ٹھیک بھی ہوں گے یا نہیں۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ریسپشن پر ایک نرس تھی کچھ دوائیں تجویز کر رہی تھی۔

''نرس۔۔۔ اسد اور انعم یہیں ایڈمٹ ہیں؟'' اس نے فی الفور استفسار کیا

''ہاں۔۔۔ وارڈ نمبر ۲۲ میں ہیں۔'' وہ یہ پوچھے بغیر کے کس طرف سے جانا ہے، وارڈز کی طرف بھاگا مگر اس کے قدم اسے کہیں اور لے جانے کی بجائے سیدھا وارڈ نمبر ۲۲ میں لے گئے۔ وارڈ کے باہر تینوں بچے ایک بینچ پر بیٹھے رو رہے تھے۔ وجاہت کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ کشف نے جیسے ہی راحیل کو دیکھا تو روتے ہوئے اس کی طرف لپکی

''ماسا۔۔۔ ماسا۔۔۔'' وہ بار بار اس کا نام پکار رہی تھی۔ آنکھیں رونے کے سبب سوج چکی تھیں۔ اس کی آنکھیں بھی اب بہنا شروع ہو گئیں۔ تینوں بچے اس کی بانہوں میں تھے اور بلک بلک کر رو رہے تھے۔ اس نے سب کے ماتھے کو بوسہ دیا

''نہیں بیٹا روتے نہیں ہیں۔۔۔ دیکھ لینا ماما پاپا جلدی سے ٹھیک ہو جائیں گے۔'' وہ کشف کے بالوں کو ٹھیک کرتے انہیں حوصلہ دے رہا تھا۔

''وجاہت۔۔۔ بیٹا ماسا ہیں ناں آپ کے ساتھ۔۔۔'' وجاہت ماسا کو دیکھ کر اور بھی زیادہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"آپ ہیں راحیل؟" ایک ڈاکٹر وارڈ سے باہر نکلتے ہی راحیل سے مخاطب ہوا

"جی۔۔۔ میں ہی راحیل ہوں۔۔" بچوں کو روتا دیکھ کر اس کے بھی آنسو نکل آئے تھے۔ جنہیں اب وہ صاف کر رہا تھا۔

"آئی ایم سوری۔۔۔ ہم نے اپنی تئیں پوری کوشش کی لیکن۔۔۔۔" ڈاکٹر کی آنکھیں ایک پل کے لئے جھک گئیں۔ جس کا مطلب راحیل سمجھ چکا تھا۔ اس کی آنکھوں کے آنسو جو ابھی پوری طرح تھمے نہیں تھے ایک بار پھر بہنا شروع ہو گئے۔

"ماما۔۔۔" کشف کی درد بھری آواز نکلی۔ ان سب میں وہ بڑی تھی اور کسی حد تک ڈاکٹر کی بات کو سمجھنے میں کامیاب ہو گئی۔

"نہیں بیٹا۔۔۔ میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔۔" پیار سے اسے گلے لگایا۔

"ڈاکٹر۔۔۔ کیا ہم انہیں مل سکتے ہیں۔۔" اس کے پوچھنے پر ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر دوسرے وارڈ میں چلا گیا۔ وجاہت کو گود میں لئے، اور دونوں بچوں کا ہاتھ تھامے وہ وارڈ میں داخل ہوا۔ وارڈ میں تین بیڈ تھے۔ دو پر اسد اور انعم تھے جبکہ تیسرا خالی تھا۔ انعم کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے بچوں کو اپنی طرف آنے کو کہا۔ بچے بھاگتے ہوئے اس کی طرف لپکے۔ اس نے بچوں کو اپنے سائے میں کرنے کی بھرپور کوشش کی مگر زخم اسے اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دے رہے تھے۔ کل رات جب وہ ٹیکسی سے اپنے فلیٹ کی طرف جا رہے تھے تو ایک ٹرک سے ان کا ایکسیڈنٹ ہوا۔ ڈرائیور تو اسی وقت ہلاک ہو گیا مگر انعم اور اسد بری طرح زخمی ہوئے۔ پھول سے بچے فرشتوں کی حفاظت میں تھے۔ ان فرشتوں نے انہیں خراش تک نہ آنے دی بس وجاہت معمولی سا زخمی ہوا۔ وہ ڈھیلے قدموں کے ساتھ دونوں بیڈ کے درمیان آ گیا اور اسد کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

"اسد۔۔۔" وہ بولنا چاہا مگر آواز حلق میں اٹک گئی۔

"نہیں۔۔۔ تم۔۔ کک کچھ نہیں بولو گے۔۔۔" وہ ہکلاتے ہوئے بول رہا تھا۔

"ایک وعدہ کرو راحیل۔۔۔" اس کی آنکھیں ورد میں آنسو بہاری تھیں۔ ہاتھ میں لگی ڈرپ بھی رکاوٹ بن رہی تھی۔

"ہمارے بعد۔۔ ہمارے بچوں کا خیال رکھو گے۔۔" اس کی سانسیں بھی اکھڑنا شروع ہو گئیں۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو اسد۔۔۔ تم رکھو گے ان کا خیال۔۔ کچھ نہیں ہو گا تمہیں۔۔" اس نے حقیقت سے بھاگنے کی کوشش کی

"خدا کے لئے وعدہ کرو راحیل۔۔۔ ان بچوں کا اب تمہارے علاوہ اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔۔" انعم نے بولنے کی سعی کی

"بھابھی۔۔۔ آپ دونوں کیسی باتیں کر رہے ہیں۔۔ کچھ نہیں ہو گا آپ دونوں کو۔۔ سنا آپ دونوں نے" اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہا لیکن وقت نے اس کا ساتھ نہ دیا۔

"راحیل کیوں جھوٹی تسلی دے رہے ہو۔" اسد کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ راحیل کے کانوں میں گونجے۔ وجاہت انعم کے سینے پر لیٹا رو رہا تھا۔ علی اسد کے ہاتھوں کو تھامے چوم رہا تھا۔

"وعدہ۔۔۔ کرو۔۔۔۔ راحیل۔۔۔ بچوں کو کبھی ہماری کمی محسوس نہیں ہونے دو گے۔۔" انعم ایک بار پھر گویا ہوئی

"بھابھی۔۔" اس کی آواز بھی اب بیٹھنے لگ گئی۔

"وعدہ کرو۔۔۔" راحیل کے ہاتھ کو تھام کر اسد نے کہا۔ راحیل اب مزید کچھ نہ کہہ سکا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ بس سر ہلانے کی دیر تھی کہ سانسیں اکھڑنے لگ گئیں۔ آخری وقت قریب آ گیا۔

"اسد۔۔۔" اس نے کندھوں کو پکڑ کر جھنجوڑا مگر بہت دیر ہو گئی۔ جسم وہیں رہ گیا مگر روح پرواز کر گئی۔ ہوا سوگوار تھی۔ صف ماتم بچھ گیا۔ آہیں کانوں میں گونجنے لگی۔ اپنے ساجن کو بھلا انعم کیسے جانے دے سکتی تھی۔ اسی راستے پر اس کی روح نے بھی اسد کا پیچھا کیا۔ دو بے جان جسم تھے۔ تینوں بچے راحیل کے ساتھ لپٹ گئے۔ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ ڈاکٹر نے انہیں ڈسچارج کر دیا۔ بالکل خاموشی سے ان کے کفن دفن کا انتظام کیا گیا۔ چار بجے تک راحیل بچوں

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ایڈ فری لنکس

ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

ناولز اور عمران سیریز کی مکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

http://paksociety.com

Downloaded from https://paksociety.com

سمیت ان کے فلیٹ میں موجود تھا۔ تینوں بچے سہمے سہمے اس کے گرد لپٹے ہوئے تھے۔ گھر تاریک تھا۔ بچے وہاں موجود تھے مگر ہنسی کہیں کھو گئی تھی۔ ان کی شرارتیں جھلک گئی تھیں۔ سب کے چہرے سنجیدہ تھے۔

''بیٹا! آپ بیٹھو، میں آپ کے لیے کھانا لاتا ہوں۔'' اس نے وجاہت کو گود سے صوفے پر بٹھایا تو وہ بدک کر اس کی گود میں کود گیا۔

''نہیں۔۔۔ آپ بھی چلے جاؤ گے۔۔۔'' کشف نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ بچوں کی حسرت بھری نگاہیں راحیل کو تک رہی تھیں۔

''نہیں بیٹا۔۔۔ میں کچن میں جا رہا ہوں۔۔۔'' بچوں کو پیار سے سمجھایا اور کچن میں جا کر بچوں کے لیے کھانا تیار کیا۔ ایک برتن میں دودھ گرم کیا اور پلیٹ میں تین سینڈوچ تیار کیے اور دو منٹ میں دوبارہ ٹی وی لاؤنج میں موجود تھا۔ بچوں کو بہلا کر ایک ایک سینڈوچ دیا۔ کھانا کھلانے کے بعد اس نے برتن وہیں رہنے دیے اور بچوں کو کمرے میں لے گیا۔ اس کے ذہن میں اچانک گھر کا خیال آیا۔ وہ بھول چکا تھا کہ آج اس کی منگنی ہے۔ اچانک یاد آنے پر وہ چونک پڑا۔ وال کلاک پر نظر دوڑائی۔ سات بج چکے تھے۔

''اے خدا! میری مدد فرما! میں بچوں کو گھر بھی نہیں لے جا سکتا اور اکیلا بھی نہیں چھوڑ سکتا۔۔'' وہ بچوں کو سلانے کی کوشش کر رہا تھا مگر نیند تو بچوں سے جیسے خفا تھی۔ آنکھیں سب کی نم تھیں۔ وجاہت اس کی گود سے اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ علی بھی اس کے ہاتھ کو سرہانا بنائے لیٹا تھا۔ کشف بھی ٹکٹکی باندھے اس کے چہرے کو تک رہی تھی۔ اس نے کرتے کی جیب سے موبائل نکالا تو بیس مس کال تھیں۔ سائلنٹ پر ہونے کے باعث اسے کالز کا معلوم ہی نہ ہوا۔

''اے خدا!۔۔۔ گھر والے بھی انتظار کر رہے ہیں اور۔۔۔ کیا کروں۔۔۔؟؟؟'' اس کا سر دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔ ایک سوچ نے اسے آ گھیرا۔

''ماما۔۔ آپ گھر جاؤ۔۔۔ ہم ٹھیک ہیں۔'' کشف راحیل کے تاثرات کو پڑھ چکی تھی۔

''نہیں۔۔۔ ماما۔۔ آپ کہیں نہیں جائیں گے۔۔۔'' علی نے راحیل کے کرتے کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''علی۔۔۔ ماما کو جانے دو۔۔'' روتے ہوئے کشف نے علی کو اپنی طرف کھینچا۔ وجاہت سو چکا تھا۔ راحیل نے پیار سے اس کو بیڈ پر لٹایا اور اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

''دیکھو علی۔۔۔'' اس نے علی کو گود میں اٹھایا اور پیار سے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اس کی گود میں آنے کے بعد اس کا سارا ڈر غائب ہو گیا۔ اس کے چہرے پر طمانیت آ گئی

''بیٹا۔۔ میرا جانا ضروری ہے۔ میں نے آپ کے بابا پاپا سے وعدہ کیا ہے ناں کہ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گا۔ میں اپنا وعدہ ہمیشہ نبھاؤں گا لیکن بیٹا! ابھی میرا جانا ضروری ہے۔ لیکن وعدہ کرتا ہوں میں صبح تک واپس آ جاؤں گا۔'' اس نے پیار سے سمجھایا تو علی مان گیا مگر اس کی شکل ابھی بھی افسردہ تھی۔ اس نے ڈائری سے ایک صفحہ پھاڑا اور اس پر اپنا نمبر لکھ کر کشف کو دیا۔

''کشف۔۔۔ یہ میرا نمبر ہے اگر کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو فوراً مجھے فون کرنا۔ اچھا!'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ راحیل نے ایک بوسہ اس کی پیشانی پر دیا اور وہاں سے چلنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا مگر اس کا دل افسردہ تھا۔ جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مگر جانا ضروری تھا۔ اس کے جانے کے بعد کشف نے دروازہ لاک کر دیا

''کوئی بھی آئے۔۔۔ دروازہ نہیں کھولنا۔'' جاتے ہوئے یہ نصیحت کی

☆......☆......☆

ہفتہ بھر یوں ہی گزر گیا۔ دن بھر کسی نہ کسی بہانے سے وہ بچوں کے پاس چلا جاتا اور رات گئے گھر لوٹتا۔ گھر والے اس کے بغیر بتائے یوں غائب ہو جانے پر فکرمند تھے۔ جو چمک اس کے چہرے پر رہتی تھی۔ کہیں غائب ہو گئی۔ بڑوں کی سی

Downloaded from https://paksociety.com

سنجیدگی اس کے چہرے سے جھلکنے لگی۔ اس کی بچگانہ حرکتیں کہیں کھو کر رہ گئیں۔ میمونہ بھی اس سے بات کرنے کے لیے ترستی۔ صبح ہوتی تو وہ باہر کی راہ لیتا اور رات گئے جب گھر آتا تو تھکن کا بہانا کر کے اپنے بیڈ روم میں چلا جاتا۔ میمونہ نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ ٹال دیتا اور مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے رخسار کو چھوتا۔ جو اس کے لبوں پر مہر لگا دیتی۔ ایک صبح میمونہ راحیل کے لیے ناشتہ لے کر کمرے میں آ موجود ہوئی۔ دروازہ کھلا تھا۔ وہ ناک کیے بغیر اس کے بیڈ روم میں چلی گئی۔ بیڈ پر راحیل نہ تھا۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔

"لگتا ہے جناب نہا رہے ہیں۔۔۔" اس نے زیر لب کہا اور ناشتے کی ٹرے کو ٹیبل پر رکھ کر لحاف کی تہہ لگائی تو سائیڈ ٹیبل پر موبائل کی رنگ ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھایا اور فون لیس کیا

"ماما۔۔۔ جلدی آ گئیں۔۔۔ وہ وہ وجاہت۔۔۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی دوسری طرف سے ایک بچی کی آواز آئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی راحیل نے جلدی سے فون چھین لیا

"ہاں۔۔۔ بیٹا بولو۔۔۔" اس نے تاول اپنے گرد لپیٹا ہوا تھا۔ شاید اس نے فون کی آواز سن لی تھی۔ اسی لیے جلدی میں صرف تاول باندھ کر باہر آ گیا۔ اس کے سر کے بالوں سے پانی کی بوندیں اس کے دودھیا جسم پر گر رہی تھیں۔ میمونہ ہاتھوں سے اس طرح موبائل چھین لینے پر حیرت سے اس کے چہرے کو تک رہی تھی

"اچھا میں ابھی آتا ہوں۔۔۔ آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔" موبائل بھی گیلا ہو چکا تھا۔ اس نے موبائل کو بیڈ پر اچھالا اور میمونہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی آنکھیں جو پہلے اپنے اندر رومانیت رکھتی تھیں آج عجیب سا تاثر سمیٹے ہوئے تھیں۔ اس کی آنکھوں میں رومانیت بالکل نہیں تھی۔ وہ عام لوگوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا

"کسی کا موبائل بغیر اجازت نہیں اٹھاتے۔" بے نیازی سے کہتے ہوئے وہ وارڈ روب کی طرف بڑھا اور شلوار اور ٹی شرٹ نکالی۔

"لیکن میں تو بس۔۔۔" وہ اس کے جواب پر بوکھلا گئی

"میں تو بس کیا۔۔۔" [illegible]

"راحیل۔۔۔ یہ کس لہجے میں بات [illegible] ہے" وہ روایتی انداز میں بول رہی تھی۔ اس دن اگرچہ تمام مہمان جا چکے تھے مگر گھر والوں نے سادگی سے ہی ان دونوں کی منگنی کر دی۔

"مجھے چینج کرنا ہے۔۔" وہ کسی سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا اور نہ ہی باتوں میں الجھ کر وقت ضائع کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے دو ٹوک کہا۔ اس کے دو ٹوک جواب نے میمونہ کو بہت ہرٹ کیا۔

"میں تمہارے لیے ناشتہ لائی تھی۔۔۔" اس نے دروازے کے پاس پہنچ کر پتا مڑ کے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ راحیل نے ایک نظر ناشتے کی طرف دوڑائی مگر خفت کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے۔ وہ فوراً واش روم میں گیا اور تیار ہو کر بنا کھائے بچوں کے پاس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میمونہ کمرے میں آئی تو ناشتہ کی پلیٹ ویسے ہی پڑی تھی۔ ایک نوالا بھی کم نہ ہوا تھا۔

"ماما۔۔۔" پہلا لفظ اس کے ذہن کی چار دیواری میں طمانچیں مارنے لگا۔

"ماما؟؟؟ کون تھی وہ بچی؟ اور راحیل کو ماما کیوں کہہ رہی تھی؟" ایک شک اس کے دل میں کھٹکنے لگا اور ویسے بھی شک کا پیدا ہونا تو بجا تھا۔ جب کسی کا آپ سے رشتہ کمزور پڑنے لگے اور اس کی باتوں میں پہلے جیسی چاشنی نہ رہے تو شک تو دستک دیتا ہی ہے۔

"جلدی آ گئیں۔۔۔ وہ وہ وجاہت۔۔۔" ایک بار پھر وہی الفاظ گونجنے لگے

"کون تھا یہ وجاہت؟۔۔۔ وہ بچی کون تھی؟" اس کا ذہن ساحل کی ریت پر قلعے بنانے لگا۔ جو ایک لہر اپنے ساتھ لے

Downloaded from https://paksociety.com

جانے کو تیار تھی۔ وہ خود کرسی سے کرسی جوڑ رہی تھی۔

☆....☆....☆

"کیا ہوا؟ کن سوچوں میں گم ہو؟" مبارک پانی پینے کچن میں آیا تھا مگر میمونہ کو یوں خیالوں میں گم دیکھ کر اس کے قدم وہیں رک گئے۔ وہ پانی کا گلاس شیلف پر رکھ کر اس کی طرف بڑھا۔ اس کے پوچھنے پر بھی اس کے جسم میں کوئی جنبش نہ آئی۔ مبارک قدرے حیران ہوا اس نے آہستہ سے اس کے شانوں کو پکڑ کر جھنجوڑنا چاہا تو وہ بوکھلا گئی اور جو چمچ وہ ہاتھ میں تھامے ہوئے تھی، نیچے گر گیا

"بھائی آپ۔۔" اس نے انہیں یہاں آتے نہیں دیکھا تھا۔ اچانک ان کو دیکھ کر اس نے گھبرا کر استفسار کیا

"کیا ہوا؟ کن خیالوں میں کھو ہو؟" انہوں نے ایک بار پھر وہی استفسار کیا

"کک کچھ بھی تو نہیں۔۔" اس نے جھک کر چمچ اٹھایا اور چہرے کے سامنے آئی زلفوں کی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔

"کوئی تو بات ہے۔۔ مجھے بتاؤ کیا بات ہے" انہوں نے اس کے جھکے چہرے کو اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی طرف کرنا چاہا

"کچھ بھی نہیں بھائی۔۔" اس نے اپنا رخ تبدیل کیا اور الماری کی طرف بڑھ کر چینی کا ڈبا اٹھایا

"میں تو بھول ہی گئی۔۔ تائی امی نے مجھے چائے بنانے کو کہا تھا" چینی کے ڈبے کو شیلف پر رکھا

"آپ کو کچھ چاہیے تو بتا دیجیے۔۔" وہ بات کو ٹالنے کی غرض سے فریج کی طرف بڑھی اور ایک دودھ کا پیکٹ نکالا

"اب تو مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ تم مجھ سے کچھ نہ کچھ ضرور چھپا رہی ہو۔۔" انہیں شک ہوا۔ وہ اتنی کم گو تو نہ تھی تو پھر آج اتنی خاموشی۔۔ ضرور کوئی بات تھی۔

"راحیل کے رویے کے بارے میں مبارک بھائی کو بتاؤں یا نہیں۔۔۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ جو کچھ میں سوچ رہی ہوں وہ غلط ہو، ایسا کچھ بھی نہ ہو۔" وہ اپنی سوچوں میں گم تھی۔

"بھائی۔۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی موبائل کی رنگ نے دخل اندازی کی

"ٹھیک۔۔۔ میں ابھی آتا ہوں۔۔" فون بند کرتے ہی مبارک کا دھیان میمونہ سے ہٹ گیا اور وہ باہر دروازے کی طرف جانے لگا۔ میمونہ نے ہاتھ بڑھا کر روکنا چاہا مگر اس نے شاید دیکھا نہیں اگر دیکھتا تو رک جاتا۔

"میری بات تو سن لیں۔۔" اس نے زیر لب کہا لیکن شاید وہ اس کی آواز تک نہ رکا۔ وہ دوبارہ چولہے کی طرف متوجہ ہوئی تو چند لمحوں کے بعد مبارک دوبارہ آیا

"میمونہ میرا ایک کام کرو گی۔۔" موبائل ہاتھوں میں گھماتا ہوا وہ قریب ہوا

"جی بھائی جان۔۔"

"زینی بھابھی کی دوا لے آؤ ذرا میڈیکل اسٹور سے۔۔ میں لینے جا رہا تھا مگر آفس سے فون آ گیا ہے ایک ضروری میٹنگ ہے۔۔ اس لیے میں نہیں جا سکتا۔"

"کوئی بات نہیں آپ جائیے۔ میں لے آؤں گی" اس نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا

☆....☆....☆

وجاہت کو تیز بخار تھا۔ کشف نے ساری رات اپنے چھوٹے بھائی کے سر پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں تبدیل کرتے گزار دی تھی مگر صبح ہوتے ہی راحیل کو فون کھڑکا ڈالا۔ راحیل جب گھر پہنچا تو کشف اور علی رو رہے تھے جبکہ وجاہت بیڈ پر نیم بے ہوشی کے عالم میں تھا۔ راحیل کو دیکھتے ہی کشف اس سے لپٹ گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ راحیل نے پہلے علی اور کشف کو چپ کروایا اور پھر وجاہت کو گود میں اٹھا کر اسپتال لے گیا۔ اسپتال میں وجاہت کو ایڈمٹ کر لیا گیا۔ ڈاکٹر نے اس کا تفصیلی چیک اپ کیا۔ علی ابھی بھی راحیل کی گود میں تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"بیٹا روتے نہیں ہیں۔۔۔ وجاہت ٹھیک ہو جائے گا۔" سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے تسلی دی۔ تیس منٹ کے بعد ڈاکٹر وارڈ سے باہر آئے۔

"ڈاکٹر صاحب۔۔۔ اب وجاہت کیسا ہے؟" فوراً وجاہت کی خیریت دریافت کی

"فکر مند ہونے کی کوئی بات نہیں۔۔۔ بس بخار تیز تھا، اس لئے نیم بے ہوشی طاری تھی۔ نیند کا انجکشن لگا دیا ہے۔ تھوڑی دیر میں ہوش آ جائے گا۔ آپ یہ میڈیسن لے آئیں اسٹور سے۔۔" ایک پرچی اسے تھمائی اور پیچھے کاؤنٹر کی طرف چل دیا

"کشف بیٹا! آپ علی کے ساتھ وجاہت کے پاس بیٹھو، میں ابھی اسٹور سے میڈیسن لاتا ہوں۔" علی کو گود سے اتارنا چاہا مگر وہ نہ اترا۔

"نہیں۔۔۔ میں نے آپ کے ساتھ جانا ہے" وہ روہانسا ہو کر گویا ہوا

"لیکن بیٹا۔۔۔" پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا مگر وہ نہ مانا۔

"بیٹا کشف۔۔۔ آپ رکو، میں علی کو ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔" کشف وارڈ میں جا کر وجاہت کے سرہانے بیٹھ گئی اور راحیل علی کو گود میں لئے اسٹور کی طرف بڑھا۔ اسٹور پر بہت رش تھا۔ علی راحیل کے کندھے پر اپنا سر رکھے ہوئے تھا۔ دھوپ کی تیزی گزرتے وقت کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ چمکیلی روشنی آنکھوں کو چبھ رہی تھی۔ ہاتھوں کی آڑ سے وہ دھوپ کو علی تک پہنچنے سے روک رہا تھا مگر وہ انگلیوں کے بیچ سے اپنا راستہ خود بنا رہی تھی۔

"کتنے پیسے؟" دوا لینے کے بعد اس نے پیسے پوچھے۔

"پانچ سو۔۔۔" آستین سے ماتھے پر موجود پسینہ کو پونچھتے ہوئے کاؤنٹر پر موجود ایک بیس سالہ لڑکے نے جواب دیا

"یہ لو۔" جیب سے ایک پانچ سو کا نوٹ نکالا۔ اور کاؤنٹر پر رکھ دیا۔

☆......☆......☆

میمونہ بیڈ کی ٹیک کے ساتھ پشت لگائے بیٹھی چھت کو گھور رہی تھی۔ اس کی نظروں کے سامنے کل والا منظر تھا۔ وہ بھابھی کی میڈیسن لینے ڈرائیور کے ساتھ میڈیکل سٹور پر گئی تھی۔ وہاں اس نے جو کچھ دیکھا، اسے یقین نہیں آیا۔ راحیل کی گود میں ایک بچہ تھا۔ وہ ایک باپ کی طرح اس کو لو سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ خود گرمی میں جل رہا تھا پر اس بچے پر چھاؤں کئے ہوئے تھا۔ ایک شفیق باپ کی طرح۔ صبح ایک بچی کی آواز تھی اور اب ایک بچہ اس کی گود میں تھا۔ شک یقین کی شکل اختیار کر رہا تھا۔ وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ شیطان نے وسوسے ڈالنا شروع کر دیئے۔ وہ آگے بڑھنے کی بجائے الٹے پاؤں گھر لوٹ آئی۔ آنکھیں قدرے پرنم تھیں۔ مگر کسی سے کچھ نہ کہا۔ شام کو جب وہ گھر آیا تو اس سے بات کرنا چاہی مگر حسب معمول وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ وہ راحیل سے اس بارے میں بات کر کے سب کچھ کلئیر کرنا چاہتی تھی۔ کسی شک کو اپنے دل میں جگہ نہیں دینا چاہتی تھی۔ انسان کو جب کسی پر شک ہو تو الزام لگانے سے پہلے ایک بار اس سے بات ضرور کر لینی چاہئے۔ ہو سکتا ہے جو آپ سمجھ رہے ہوں، ویسا کچھ نہ ہو۔ سب آپ کا وہم ہو۔ وہ بھی کچھ ایسا ہی چاہتی تھی۔ اپنے خیالات کو وہم سمجھ کر جھٹلانا چاہتی تھی۔

"راحیل۔ کہاں تھے تم آج سارا دن۔۔۔" اس نے استفسار کیا

"وہ دوست کے ساتھ تھا۔۔۔" اس کی آواز میں ہکلاہٹ تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اگر کوئی اور ہوتا تو شاید یقین کر لیتا مگر اس نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ کسی بچے کے ساتھ، گود میں لئے۔

"جھوٹ۔۔۔" اس نے اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے کہا

"کک کیا بول رہی ہو تم۔۔" اس نے اپنی ہکلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں بے رخی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ایک غم تھا جو چھپ نہ سکا تھا۔ اس کی آنکھوں کی بے چینی کو اس نے فوراً پڑھ لیا

Downloaded from https://paksociety.com

"میں کیا بول رہی ہوں۔۔۔شاید تم اچھی طرح جانتے ہو۔" اس نے گلی لپٹی باتیں کرنے کی بجائے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میمونہ۔۔۔میری جان۔۔" اس کے ہاتھوں کو تھام کر بیڈ پر بیٹھایا۔ وہ اس کا ڈر بخوبی جانتا تھا مگر سچ بتانے سے قاصر تھا۔ ابھی صحیح وقت نہیں آیا تھا۔ ابھی کئی منزلوں کو پار کرنا باقی تھا۔ اگر وہ ابھی سچ بتا دیتا تو شاید اس کا رشتہ جڑنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا۔

"میں جانتا ہوں کچھ دنوں سے میرا رویہ بہت عجیب تھا تمہارے ساتھ۔۔۔ بلکہ تمہارے ساتھ ہی نہیں، پورے گھر والوں کے ساتھ۔۔" اس نے ایک پل کے لیے توقف کیا۔ میمونہ کی نظریں راحیل کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی۔

"لیکن اس رویے کے پیچھے ایک بات ہے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر اپنی گفتگو کو جاری رکھنے کی کوشش کر رہا تھا

"بات؟ کون سی بات؟" اس نے مداخلت کی

"وہ میں ابھی نہیں بتا سکتا۔۔۔" راحیل نے مضبوطی سے میمونہ کے ہاتھوں کو تھام لیا

"ابھی نہیں بتا سکتے تو کب بتاؤ گے؟" اس کی آنکھوں میں خوف کی ایک لہر تھی، جسے راحیل بخوبی سمجھ سکتا تھا

"تمہیں اپنے راحیل پر بھروسہ نہیں ہے؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

"بھروسہ ہے مگر ایک ڈر ہے کہ کہیں وہ بھروسہ ٹوٹ نہ جائے۔" دل کا ڈر زبان پر آ ہی گیا

"تمہاری محبت کبھی اس بھروسے کو ٹوٹنے نہیں دے گی۔"

"اور تمہاری محبت؟" لفظ تمہارا اسے بہت عجیب لگا۔

"میں کل بھی تم سے محبت کرتا تھا اور آج بھی کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔" وہ اس کے ڈر کو کسی قدر سمجھ چکا تھا اور اسے دور کرنے کی اپنی تئیں سعی کر رہا تھا مگر ڈر تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ جب ڈر ایک بار دستک دے دے تو اسے دور کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اور یہ تو ڈر راحیل کو کھونے کا تھا پھر بھلا وہ کیسے اتنی جلدی سب کچھ مان لیتی۔

"راحیل۔۔۔ میں یقین کرنا چاہتی ہوں تمہارا مگر۔۔۔۔" وہ کچھ بتانا چاہتی تھی مگر زبان خاموش ہو گئی

"دیکھو میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔ اگر تم مجھے نہ ملے تو میں مر جاؤں گی۔۔" ایک پل توقف کے بعد کہا

"میمونہ۔۔ آئندہ یہ بات اپنی زبان پر بھی مت لانا۔" راحیل نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں نے آج تک صرف تمہیں اپنا ہمسفر مانا ہے۔ اگر تم نے مجھے بیچ راہ میں چھوڑ دیا تو میں واپس لوٹ نہ سکوں گی۔ میں نے واپسی کے سارے دروازے بند کر دیے ہیں۔ میری منزل صرف تم ہو۔ میرا راستہ بھی تم ہو۔ میں نہ تو اب منزل بدل سکتی ہوں اور نہ ہی اپنی منزل کو کسی اور کے ساتھ بانٹ سکتی ہوں۔" وہ بے لفظوں میں اپنے من کی بات بتا رہی تھی۔ وہ سب کچھ سمجھ جانے کے باوجود سا سوچ تھا۔ کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ وہ منزل کو کسی کے ساتھ بانٹنا نہیں چاہتی تھی مگر وہ اس منزل میں کسی اور کو شریک کر چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

"اے خدا! میں کیا کروں؟ سچ بتاؤں یا نہیں؟ تو ہی بتا۔۔۔ ایک طرف میری فیملی ہے تو دوسری طرف ایک وعدے سے جڑی تین زندگیاں، جن کا میرے سوا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ جن کا اب سب کچھ میری ذات سے وابستہ ہے۔ میں چاہ کر بھی انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا اور دوسری طرف میری فیملی۔۔۔ جو میرے اندر پیدا ہونے والی تبدیلیوں سے پریشان ہے۔ صبح ہوتے ہی کہاں چلا جاتا ہوں؟ سارا دن کہاں گزارتا ہوں؟ رات گئے گھر کیوں آتا ہوں؟ اے میرے پروردگار! کیا جواب دوں ان سب سوالوں کا میں؟ تو تو جانتا ہے میرے دل کی حالت کو۔ میں کس دور سے گزر رہا ہوں، تجھ سے بڑھ کر بھلا کون سمجھ سکتا ہے؟ نہ میں انہیں سچ بتا سکتا ہوں اور نہ ہی اندھیرے میں رکھ کر انہیں دکھی دیکھ سکتا ہوں۔ سچ بتاتا ہوں تو میمونہ بکھر جائے گی اور اگر سچ چھپاتا ہوں تو شک ہماری زندگی کو کاٹ کھائے گا۔ کیا کروں؟ کیا نہ کروں۔۔ تو ہی راستہ دکھا میرے

Downloaded from https://paksociety.com

مولا!۔۔۔“ اپنے رب کے حضور وہ آہ و زاری کر رہا تھا۔ آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ چاند کی مدہم روشنی پردے کی اوٹ سے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوائیں اس کی دعاؤں کو مزید عاجز بنا رہی تھیں۔ تہجد کا وقت ویسے ہی قبولیت کا وقت ہوتا ہے مگر جب دعا دل سے نکلے تو قبولیت کے امکان مزید بڑھ جاتے ہیں۔ وہ طلوع فجر تک آہ و زاری کرتا رہا۔ آج پہلی بار اس نے نماز تہجد ادا کی تھی۔ لوگ صحیح کہتے ہیں کہ انسان خوشی کے لمحوں میں اپنے رب کو بھول جاتا ہے اور جب دکھ کا سامنا ہوتا ہے تو لمبی چوڑی ریاضتیں لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے اسے پکارتا ہے۔ چلتے پھرتے اسی کا نام لیتا ہے۔ وہ بھی کچھ ایسا ہی کر رہا تھا لیکن اس کی دعائیں اپنی ذات سے وابستہ نہ تھیں۔ وہ اپنے سے جڑے رشتوں کے لئے دعائیں مانگ رہا تھا۔ اپنی ہونے والی شریک حیات کے لئے، جس کے دل میں شک نے اپنا بیج بو دیا تھا۔ جو ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ساتھ اس کو راحیل سے دور کر رہا تھا۔ وہ دعائیں مانگ رہا تھا تو ان یتیم بچوں کے لئے، جن کے سر پہ نہ تو ماں کا سایہ تھا اور نہ ہی باپ کا۔ مگر ایک بعد بے کا سایہ ضرور تھا اور وہ بعد وہ ماسا کی صورت میں ان کے پاس تھا۔ مگر اس ماسا کی زندگی خود کتنی جکڑی ہوئی تھی۔ اس کا اندازہ شاید وہ بچے نہیں لگا سکتے تھے اور نہ ہی راحیل ان سے اپنا دکھ بانٹنا چاہتا تھا۔ ایک باپ چاہے کتنی ہی مشکل میں ہو اسے چاہے کتنی ہی مصیبتوں نے آگھیرا ہو مگر جب وہ اپنے بچوں کے سامنے جاتا ہے تو اس کے لبوں پر ایک مسکراہٹ ہوتی ہے۔ جو اگرچہ مصنوعی ہو مگر بچوں کے لئے باعث راحت ہوتی ہے۔ راحیل بھی ان بچوں کو اپنا دکھ سنا کر انہیں مزید تکلیف نہیں دے سکتا تھا۔ مگر ایک جگہ تھی جہاں وہ اپنا دکھ بیان کر سکتا تھا۔ جہاں سے اس کے دکھوں کا مداوا ہو سکتا تھا اور وہ جگہ تھی رب کے سامنے۔

☆......☆......☆

ایک آدمی کئی دنوں سے بچوں پر نگاہیں لگائے ہوئے تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بچے اس گھر میں اکیلے رات بسر کرتے ہیں۔ اس کے ارادے کچھ ٹھیک نہیں لگتے تھے۔ راحیل کے جانے کے بعد وہ اکثر گھات لگائے بیٹھ جاتا۔ ایک دو بار اس نے دروازے پہ دستک دی مگر کسی نے دروازہ نہ کھولا۔

”بیٹا! کوئی آئے دروازہ مت کھولنا۔ اوکے۔۔۔“ راحیل دروازے کی طرف جاتے ہوئے ہمیشہ کی طرح نصیحت کر رہا تھا

”جی ماسا!“ مسکراتے چہرے کے ساتھ کشف نے جواب دیا

”اور ہاں! شاید مجھے صبح آنے میں دیر ہو جائے۔ اس لئے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ ٹھیک ہے۔“ وہ دروازہ کھول کر بجھت چلتا تھا۔ کشف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ راحیل کے جانے کے بعد کشف نے دروازہ لاک کیا۔ اور کمرے میں جا کر لیٹ گئی جہاں علی اور وجاہت سو رہے تھے۔

صبح سات بجے ہی دروازہ کھٹکایا گیا۔ کشف ابھی تک سو رہی تھی جبکہ علی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا کھیل رہا تھا۔ دستک کی آواز سنتے ہی علی دروازے کی طرف یہ کہتے ہوئے لپکا

”ماسا آگئے۔۔۔“ اس نے بنا پوچھے دروازہ کھولا تو سامنے کوئی اور آدمی تھا۔ یہ وہی تھا جو اکثر ان کے گھر کے چکر لگاتا تھا۔ رات اس نے راحیل کی بات سن لی تھی کہ وہ صبح دیر سے آئے گا چنانچہ اسی بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے صبح ہوتے ہی دروازے پہ دستک دی۔

☆......☆......☆

”اے خدا! کہاں ڈھونڈوں علی کو۔۔۔“ وہ پچھلے تین گھنٹے سے علی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ پورا فلیٹ چھان مارا مگر علی نہ ملا۔ دھوپ کا یہ عالم تھا کہ اڑتے پرندے نیچے گر رہے تھے۔ جوتے بھی جل کر خاک ہو رہے تھے۔ لوگ سایہ دار جگہوں کی تلاش میں تھے مگر اسے کوئی پرواہ نہ تھی۔ اس کی شرٹ پسینے سے شرابور تھی۔ سیاہ شرٹ میں سے سفید بنیان واضح نظر آ رہی تھی۔ آنکھیں چندھیائی ہوئی تھیں مگر وہ مسلسل علی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ صبح کشف نے روتے ہوئے اسے علی کی گمشدگی کی اطلاع دی تو وہ ناشتہ ادھورا چھوڑ کر بھاگتا ہوا ان کے پاس آ گیا۔ کشف کا رو رو کر برا حال تھا۔ ماں باپ کو گزرے ابھی مہینہ ہی ہوا تھا اور

Downloaded from https://paksociety.com

اب بھائی کا صدمہ ایک ننھی جان کے لئے قیامت صغریٰ کے مترادف تھا۔ کشف کو حوصلہ دے کر وہ کڑی دھوپ میں علی کو ڈھونڈنے نکل کھڑا ہوا۔ مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ صرف مایوسی کا سامنا ہوا۔

☆......☆......☆

''اب تو حد کر دی راحیل نے۔۔۔ ہم کچھ کہتے نہیں، اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ جو دل میں آئے وہ کرتا پھرے۔'' وسیم راحیل سے بہت خفا تھے اور ان کا یوں خفا ہونا حق بجانب تھا۔ وہ پچھلے دو دن سے گھر نہیں آیا تھا

''پہلے تو صرف سارا سارا دن گھر سے باہر رہتا تھا اور اب دو دن ہو گئے جناب کو۔۔۔'' وہ انتہائی غصے میں تھے۔

''اس نے کہا تو ہے کہ اس کے دوست کی طبیعت بہت خراب ہے۔'' شاہدہ نے ہمیشہ کی طرح اپنے بیٹے کی طرف داری کی

''لیکن بھابھی۔۔ اتنی بھی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔ میں سمجھ سکتا ہوں اس کا اپنے دوست کے ساتھ ہونا ضروری ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اسے اپنی فیملی کو بھی تو ٹائم دینا چاہئے۔'' شہریار نے کہا

''میں یہ بات آپ کو بتانا تو نہیں چاہتا تھا مگر حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مجھے اب ایسا لگ رہا ہے کہ وہ بات بتا دینی چاہئے آپ کو۔۔'' مبارک نے بھی گفتگو میں حصہ ڈالا

''کون سی بات؟'' وسیم کے چہرے پر غصے کی وجہ سے جھریاں پڑ گئیں

''کل میں نے اسے سڑکوں پر بھاگتے ہوئے دیکھا۔ وہ پاگلوں کی طرح بھاگ رہا تھا اور مسلسل ایک نام لے رہا تھا۔۔ کیا نام تھا؟؟؟۔۔۔ ہاں علی۔۔۔ میں نے اسے روکنا چاہا مگر میرے وہاں تک جانے سے پہلے ہی وہ کہیں غائب ہو گیا اور جب میں نے اسے فون کیا تو اس نے بتایا کہ وہ اس وقت اسپتال میں ہے لیکن میں نے اسے سڑک پر دیکھا تھا۔۔''

''دیکھ لی اپنے بیٹے کی کرتوتیں۔۔۔'' وسیم نے غصے میں شاہدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ سنتے ہی میمونہ پر ایک غفلت طاری ہو گئی۔

''پہلے بچی کی آواز۔۔۔ پھر وہ بچے۔۔۔ اور اب علی۔۔۔ کون ہیں وہ بچے؟'' اس کے ذہن میں سوال ٹھاٹھیں مارنے لگے اور موجوں کی طرح دل کے ساحل کے ساتھ ٹکرانے لگے مگر ہر چوٹ پہلے سے زیادہ گھائل کر دیتی اور جواب ہمیشہ کی طرح کسی انجان گھاٹی میں منوں مٹی تلے دبے معلوم ہوتے۔

''ان سب کا بس ایک ہی حل ہے۔۔۔'' دس منٹ تک سب کو ایک خاموشی نے گھیرے رکھا۔ آخر وسیم نے ہی اس سکوت کو توڑا۔ سب کی نظریں سوالیہ تھیں

''کیا؟'' شاہدہ نے استفسار کیا

''ہم جلد سے جلد اس کی شادی کر دیں۔۔'' شاید ان کے دل میں بھی وہی شک پیدا ہو چکا تھا جو اس وقت میمونہ کے دل میں تھا مگر انہوں نے کسی پر اپنا ڈر عیاں نہ کیا۔

''شادی۔۔۔۔'' شہریار نے چونک کر کہا

''ہاں شادی۔۔۔ شہریار۔۔!'' اب وہ اپنے چھوٹے بھائی کی طرف متوجہ ہوئے تھے

''اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو ہم دو دن بعد نکاح کی تقریب رکھ لیں۔ ہو سکتا ہے نکاح کے بعد راحیل سدھر جائے۔''

''لیکن بھائی۔۔ اتنی جلدی۔۔'' شہریار اس صورت حال کے لئے تیار نہ تھے

''دیکھو شہریار میں نے پہلے ہی کہا ہے کہ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو۔۔ لیکن اگر تمہیں۔۔''

''نہیں نہیں۔۔۔'' انہوں نے مداخلت کی

''بھائی صاحب۔ بھلا ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ ہم تیار ہیں۔'' سعیدہ جو کافی دیر سے خاموش بیٹھی تھی۔ فوراً گویا ہوئی

Downloaded from https://paksociety.com

"ٹھیک ہے جمعہ کا دن طے پایا۔" سب کو خوش ہونا چاہیے تھا مگر سب کے چہرے پر ایک تاسف تھا۔ شاید وہ آنے والے طوفان کی آہٹ محسوس کر رہے تھے۔

☆......☆......☆

"تم نے اچھا نہیں کیا راحیل۔۔ ہم نے تم سے بس ایک وعدہ لیا تھا اور تم نے وہی وعدہ پورا نہیں کیا؟؟ یہ تم نے اچھا نہیں کیا" ہر سو اندھیرا تھا مگر ایک شناسا سا آواز اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ وہ مسلسل بھاگ رہا تھا اور روشنی کی تلاش میں تھا مگر روشنی کہیں کھو گئی تھی

"اگر تم وعدہ پورا نہیں کر سکتے تھے تو کہہ دیتے مگر نہیں دھوکا تو دینا ہی تھا۔" اندھیرے میں ایک چہرہ نظر آیا۔ وہ اسے پہچاننے کی سعی کر رہا تھا۔ وہ انعم کا چہرہ تھا

"آج تمہاری وجہ سے میرا علی مجھ سے دور ہو گیا۔ صرف تمہاری وجہ سے۔" انعم گویا ہوئی

"تم نے تو کہا تھا کہ تم ہمارے بچوں کو اپناؤ گے، ان کا خیال رکھو گے مگر تم نے انہیں اپنی شناخت دینے سے ہی انکار کر دیا۔ انہیں ایک اندھیرے فلیٹ میں بند کر کے رکھ دیا اور آج تمہاری وجہ سے میرا علی پتا نہیں کہاں ہوگا۔" اسد اس کے پاس آیا۔ اس کے چہرے پر چمکتی روشنی راحیل کی آنکھوں کو جھکنے پر مجبور کر رہی تھی

"مجھے معاف کر دو۔۔ خدا کے لیے اسد۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔" اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ وہ واقعی شرمندہ تھا۔

"معافی؟ اب معافی کیوں مانگ رہے ہو؟ تم تو اپنی نئی دنیا آباد کرنے جا رہے ہو۔ جہاں تم ہو گے اور تمہاری بیوی۔۔ مگر میرے بچے وہ کہاں گئے؟ ان کے لئے کیسے وقت نکالو گے؟ کتنا جھوٹ بولو گے۔؟؟" وہ دونوں اس کے بالکل قریب تھے۔

"میں۔۔۔ ان۔۔ کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔۔ یقین مانو اسد۔۔ میں شادی کے بعد بھی ان کے ساتھ رہوں گا۔۔"

اس کا در والفاظ کا روپ دھار چکے تھے۔

"بالکل ویسے ہی جیسے اب تک خیال رکھا۔ سارا دن تو بچوں کے نام کر دیا مگر رات اپنی فیملی کے نام۔۔ بچوں کو سنبھالنا کوئی کام نہیں ہوتا جو صبح سے شام تک کر لیا جائے بس۔۔ بلکہ ایک ایک گھڑی ان کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ ان پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ ان کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ خاص طور پر رات کو۔۔۔ تم جانتے ہو راحیل میرے بچوں کو اندھیرے سے بہت ڈر لگتا تھا مگر تمہاری وجہ سے انہوں نے اندھیرے سے دوستی کر لی۔ کہیں ایسا نہ ہو یہ اندھیرا ان کی زندگی کا حصہ بن جائے۔۔" انعم گویا ہوئی

"نہیں۔۔۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔۔ میں کبھی ان بچوں کو اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ وہ صرف تمہارے ہی نہیں بلکہ میرے بھی بچے ہیں۔ وہ مجھے اپنا ماما مانتے ہیں۔ اور ماما کا مطلب تو ماں سا ہوتا ہے ناں۔ پھر بھلا ایک ماں اپنے بچوں کو کیسے اکیلا چھوڑ سکتی ہے؟ وہ میری زندگی کا حصہ بن چکے ہیں اور اب میں ان سے چاہ کر بھی جدا نہیں ہو سکتا اور جہاں تک اس کا بات تعلق ہے کہ میں نے انہیں دنیا سے چھپایا تو میں وعدہ کرتا ہوں اب میں کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ سب کو سچ بتا دوں گا۔ اگر مجھے دنیا اور بچوں میں سے کسی ایک کو چننا پڑے تو میں بچوں کو چنوں گا۔" وہ آنکھیں بند کیے کہتا چلا جا رہا تھا۔ اچانک فون کی رنگ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ اس کے شانوں پر کشف سر ٹکائے سوئی ہوئی تھی۔ وجاہت اس کی گود میں تھا۔ اس نے پیار سے وجاہت کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"میں تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا اب۔۔۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ ایک بار پھر فون کی رنگ ہوئی

"تمہارا بیٹا اس وقت میرے قبضے میں ہے۔ اگر اس کی سلامتی چاہتے ہو تو دس لاکھ لے کر پرانی منڈی کے پیچھے کھنڈرات میں آج شام سات بجے آ جانا اور پولیس کو ساتھ لانے کی کوشش ہرگز مت کرنا ورنہ تم جانتے ہو۔۔۔" اس سے

Downloaded from https://paksociety.com

پہلے کہ وہ کچھ بول پاتا یہ جملے کہتے ہی دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ اس بات سے یہ تو واضح ہو گیا کہ علی زندہ تھا۔ بس اب دس لاکھ کا انتظام کرنا تھا۔ مگر کیسے؟ گھر والوں سے مانگتا تو وہ وجہ پوچھتے اور وجہ ابھی بتائی بھی نہیں جا سکتی تھی۔ شام تک سوچ و بچار کرتا رہا۔ اور آخر اسے سمجھ میں آ گیا کہ اسے پیسوں کا انتظام کیسے کرنا ہے۔

شام کو وہ بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا تو اسے بیگ کو ایک کونے میں پھینک دینے کو کہا گیا۔ اس نے بالکل ویسا ہی کیا۔ اور گھنڈرات سے باہر آ گیا۔ وہاں علی بے ہوش پڑا تھا۔

"علی۔۔۔" اس نے بھاگ کر علی کو گود میں اٹھایا۔ اسے بوسے دیئے۔ آنکھیں پرنم تھیں۔ وہ اسے اٹھا کر گھر لے آیا۔ کشف اور وجاہت بھی خوش تھے۔ علی کو بھی ہوش آ چکا تھا۔ تینوں راحیل کے ساتھ لپٹ گئے۔

"اب ہمیں اکیلا مت چھوڑیے گا ماما۔" علی کی آنکھوں میں نمی تھی

"نہیں میری جان۔۔۔ اب تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔" وہ اس کے بالوں کو سہلا رہا تھا۔ وہ جان چکا تھا کہ اب اسے کیا کرنا ہے؟

☆.....☆.....☆

مہمان جمع ہو چکے تھے۔ گھڑی نے رات کے دس بجا دیئے تھے مگر منگنی والی شب کی طرح آج بھی راحیل گھر نہیں پہنچا تھا۔ سب کے چہروں پر پریشانی عیاں تھی۔ مہمان بھی آپس میں چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔ میمونہ دو گھنٹے سے دلہن کے لباس میں اپنے ساجن کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر شرم و حیا کے لباس کی بجائے ڈر کا لبادہ تھا۔ وہ آنے والے طوفان کو محسوس کر سکتی تھی۔ موجیں تیزی کے ساتھ ساحل سے ٹکرا رہی تھیں۔ ایک کار کے رکنے کی آواز آئی۔ اس کی آنکھیں سامنے دروازے پر مرکوز ہو گئیں۔ سب کے چہروں پر ایک آس تھی۔ مگر آنے والے لمحے سے سب بے خبر تھے۔ انہوں نے راحیل کو فون پر بتا دیا تھا کہ آج اس کا نکاح ہے اور اس نے بھی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ وہ بخوشی نکاح کے لئے تیار تھا۔ قدموں کی آہٹ دہلیز تک آ گئی۔ سب اس آنے والے کی طرف متوجہ تھے مگر آنے والا اکیلا نہیں تھا اس کی گود میں ایک بچہ تھا جو اس کے شانوں کو سرہانے بنائے ہوئے تھا۔ دو بچے اس کی انگلی پکڑے ہوئے تھے۔ وہ دہلیز کے باہر کھڑا ہو گیا۔ اندر داخل ہونے کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ سب دہلیز پر جمع ہو گئے۔ وسیم سب سے آگے تھا۔

"کیا ہے یہ سب کچھ؟" وسیم کی گرج دار آواز گونجی

"بچے ہیں یہ۔۔۔" اس نے نگاہیں سامنے صوفے پر مرکوز رکھیں۔ وہ کسی کی بھی نگاہوں کی تابناکی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

"یہ تو ہمیں بھی نظر آ رہا ہے مگر کس کے ہیں یہ بچے؟" ایک بار پھر گرج دار آواز فضا کو چیرتی ہوئی اس کی سماعت کا حصہ بنی۔ ہر شے پر سکوت طاری ہو گیا۔ اپنا لہجہ سمیٹتے ہوئے وہ بھی دہلیز پر آ موجود ہوئی۔ وہ بھی راحیل کا جواب جاننا چاہتی تھی۔ آخر راحیل کا ان بچوں سے کیا رشتہ ہے؟ وہ کیوں سب رشتوں سے بڑھ کر ان بچوں کو فوقیت دے رہا ہے؟

"میرے۔۔۔" اس نے سچ ہی کہا تھا۔ وہ انہیں اپنا ہی وجود سمجھتا تھا۔ اپنی روح کا حصہ سمجھتا تھا۔ اس میں جھوٹ کا عنصر شامل نہ تھا۔ ایک انسان جب کسی کے ساتھ روح کا رشتہ قائم کر لے تو وہ اس کے جسم کا حصہ بن جاتا ہے۔

"بکواس۔۔۔" ایک زوردار طمانچہ وسیم نے راحیل کے رخسار پر پیوست کیا۔ سب کے چہرے استعجابیہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ راحیل جھوٹ بول رہا ہے مگر ایسا کیوں کر رہا ہے؟ سب وجہ جاننا چاہتے تھے۔

"راحیل۔۔۔ تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟" شاہدہ نے اس کے چہرے پر ممتا کے ہاتھ پھیرے

"ماں۔۔۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔۔۔" اس نے آنکھیں پھیرتے ہوئے جواب دیا مگر وہ جانتی تھیں کہ یہ سب کچھ سچ نہیں مگر جو حالات سامنے تھے ان سے انکار بھی تو نہیں کیا جا سکتا تھا

"اور یہ۔۔۔" وسیم نے میمونہ کی طرف اشارہ کیا جو اپنی آنکھوں کو کوس رہی تھی۔ اپنی قسمت کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

''اس لڑکی کا کیا قصور ہے جو تمہاری آس لئے بیٹھی تھی۔۔'' اس کے لبوں پر مہر خاموشی تھی۔

''میں اپنی بات سے مکر نہیں ہوا۔ میں نکاح کے لئے تیار ہوں۔'' اس نے پہلی بار نظریں ملائیں تھی۔ آنکھوں میں صداقت تھی۔

''بس۔۔شٹ اپ۔۔۔تم نے سوچ بھی کیسے لیا تمہاری اس حرکت کے بعد وہ تم سے شادی کر لے گی۔۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔۔'' شہریار بھی اب غصے میں آ گئے۔ وہ بھلا اپنی بیٹی کو کسی ایسے کے ہاتھوں میں کیسے تھما سکتے تھے جو نکاح کے دن سے ہی اس کے وجود پر بجلی برسانا شروع ہو گیا ہو۔

''چاچو۔۔میرا یقین جانیں میں۔۔۔'' اس نے دہلیز پار کرنا چاہی مگر وسیم نے وہیں روک دیا

''خبردار! اگر تم نے ان بچوں کے ساتھ دہلیز پار کی۔۔۔ اس گھر میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں۔۔'' وہ طیش میں آ گئے

''مگر۔۔'' وہ اپنی بات مکمل نہیں کر پایا

''مگر وگر کچھ نہیں۔۔۔ اس دہلیز کو تم اسی وقت ہی پار کر سکتے ہو جب انہیں اس دہلیز کے پار چھوڑ کر آؤ گے۔۔'' انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا

''ماما!۔۔'' علی ان سب باتوں سے سہم چکا تھا۔ اس نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا

''نہیں بیٹا!۔۔۔'' اس نے شفقت کا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔ لفظ ''ماما'' بچے کی زبان سے سن کر سب کے غصے میں مزید اضافہ ہو گیا۔ میمونہ یک ٹک اس کے چہرے کو تک رہی تھی

''میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا۔۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا

''ٹھیک ہے تو پھر ہمیں چھوڑ دو۔۔۔'' وسیم نے آخری فیصلہ سنایا اور دروازہ بند کرنا چاہا تو راحیل کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے

''نہیں ابو۔۔ آپ ایسا نہیں کر سکتے پلیز۔۔'' وہ دروازہ کھلا رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا

''پلیز ابو۔۔۔ ان کا میرے سوا کوئی نہیں ہے۔۔۔'' آنسو بہہ رہے تھے

''لیکن شاید تمہارے پاس ان رشتوں کے علاوہ بھی بہت سے رشتے ہیں۔'' وسیم نے دو ٹوک کہا

''ابو۔۔۔ پلیز۔۔۔ ایک بار میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔۔'' مگر وہ دروازہ بند کر چکے تھے۔ وہ دہلیز پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ آنکھیں شبنم برسا رہی تھیں۔ بچے سہمے ہوئے اس کے پاس کھڑے تھے۔ وجاہت کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے اپنے ننھے ہاتھوں سے راحیل کے آنسو پونچھے۔ وہ اس کے ننھے ہاتھوں کو تھام کر سسکیاں بھرنے لگا۔ سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ بچوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی اکیلا ہو گیا۔

''پلیز۔۔۔ ایک بار۔۔۔ میری بات۔۔۔ سنیں۔۔۔ خدا کے لئے ابو۔۔ امی۔۔۔ میری بات تو سنیں۔۔۔'' وہ رو رہا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ مگر دروازہ نہ کھلا۔

''ماما! آپ مت روئیں۔۔۔'' علی نے راحیل کے آنسو صاف کئے۔ مگر آنسو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ ٹپ ٹپ گرتے ہی جا رہے تھے۔ تھمتے بھی تو کیسے؟ جب کوئی اپنا آپ سے ہر رشتہ توڑ لے تو آنکھوں کا بہہ جانا تو بنتا ہے۔

''بیٹوں'' اس نے علی کو گلے لگایا۔ اس کے رونے کی آواز اندر جا رہی تھی مگر کسی کو اس کے آنسو پونچھنے کی توفیق نہ ہوئی۔ صرف وہی بے بس نہیں ہوا تھا۔ دوسروں کو بھی تکلیف پہنچی تھی۔ شاید وہ تکلیف اس کی تکلیف سے زیادہ گہری تھی۔ ماں باپ ہر تکلیف برداشت کر سکتے ہیں مگر اولاد کی طرف سے دیا گیا دھوکا برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ دھوکا انہیں اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے۔ میمونہ۔۔۔ اس کی تو زندگی بسنے سے پہلے ہی اجڑ گئی۔ جس کے ساتھ زندگی گزارنے کے سپنے دیکھے تھے وہی اس کے سپنوں کو توڑ کر چلا گیا۔ ایک بار مڑ کر تو دیکھ لیتا اس کے چہرے کی طرف۔۔ مگر اس نے نہیں دیکھا ہر کوئی صدمے میں تھا۔ سب نے ہی کچھ نہ کچھ کھویا تھا۔ کسی نے اپنے بیٹے کو، کسی نے اپنے ساجن کو، کسی نے اپنی فیملی کو۔ کھویا تو بچوں نے بھی

Downloaded from https://paksociety.com

بہت کچھ تھا لیکن وہ تو اسی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اسی کمی کو پورا کرنے کی خاطر خود ادھورا رہ گیا۔ اپنا سب کچھ گنوا دیا۔

☆.....☆.....☆

''وجاہت۔۔۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔۔۔ اسکول نہیں جانا تمہیں؟ تمہاری وجہ سے علی کو بھی دیر ہو رہی ہے۔'' وجاہت گھوڑے بیچ کے سو رہا تھا۔ علی نہا کر اپنے کپڑے پریس کر رہا تھا۔ کشف ناشتا بنانے میں راحیل کی مدد کر رہی تھی۔ اس نے چائے کو کپوں میں انڈیلا اور شاپر سے بسکٹ نکال کر پلیٹ میں رکھے

''الماری میں فروٹ کیک بھی ہیں۔۔۔ وہ بھی نکال لینا۔۔'' راحیل نے برتن سمیٹتے ہوئے کشف کو کہا

''جی ماما۔۔!'' الماری کی طرف بڑھ کر شاپر اٹھایا اور فروٹ کیک پلیٹ میں رکھ دیے۔

''وجاہت؟؟؟ تمہیں سنائی دیا یا نہیں؟'' ایک بار پھر راحیل نے آواز دی۔

''ماما۔۔۔ اس نے نہیں جانا، آپ اس طرح کرو، اس کا فروٹ کیک بھی مجھے دے دو۔ سو تا رہنے دو اسے بھوکا۔۔ جب پیٹ میں چوہے دوڑیں گے ناں، تب پتا چلے گا'' علی نے چوٹ لگائی۔ وہ تو ویسے بھی وجاہت سے بحث کرنے کے بہانے ڈھونڈتا تھا

''خبردار! اگر میرے فروٹ کیک کو ہاتھ بھی لگایا۔۔ تمہارے ہاتھ ہیں ناں۔۔۔ ان کو سینڈوچ میں رکھ کر کھا جاؤں گا'' وجاہت جو سونے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ فوراً چھلانگ لگائی۔ لحاف کو زمین پر دے مارا اور بھاگتا ہوا نائٹ سوٹ میں ہی کچن میں آ موجود ہوا۔

''چلو۔۔ واپس۔۔۔ جا کر نہا دھو کر آؤ۔۔'' کشف نے فوراً اپنے بڑے ہونے کا حق ادا کیا اور ایک نصیحت فری میں نچھاور کی

''آپی۔۔۔ آپ تو بس نصیحتیں ہی کرتے رہنا۔۔۔ بس۔۔'' اس نے ناک منہ چڑھا کر کہا اور واش روم میں گھس گیا

''اوئے کھاؤ۔۔۔ اپنا یونیفارم تو لیتا جا۔۔!'' دروازہ کھول کر علی نے اس کا یونیفارم پکڑایا۔ وہ اگرچہ اس سے بحث کے بہانے ڈھونڈتا تھا مگر فکر بھی انتہا کی کرتا تھا۔ آخر اب انہی کی وجہ سے تو گھر میں رونق رہتی تھی۔

''زیادہ جلدی مت مچانا۔۔ آرام و سکون سے نہانا۔۔۔ ابھی صرف سات بجے ہیں۔۔ سکول کا ٹائم ساڑھے آٹھ کا ہے۔ کل رات میسج آیا تھا تمہاری پرنسپل کا، ٹائمنگ چینج ہو گئی ہے۔'' راحیل اب ناشتا اٹھا کر ٹیبل پر رکھ چکا تھا۔

''وحشت میری کی۔۔۔ ماما آپ کو پہلے بتانا چاہیے تھا ناں۔۔ سکون سے ایک آدھ گھنٹہ سو ہی لیتا۔۔'' علی جو پہلے پھرتی سے اپنے جوتے پالش کرنے میں مصروف تھا۔ یہ خبر سنتے ہی سستی کا شکار ہو گیا اور جوتے چھوڑ کر بیڈ پر لیٹ گیا

''میں نے ہی منع کیا تھا ماما کو۔۔۔ میں تمہاری ایک ایک رگ سے واقف ہوں۔۔ اگر پہلے بتا دیا ہوتا تو جناب ابھی تک بیڈ ہی توڑ رہے ہوتے۔۔'' کشف بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔

''آپی آپ تو بس ہمارے آرام کی دشمن ہی رہنا۔ ماما کتنے اچھے ہیں ہمیں کچھ نہیں کہتے مگر آپ تو بس۔۔'' وہ اسے کوسنے لگا

''اور تم دونوں ماما کے پیار کا فائدہ اٹھاتے ہو ناں۔۔۔ مجھے اچھی طرح خبر ہے اسی لیے میں تمہیں کس کر رکھتی ہوں۔۔'' اس نے فرضی کالر کھڑے کیے۔

''اب باتیں بند کرو اور آ کر ناشتہ کر لو ورنہ پھر سے جھگڑا شروع کر دو گے کہ میرے فروٹ کیک کس نے ختم کیے۔'' راحیل نے ہنستے ہوئے دونوں کی بحث کو ختم کروایا۔ علی ہاتھ دھو کر ٹیبل کے پاس آیا تو دروازے پر بیل ہوئی۔

''اتنی صبح صبح کون ہے بھلا؟'' راحیل نے زیر لب کہا

''میں دیکھتا ہوں ماما۔'' علی نے دروازہ کھولنا چاہا

Downloaded from https://paksociety.com

''تم بیٹھ کر آرام سے ناشتہ کرو۔۔۔ میں جا کر دیکھتا ہوں۔'' اسے پکڑ کر چیئر پر بٹھایا اور خود دروازے کی طرف جانے لگا۔ ارادے میں ناکامی پر کشف نے علی کو منہ چڑھایا۔ جواباً علی نے بھی قرض چکا دیا۔

دروازہ کھلا تو ماضی نے ایک بار پھر دستک دی۔ وہ اگرچہ بھولا نہیں تھا مگر بھولنے کی کوشش ضرور کر رہا تھا مگر آج اس کا چہرہ دیکھ کر پانچ سال کی محنت پر جیسے پانی پھر گیا۔ پانچ سال پہلے کی باتیں ایک بار پھر اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ اس نے کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کبھی اس کے سامنے آئے گی۔

''تم???'' اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئیں۔

''اب اندر آنے کا بھی نہیں کہو گے۔۔'' اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ سبز لباس میں ملبوس وہ آج بھی ویسے ہی حسین لگ رہی تھی جیسے پانچ سال پہلے۔ بس فرق صرف اتنا تھا کہ پانچ سال پہلے ایک رشتہ ان دونوں کو جوڑتا تھا مگر آج کوئی رشتہ ہی نہیں تھا۔

''ہاں۔۔ آؤ۔۔۔'' وہ ابھی تک سنبھل نہیں پایا تھا۔ وہ اس کے گھر پر کیسے آ سکتی تھی!؟ اسے تو اس کے گھر کا ایڈریس بھی نہیں معلوم تھا۔ پھر وہ یہاں کیسے۔۔!!؟ بچوں کی چھیڑ چھاڑ کی آوازیں ڈائننگ روم سے باہر آ رہی تھی۔

''تم آج بھی انہی بچوں کے ساتھ ہو؟'' اس نے تصدیق کرنا چاہی تو راحیل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ ابھی بھی اس کے آنے کا مقصد نہیں سمجھ پایا تھا

''اتنے حواس باختہ کیوں ہو رہے ہو۔۔؟؟ یہ میں ہی ہوں۔۔۔ تمہاری میمونہ۔۔'' اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا

''مگر۔۔۔ تم یہاں۔۔۔؟؟'' وہ ہکلا رہا تھا

''کیوں نہیں آ سکتی کیا؟'' اس نے کھڑے ہو کر اس کے قریب آنا چاہا تو وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پایا

''فاصلے سے بات کرو ذرا۔'' اس نے اپنے قریب آتے دیکھ کر میمونہ کو ٹوک دیا

''پہلے تو تم میرے پاس آنا چاہتے تھے اور اب جب میں تمہارے پاس آ رہی ہوں تو مجھے دور کر رہے ہو۔۔'' اس نے اس کی ایک نہ سنی اور اس کے ہاتھوں کو تھام کر کہا

''پہلے کی بات اور تھی۔۔ اب وقت بدل چکا ہے۔'' وقت واقعی بدل چکا تھا۔ وہ خود بھی بدل چکا تھا۔ اس دن گھر سے نکل جانے پر وہ اسد اور ناظم کے فلیٹ پر آیا اور وہیں رہنے لگا۔ مگر وہ وہاں ہمیشہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس گھر سے کئی یادیں وابستہ تھیں، جنہیں بچے بھولا نہیں پا رہے تھے۔ اس نے گھر تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ ایک نئی زندگی کو شروع کیا جا سکے۔ شروع میں کافی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جاب کے ساتھ ساتھ بچوں کی پرورش کرنا واقعی ایک مشکل کام تھا مگر اس نے ہار نہ مانی۔ اس نے بچوں کی خاطر اپنے دن رات ایک کر دیئے۔ اپنے غم بھول کر بچوں کی پرورش کی۔ ان کے غم دور کیے۔ ان کو ایک نئی زندگی دی۔ ان کو اتنی خوشیاں دی کہ وہ خود بھی اپنا ماضی بھولنے لگا تھا۔ ایک چھوٹی سی دنیا آباد ہو گئی۔ ایک ایسی دنیا جہاں خوشیاں تھی۔ سکون تھا۔

''سچ کہا وقت بدل گیا ہے مگر تم جانتے ہو اس بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ بہت کچھ بدل چکا ہے۔۔'' وہ اب سنجیدہ تھی اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر صوفے پر جا بیٹھی

''تمہارے جانے کے بعد ہم سب بکھر گئے۔ میں پارہ پارہ ہو گئی۔ سب نے سمیٹنے کی کوشش کی مگر میں کیسے سنبھل سکتی تھی۔ میری آنکھوں کے سامنے میرا ہونے والا شوہر مجھے چھوڑ کر کسی دوسرے کے بچوں کو اپنا کہہ رہا تھا۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اگر تم آج بھی اس بات سے خفا ہو تو میں تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں۔ میرا ارادہ تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ اور نہ ہی میں تمہیں دھوکے میں رکھ کر شادی کر سکتا تھا اور۔۔'' وہ دیکھا تو بچوں کو ایک قطار میں کھڑے پایا۔ وہ سب ان کی باتیں سن چکے تھے۔ سب خاموش تھے۔ انہیں ایسا لگا کہ آج پھر سے وہ اپنے بابا کو کھو دیں گے۔ راحیل نے آگے بڑھ کر بچوں کو اپنے

Downloaded from https://paksociety.com

پاس بلایا۔ تینوں بچے اس کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ سب اس کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔ ایک ڈر تھا کہ کہیں آج وہ اکیلے نہ ہو جائیں۔ وہ سب گھورتے ہوئے میمونہ کو دیکھ رہے تھے۔ وجاہت کی نظروں میں تو ناپسندیدگی حد سے زیادہ تھی۔ وہ سب سے چھوٹا تھا مگر سب سے زیادہ وہ راحیل کو چاہتا تھا۔ وہ کسی کو بھی اپنے پاپا پر حق جتانے نہیں دے سکتا تھا۔

''تم دیکھ رہی ہو ان بچوں کو۔۔۔ یہ میری دنیا ہیں۔ میری زندگی ہیں اور میری روح ہیں۔ اب میرا ان کے بنا کوئی وجود نہیں۔ میری صبح ان سے شروع ہوتی ہے اور ان پر ختم ہوتی ہے۔ ہر شام جب تک میں ان کی پیشانی کو بوسہ نہ کر لوں، نیند مجھ سے خفا رہتی ہے۔ جب تک یہ آنکھیں ان کو دن میں ایک بار نہ دیکھ لیں۔ عجیب عجیب سا لگتا ہے۔ میں ان کے بنا ادھورا ہوں اور یہ میرے بنا۔'' وہ حقیقت سے آشنا کر رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں۔۔۔'' یہ باتیں سن کر وہ ہلکی سی مسکرا دی۔ اس کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ یہ سب کچھ پہلے سے ہی جانتی ہے۔

''مطلب؟'' راحیل نے استفسار کیا تو میمونہ چہرے پر بہار لئے اس کی طرف بڑھی۔

''مطلب یہ کہ۔۔۔ تمہارے جانے کے بعد میں نے بہت سوچا اور آخر میں اس فیصلہ پر پہنچی کہ مجھے تم سے شادی تو کیا تمہارا چہرہ بھی نہیں دیکھنا مگر جانتے ہو میں اس فیصلہ پر زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ تم جانتے ہو ایسا کیوں ہوا تھا۔۔۔؟ کیونکہ میں تم سے محبت کرتی تھی۔ محبت چاہے آپ کو کتنا ہی بڑا دھوکہ دے لیکن آپ پھر بھی اس سے ملنے کی امید رکھتے ہیں۔ میرا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ میں نے انگلینڈ سے تمہارے بارے میں کچھ معلومات اکٹھی کیں۔ ان بچوں کے ریلیٹڈ معلومات اکٹھی کیں تو مجھے یہ جان کر بہت حیرانی ہوئی کہ تم صرف ایک وعدے کی خاطر ان کے ساتھ ہو۔ جب میں نے یہ سنا تو تم جانتے ہو میرے دل میں جو محبت تمہارے لئے تھی، مزید بڑھ گئی۔ بلکہ محبت کے ساتھ ساتھ میرا مان بھی بڑھ گیا اور اسی وقت میں نے تمہاری تلاش شروع کر دی مگر تمہاری کوئی خبر نہ تھی۔ آج بھی بڑی مشکل سے تمہارا پتا ملا تھا۔ اور تم جانتے ہو اب گھر والوں کو ہمارے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔۔۔'' یہ بات واقعی خوشی کی تھی مگر راحیل کے چہرے پر کسی تاثر نے جنم نہیں لیا۔ شاید وہ جانتا تھا کہ ایک دن ایسا ضرور ہوگا اور وہ اس دن کے لئے تیار بھی تھا

''مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے میرے اور میری فیملی کے درمیان غلط فہمی کو ختم کر دیا مگر مجھے معاف کر دو میں اب تم سے شادی نہیں کر سکتا۔۔۔''

''مگر کیوں۔۔۔؟؟'' بہار ایک دم کہیں غائب ہو گئی

''میری زندگی صرف اب ان بچوں پر محیط ہے۔ میری ذات پر صرف اب ان کا حق ہے۔'' وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور تینوں کو اپنے گلے لگایا۔ شاید وہ ان سب کے دلوں میں پیدا ہونے والے ڈر کو سمجھ چکا تھا۔

''لیکن راحیل سمجھنے کی کوشش کرو۔۔۔ ان بچوں کو صرف اپنے پاپا کی نہیں بلکہ ماں کی بھی ضرورت ہے۔۔'' اس نے وجاہت کے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ وجاہت ٹکٹکی باندھے اس کو دیکھ رہا تھا۔

''اگر آپ تینوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو کیا آپ مجھے اپنی ماں کی جگہ بنانا پسند کریں گے۔'' آنسو چھلک پڑے۔ تینوں بچے بغیر سوچے سمجھے اس کے گلے لگ گئے۔ راحیل کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی مگر آنکھیں ابھی بھی نم تھیں۔ میمونہ نے حسرت بھری نگاہ راحیل پر ڈالی تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ذوقِ آگہی

سباس گل

دنیا کی محبت اور موت سے بھاگنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میری امت پر وہ وقت آنے والا ہے جب دوسری قومیں لقمہ ترسمجھ کر تم پر ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔" کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس زمانے میں ہماری تعداد اس قدر کم ہو جائے گی کہ ہمیں نگل لینے کے لیے قومیں متحد ہو کر ہم پر ٹوٹ پڑیں گی ارشاد فرمایا۔ "نہیں اس وقت تمہاری تعداد کم نہ ہوگی البتہ تم سیلاب میں بہنے والے تنکوں کی طرح بے وزن ہو گے اور تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب نکل جائے گا اور تمہارے دلوں میں بزدلی اور پست ہمتی پیدا ہو جائے گی۔" اس پر ایک آدمی نے پوچھا یہ بزدلی کیوں پیدا ہو جائے گی۔

فرمایا۔ "اس وجہ سے کہ تم دنیا سے محبت کرنے لگو گے اور موت سے بھاگنے اور نفرت کرنے لگو گے۔"

(ابوداؤد، معارف الحدیث)

(کتاب اسوۂ رسول اکرم ﷺ)

انیس حبیب خان..... کراچی

کیا آپ جانتے ہیں؟

☆ بحث گفتگو کی موت ہے۔

☆ کفایت سے خوشحالی ملتی ہے۔

☆ کوشش سے کامیابی ملتی ہے۔

☆ تواضع سے عزت ملتی ہے۔

☆ حقیقی علم عمدہ اور مضبوط ارادہ ہے۔

☆ تحریر ایک خاموش آواز ہے۔

☆ شرافت شرم و حیا میں ہے۔

☆ ناکامی کامیابی کا زینہ ہے۔

☆ پہلے تولو پھر بولو۔

☆ عقل کی حد ہو سکتی ہے بے عقلی کی نہیں۔

☆ آج کل کے دور میں انسان کا سب سے زیادہ خطرناک دشمن خود انسان ہی ہے۔

دانش بٹ..... حسن ابدال

باتیں یاد رکھنے کی

❁ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب کسی نہ کسی دن بخش دیا جائے گا اس لیے ابھی سے بخشش کر دو تا کہ بخشش کا موسم تمہارا ہو نہ کہ تمہارے وارثوں کا۔

❁ اگر اللہ معاف کر دے تو گناہ کیا ہے اور اگر اللہ نامنظور کر دے تو نیکی کیا ہے۔

❁ اگر ایک ہاتھ اللہ کے لیے رکھ دو تو سارا وجود ہی اللہ کا ہو جائے گا۔

❁ ظالم کے ظلم سے نہیں بلکہ صاحب کے صبر سے ڈرو۔

❁ کسی کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ راستے کا پتھر بھی منہ کے بل گرا سکتا ہے۔

❁ حسن کو ستائش نہ ملے تو وہ مرجھا جاتا ہے۔

❁ شک ایسا کانٹا ہے جس کا زخم دل پر لگتا ہے۔

❁ لوگ موت سے ڈرتے ہیں لیکن ایک تنہائی زندگی سو کر گزار دیتے ہیں۔

پرنس افضل شاہین..... بہاولنگر

اظہار

اگرچہ کبھی کبھی خواہش کے اظہار سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا لیکن پھر اپنی ذات میں کوئی ملال بھی نہیں رہتا قوت اظہار بھی بڑی نعمت ہے قدرت حق کی سوال ذہن چاہتے ہیں اور جواب تسکین دیتے ہیں۔

ذہنی غور کا بہترین حاصل ان کا اظہار ہیں کبھی کبھی قسمت صرف اور صرف اک حرف دعا کی محتاج ہوتی ہے اور وہ دعا اظہار دعا کی محتاج ہوتی بس اسی لیے اظہار کرنا چاہیے بے شک کہ کبھی کبھی اظہار سے انسان اپنا سوال بھی کھو بیٹھتا ہے۔

حسین جاوید..... منچن آباد

غور کریں

❂ اپنے چہرے پر کوئی درد تحریر نہ کرو کیونکہ وقت کے پاس نہ آنکھیں ہیں نہ احساس اور نہ دل۔

❂ اس تعلق سے لاتعلقی اچھی ہے جس تعلق میں احساس نہ ہو۔

❂ حقیقی درد وہ ہے جو دوسرے کے درد کو دیکھ کر

Downloaded from https://paksociety.com

ملے۔

{●} ورنہ اپنا درد تو جانوروں کو بھی محسوس ہوتا ہے۔

{●} فاصلے بڑھ جاتے ہیں تو غلط فہمیاں بھی بڑھ جاتی ہے۔

{●} پھر وہ بھی سنائی دیتا ہے جو کبھی کہا نہیں ہوتا۔

{●} زندگی کا اپنا ہی رنگ ہے دکھ والی رات کا سویا نہیں جاتا اور خوشی والی رات سونے نہیں دیتی۔

{●} کچھ لوگ جب روتے ہیں اس لیے نہیں کہ وہ کمزور ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ مضبوط رہتے رہتے تھک جاتے ہیں۔

{●} تمہاری خوشی میں صرف وہ شریک ہوں گے جسے تم چاہتے ہو لیکن تمہارے غم میں وہ شریک ہوں گے جو تمہیں چاہتے ہیں۔

عبدالجبار رومی انصاری..... شاداب کالونی، لاہور

کتے کی دس خصوصیات

حیوان اپنے مالک کا زیادہ وفادار ہوتا ہے جبکہ انسان اپنے پروردگار کا اتنا وفادار نہیں ہوتا کتا جس کی وفاداری ضرب المثل ہے کسی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ کتے کے اندر دس صفات ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک صفت بھی انسان کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ اللہ کا پسندیدہ بندہ بن جائے فرماتے ہیں کہ۔

۱:۔ کتے کے اندر قناعت ہوتی ہے یعنی جو مل جائے بہ اس پر قناعت کرلیتا ہے راضی ہو جاتا ہے یہ قانعین یا صابرین کی علامت ہے۔

۲:۔ کتا اکثر بھوکا رہتا ہے یہ صالحین کی نشانی ہے۔

۳:۔ کوئی دوسرا کتا اس پر زور کی وجہ سے غالب آجائے تو یہ اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے یہ راضین کی علامت ہے۔

۴:۔ اس کا مالک اسے مارے بھی تو یہ اپنے مالک کو چھوڑ کر نہیں جاتا یہ صادقین کی نشانی ہے۔

۵:۔ اگر اس کا مالک بیٹھا کھانا کھا رہا ہو تو یہ باوجود طاقت اور قوت کے اس سے کھانا نہیں چھینتا دور سے ہی بیٹھ کر دیکھتا رہتا ہے یہ مساکین کی علامت ہے۔

۶:۔ جب مالک اپنے گھر میں ہو تو یہ دور جوتے کے پاس بیٹھتا ہے یعنی ادنیٰ جگہ پر راضی ہو جاتا ہے یہ متواضعین کی علامت ہے۔

۷:۔ اگر اس کا مالک اسے مارے تو یہ تھوڑی دیر کے لیے چلا جاتا ہے اور پھر مالک اسے دوبارہ ٹکڑا ڈال دے تو دوبارہ لوٹ کر کھالیتا ہے اس سے ناراض نہیں ہوتا یہ خاشعین کی علامت ہے۔

۸:۔ دنیا میں رہنے کے لیے اس کا اپنا کوئی گھر نہیں ہوتا یہ متوکلین کی علامت ہے۔

۹:۔ رات کو یہ بہت کم سوتا ہے یہ محبتیں کی علامت ہے۔

۱۰:۔ جب مرتا ہے تو اس کی کوئی میراث نہیں ہوتی یہ زاہدین کی علامت ہے۔

اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات کا رتبہ دیا لیکن دنیا میں کوئی انسان ہی ایسا ہوگا جس میں یہ ساری خصوصیات پائی جاتی ہوں۔

گل مہر..... کراچی

پیار

پیار ایک عبادت ہے۔ جو سچے دل سے کرتا ہے وہ ولی جاتا ہے کسی کا پیار قبول کرتا اور کسی سے پیار کرنا یہ خداوند کریم کی خاص عطا ہے جو قسمت والوں کو ہی ملتا ہے پیار کرنا کوئی جرم نہیں بشرط کہ پیار مخلصانہ اور سچا ہو تب دھوکہ فریب حرص لالچ پیار کو بدنام کرنے میں اہم کردار کرتے ہیں لہذا ہمیشہ پیار سچے دل سے اور کوشش کرنی چاہیے کہ سچا پیار کرنا چاہیے۔

ناظم حسین ساجد..... حویلی لکھا

لوٹ آؤ کبھی نہ جانے کے لیے

تم سے بچھڑنے کے بعد کچھ عجب سے ہو گئے لمحات، استقبال کرنے لمحوں نے میری زندگی سے آرام و سکون کچھ اس طرح سے چھینا کہ کچھ باقی نہ بچا دن اور رات میں فرق نہ رہا خوشیوں کی لذت سے محروم میری زندگی کسی بنجر زمین کا روپ لگ رہی ہے۔ تلاش سکوں میں بھٹکتی میری بے چین روح ہر لمحہ تڑپتی رہی۔ اشکوں سے آنسوؤں کا بکھرا طوفان سالوں باندھتا دل جسم و روح ٹوٹ کر بکھرتے رہے، شب بھر جاگتی میری آنکھیں کسی اپنے کو ڈھونڈتی رہیں۔ دن، مہینے اور پھر سال گزر گئے ایسے میں تجھ سے ملن کی آس و امید نے مجھے اطمینان کی دولت بخشی کہ عرصہ دراز ہی

Downloaded from https://paksociety.com

گزار دیا اور زندگی جیتا چلا گیا ایک طرف زندہ رہنے کی خواہش انگڑائی بھرتی تو دوسری طرف تیری یاد شدت سے آتی رہی اب تو زندگی جیسے ٹھہر سی گئی ہے۔ کچھ تھک سا گیا ہوں خود سے بیزار ہونے لگا ہوں۔ میرے انتظار کو طویل نہ کر مجھے کسی لمحے بکھرنے نہ دے لوٹ آؤ اور میرے صبر و قرار مجھے لوٹا دو اور واپس پھر کبھی نہ جاؤ۔

احسان سحر......میانوالی

زندگی اور قبر

اپنی خواب گاہ میں بڑی خوب صورت لائٹس لگوائیں اور چند دن بھی نہیں رہنے پائے تھے کہ اندھیرے کوٹھڑی (قبر) میں جا کے سو گئے پھر وقت اپنے گھر کو چمکانے والے جا کر وحشت اور تنہائی کے گھر میں کیڑوں مکوڑوں کے ساتھ جا کر سو جاتے ہیں بدن پہ ایک چیونٹی آ جائے تو آدمی اس کو جھاڑ دیتا ہے یا مار دیتا ہے آج اس کے بدن پہ لاکھوں کیڑے پھر رہے ہیں جس چہرے کو گرمی، سردی، بھوک اور تھکن سے بچاتا تھا اسی چہرے پر آج کیڑوں مکوڑوں کا حملہ ہے کوئی اس کی آنکھیں کھا رہا ہے کوئی گال کھا رہا ہے، کوئی اس کی زبان نوچ رہا ہے کوئی ٹانگوں کو لگا ہوا ہے، وہ پیٹ جس کو بھرنے کے لیے ساری زندگی دھکے کھاتا رہا وہی پیٹ قبر میں سب سے پہلے پھوٹ جاتا ہے اور اللہ نے فرمایا، اے میرے بندے دنیا کو لالچ کی نظر سے مت دیکھا کر قبر میں سب سے پہلے تیرے وجود کو جو کیڑا کھاتا ہے وہ تیری آنکھیں ہی ہوتی ہیں سب سے پہلے یہ شمع ہی بجھتی ہے اسی کو اللہ نکالتا ہے اور کیڑوں کو کھلا دیتا ہے تو جس انسان کا یہ حسرت ناک انجام ہو کہ موت اس کی شکاری ہو آفات کے پھندے نے اس کے گرد چاروں طرف قائم کیے جا چکے ہوں، مصیبتوں کی کھائیاں قدم قدم پر اس کے لیے کھودی گئی ہوں غموں کے بادل بھی اس کے افق سے ہٹتے ہی نہ ہوں، خوشیوں کی کرن بجلی کی چمک کی طرح آ کے گزر جائے پریشانیوں اور تفکرات کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہو اور بیماریوں اس کے ساتھ اپنا کردار ادا کر رہی ہوں، دوستوں کی بے وفائیاں، اولاد کی نافرمانیاں اس کے دل پہ نشتر چلا رہی ہوں قبر روزانہ پکار رہی ہو، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں اندھیرے کا گھر ہوں، میں کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں، میرے پاس آ تا ہے تو کوئی زادِ راہ لے کے آ تا زندگی کی گہرائی دیکھیں کتنی نا پائیدار ہے بے سود، بے وفا اور بے قرار زندگی ہے کہ یہاں کسی پل انسان کو چین نہیں کسی پل ٹھہراؤ نہیں تھوڑی سی خوشیاں دیکھتا ہے اور پھر چاروں طرف غم کے بادل چھا جاتے ہیں ایک خوشی کو پانے کے لیے لاکھوں پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور وہ خوشی آتی ہے تو ابھی نہیں چلتا چلی جاتی ہے پھر وہی تنہائیاں......وہی غم وہی پریشانیاں اس کا مقدر بن جاتی ہیں ایک دن یہ زندگی کا تار بھی توڑ دیا جاتا ہے اور اپنے ہی اٹھا کے قبر میں ڈال آتے ہیں۔ بھول جاتے ہیں سب یہ جہاں بے ثبات ہے اس میں کوئی وفا نہیں، صبر نہیں قرار نہیں موت اس کا سب سے بڑا حادثہ ہے ایک وجود مٹی میں جا کے سو جاتا ہے پھر ایک زمانہ آتا ہے قبر بھی اکھڑ جاتی ہے۔

محمد یاسر اعوان......رحیم یار خان

اقوال زریں

۞ زندگی ہمارے تجربات کی مقروض ہے لیکن ہم تجربات سے استفادہ نہیں کرتے۔

۞ آہستہ بولنا اور میانہ چال چلنا ایمان کی نشانی ہے۔

۞ ہر مشکل انسان کی ہمت کا امتحان لیتی ہے۔

۞ جو چیز تم نے خود نہ پڑھی ہو اسے دوسروں کو پڑھانے کی کوشش نہ کرو۔

۞ اپنی مسکراہٹ سے کسی کا دل جیت لینا عظیم کارنامہ ہے۔

۞ احسان ایک ایسی نیکی ہے جس کو اگر جتایا جائے تو اس کا جلد اور بہت بھاری ثواب ملتا ہے۔

۞ پانی کی ایک بوند میں اگر نمک ملایا جائے تو وہ آنسو نہیں بن جاتا اس کے لیے آنکھ کا ہونا لازمی ہے۔

۞ محبت ان سے رکھو جو نیکی کر کے بھول جائے اور قصور ہو تو معاف کر دے۔

۞ دل اداس ہو تو کوئی شہنائیاں بھی انسان کو متوجہ نہیں کر سکتی۔

محمد وفاقت......واہ کینٹ

قربانی

میں جانتی ہوں بیٹا اپنے دل کو اور اپنی ذات کو مارنا

Downloaded from https://paksociety.com

بہت مشکل ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی اپنوں کی خاطر انسان کو اپنے آپ کی قربانی دینی پڑ جاتی ہے اپنے جزبات و احساسات وغیرہ کو دبا کر دوسروں کے جزبات اور احساسات کی قدر کرنی پڑتی ہے اپنے آپ کے بجائے دوسروں کو دیکھنا پڑتا ہے اور یہ سب کچھ کرنے کے لیے انسان کے اندر حوصلہ ظرف صبر کا ہونا ضروری ہوتا ہے ورنہ ہر کوئی ایسی قربانی نہیں دے سکتا اور مجھے پتہ ہے کہ تمہارے اندر حوصلہ بھی ہے ظرف بھی ہے اور صبر بھی ہے تم اپنے دل کو اور اپنی ذات کو مار سکتے ہو تم یہ قربانی دے سکتے ہو ورنہ یہ گھر جو پہلے بکھر چکا ہے تمہارے انکار سے مزید تنکا تنکا ہو جائے گا۔

اقتباس ناول دردِ دل نبیلہ عزیز

انتخاب: اروشہ خان...... بہاول پور

بے نظیر زندہ باد

تا ابد زندہ رہے گی بے نظیر
تو اک ایسی زندگانی پا گئی
تیرا قاتل مر گیا ذلت کی موت
تو حیات جاودانی پا گئی

ماہ تہذیب حسین تہذیب

لطیفہ

چراسی "پہلوان جی! تم ایک وقت میں کتنے لوگوں کو اٹھا سکتے ہو؟"

پہلوان "کم از کم دس لوگوں کو۔"

چپراسی "چھوڑو یار! تم سے تو تگڑا میرا مرغا ہے جو صبح پورے محلے کو اٹھاتا ہے۔"

عائشہ پرویز...... کراچی

لطیفہ

تین پٹھان ٹرپ پر گئے' اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچ کر انہیں یاد آیا کہ وہ سموسے تو گھر ہی بھول آئے ہیں ان میں جو سب سے چھوٹا خان تھا اسے سموسے لانے کو کہا تو وہ نہ مانا کہ کہیں میرے بعد یہ لوگ پیپسی ہی نہ پی جائیں۔ دوسرے دونوں خان نے اسے یقین دلایا کہ وہ تیرے آنے کے بعد ہی پئیں گے آخر چھوٹا خان چلا ہی گیا۔

دوسرے دونوں خان انتظار کرتے رہے لیکن وہ نہیں آیا یہاں تک کہ صبح ہوگئی آخر اکتا کر کہنے لگے کہ "وہ تو آیا نہیں چلو پیپسی تو پئیں۔" یہ سن کر ایک قریبی درخت کے پیچھے سے چھوٹا خان نمودار ہوا اور بولا۔

"دیکھا مجھے پتا تھا آپ لوگوں نے پی لینی ہے اس لیے میں گیا ہی نہیں۔"

رضوانہ کرن...... کمالیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ

باتیں واصف علی واصف کی

+ ایک انسان کو زندگی میں بااعتماد ہونے کے لیے یہ حقیقت ہی کافی ہے کہ اس سے پہلے نہ تو کوئی اس جیسا انسان دنیا میں آیا نہ اس کے بعد ہی کوئی اس جیسا آئے گا یہ عظیم انفرادیت ہی بہت بڑا نصیب ہے۔

+ سب سے پیارا انسان وہ ہوتا ہے' جس کو پہلی ہی بار دیکھنے سے دل یہ کہے' میں نے اسے پہلے بھی دیکھا ہوا ہے۔

+ آسمان پر نگاہ ضرور رکھو لیکن یہ نہ بھولو کہ پاؤں زمین پر ہی رکھے جاتے ہیں۔

+ دو انسانوں کے مابین ایسے الفاظ جو سننے والا سمجھے کہ سچ ہے اور کہنے والا جانتا ہو کہ جھوٹ ہے خوشامد کہلاتے ہیں۔

+ انسان جتنی محنت خامی چھپانے میں صرف کرتا ہے' اتنی محنت اور کرے تو وہ خامی دور کی جا سکتی ہے۔

فائقہ سکندر حیات...... لنگڑیال گجرات

ایک فقیر کی نہایت اچھی بات

مغرب کا رہنے والا ایک فقیر حلب کے کپڑا فروشوں کی لائن میں کہہ رہا تھا: اے مال والو! اگر تم لوگ انصاف کرتے یعنی غریبوں کو ان کا حق دیتے اور فقرا کی جماعت کو قناعت ہوتی تو دنیا سے بھیک مانگنے کی رسم اور طریقہ ختم ہوجاتا۔ (گلستان ص ۱۰۵)

فائدہ: مال دار کے لیے بخل کرنا اور غریب کے لیے بلا ضرورت سوال کرنا بدترین عیب ہے۔

ایم اے فاروق...... حیدر آباد

Downloaded from https://paksociety.com

خوش بوئے سخن

نوشین اقبال نوتی

اسم اعظم

اک خوشی کی لمحے کا
تعاقب کرتے کرتے
میں خود سے بچھڑ گئی ہوں
امید کی راہ پہ
چلتے چلتے اتنی دور آ گئی ہوں
کہ واپسی کا ہر رستہ کھو بیٹھی ہوں آگے
اونچی دیواریں
اور بند دروازے ہیں
اور......
میں انہیں کھولنے کا
اسم اعظم بھول گئی ہوں

شاعرہ ستارہ نایاب......لاہور

ادھورے خواب

ادھورے خواب ہوں جن کے
وہ اکثر ٹوٹ جاتے ہیں
نہیں کرتے تمنا پھر
وہ سب سے روٹھ جاتے ہیں
انہیں شکوے شکایت سے
نہیں انسیت و محبت کچھ
مگر ان کو ہے اب کیا کرنا
وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں
نہیں فرصت کسی کو اتنی
کہ کوئی حال ہی پوچھے
وجہ کیا ہے بتاؤ کچھ
نہیں پروا مگر کسی کو
جیسی تو اس طرح ہوتا ہے
کہ دل ہی ٹوٹ جاتے ہیں
اور دوست بھی چھوٹ جاتے ہیں
یہ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں
یہ رشتے چھوٹ جاتے ہیں

شاعرہ آبروئے نبیلہ اقبال......اسلام آباد

ہمیں تم نے بھلا ڈالا

یہ آخر کیا کیا تم نے
ہمیں جو مان تم پہ تھا
وہ کیوں
بکھرا دیا تم نے
بڑا ہی زعم تھا ہم کو
تمہارے ساتھ پہ لیکن
یہ بیچ رستے میں کیوں
ہمیں ٹھکرا دیا تم نے
کہاں کا قاعدہ ہے یہ
کہ کوئی رابطہ نہیں
کہ کوئی واسطہ نہیں
کیوں تم سب کچھ بھلا بیٹھے
ہمارے بیچ جو کچھ تھا
یقیں رکھو
ہمارے اور تمہارے بیچ بس اک
تیسرا راز داں
ہم دونوں کا خدا ہے
وہ باتیں، وہ شامیں، ڈھلتی دوپہریں
اور چنچل شوخ سی قسمیں
کیوں تم سب کچھ بھلا بیٹھے
ہماری لڑکپن کی حسیں یادیں
بہت ہی قیمتی
یا شاید اصول ترانے کی مانند
تمہیں سب کچھ بھلانا ہی تھا
تو پھر
اس دل میں نہ آنا تھا
یہاں اپنی ہی دنیا تھی
جو آ کر تم نے اجاڑی تھی
اجاڑی پھر بسائی تھی
بسا کر پھر اجاڑی تھی
سفر کتنا ہی مشکل ہے
بسنے سے اجڑنے تک
مگر تمہیں احساس ہوتا تو
ہمیں تنہا ہی کیوں کرتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہمیں رسوا ہی کیوں کرتے
ہمارے دل کے دامن میں
خوشی کے پھول چن چن کے
مزار دل بناتے کیوں
ہمارے دل سے جاتے کیوں
ہمیں دل سے بھلاتے کیوں
شاعر: سید ماجد علی نقوی...... سعودی عرب

غزل

رکھا تھا چھپا کر تجھے ہر ایک نظر سے
لگ جائے نہ تجھ کو کسی نظر اس بات کا ڈر ہے
اتنا تو حسیں چہرہ کبھی دیکھا ہی نہیں تھا
ہر اداس کی تو بڑھ کر ہے قمر سے
کرتا ہے میرا ذکر وہ اک شخص ابھی تک
گزرا تھا اچانک جو کبھی دل کے نگر سے
اک عمر گزری ہے تیری یاد میں کیسے
پوچھے تو کوئی رو کر مرے دہرائے تر سے
پہلے مجھے دیتا تھا صداؤں پہ صدائیں
اب میں نے بلایا تو نکلا نہیں گھر سے
شاہ روم میری قبر آیا نہ کبھی وہ
اور بھول کر گزرا بھی نہیں ہے وہ ادھر سے
شاعر: شاہ روم خان
انتخاب: پرنس افضل شاہین...... بہاولنگر

غزل

ابھی دھیرے دھیرے قربت کا اظہار ہو رہا ہے
اس نازک بدن کو بھی شاید مجھ سے پیار ہو رہا ہے
میری ہے جستجو کہ میں تیرے زخم بھروں
مگر تیری جھجک یہ کہتی ہے کہ انکار ہو رہا ہے
وہ شخص جو چھوڑ گیا تجھے اندھیر نگریوں میں
اس بے وفا کی خاطر یہ ماتم کیوں میری سرکار ہو رہا ہے
میرا دل توڑنے سے پہلے یہ سوچنا کہ تیرے لیے
مجھ سا اک آوارہ اب صاحب دستار ہو رہا ہے...
تجھے پہلے عشق کا غم ہے مگر میری طرف تو دیکھ
ادنیٰ سا تیرا دیوانہ کیسے خوار ہو رہا ہے
میں دلجوئی کروں تیری اور تو ذکر کرے اس کا
بہت غلط میرے ساتھ میرے یار ہو رہا ہے
سنا رہے ہو مسکرا کر اس اجنبی کے قصے تم
لو جانے کیا ہو کہ تیر میرے جگر کے پار ہو رہا ہے
حیرت زدہ ہوں صائم کہ آخر کیونکر میرا یار
ماضی کی خاطر حال سے بیزار ہو رہا ہے
ظہور احمد صائم...... مانگا منڈی، لاہور

غزل

کہنے کو تو بنتے ہیں بڑے وفادار یہ لوگ
وقت پڑنے پر دیتے ہیں دھوکہ سر بازار یہ لوگ
دل چاہتا ہے لوگوں کے نقابوں کو الٹ دوں
یہ دو رخ مطلب پرست اور غدار یہ لوگ
سب دکھوں نے دیکھا ہے میرا گھر ان کی وجہ سے
بظاہر جو نظر آتے ہیں میرے غمخوار یہ لوگ
یوں تو بنا ڈالے ہیں ہنسنے کے محل بھی
دل میں جھانکو تو ہیں بہت نادار یہ لوگ
وقت آزمائش پڑے تو دیکھنے کو بھی نہیں ملتے
ہیں بڑی بڑی باتیں بے کار یہ لوگ
دل میں آئے تو چھین لیں مردوں سے کفن بھی
اور جی چاہے تو بنا ڈالیں زندوں کا مزار یہ لوگ
سب مل کے بھی نہ پہچان سکے اپنے اک خالق کو
اور دعویٰ کہ ہیں بہت ہی سمجھدار یہ لوگ
فاروق تیرے لفظوں میں دم اپنی جگہ ہوگا
مگر غلط ہے کہ ہو جائیں گے بیدار یہ لوگ
عمر فاروق ارشد...... فورٹ عباس

غزل

میری آنکھوں میں خواب اترے ہیں
کیسے کیسے عذاب اترے ہیں
دل کے آنگن میں تیری یادوں کے
کیسے تازہ گلاب اترے ہیں
عاشقوں کی ہوئی سوچیں
اب جو رخ سے نقاب اترے ہیں
قوم کے نوجوان طبقے پہ
چنگ اترے رباب اترے ہیں
رہ گزاروں میں پیاسے لوگوں پر
آج کیسے سراب اترے ہیں
ذہن میں جو سوال تھے میرے
ان کے کیسے جواب اترے ہیں
آج کی سوچیوں پہ قمر

Downloaded from https://paksociety.com

خواہشیں لیتے چاپ اترے ہیں

ریاض حسین قمر...... منگلا ڈیم

نظم

اب کے برس کرنا ہے یہ عہد
وفا کو نہیں کرنا ہے رسوا
خفا ہو جو سب سے
کریں اس کو خود سے جدا
آتے جاتے یہ ماہ و سال
رہیں یادگار یہ ملن و وصال
جھرنوں کی ہوں بجتی صدائیں
نیل گگن تلے یہ گنگنائیں
چھوڑنا نہیں ہے یہ ملن
پھیلانا ہے اب کے برس یہ بندھن
تتلی کے خوشنما پروں جیسا
ہو جیون سب کا
کریں دعا یہ مل کر
اب کے برس روٹھے ہووں کو ہے منانا
چلنا ہے ساتھ لے کر سب کو
اب کے برس کرنا ہے یہ عہد
وفا کو نہیں کرنا ہے رسوا

عنبرین اختر...... لاہور

غزل

تو نے چاہا ہی نہیں حالات تو بدل سکتے تھے
میری آنکھوں کے آنسو تیری آنکھوں سے نکل سکتے تھے
تو نے سمجھا ہی نہیں میری وفا کی قیمت کو ورنہ
نرم لفظوں سے تو پتھر بھی پگھل سکتے تھے
ہم تو ٹھہرے ہی رہے ایک جھیل کے پانی کی طرح
اگر دریا بنتے تو بہت دور نکل سکتے تھے
تم نے چاہا ہی نہیں فقط چاہنے والوں کی طرح جان
دل تو تپا ہے روح میں بھی اتر سکتے تھے

شجاعت حسین بخاری...... تلہ گنگ

آشیانہ

میرا آشیانہ اجڑ گیا
میرے آنگن کا پھول کھلنے سے پہلے بکھر گیا
میری کوکھ کا تارا کہیں کھو گیا
میرے آنگن کا پھول کھلنے سے پہلے بکھر گیا
میرا آشیانہ اجڑ گیا
میرے آنگن کا پھول کھلنے سے پہلے بکھر گیا
میری سوچ کا گڈا چلا گیا
جس کے منہ پر میں کبھی کپڑا نہ ڈالتی تھی کہ دم نا گھٹ جائے
آج وہ مٹی منہ پر ڈالے سو گیا
میں روئی کے نرم گدے کے سوا اسے کبھی نیچے نہ اتارتی
آج وہ اینٹوں کے نیچے دب گیا
میرا آشیانہ اجڑ گیا
میرے آنگن کا پھول کھلنے سے پہلے بکھر گیا
خدارا میں کہوں تو کہوں کس سے میرا آشیانہ اجڑ گیا
خدارا میں اپنے گڈے کو کہاں تلاش کروں
میں فریاد کروں تو کروں کس سے
میرے گھونسلے کا تنکا تنکا بکھر گیا
میرے چمن میں بسے پھولوں کی پتی پتی بکھر گئی
میں فریاد کروں تو کروں کس سے
میرے بڑھاپے کا سہارا چھن گیا
مری خوشیوں کا گہوارا اجڑ گیا
میرے بڑھاپے کا سہارا چھن گیا

عائشہ خواب...... منچن آباد

غزل

تیری خوشبو نہیں ملتی، تیرا لہجہ نہیں ملتا
ہمیں تو شہر میں کوئی تیرے جیسا نہیں ملتا
یہ کیسی دھند میں ہم تم سفر کا آغاز کر بیٹھے
تمہیں آنکھیں نہیں ملتیں ہمیں چہرہ نہیں ملتا
ہر اک تدبیر اپنی رائیگاں ٹھہری محبت میں
کسی بھی خواب کو تعبیر کا رستہ نہیں ملتا
بھلا اس کے دکھوں کی رات کا کوئی مداوا ہے

Downloaded from https://paksociety.com

وہ ماں جس کو کبھی کھویا ہوا بچہ نہیں ملتا
مسافت میں دعائے ابر ان کا ساتھ دیتی ہے
جنہیں صحرا کے دامن میں کوئی دریا نہیں ملتا
جہاں ظلمت رگوں میں اپنے پنجے گاڑھ دیتی ہے
اسی تاریک رستے پر دیا جلتا نہیں ملتا
فلک شیر ملک..... رحیم یار خان

احساس

تمہارے پاس وقت نہیں ہے میرے لیے
شاید میرے پاس بھی وقت نہیں تمہارے لیے
تو پھر بھلا ہماری یہ زندگی کیسے گزرے گی
چلو ہم زندگی ایسے گزارتے ہیں
کچھ وقتے ہی سہی
ہم جدا ہوجاتے ہیں
اپنی اپنی راہوں میں کھو جاتے ہیں
ہم دور ہوجاتے ہیں
پھر دیکھتے ہیں کہ
اب ہمارے دل کس طرح دھڑکتے ہیں
ہم کس طرح رہ سکتے ہیں
ایک دوسرے کے بغیر
ہوسکتا ہے شاید
ہمیں اپنے ادھورے پن کا احساس ہوجائے
ہوسکتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے
جو جذبات رکھتے ہیں
شاید پھر سے وہ جذبات بیدار ہوجائیں
شاید ہم سمجھ لیں کہ یہی جذبات ہیں
جنہیں ہم کو بیدار کرنا ہے
اور شاید یہی وہ احساس ہے
کہ جس کو ہم محبت کا نام دیتے ہیں
سیف الاسلام..... لیاقت آباد، کراچی

غزل

صحراؤں کے ہیں مسافر ہمارے ساتھ نہ آ
ٹھوکریں کھائیں گے در بدر ہمارے ساتھ نہ آ
کوئی کرتا ہے پیار بھلا صحرا نشینوں سے
ذرا سوچ بے خبر ہمارے ساتھ نہ آ
کہاں رات ہو گی؟ کہاں رکیں گے ہم؟
ہمیں کچھ نہیں خبر ہمارے ساتھ نہ آ
دھوپ ہوگی پیاس ہوگی بھوک ہوگی
بات مان دیکھ ادھر ہمارے ساتھ نہ آ
بکھری زلفیں اداس نظر دل مضطرب
ہم لوگ فقیر ہیں کشور ہمارے ساتھ نہ آ
عبدالخالق کشور..... چوکی

اداسی کا عالم

تم کیا جان پاؤ گے
میری اداس شاموں کی داستاں
جن میں بسا رکھا ہے ہم نے
کچھ حسین یادوں کا جہاں
تم کیا جان پاؤ گے بھلا
کیسے سسکتے ہیں ارماں
ڈھلتے ہیں جسب شام کے سائے
اداسی سا عالم کھینچ لیتا ہے ہمیں
اپنی طرف بے درد باتیں بھلائے
ہاں تم جان بھی کیسے سکتے ہو بھلا
فرست کے ان لمحوں کی درد ناک اذیت
شام کے جن لمحوں میں
تمہیں اکثر بے پناہ یاد کرتے ہیں
جب سورج کا غرور بھی
آسمان کے افق سے اتر کر
سمندر کے سینے میں چھپ سا جاتا ہے
ان اداس شاموں کا عالم
تم کیا جانو بھلا
ہاں تم کیا جانو بھلا
شاعرہ: معصومہ پروین سوہنی..... میرپور

Downloaded from https://oaksoci...

چہرہ

شبینہ گل

ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے، یہ فطرت کا قانون ہے وہ اسی قانون کے زیر اثر زندگی سے لڑ رہی تھی۔

نئے افق کی روایتوں کا امین، مدتوں یاد رکھی جانے والی تحریر۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
DOWNLOADED FROM
PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
SPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Downloaded from https://paksociety.com

قصور

دھڑام کی آواز کے ساتھ اس کی ماں نے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ ساتھ وہ چیختی چڑ سے الگ ہوتی ہوئی دور جا گری تھی دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ایک کی آنکھوں میں خون اترا تھا' دوسری کی آنکھوں میں خوف۔ ایک ہی حرف کے فرق سے مفہوم کتنے الگ ہوجاتے ہیں' ایک کے چہرے پر انتقام تھا' دوسری کے چہرے پر بے بسی۔ ہاں کچھ چیزیں دونوں میں یکساں تھیں۔

ہاتھ دونوں کے خالی تھے
دل بھی خالی تھے
سانس دونوں کی دھونکنی کی طرح چل رہی تھی
رنگت دونوں کی سرخ انگارہ تھی اور بال بکھرے تھے

اور...... یہ ہذیانی چیخیں بھی دونوں نے عرصے بعد سنی تھیں۔

ماں کا چہرہ دیکھ کر جیسے وہ گہری نیند سے جاگی جیسے وہ اب تک کسی انجانی ماورائی طاقت کے زیراثر تنویمی کیفیت کا شکار تھی۔ ماں کے تاثرات دیکھ کر وہ الجھی اور سوچنے لگی۔

”کیا ہوا تھا' یہ ابھی کیا ہوا تھا...... میں تو......“ وہ کھڑکی کی طرف مڑی۔

”میں تو وہاں چاند کو دیکھ رہی تھی۔“ اور پھر جیسے وہ تین جھماکوں میں اسے یاد آ گیا کہ کیا ہوا تھا۔

ہاں وہ چاند کو دیکھ رہی تھی جو آج سرخ سرخ محسوس ہو رہا تھا' تپش لٹاتا ہوا۔ شاید سورج سے روشنی مستعار لیتے لیتے آج چاند طیش میں آ گیا تھا۔ وہ یک ٹک چاند کو دیکھ رہی تھی' یکایک چاند پر سرخ سرخ بوندیں نمودار ہونے لگیں۔ چاند کی آنکھوں سے لہو ٹپکنے لگا' دیکھتے ہی دیکھتے پورا چاند سرخ ہوگیا' یہاں تک کہ وہ سرخی اس کی آنکھوں میں اتر آئی۔ آنکھوں سے وہ چہرے پر پھیلی اور اس کی آنکھیں انگارہ ہوگئیں' چہرے کے نقوش پر وحشت بکھر گئی' وہ میکانکی انداز میں سنگھار میز کے آئینے کے سامنے آ رکی۔

آئینہ تاریک تھا' اس نے کمرے کی لائٹ جلائی' آئینہ سرخ ہوگیا' اس کے نقوش پر زلزلہ اتر آیا۔

چہرہ...... مسخ چہرہ
ہاں یہی چہرہ ہی تو تھا
فساد کی جڑ
جنگ کا منبع

جس نے ”سب جائز ہے“ کا ٹیگ لگا کر اسے مطمئن کر دیا تھا۔ پانچ مرلے کے اس چھوٹے سے گھر کے تمام در و دیوار نے اس کی دلدوز چیخیں سنی تھیں' وہ ہر چیز اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھی۔ سارا ماضی کسی فلم اسٹرپ کی طرح اس کی آنکھوں کے آگے مجسم ہو رہا تھا۔ اس نے ڈیکوریٹڈ شیشے کی بوتل کھینچ کر آئینہ پر دے ماری۔

بوتل چکنا چور ہوگئی' اس کے دل کی طرح...... شیشے پر بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئیں' اس کے وجود کی طرح بلکہ...... اس کے چہرے کی طرح' ہاں اس کا چہرہ......

شفاف پانی کی موٹی دھار جھنور کی صورت اس کی ہتھیلیوں کی اوک کو بھر رہی تھی' وہ غائب دماغی سے دیکھتی رہی۔ پانی ہتھیلیوں کے کناروں سے چھلکا تو اس نے وہ پانی بھری ہتھیلی چہرے پر چھپاکے کی صورت ڈالی۔ ایک' دو اور پھر تین بار پھر واش بیسن کے اوپر نصب آئینے پر غیر اختیاری نظر ڈالی تو ہاتھ بے ساختہ چہرے پر جا رکا۔ پانی چہرہ دھو دیتا ہے نقوش نہیں' وہ نظریں چرا کر بنا منہ پونچھے واش روم سے باہر نکل آئی' عین سامنے سنگھار میز کا قدِ آدم آئینہ نصب تھا۔

”خدا جانے مجھے ہر طرف آئینوں کا سامنا کیوں ہوتا ہے۔“

اس کی سوچ پر آج پھر یاسیت کا بسیرا تھا' کپڑے بدل کر اس نے آئینے سے پرے ہٹ کر بال کھول لیے' جیسے تیسے بالوں میں برش پھیرا' لیکن ایک بار پھر آئینے کا سامنا کرنا تو تھا' مجبوری سی مجبوری......

لائٹ پنک سوٹ کی میچنگ لپ اسٹک اور آئی لائنر لگا

Downloaded from https://paksociety.com

کر اس نے آئینے کو گھورا۔ اسے یہ جتانے کی کوشش کی اسے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر آئینہ اصلیت دکھاتا ہے' وہ خود کو دیکھنے لگی غور سے۔

متناسب سراپا' کندھوں تک آتے ہلکے شہد رنگے بال اور چہرہ...... صبیح چہرہ' روشن پیشانی' بس اور کیا...... وہ سر جھٹک کر آئینے کی سچ بیانیوں کو نظر انداز کرتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ برآمدے میں دھری چھوٹی سی میز پر فضیلہ بیگم ناشتا رکھ رہی تھیں اسے دیکھ کر شفقت سے مسکرائیں۔

''آج بہت پیاری لگ رہی ہے میری بیٹی!'' وہ ان کا جگر کا ٹکڑا تھی اور محبت ان کی عادت' فریال کا چہرہ سپاٹ ہوگیا تو ان کی مسکراہٹ بھی سمٹ گئی۔

''اور ماں سب سے برا آئینہ ہوتی ہے جھوٹا آئینہ۔'' قنوطیت کے زہریلے ناگ نے اس کی سوچ کو ڈسا۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی' فضیلہ بیگم چائے کے کپ ٹرے میں رکھے اور ساتھ آ کر بیٹھ گئیں۔

''آج ملیحہ کی طرف جانا ہے' کوشش کرنا جلدی آجاؤ۔'' ماں کی بات پہ اس کے دل میں پھر ابال اٹھا مگر وہ اسے اندر ہی دبا کر بظاہر سکون سے بولی۔

''پرنسپل شارٹ لیو کے سخت خلاف ہیں' آپ خود چلی جایئے گا میں واپسی کے وقت آ جاؤں گی۔''

''ملیحہ کچھ پریشان ہے اس لیے اس نے کہا تھا کہ فریال کو بھی ساتھ لانا' فیضان کی آمد سے پہلے وہ کچھ بات کرنا چاہتی ہے۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولیں کیونکہ اس کا سپاٹ انداز انہیں متذبذب کر رہا تھا۔

''فیضان کی واپسی سے پہلے پہنچ جاؤں گی میں' آپ چلی جایئے گا۔'' سپاٹ لہجے میں ہلکی سی بےزاری جھلکی اور اس نے چائے کا آدھا پیا کپ واپس ٹرے میں رکھ دیا۔

''چائے تو ختم کرو۔'' فضیلہ پوچھتی رہیں وہ اب اٹھ رہی تھی اس نے پراٹھے کے بھی چند نوالے ہی لیے تھے۔

''دیر ہو رہی ہے اللہ حافظ۔'' وہ مڑے بنا رک کر بولی اور برآمدے کا دروازہ پار کرلیا۔

''پہلے شادی کے لیے مر رہی تھی اب شادی ہوگئی تو بھی خوش نہیں۔ آئے دن ہ مسئلے نکال کر بیٹھ جاتی ہے' یہاں لوگوں کو شوہر نہیں ملتا' ان قسمت سے مل گیا تو سنبھالا نہیں جا رہا۔'' مین گیٹ پار کرکے سڑک پہ قدم دھرتی سست روی سے چلتی وہ آج پھر زہریلی سوچوں کی قید میں تھی ورنہ تو ملیحہ میں اس کی جان تھی لیکن یہ وقت بھی انسان کو کیا سے کیا بنا ڈالتا ہے۔ اس کی چھوٹی لاڈلی بہن ملیحہ جس کے ایک آنسو پہ وہ تڑپ اٹھتی تھی آج اسی کے لیے زہر بھری باتیں سوچ رہی تھی کیونکہ وہ بامراد جو ٹھہری تھی۔ بس ایک حسد کتنے رشتوں کی جڑیں چاٹ جاتا ہے اور انہیں پتا اس وقت تک نہیں چلتا جب تک وہ مکمل طور پر کھوکھلے ہوکر دھڑام سے گر نہ پڑیں۔

❁......❁......❁

اسکول کی مین انٹرنس کے پاس پرائمری کی تمام ٹیچرز قطار میں کھڑی اپنے اپنے بچوں کو وہ لکم کہنے کو تیار تھیں۔ پلے گروپ نرسری اور پریپ کلاسز کے لیے پرنسپل کا حکم تھا کہ وہ ٹیچرز اپنے اسٹوڈنٹس کو خود ریسیو کریں گی۔ فریال انٹرنس کے بالکل ساتھ دوپٹہ گلے میں ڈالے کھڑی تھی اور چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ سجی تھی۔ وہ تمام بچوں کی ہر دلعزیز قسم کی ٹیچر تھی' اسکول میں آنے والا ہر پرابلم چائلڈ اسی کے حوالے کیا جاتا تھا۔ اسے بچوں سے بےحد محبت تھی اور وہ ہر بچے کو ایسے ڈیل کرتی تھی کہ وہ دنوں میں ایڈجسٹ ہوجاتا تھا۔ اپنی اسی خوبی کی وجہ سے وہ بہت سے بچوں کے والدین کی بھی پسندیدہ ترین ٹیچر تھی۔

کئی ماؤں نے تو اس سے باقاعدہ دوستی کرلی تھی اور اس بات پر اسکول کی انتظامیہ کو کوئی اعتراض بھی نہ تھا کیونکہ اس طرح ٹیچرز اور والدین کے مابین کمیونیکیشن کا سب سے زیادہ فائدہ بھی تو ان کے ادارے کو ہی تھا۔

فریال کے لیے صبح کی وہ ویلکم ڈیوٹی پرکشش تھی کیونکہ اس وقت عموماً بچوں کو ان کے پاپا' چاچا' ماموں وغیرہ چھوڑنے آتے تھے البتہ چھٹی کے ٹائم پر سب اپنے اپنے کام پر ہوتے تھے سو ماؤں کا رش زیادہ ہوتا تھا۔ آج کل وہ جس

Downloaded from https://paksociety.com

نئے شغل سے لطف اندوز ہو رہی تھی اسی کی راہ میں نگاہیں اٹکائے گیٹ کے پار آخری حد تک دور دیکھتی پھر مایوس ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگتی۔ اس وقت بھی اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی ٹیچر نے اسے مخاطب کیا تو وہ ذرا کی ذرا اس جانب متوجہ ہوگئی اسی لمحے کوئی اچانک سے آ کر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

"مس فریال!" زینیا چہکی تو فریال کا دل مہکا اور گال دہکے۔

"اوہ میری زینی!" اسے والہانہ انداز میں خود سے لپٹاتے ہوئے اس کی نظر بظاہر سرسری انداز میں گیٹ کی طرف اٹھی۔ مسکراتی نگاہیں مختصر تھیں بے حد دلکش دل موہ لینے والی گہری مسکان زینیا کے پاپا کی طرف اچھال کر وہ پھر سے اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اسے بے تحاشہ چومنے لگی۔ اس کی یہ حرکت کسی کے دل پر کس انداز سے وار کر رہی تھی اسے پروا نہ تھی اور یہی بنت حوا کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ ابن آدم کے سامنے اپنے جذبات کے اظہار میں ہمیشہ بے احتیاطی سے کام لیتی ہے اور دعوت گناہ بن جاتی ہے۔ زینیا اپنی پذیرائی پر چہک رہی تھی اور پاپا اپنی بیٹی کی مس فریال کے چست لباس میں لپٹے وجود کے پیچ و خم کو آسانی دعوت عام کی طرح نگاہوں میں سموئے تشنہ لبی کی سی کیفیت لیے پلٹ گئے۔ فی الحال تو معاملہ نگاہوں کی چوری تک محدود تھا' نگاہوں سے وجود تک کا سفر کب طے ہونا تھا یہ ابھی باقی تھا۔

❁....❁....❁

کمرے میں پنکھے کی آواز کے سوا کسی پرندے کی معمولی سی سرسراہٹ بھی' تین نفوس پر آسیب کی طرح ٹھہری خاموشی باہر کھڑے شخص کو گمان بھی نہ ہونے دیتی کہ اندر کوئی موجود بھی ہے۔ میز پر پڑا چائے کا کپ ہنوز بھرا ہوا تھا اس کی سطح سے ذرا اوپر بنی کپ کے کناروں پر جمی ہلکی سی لکیر بتا رہی تھی کہ ایک گھونٹ بھر کر اس سطح کو اوپر تحاشہ دیا گیا تھا لیکن تہہ پر جمی براؤن جھلی بتا رہی تھی کہ اس کے بعد اسے چھوا بھی نہیں گیا۔

ہمارے جذبات کو جب بھی کوئی ٹھیس پہنچتی ہے تو نجانے اس کا پہلا شکار ہماری خوراک ہی کیوں بنتی ہے۔ چائے کے کپ سے لیا گیا صرف ایک گھونٹ اس بات کا ضامن تھا کہ اس گھونٹ کے بعد کوئی تلخ بات سن لی گئی تھی اور پھر کپ تک ہاتھ لے جانے کی ہمت ہی نہ ہوئی تھی۔

تینوں نفوس گم صم تھے مگر کوئی ایک بھی کسی دوسرے کی طرف دیکھنے سے گریزاں تھا۔ تینوں کے ذہن اپنی اپنی مظلومیت کے گرد رقصاں تھے۔

"تمہارے اسکول کے باہر سے گزرتے ہوئے اس کی شاید تم پر نظر پڑی ہوگی' شاید تمہارا دوپٹہ ٹھیک نہیں تھا شاید تم کسی سے ہنس ہنس کر بات کر رہی ہوگی۔ کچھ ایسا ہوگا شاید بس اس نے مجھے بے حد غلیظ قسم کی گالیاں دیں۔ تمہاری وجہ سے وہ مجھ پر شک کرنے لگا ہے اور ہاتھ اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔"

یہی تھی وہ تلخ بات جو اس کے آگے چائے رکھنے کے چند منٹ بعد ملیحہ نے کہی تھی اور اس بات میں شاید کی تکرار اس چیز کا واضح ثبوت تھی کہ فیضان کے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں تھی اس نے ٹوٹے پھوٹے جملے دے کر ملیحہ کو صرف ابہام میں مبتلا کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ ایک کامیاب بزنس مین تھا۔ اب فریال کے سپاٹ چہرے سے ملیحہ کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر پا رہی تھی' ایک ٹھنڈی سانس بھر کر وہ بولی۔

"اچھا چائے تو پیو۔" فریال نے ایک اجنبی نگاہ اس پر ڈالی پھر ہنکارا بھرا۔

"چائے بہت تلخ تھی پی نہیں گئی۔"

"تو تھوڑی شیریں کرلو۔" ملیحہ نے ذومعنی انداز اپنایا۔

"چائے اگر شروع میں ہی تلخ بن جائے تو پھر چینی کا پورا ڈبہ بھی الٹا کر بھی اس کی تلخی کو مات دینا ممکن نہیں رہتا۔"

"ہر دفعہ ایسا نہیں ہوتا۔" ملیحہ بحث پر آمادہ تھی مگر فریال نہیں۔

"تو پھر تم شامل کرلو یہ شیرینی اپنی چائے میں میں نے چائے پینی چھوڑ دی۔" ملیحہ کا رنگ یکلخت بدلا اور وہ چپ

Downloaded from https://paksociety.com

ہوگئی۔

''بہر حال فیضان سے کہو میری زندگی کے رنگ دیکھ کر اپنی زندگی کی تصویر نہ بنائے۔ اپنی زندگی کا مصور وہ خود بنے میں اپنی مصوری میں کسی اور کے لگائے اسٹروک برداشت نہیں کرتی۔'' بات مکمل کرکے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو فضیلہ بیگم کو بھی اٹھنا پڑا۔

❁......❁......❁

دھوپ ڈھل کر نارنجی ہورہی تھی' پرندوں کا واپسی کا شور و غوغا بڑھ گیا تھا' ہر پرندہ اپنی ہی کہے جارہا تھا۔ دھوپ کی تپش کو ہوا کے تھپیڑوں نے مغرب کی طرف دھکیل دیا اور فضا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اپنے گھر کے لان میں نصب جھولے پر ہلکورے لیتی زینیا کے بال خوش گوار ہوا سے اٹھکیلیاں کرتے لہرا رہے تھے۔ ہر پینگ پر ہوا اسے دگنی محسوس ہوتی اور اس کے معصوم چہرے پر فرشتوں کی سی مسکان بکھر جاتی۔ اسی وقت گیٹ کھلا اور فراز کی کار اندر داخل ہوئی' وہ جھولے سے اتری اور بھاگتی ہوئی ڈرائیو وے تک پہنچی' اپنے دھیان میں مگن فراز اس کی طرف پشت کیے کار لاک کررہا تھا جب وہ جاکر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

صبح کا دلنشین منظر خوانخواہ نگاہوں میں تازہ ہوگیا' اس نے بھی اسی والہانہ انداز میں اسے خود سے لپٹا لیا پھر اس کے گالوں پر عین اسی جگہ بوسے دیے جہاں صبح دیے گئے تھے۔

''مس فریال بھی مجھے اسی طرح روز پیار کرتی ہیں۔'' وہ معصومیت سے کہتی اس کے دل کے تار چھیڑ گئی' وہ مسکرادیا۔ اسے جھولے پر بٹھا کر لمبی سی پینگ دی تو وہ کھلکھلا اٹھی۔ وہ بھی مسکراتا ہوا لاؤنج کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا تو سامنے ہی آمنہ نویدہ بیگم کے آگے میز پر چائے کا کپ رکھتی نظر آئی۔ پھر مڑ کر وہ حسب عادت مسکرائی اور اس کی چائے نکالنے کچن کی طرف مڑ گئی۔ ملگجا سا کاٹن کا سبز جوڑا' صبح کے بنائے بالوں میں سے بکھر کر نکلی چند لٹیں جنہیں سمیٹنے کی سوچ سے عاری دھلا چہرہ لیے وہ جو مسکرائی تو اس کی مسکان بھلا اسے کیا لبھاتی۔ وہ جو روز صبح کھلتے گلاب کی سی مسکان سے فیض یاب ہوتا تھا' وہ گھر کی چنبیلی کو نظر انداز کرتا کمرے کی طرف بڑھا تو آمنہ کو حیرت سی ہوئی لیکن اسے اور بھی بہت سے کام کرنے تھے۔ حیرت منانے کی فرصت کہاں سے لاتی بھلا۔

ادھر کمرے میں وہ بیوی کے تصور کو جھٹک کر داخل ہوا تو گویا صبح کا منظر پھر سے روشن ہوگیا جو سارا دن اسے مہکاتا رہا تھا۔ اس نے چشم تصور میں اسی مہکتے دہکتے وجود کے کومل ہاتھوں سے کپڑے تھامے اور شاور لینے چلا گیا۔ فریش ہوکر وہ گنگناتا ہوا لاؤنج میں آیا تو زر خرید باندی نے چائے پیش کردی' وہ اس پر ایک بھی نگاہ ڈالے بنا چائے کا مزہ لینے لگا۔

مرد کو بیوی کا ملگجا حلیہ اور بکھرے بالوں کی کوتاہی تو نظر آجاتی ہے لیکن ان بالوں کو سمیٹ کر چوٹی میں گوندھنے والا وقت بچا کر جو اس نے شوہر کے لیے چائے بنائی ہوتی ہے وہ دکھائی نہیں دیتی۔ بات آئے اپنے جذبات کی تو مرد خود غرضی میں ساری دنیا کو مات دے دیتا ہے۔

اس کے آگے چائے کا کپ دھر کر واپس کچن میں گھس جانے والی ملگجی سی آمنہ نے ابھی برتن دھو کر آٹا گوندھنا تھا اور اس کے بعد رات کے کھانے سے پہلے زینیا کو ہوم ورک بھی کرانا تھا۔ عورت کو بس ایک گھر اور شوہر مل جائے تو وہ خود کو بھلا کر مشقت میں جت جاتی ہے جبکہ مرد کو ایک خود غرضی پر مبنی محبت نہ ملے بچوں کی سی توجہ نہ ملے تو وہ فوراً ماتھے پر تیوریاں پھیلا کر اپنے احسانات اور بیوی کی کوتاہیاں گنوانے کھڑا ہوجاتا ہے۔

زینیا کو پڑھانے کے بعد آمنہ نے کھانا لگایا' کھانے کے بعد کچن سمیٹنا' زینیا کو سلا کر اپنے بستر تک آنا بھی آمنہ کی ذمہ داریاں تھیں لیکن بستر پر آنے کے بعد آپ کی نظر سوئے ہوئے شوہر پر پڑے تو زائل ہونے کو تیار بیٹھی تھکن پھر سے ڈھیٹ بن کے آپ کے انگ انگ کو جکڑ کر بیٹھ جاتی ہے جو ایک لفظ' ایک جملے یا ایک لمس سے تھکن کو

Downloaded from https://paksociety.com

دھوئیں کے غبار کی طرح تحلیل کرنے کا کمال اپنے پاس رکھتا ہے اس کا بے رنگی دکھانا ہڈیوں میں درد بن کر اتر جاتا ہے۔ وہ چند لمحے کھڑی دیکھتی رہی پھر لائٹ بند کر کے لیٹ گئی تھکن درد بن کر وجود میں پھیلنے لگی۔

❁.....❁.....❁

ہر ماہ ہونے والی والدین پیرنٹس میٹنگ میں وہ دونوں ساتھ جایا کرتے تھے۔ ان کا کپل خوب صورت تھا دونوں میں انڈر اسٹینڈنگ بھی تھی پرنسپل ان دونوں کو ذاتی طور پر بہت پسند کرتی تھیں اور وہ بھی ہر بار ایک مختصر ملاقات پرنسپل منیبہ شاہد سے ضرور کیا کرتے تھے۔ اب تک تو سب کچھ بہت اچھے طریقے سے چل رہا تھا لیکن ایک بار فراز اکیلا میٹنگ اٹینڈ کرنے گیا تھا اور اس کے بعد وہ تو واپس آ گیا تھا لیکن اس کا دل وہیں بھٹک کر رہ گیا تھا۔

شروع شروع میں اسے گلٹ محسوس ہوتا دل ہی دل میں شرمندہ ہوتا اور خود کو باور کراتا کہ وہ ایک وفادار شوہر اور محبت کرنے والا باپ ہے لیکن پھر فریال کی طرف سے ہلکی سی پیش قدمی نے اس کی تمام تر شرمندگی کو دھکیل کر پیچھے کر دیا اور ایک میٹھا میٹھا سا احساس دل میں جگا دیا۔

اب آمنہ کے ساتھ جا کر فریال کے روبرو بیٹھنا اور نارمل انداز سے بات کرتے رہنا اسے محال لگنے لگا تھا۔ زیادہ تر آمنہ ہی بات کرتی وہ خاموشی سے دائیں بائیں دیکھ کر خود کو لاتعلق ظاہر کرنے کی کوشش میں ڈنر بتا لیکن اٹھتے وقت ایک بھرپور گہری نگاہ فریال کے وجود کے حوالے کرتے ہوئے وہ اسے نئے سرے سے ایک جلن بھرے احساس میں مقید کر دیتا تھا وہ جلن جو اسے تڑپانی بھی تھی اور تسکین بھی دیتی تھی۔

اس سارے عمل میں کوئی تھا جو ان دونوں کی نگاہوں کی گہرائی اور معنی خیزی کو خاموشی سے جانچتا تھا۔ اسے مناسب وقت کا انتظار تھا جب اس عمل کو سامنے لایا جا سکتا۔ ہر روز اس کی نظریں باریک بینی سے ان دونوں کی باڈی لینگویج کا جائزہ لیتی تھیں اور اس کی بے چینی میں اضافہ ہو جاتا تھا جو اس پر بیتی تھی وہ کسی اور پر بھی گزرنی۔

یہ بات اسے دن رات بے سکون کیے رکھتی تھی لیکن قسمت کے آگے سب بے بس ہیں۔

❁.....❁.....❁

وہ مسز اینڈ مسز داؤد کے گھر لنچ پر انوائٹڈ تھی۔ اسوہ داؤد پچھلے سال اس کی اسٹوڈنٹ رہی تھی اور اب اس کا چھوٹا بھائی فہد اس کی کلاس میں تھا۔ دونوں سے اسے بے حد لگاؤ تھا وہ دونوں ہی گھر کے لاڈلے اور بگڑے بچے تھے اور اسکول میں کسی کے قابو میں نہ آتے تھے۔ یہ کریڈٹ بھی فریال کو ہی جاتا تھا کہ ان دو بچوں کو اس نے کس خوش اسلوبی سے قابو کیا تھا۔

مسز داؤد کی اس عرصے میں اس سے خاصی گہری دوستی ہو چکی تھی وہ ایک سال میں دو بار ان کے گھر آئی تھی۔ انہوں نے اپنے خاندان میں ایک دو جگہ اس کی بات چلانے کی بھی کوشش کی تھی وہ ان کے خلوص کی قدر بھی کرتی تھی لیکن جب خود غرضی انسان پر عفریت کی طرح حاوی ہو جائے تو خلوص و محبت کے رشتے بہت آسانی سے پس منظر میں چلے جاتے ہیں۔ ان دونوں کے بیچ بھی یہی ہوا لنچ کے بعد وہ اسوہ اور فہد کے روم میں جبکہ ان کے ساتھ کھیلتی رہی۔ چائے کا دور چلا شام میں واک اکٹھے کی گئی اور جب آسمان پر شاہ خاور کی رخصتی کی لالی بکھرنے لگی تب بانہوں میں مگن فریال کو احساس ہوا۔

''اب میں چلوں گی مسز داؤد! بہت دیر ہو گئی ہے اب کنوینس ملنے کا بھی مسئلہ ہو گا۔''

''ارے کیوں پریشان ہوتی ہو داؤد آنے والے ہیں وہ ڈراپ کر دیں گے۔'' مسز داؤد کی محبت عروج پر تھی وہ متذبذب سی ہوئی۔

''انہیں کیوں ڈسٹرب کرتی ہیں میں چلی جاؤں گی۔''

''ارے تکلف مت کرو تم ہمارے دل کے قریب ہو ایسی غیروں جیسی باتیں مت کرو۔'' انہوں نے اس کا کندھا تھپتھپایا تو وہ مطمئن ہو گئی۔ ہاں وہ ان کے دل کے قریب تھی لیکن..... اگر وہ داؤد احمد کے دل کے قریب ہو جاتی تو کیا وہ تب بھی اتنی ہی خوش اخلاقی دکھاتیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

یہ بات اس وقت اس کے دماغ میں نہیں آئی تھی لیکن آدھے گھنٹے بعد جب وہ وداد احمد کی برائٹ نیو کرولا کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تو عجیب سے احساسات میں گھر کر اس نے فرنٹ سیٹ پر نگاہ ڈالی۔ آگ اور پٹرول کو قریب رکھ کر مسز وداد اس غلط فہمی میں تھیں کہ شعلہ نہیں بھڑکے گا تو وہ پڑھی لکھی جاہل تھیں اور عورت جب بیوی بن جائے تو ایسی جہالت کے مظاہرے سامنے پیش آ سکتے ہیں۔

فریال نے تیز مسحور کن خوشبو والا پرفیوم اسپرے کر رکھا تھا' گاڑی میں بیٹھتے وقت وہ قصداً تھوڑا اچکی اور دوپٹے کا پلو اٹھایا۔ قدرے پھیلا ہوا دوپٹہ سمیٹ کر گلے میں ڈال لیا اور وداد احمد نے بیک ویو مرر کو اس کے وجود پر سیٹ کر لیا۔ مسحور کن خوشبو' خوابناک ماحول' آرام دہ گاڑی اور معنی خیز خاموشی میں سفر پر کیف گزرا۔ اترتے ہوئے فریال نے خاص انداز سے ادا دکھاتے ہوئے شکریہ کہا اور وداد احمد کو بچا تا ہوئی کرتی ہوئی چلی گئی۔ واپس آ کر اپنی ہر دلعزیز بیوی کے ساتھ بیٹھ کر خوشگوار ماحول میں خاموشی سے نوالے توڑتا وداد...... وہ وداد نہیں رہا تھا اور یہ بڑا ظلم تھا جو مسز فائقہ وداد کو محسوس تک نہ ہوا۔ عورت اور کسی کام میں ماہر ہو نہ ہو اپنے محبوب پر اندھا اعتبار کرنے میں بے حد ماہر ہوتی ہے۔

❁......❁......❁

علیحہ چہرے بازوؤں اور کمر پر نشانات لیے ماں کے پاس آ بیٹھی تھی۔ فیضان نے اسے پیٹنا اپنا معمول بنا لیا تھا' صبح دکان پر جاتے ہوئے گھر کو باہر سے تالا لگا کر جاتا پھر بھی شکوک میں مبتلا رہتا۔ اس دوران کے درمیانی اوقات میں اسے چیک کرنے کی خاطر وہ اچانک سے گھر آیا تو اسے غیر موجود پا کر حواس باختہ ہو گیا' نہ وہ کمرے میں تھی نہ کچن یا باتھ روم میں۔ یکایک اسے چھت کا خیال آیا تو وہ سیڑھیوں کی طرف دوڑ پڑا' وہ جو ٹھنڈ کی وجہ سے دھوپ سینکنے چھت پر بیٹھی ہوئی تھی اسے دیکھ کر ڈر گئی۔ اس کے آنے کا وقت نہیں تھا اس لیے اس کا ڈرنا بجا تھا لیکن فیضان نے اسے ادھ موا کر کے کمرے میں لیا اور اسے دھن کر رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ چھت کے دروازے پر بھی تالا لگا کر جانے لگا تھا۔ علیحہ کو چھت پر جانے کا کوئی شوق نہ تھا' اسے شوہر کی بے اعتباری نے اندر سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ وہ ماں کے آگے آنسو بہا رہی تھی اور ماں کے اختیار میں کچھ نہ تھا۔ باپ ہوتا تو اس کے ساتھ کھڑا ہوتا' علیحہ در پردہ فریال کی بے راہ روی کو الزام دے رہی تھی اور فریال کان لپیٹے کمرے میں بند بیٹھی تھی۔

❁......❁......❁

"آپ کو یقیناً بہت شدید قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے مس فریال ہرگز ایسی نہیں ہیں۔ وہ بہت مخلص اور محنتی ہیں اور ہمارے اسٹاف میں سب سے بہترین ٹیچرز میں شمار ہوتی ہیں۔ والدین سے خوش اخلاقی سے پیش آنا ان کی جاب کی ضرورت ہے آپ اسے غلط مفہوم نہ دیں پلیز۔" مس منیبہ شاہد نے اپنے سامنے بیٹھے شخص کو یہ بات کہتے ہوئے انتہائی ناگواری محسوس کی تھی اور ناگواری تو اس شخص نے بھی محسوس کی تھی' جبھی اس کا لہجہ تبدیل ہوا۔

"محترمہ! میرا چھوٹا بھائی پوری طرح اس کے جال میں آ چکا تھا' اپنی طے شدہ منگنی تک توڑنے کے درپے تھا' بنا کسی کی حوصلہ افزائی کے یکطرفہ طور پر کوئی بھی اتنا آگے نہیں بڑھتا' آپ غیر جانبداری سے سوچیں۔"

"نہیں رفیق صاحب! اگر آپ کے بھائی نے ایسا کوئی قدم اٹھایا ہے تو یہ سراسر اس کی غلطی اور خوش فہمی ہے ویسے بھی ٹیچرز سے سب کا آمنا سامنا رہتا ہی ہے ایسے میں کسی کا انہیں پسند کر لینا کوئی ایسی قابل گرفت بات نہیں کہ آپ اس بات کو لے کر لڑکی پر دیدہ دلیری سے الزام لگائیں اور اپنے لڑکے کو معصوم قرار دے دیں۔" منیبہ شاہد تلخ ہو گئیں' رفیق صاحب نے پہلو بدلا اور قدرے سجاؤ سے بولے۔

"میں اپنے بھائی کو معصوم قطعی نہیں کہہ رہا' ہم نے فوری طور پر اسے سمجھا بجھا کر اس راہ سے ہٹا لیا ہے لیکن میں پھر کہوں گا کہ آپ اپنی ٹیچرز پر یوں اندھا اعتبار مت کریں' میں نے خود بھی اس لڑکی کی آنکھوں میں دعوت

http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

Downloaded from https://paksociety.com

دیکھی ہے۔ اللہ مجھے معاف فرمائے میں خود بھی بیٹی کا باپ ہوں۔ میں بہتان تراشی سے بچنا چاہتا ہوں لیکن آپ سے آنکھیں کھلی رکھنے کی گزارش ہے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھے اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ انٹرنس پر کھڑی فریال ایک بچے کے باپ سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی' بظاہر اس کے انداز میں کوئی بھی قابل گرفت بات نہ تھی لیکن کچھ تو تھا جو بری طرح انہیں کھٹک رہا تھا۔ وہ ایک تیز نگاہ اس پر ڈال کر باہر نکل گئے۔ فریال کا دھیان ان کی طرف بالکل نہیں تھا کیونکہ وہ فراز کو اپنا موبائل نمبر دے رہی تھی۔

"بہت شکریہ! آمنہ نے بہت بار کہا کہ میں آپ سے نمبر لوں' اصل میں بہت بار زینا کو پڑھاتے ہوئے اسے کچھ ایسے مسائل پیش آتے ہیں کہ وہ سوچتی ہے اگر آپ کا نمبر ہوتا تو وہ خود رابطہ کر لیتی۔" لے گروپ کے بچے کی پڑھائی کے کتنے مسائل ہوں گے جن میں آمنہ الجھ سکتی ہوگی۔ یہ نہ فراز نے سوچا تھا نہ ہی فریال کو اس سے کوئی مطلب تھا' وہ بیچ کی ان کہی بات کو سمجھ رہی تھی بس یہی کافی تھا۔ نظروں کی چوری سے شروع ہونے والے معاملے نے ایک قدم اور آگے بڑھایا تھا۔

❁.....❁.....❁

ایک روز وہ داؤد کو مارکیٹ میں نظر آئی' وہ اپنے قدموں کو اس کی طرف بڑھنے سے روک نہ پایا۔ اس وقت کی ملاقات اتفاقی اور سرسری تھی جس نے مزید چند پلان شدہ تفصیلی ملاقاتوں کا در وا کیا اور یہ داؤد واحد کی صریح بے وقوفی تھی اسے پکڑے جانے میں زیادہ دن نہیں لگے تھے۔ اس کے سالے نے اس کی پہلی ملاقات بھی دیکھی تھی اور اس کے بعد ہونے والی بھی دیکھی تھیں۔ اس نے اپنی بہن کو خبردار تو کیا تھا لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر تھا کہ لڑکی کون تھی۔ قیامت تو اس دن ٹوٹی جب داؤد واحد نے اعلان کیا کہ وہ دوسری شادی کرنے جا رہا ہے۔

❁.....❁.....❁

کچھ عرصے سے وہ بری طرح محسوس کر رہی تھی کہ فراز موبائل پر بہت مصروف رہنے لگا ہے۔ اس کے باوجود اس کا دھیان کسی ایسی سرگرمی کی طرف نہیں گیا تھا لیکن وہ اس کی بے توجہی کو بری طرح محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ کوئی بات کرتی تو ہوں ہاں سے زیادہ جواب نہ آتا' زیادہ اصرار کرتی تو وہ یکدم اسے جھڑک دیتا۔ اس کی ساس نوید ہ بیگم بھی سب دیکھ رہی تھیں اور آمنہ بے شک دور کی نہیں سوچ رہی تھی لیکن ان کا تجربہ کار دماغ بہت دور کی کوڑی لا رہا تھا لیکن وہ اسے زبان پر لانے سے خوف محسوس کر رہی تھیں۔ کئی ماہ گزر گئے تھے فراز کو آؤٹنگ ہوٹلنگ' شاپنگ کا خیال نہیں آیا تھا جو اُن کا ہر ہفتے کا معمول تھا۔

شام کو واک پہ جاتا' رات کو ٹیرس پر بیٹھ کر خوب صورت باتیں کرنا' ایک دوسرے کی مصروفیت ختم ہونے کا انتظار کرنا سب کچھ خواب ہوتا جا رہا تھا۔

آفس کے مسائل ہوتے تو یقیناً وہ پریشان نظر آتا لیکن وہ ہرگز بھی پریشان نہیں تھا بلکہ وہ تو گہری سوچوں میں غلطاں نظر آتا' بعض اوقات آمنہ کے پکارنے پر وہ چونک کر اسے ایسی اجنبی نگاہوں سے دیکھتا کہ وہ بری طرح پریشان ہو جاتی۔ وہ لاکھ احمق سہی لیکن اب وہ بھی خطرے کی بو محسوس کر چکی تھی' یہی وجہ تھی کہ مسلسل ذہنی دباؤ کی وجہ سے کبھی وہ سالن جلا دیتی' کبھی روٹی' کبھی استری کرتے ہوئے کپڑے جلا دیتی' کبھی دودھ ابلتا چھوڑ کر بھول جاتی۔ نوید ہ بیگم ان حرکتوں کے پس منظر میں کارفرما اس کے ذہنی دباؤ کو محسوس کر چکی تھیں اس لیے اسے غصہ نہیں کرتی تھیں لیکن ان سب چیزوں پر فراز کا موڈ خراب رہنے لگا تھا۔

پہلے پہل یوں ہوا کہ وہ بجز کا پھر چیختا چلاتا' آمنہ صبر و ضبط کا مظاہرہ کرتی غلطی درست کر لیتی لیکن اسے چیخنے کا موقع مل جاتا پھر وہ نوید ہ بیگم کے کنٹرول سے بھی باہر ہو گیا۔ صاف محسوس ہوتا تھا کہ وہ بہانہ ڈھونڈ رہا ہے اگر وہ آمنہ کو نااہل' نالائق' پھوہڑ اور بدسلیقہ ثابت کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا تو آمنہ نادانستہ اسے بہانے فراہم کیے جا رہی تھی۔

بالآخر آمنہ کا ضبط جواب دے گیا اور پہلی بار وہ دوبدو فراز سے لڑی' پہلی بار نوید ہ بیگم نے ان کی آوازیں گھر سے

Downloaded from https://paksociety.com

سے باہر آتی سنیں اور پہلی بار انہوں نے تراخ کی آواز سنی اور اس کے بعد چھا جانے والی بے یقین سی خاموشی کو بھی چیختا ہوا سنا۔

❁ ❁ ❁

فون بند کرتے ہی اس کے چہرے پر دھنک رنگ بکھر گئے جو اتنی دیر سے فون سنتے ہوئے خوشی کے برملا اظہار کو روکے بیٹھی تھی وہ پابندی ہٹ گئی۔ وہ بستر سے اٹھی اور جھوم گئی۔ بال کھولے اور ہونٹوں پر لپ اسٹک سجا کر خود کو آئینہ میں دیکھا تو آج پہلی بار اسے واقعی آئینہ کی سچ بیانی نے دل گرفتہ نہیں کیا۔ اسے خوب صورتی کا سرٹیفکیٹ مل گیا تھا' وہ کھلکھلا رہی تھی اس کے اندر کوئی گدگدیاں سی بھر گئی تھیں۔ زندگی خوب صورت لگنے لگی تھی' زندگی اسے خوب صورتی کا احساس دلا رہی تھی خواہ دوسروں کو وہ بدصورتی اور بے وفائی کا سبق دے رہی ہو اس کی جانے بلا۔

وہ ایک کے بعد ایک خوب صورت ترین پوز میں سیلفی لے لے کر فراز کو واٹس ایپ پر بھیجتی اور وہ اس کی دیوانگی پر مزید دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ بند دروازے کے باہر صحن کے پار کچن میں کھانا بناتی فضیلہ بیگم اگر اس بند دروازے کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ نہیں تھیں تو مکمل طور پر بے خبر بھی نہ تھیں۔ وہ اسے پریشان نہیں کرتی تھیں' انہوں نے اس کے کھلکھلانے کی آوازیں بھی سنی تھیں لیکن کان بند کرلیے تھے۔

دوسری طرف اس خوب صورت بنگلے کے بند کمرے کے پار گھریلوی آمنہ کام کاج کے دوران آتے جاتے دکھ بھری نظروں سے بند دروازے کو اس آس پر دیکھتی کہ شاید یہ اب کھل جائے لیکن دروازے جو اندر سے بند کیے جائیں وہ بند کرنے والے کی مرضی کے بغیر بھلا کب کھلتے ہیں۔ سیلفی شغل اور پیار بھری باتوں سے اکتا کر جب وہ کمرے سے نکلی تو اس کے چہرے پر پھیلی شفق نے فضیلہ بیگم کو مبہوت کردیا۔

''بات ہوئی فراز سے..... کیا کہتا ہے؟'' وہ ایک ترنگ میں فروٹ باسکٹ سے کیلے نکال کر چھیلنے لگی۔ ماں کے سوال پر چونکی پھر مسکرائی۔

''ہاں بہت جلد آئے گا' آمنہ کو طلاق دینے کا کہہ رہا تھا۔'' کیلے کا بائٹ لیتے ہوئے اس نے یہ بات جتنے آرام سے کی تھی فضیلہ بیگم اتنی ہی بے آرام ہوئی تھیں۔

''تو طلاق کیوں دے رہا ہے' اسے الگ رکھے تمہیں الگ۔'' کیلا کھاتی فریال کا منہ رکا اور اس نے سرد نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

''یہ اس کا ذاتی فیصلہ ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔'' لیکن سچ بہرحال یہی تھا کہ وہ خود ایسا نہیں چاہتی تھی۔ کیلے کے چھلکے ڈسٹ بن میں اچھال کر وہ وہیں بیٹھ گئی اور ماں کو تفصیل بتانے لگی۔

❁ ❁ ❁

طلاق کا فیصلہ لینا جتنا آسان ہوتا ہے اس پر عمل کرنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ فریال سے بات کرکے ہر بار وہ نئے سرے سے خود کو تر و تازہ اور مزید جوان محسوس کرنے لگتا تھا لیکن جوں ہی اگلا لائحہ عمل طے کرنے لگتا تو خوف' پریشانی اور درد بادل کر اس پر حملہ کردیتے' وہ بری طرح الجھ جاتا یہ سب اتنا آسان تو نہ تھا۔

اس کے آگے صرف ماں تھی جسے وہ اکلوتا لاڈلا بیٹا ہونے کے ناتے جذباتی حربے آزما کر بھی زیر کرسکتا تھا لیکن دوسری طرف بیوی اور اس کے گھر والے' بس یہیں آ کر اس کی سوچ مفلوج سی ہوجاتی۔

کھانا کھانے کے دوران بھی وہ اسی ادھیڑ بن میں لگا رہا۔ اتوار کی وجہ سے زینیا مسلسل پارک لے جانے کی ضد کررہی تھی۔ وہ ہاتھ میں موبائل تھامے صوفہ کم بیڈ پر بیٹھا اس کی ضد کے جواب میں مسلسل غائب دماغی سے ہوں ہاں کیے جا رہا تھا۔ آمنہ آتے جاتے اس کی الجھن بھری غائب دماغی کو نوٹ کررہی تھی یکایک زینیا نے اس کی بے توجہی سے جھنجلا کر اس کا بازو کھینچا تو موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کارپٹ پہ جا گرا نہ اونچائی زیادہ تھی نہ موبائل کو نقصان پہنچنے کا کوئی اندیشہ تھا پھر بھی نجانے کیوں فراز کو اس قدر غصہ آیا کہ اس نے کھینچ کر زینیا کے پھول سے گال

Downloaded from https://paksociety.com

پر تھپڑ دے مارا۔ پاس بیٹھی نوید بیگم کا ہاتھ تسبیح پر ساکت ہوا تھا تو آمنہ کا منہ صاف کرتا ہاتھ بھی وہیں تھم گیا تھا۔ سرخ گال لیے باہر کو ابلی ہوئی آنکھوں میں شدید حیرت، دکھ اور شکوے لیے زینیا بھی رونا بھول گئی اور داؤد دھڑ دھڑ کرتا باہر نکل گیا۔

"تانیا تم یہ بھول چکے ہو کہ تم دو بچوں کے باپ ہو اور تمہاری بیوی تمہاری اپنی محبت ہے جس سے تم نے خاندان سے ٹکر لے کر شادی کی تھی۔ کیا تم ہمیں یہ بتانا چاہتے ہو کہ تم بار بار یہی عمل دہراؤ گے اور ہر تھوڑے عرصے بعد ایک نئی لڑکی کے لیے خاندان سے ٹکر لو گے۔"

داؤد احمد فطرتاً برا نہیں تھا اس نے زندگی میں صرف ایک ہی بار ہٹ دھرمی دکھائی تھی فائقہ سے شادی کرنے کی خاطر۔ اس کے بعد کئی برس سے ان دونوں کی ازدواجی زندگی بہت بہترین گزر رہی تھی اور اب یہ پتھر جو ان کی زندگی کی پرسکون جھیل میں بری طرح ارتعاش پیدا کرنے کا سبب بنا تھا اسے بروقت راستے سے ہٹانے کے لیے فائقہ نے اپنے باپ اور بھائیوں کو بلوایا تھا اور پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل داؤد اپنے سسر کی ٹھنڈی ٹھنڈی باتوں سے شرمندگی کی کھائیوں میں گرتا چلا جا رہا تھا۔ اسے فائقہ سے حقیقی محبت تھی لیکن اس کی محبت شادی سے پہلے یکطرفہ تھی اسی لیے فائقہ کا اپنے سسرال میں بھی اچھا مقام تھا۔ سسر نے داؤد کو اچھی طرح لتاڑ دیا تو اس کا وقتی محبت کا ابال منٹوں میں اتر گیا۔

اگر وہ دوسری شادی کا اعلان نہ کرتا تب فائقہ از خود اس مسئلے کو خاموشی اور دانشمندی سے حل کر لیتی لیکن اس کا شادی کا اعلان پانی سر سے اونچا ہونے کی نشاندہی کر رہا تھا اور ایسے میں پانی کو روکنے کے اقدامات پر سوچنے کی بجائے ہنگامی بنیادوں پر کارروائیاں ضروری ہو جاتی ہیں اور پھر جب فائقہ پر یہ راز کھلا کہ وہ لڑکی کوئی اور نہیں بلکہ اس کی ہر دلعزیز فریال ہے تب اس کا دنیا پر سے اعتبار اٹھ گیا۔ اپنی قوت فیصلہ پر اس کا مان اور بھروسہ چکنا چور ہو گیا اس لیے مزید کوئی جذباتی فیصلہ لینے کی بجائے اس نے سیدھے سبھاؤ اپنے گھر والوں کو اس معاملے میں شریک کر لیا۔ داؤد نے بعد میں اس سے معافی مانگی اور اس نے معاف کر دیا کیونکہ اس کے پاس کوئی آپشن نہیں تھا۔

بظاہر ان دونوں کے بیچ سب کچھ پہلے جیسا ہو گیا تھا لیکن...... حقیقت میں کیا واقعی سب کچھ پہلے جیسا ہو سکا تھا؟ فائقہ کو داؤد پر اعتبار نہیں رہا تھا اب دو بچوں کو پک اینڈ ڈراپ خود دیتی تھی لیکن...... کیا نقب لگنے کا خدشہ صرف اسکول کی حد تک ہی ہوتا ہے؟ وہ مرد تھا سارا دن باہر ہی گزارتا تھا۔

شادی کے دس برسوں میں داؤد کی جس طوفانی محبت پر وہ ناز کرتی آئی تھی اسی پر آج وہ عدم تحفظ کا شکار ہوئی تھی لیکن اعتبار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا یوں بھی مرد پر شک کرنا اور پھر کرتے رہنا اسے شک کو یقین کی سطح تک لے جانے کی ضد دلا دیتا ہے اور وہ اسے ضد نہیں دلانا چاہتی تھی سو نہ چاہتے ہوئے بھی زندگی کو معمول پر لے آئی لیکن فریال کو وہ تاعمر معاف نہیں کر سکتی تھی۔

اسے منہ پر کچھ کہہ کر وہ اپنی ذات کو ہلکا نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے اپنا رویہ سرد کر لیا اور فریال بھی بچی تو نہ تھی سب سمجھتی تھی۔ تابوت میں آخری کیل کے طور پر اس نے داؤد سے اپنے سامنے فریال کو کال کروائی اور اسپیکر آن دکھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی داؤد یہ کرنے پر مجبور تھا، وہ بہکا ضرور تھا لیکن فطرتاً شیطان نہیں تھا، اس لیے اس نے خاموشی سے کال ملا کر اسپیکر آن کر دیا۔ فریال کے کال ریسیو کرنے پر داؤد نے بولنا شروع کیا۔

"فریال تم سے شادی کا وعدہ کرنا میری زندگی کی بہت بڑی غلطی تھی اور اس غلطی پر میں شرمندہ ہوں کیونکہ میں وقتی طور پر بہکا ضرور تھا لیکن مجھے اپنی بیوی اور بچوں سے بے حد محبت ہے میں انہیں داؤ پر نہیں لگا سکتا۔" دوسری طرف موت کی خاموشی چھا گئی پھر فریال کی بکھری بکھری آواز ابھری۔

"وقتی طور پر بھی کیوں بہکے؟ مجھے دھوکا دینے کے

Downloaded from https://paksociety.com

لیے؟''

''میں بہکا لیکن مجھے بہکانا بھی تم نے اور اکسایا بھی تم نے۔ آج سوچتا ہوں اتنا چاہنے والی بیوی کے ہوتے ہوئے میں تمہارے ہتھکنڈوں میں آیا ہی کیوں جس طرح میری بیوی نے دوستی کے نام پر تم پر خلوص و محبت نچھاور کی تم نے اسی کے گھر میں نقب لگائی ایک بار بھی نہ سوچا اس کے اعتبار کو چکنا چور کردیا۔ ہاں ٹھیک ہے میں نے بھی اس کا اعتبار توڑا اس کا دل دکھایا لیکن انجانے میں۔ تم نے جو بھی کیا قصداً کیا' پلاننگ سے کیا۔'' وہ بولتے بولتے ہانپ گیا۔

دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی' وہ فون لاک کرکے مڑا تو ساکت رہ گیا۔ فائقہ کی آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی صورت بہہ رہے تھے۔ اس کا دل چاہا دو زمین میں دھنس جائے' دو خود میں اتنی ہمت بھی نہ پاتا تھا کہ اس کے آنسو پونچھ کر گلے لگا کر تسلی دے سکے کیونکہ ان آنسوؤں کا منبع اس کی ذات تھی۔

کرسی کی ہتھی پر کہنی ٹکائے بیٹھی وہ دوسرے ہاتھ کی انگلیاں آنکھوں پر رکھے بے آواز رو رہی تھی۔ داؤد آگے بڑھا اور اس کے قدموں میں بیٹھ کر اس کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا' دونوں کے آنسو ایک ساتھ رواں تھے۔

❁.....❁.....❁

داؤد کی کال کاٹ دینے کی وجہ رنج یا غصہ نہیں تھی وہ کچھ اور تھا جس نے فریال کو بے اختیار کال کاٹ دینے پر مجبور کیا تھا۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر حواس باختگی سے آنسوؤں سے تر چہرہ لیے داخل ہونے والی اس کی ماں تھی۔ جس کے چہرے پر پھیلے زلزلے نے اسے بے اختیار کال کاٹنے پر مجبور کیا تھا اور اس ماں کے لبوں سے ادا ہونے والے جملے نے گویا اسے پہاڑ سے نیچے دھکا دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

آمنہ اور نوید بیگم بری طرح پریشان تھیں' فراز کا رویہ دن بدن بدترین ہوتا جارہا تھا۔ اب دو بات بے بات بھی آمنہ کو تو کبھی زینیا کو دھن کر رکھ دیتا تھا۔ نوید بیگم نے بہت بار اسے سمجھانا چاہا لیکن وہ ہتھے سے اکھڑ جاتا تھا اور گن گن کر آمنہ میں وہ خامیاں نکالتا جو نہ تو اس میں موجود تھیں اور نہ ہی ان کو مار پیٹ کی وجہ بنانے کی کوئی تک سمجھ میں آتی تھی۔ اس روز بھی وہ محض اس بات پر آمنہ کو لاتیں مکے رسید کرکے گیا تھا کہ اس نے قورمے میں مرچیں کیوں تیز کردی تھیں جبکہ وہ گھر والوں کی ذائقے کی مناسبت سے ہی نمک مرچ ڈالتی تھی۔

ایک دن اس نے زینیا کو اس بات پر پائپ سے مارا کہ لان میں کھیلتے ہوئے اس نے اپنی سفید فراک گندی کرلی تھی۔ زینیا پر ان تمام باتوں کا بے حد منفی اثر پڑ رہا تھا' اس کا پڑھائی سے دھیان ہٹ گیا۔ دو راتوں کو اٹھ اٹھ کر چیخنے اور رونے لگی تب بھی فراز نے اسے مارا پیٹا تو اس کے بعد نوید بیگم اسے اپنے ساتھ سلانے لگیں۔

اس کے بعد والدین میٹنگ میں فریال نے زینیا کی بہت سی شکایات کیں' گرتی ہوئی پرا گریس سے باخبر کیا تو فراز نے ایک بار پھر گھر آکر ہنگامہ کیا۔

''ساری دنیا کے سامنے میری بے عزتی کرواکر کون سے مقاصد پورے کرنا چاہتی ہو تم ماں بیٹی؟ کیا بتانا چاہتی ہو کہ بہت ظلم ہوتا ہے تم دونوں پر۔'' وہ دہاڑ رہا تھا اور زینیا اسٹور روم میں چھپی بیٹھی تھی۔

''بچوں کے ساتھ یہ سلسلے چلتے رہتے ہیں' پہلے بھی زینیا کی پرا گریس میں مسائل آتے رہے ہیں تب تو آپ نے ایسا ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا' اب اچانک سے آپ کا اتنا شدید ردعمل میری سمجھ سے بالاتر ہے۔'' آمنہ تلخ ہوئی تو فراز نے ہاتھ میں پکڑا گلاس زمین پر دے مارا' کانچ دور تک بکھر گیا۔ نوید بیگم نے دہل کر دل پر ہاتھ رکھا' آمنہ کا رنگ زرد پڑ گیا۔

''کیا کہنا چاہتی ہو تم ہاں۔'' اس نے آمنہ کو بالوں سے پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا تو اس کی سسکیاں نکل گئیں' نوید بیگم تڑپ کر آگے بڑھیں۔

''چھوڑو اسے فراز یہ کیا پاگل پن ہے؟ کیا میں نے ایسی تربیت کی تھی تمہاری؟ کسی کی بیٹی کے ساتھ ایسا کرتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئے مت بھولو کہ تم بھی ایک بیٹی کے باپ ہو۔ باپ بن کر سوچو اگر تمہاری بیٹی کے ساتھ کوئی ایسا کرے تو کیا ہوگا۔" فراز کے ہاتھ کی گرفت ایک لمحے کو ڈھیلی پڑی۔

"کسی کی بیٹی۔" ذہن میں فریال کا روپ لہرایا۔

"میری بیٹی....." ذینیا نے فریال کا روپ دھارا۔

اسے پھر سے طیش نے اپنی لپیٹ میں لیا' بے بسی کے شدید احساس کے زیر اثر اس نے آمنہ کے بالوں کو جھٹکا دے کر اسے دھکیلا تو وہ زمین پر جا گری۔ کانچ کے ٹکڑے اس کی ہتھیلیوں میں گھس گئے' فراز تن فن کرتا باہر نکل گیا۔ جاتے جاتے اس کے الفاظ اس کی روح تک کو کرچیوں سے لہولہان کر گئے۔

"جینا حرام ہوگیا ہے میرا' ان ماں بیٹی نے زندگی تنگ کردی ہے مجھ پر' کرنا پڑے گا کوئی پکا بندوبست۔" نوید بیگم جو آمنہ کے ہاتھوں کو تھامے رو رہی تھیں اس جملے پر ان کے آنسو تھم گئے' آنکھوں کے کناروں پر ہی جم گئے' اسٹور روم میں سوٹ کیسز اور بستروں کے بیچ میں بنے چھوٹے سے خلا میں چھپ کر کھڑی بنی ذینیا روتے روتے وہیں سو گئی۔

❁.....❁.....❁

یہ چند روز بعد کی بات ہے جب فراز کسی کام سے شہر سے باہر گیا تو آمنہ خود ذینیا کو لینے اسکول گئی۔ فراز نے اگلے روز واپس آنا تھا' ذینیا کو اسکول سے لے کر وہ چند قدم چلی ہوگی کہ کسی نے اسے پیچھے سے آواز دے کر روکا۔ وہ مڑی' پیچھے ایک خوب صورت سی خاتون ایک بچے اور بچی کا ہاتھ تھامے کھڑی تھیں۔

"آپ اس بچی کی ماما ہیں؟" اس عورت نے پوچھا تو آمنہ نے اثبات میں سر ہلادیا۔ وہ عورت چند لمحے متذبذب کھڑی رہی پھر بولی۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے' آج آپ کے شوہر نہیں آئے؟" آمنہ نے اس کے دونوں جملوں میں ربط تلاش کرتے ہوئے تعجب محسوس کیا پھر بولی۔

"جی وہ آؤٹ آف سٹی ہیں' آج اس لیے میں آئی۔"

"اچھا میں ذرا بچوں کو گاڑی میں بٹھادوں پھر بات کرتی ہوں آپ یہیں کھڑی رہیے۔ جایئے گا مت' اصل میں بچوں کے سامنے ایسی بات کرنا مناسب نہیں۔" آمنہ مزید الجھ گئی۔

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"میں آکر بتاتی ہوں آپ کو۔" وہ سامنے کھڑی کار میں بچوں کو بٹھا کر کچھ ہدایات دیتی واپس اس کی طرف آئی جو فٹ پاتھ پر ذینیا کا ہاتھ تھامے ساکت کھڑی تھی' نجانے کیوں اس کا دل ہول رہا تھا' وہ عورت واپس آئی اور بولی۔

"میں مسز فائقہ داؤد ہوں۔"

❁.....❁.....❁

داؤد کے صاف دامن بچالینے کے بعد فریال کو دکھ تو ہوا تھا لیکن بہت جلد ہی یہ دکھ اس وقت زائل ہوگیا جب اس کی نظر فراز پر پڑی۔ فراز اور آمنہ کے بیچ محبت اور ہم آہنگی ہر کسی کو صاف نظر آتی تھی' وہ ایک اچھا شوہر تھا۔ وہ اس کی جانب مائل ہوجاتا تو اس کے لیے بھی اچھا شوہر ثابت ہوسکتا تھا۔ محض چند بار جب وہ میٹنگ میں آمنہ کے بغیر آیا تو فریال کی نظروں کا زاویہ بدل گیا۔ اس سے پہلے تک اس کے ذہن میں ایسا خیال نہیں آیا تھا لیکن فراز بھی جب اکیلا آیا تو زیادہ فرینک انداز میں بات کی۔

فریال کو اس کا انداز اچھا لگا' اسے فریال کی خوش اخلاقی پسند آئی اور پھر بھی سنوری خوشبوؤں میں بسی فٹنگ والا خوب صورت اسٹائلش لباس پہنے دوپٹہ گلے میں اٹکائے وہ اس کے سامنے جس اعتماد سے بیٹھی تھی تو آج آمنہ کی غیر موجودگی کے باعث وہ آزادانہ اسے دیکھ سکتا تھا' جانچ سکتا تھا۔ نگاہوں کی اس خیانت نے دل تک کا سفر آسانی طے کیا اور پھر خیانت کی منزلیں ایک کے بعد ایک عبور ہوتی چلی گئیں۔

داؤد کی نسبت فراز زیادہ خود مختار اور بولڈ ثابت ہوا تھا' وہ دنوں میں اس کا اسیر ہوا۔ ہفتوں میں اس نے ماں بیوی اور بیٹی کی محبت کو بھلایا اور چند ماہ میں آمنہ کو طلاق

Downloaded from https://paksociety.com

دینے کا پلان بھی بنالیا۔ داؤد نے ایسے کوئی ارادے کبھی ظاہر نہیں کیے تھے داؤد اور فراز کا موازنہ کرتے کرتے وہ بھی فراز کی محبت میں پور پور ڈوب گئی۔

داؤد نے اس کے بے باک انداز اور لباس پر تنقید کی تھی اسے صاف لفظوں میں کہا تھا کہ اس نے خود داؤد کو اپنی طرف مائل کیا تھا اور اکسایا تھا۔ اس کے الفاظ فریال کو کوڑے کی طرح لگے تھے اس لیے فراز کے ساتھ وہ انتہائی شرافت اور بردباری سے پیش آتی۔ اپنا ردعمل یوں رکھتی گویا وہ بہت وضع دار انا پرست اور اصول پسند لڑکی ہے اور اسے فراز کی کوئی خاص پروا نہیں۔ مرد خود پر نچھاور ہونے والی عورت کی بجائے اس عورت کی طرف فوراً اٹریکٹ ہوتا ہے جو اس سے دور بھاگتی ہے یا اسے توجہ نہیں دیتی' یہ عین فطرت ہے۔ سو فراز کو بھی فریال کے تجاہل میں کشش محسوس ہوتی تھی' فریال نے اس بے نیازی کو اتنا بڑھایا کہ وہ پاگل پن کی حدوں کو آ گیا۔

آمنہ کو طلاق دینے کا فیصلہ تو اس نے کرلیا تھا لیکن اس پر عمل وہ آمنہ کے ذریعے ہی کرنا چاہ رہا تھا۔ اس لیے اس نے اوچھوں کے پہاڑ توڑ ڈالے لیکن آمنہ نے اس کا مقصد پورا نہ کیا۔ وہ اس کا مقصد جان جاتی تو ضرور پورا کردیتی لیکن وہ سادہ دل بے خوف یہ جان ہی تو نہیں سکی تھی۔ دوسری طرف فضیلہ بیگم بھی اب فراز سے ڈائریکٹ بات کرکے اسے وارننگ دے چکی تھیں کہ وہ جلد فریال کے حوالے سے کوئی فیصلہ لے ورنہ اس سے تعلق توڑ دے۔ فریال نے بھی تھوڑی ناراضی دکھانا شروع کردی تھی اس لیے اس کی فرسٹریشن انتہا پر تھی۔

"فیضان نے ملیحہ کو طلاق دے دی ہے۔"

یہ وہ روح فرسا جملہ تھا جس سے پہلے ماں کے تاثرات دیکھ کر فریال نے داؤد کی کال کاٹی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی باہر نکلی تو برآمدے میں ملیحہ اجڑی کی صورت لیے بیٹھی تھی اس نے اسے گلے لگایا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کا جسم نیل و نیل تھا' چہرہ سوجا ہوا تھا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ جس روز فیضان چھت کو تالا لگانا بھول گیا تھا اس روز وہ چھت پر چلی گئی تھی اور دو گھنٹے بعد فیضان کو یاد آیا کہ وہ چھت لاک کرنا بھول گیا تھا تو وہ بھاگم بھاگ گھر پہنچا اور پھر......

"میرا کیا قصور تھا' کون سا گناہ میں نے کیا تھا جس کی مجھے ایسی سزا مل رہی ہے۔" ملیحہ وقفے وقفے سے یہی بین کرتی اور فضیلہ بیگم اور فریال ایک دوسرے سے نظریں چرائے خود احتسابی کے عمل کو اندر ہی اندر گلا گھونٹ کر مارنے کی کوشش کرتی رہیں۔ مغرب کے بعد کا وقت تھا جب فیضان ملیحہ کو لینے آیا' وہ تینوں حق دق رہ گئیں۔

"فیضان غالباً تم اسے طلاق دے چکے ہو۔" فضیلہ بیگم کا لہجہ ٹھنڈا تھا۔

"جی ہاں......" اس کا لہجہ مزید سرد تھا۔ "لیکن آپ اپنی بیٹی سے پوچھ لیں کہ میں نے صرف ایک طلاق دی تھی اور میں رجوع کرنے کے لیے ہی اسے لینے آیا ہوں۔" فضیلہ بیگم نے ملیحہ کی طرف دیکھا تو خالی خالی آنکھوں کے ساتھ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"لیکن فیضان یہ تمہاری بیوی ہے' اسے پیار محبت سے سمجھاؤ۔ اتنی خودسری نہیں ہے یوں مارپیٹ کرنا کہاں کی مردانگی ہے۔" فضیلہ بیگم نے ناگواری سے کہا تو اس کا چہرہ انگارہ ہوگیا۔

"آپ کے گھر میں کوئی مرد ہوتا تو آپ کو بتاتا کہ مردانگی کسے کہتے ہیں۔ یہ میں جانتا ہوں کہ اس گھر کی لڑکیوں کو کنٹرول کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے لہٰذا آپ خاموش رہیں اور میرا بھی منہ نہ ہی کھلوائیں تو بہتر ہے۔" فریال پر ایک زہرخند نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے بدلحاظی کی حد کردی۔ فضیلہ بیگم کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔

ملیحہ نے خاموشی سے پرس اٹھایا اور اس کے ساتھ چل دی۔ اس کا دل خوف سے لرز رہا تھا اور اس کا خوف بے جا نہ تھا۔ گھر پہنچتے ہی فیضان نے ایک بار پھر اسے زدوکوب کیا۔

"اپنی ماں سے میری شکایتیں لگائے گی۔" ایک

Downloaded from https://paksociety.com

ضرب کر کے۔

"اپنی دو نمبر بہن کے آگے میرا رونا رووے گی۔"

دوسری ضرب گردن پر اور پھر مغلظات کا طوفان تھا جس کے ساتھ ساتھ اپنے نام نہاد حقوق استعمال کرتے ہوئے اس نے اس کے جسم و روح کو بری طرح پامال کیا اور بقیہ رات اسے سسکنے کے لیے نیچے فرش پر دھکیل دیا۔

❁......❁......❁

آمنہ گرتی پڑتی گھر میں داخل ہوئی اور لاؤنج میں ہی صوفے پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رودی اس کے رونے کی آواز سن کر نویدہ بیگم کمرے سے باہر آ گئیں۔

"کیا ہوا آمنہ! خدا خیر کرے' زینیا آپ ٹھیک ہو۔"

زینیا ہراساں سی ماں کو دیکھ رہی تھی' آمنہ اب بین کرنے لگی تھی۔

"میں برباد ہو گئی امی جی...... برباد ہو گئی......!"

"بیٹی کیا کہہ رہی ہو آمنہ! ہوش کرو کیا ہوا...... تم تو اسکول گئی تھیں۔" نویدہ بیگم کی سانسیں اکھڑنے لگیں' رنگ سفید پڑ گیا۔ آمنہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی اور بال نوچ رہی تھی۔

"کچھ تو بتا میری بچی! میرا دل بند ہو جائے گا۔" ان کی آواز بھرا گئی۔ وہ ماشاء اللہ صحت مند تھیں انہیں کوئی بیماری نہ تھی لیکن ایسی ہولناک صورت حال میں بیماری پیدا ہوتے دیر بھی نہیں لگتی۔ آمنہ نے خود کو سنبھالا' انہوں نے اسے پانی پلایا پھر وہ کچھ کہنے کے قابل ہوئی اور پھر نویدہ بیگم کچھ کہنے کے قابل نہ رہیں' فراز کا فریال سے افیئر...... اس سے بھی قتل فریال کا دادو سے افیئر۔

فائقہ نے اسے پہلے اپنے ساتھ ہونے والا حادثہ بتایا پھر جو کچھ اس نے مختلف اوقات میں فریال اور فراز کے بیچ محسوس کیا وہی بات چند اور خواتین نے بھی محسوس کی۔ آمنہ اسکول جاتی ہی نہ تھی ورنہ وہ شروع میں ہی اسے خبردار کر دیتی۔ فراز کے پابندی سے پک اینڈ ڈراپ کی ڈیوٹی سنبھالنے پر آمنہ نے تو شکر کیا تھا آہستہ آہستہ وہ والدین میٹنگ سے بھی بری الذمہ ہو گئی لیکن وہ اس سب کے نتائج سے واقف نہ تھی۔ اگر فراز کا تیزی سے بدلتا رویہ اسے پریشان نہ کرتا تو شاید وہ فائقہ کی بات کا کبھی اعتبار نہ کرتی لیکن اب اسے کرنا پڑ رہا تھا۔

فائقہ سے اس کا بھلا تعلق ہی کیا تھا جو وہ اسے مس گائیڈ کرنے کی کوشش کرتی۔ نویدہ بیگم کے لیے یہ سب کچھ ناقابل برداشت تھا۔ وہ اگلے ہی روز آمنہ کے ساتھ خود زینیا کو اسکول ڈراپ کرنے گئیں' اسے کلاس میں بھیج کر وہ دونوں پرنسپل منیبہ شاہد کے آفس میں آ گئیں۔ ساری بات انہیں بتا کر وہ دونوں خاموش ہوئیں تو منیبہ شاہد گہری سوچ میں پڑ گئیں پھر بولیں۔

"مسز فائقہ! دادو کی بات بالکل سچ ہے' انہوں نے اپنے بیٹے کا سیکشن تبدیل کروایا تھا اور میڈم نے فریال کو وارننگ لیٹر جاری کیا تھا۔ اس کے بعد اتنے عرصے تک کوئی کمپلین نہیں آئی' ہم نے ایک دو والدین سے بھی پوچھا تھا سب مطمئن تھے تو ہم بھی مطمئن ہو گئے۔ اب آپ کو میں یہی کہوں گی کہ ایک بار فراز صاحب سے دوٹوک بات کریں۔ وہ واضح اقرار کریں تو میں آپ کے ساتھ ہوں' میں آپ کے سامنے فریال کو ٹرمینیٹ کر دوں گی کیونکہ ابھی آپ کی بات کو سنی سنائی بات کہہ کر فریال بھی رد کر سکتی ہے اور فراز صاحب بھی' آپ بس تھوڑا سا تحمل اور کریں' سب کچھ خود ہی واضح ہو جائے گا۔ مجھے غلط مت سمجھئے گا' میں آپ کے ہی فائدے کی بات کر رہی ہوں۔" نویدہ بیگم اور آمنہ کو اس کی بات ٹھیک لگی' وہ واپس آ گئیں۔

اسی شام فراز واپس آیا' سامان کمرے میں رکھ کر وہ شاور لینے گیا تو آمنہ نے اس کا موبائل اٹھا لیا۔ لرزتے ہاتھوں سے ان باکس کھولا' واٹس ایپ چیک کیا' اسے لگا اس کے سینے میں موجود دل سے قطرہ قطرہ خون رس رہا تھا۔ فریال اور فراز کی قابل اعتراض میسجنگ' فریال کی تصاویر ان دونوں کا دیوانہ پن واضح ہوتا جا رہا تھا اور پھر حالیہ میسج جس میں فراز نے آمنہ کو طلاق دینے کے وعدے کر رکھے تھے۔ آمنہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔

شاور بند ہونے کی آواز آئی تو وہ موبائل لیے نویدہ بیگم

Downloaded from https://paksociety.com

کے کمرے کی طرف بھاگی۔ جلدی جلدی جتنا ہوسکا انہیں دکھایا' اسی دم فراز پکارتا ہوا اس طرف آنے لگا۔ نوید بیگم نے موبائل دوپٹے کی اوٹ میں کرلیا۔

"میرا موبائل کہاں ہے آمنہ؟" اس کی آنکھوں میں شک ابھرا' نوید بیگم نے ہاتھ دوپٹے سے باہر نکالا۔

"یہ میرے پاس ہے تیرے گناہوں کی پوٹ' کہاں کی رہ گئی تھی۔ میری تربیت میں جو تو نے عمر کے اس دور میں آکر یہ کمینگی دکھائی۔" فراز کی آنکھوں میں خون اتر آیا' اس نے ماں کے ہاتھ سے موبائل جھپٹا اور چیل کی طرح آمنہ کی طرف لپکا۔

"اچھا ہوا جو تمہیں خود ہی پتا چل گیا' تم میری زندگی کا ناسور ہے۔ میں تمہیں یوں بھی طلاق دینے والا تھا' تم نے میرا کام آسان کردیا۔ اب دفع ہوجاؤ میرے گھر اور میری نظروں سے۔" وہ اسے پیٹ رہا تھا جب نوید بیگم نے آہنی گرفت سے اس کا بازو پکڑا اور شیرنی کی طرح چنگھاڑی۔

"بس......اب اور نہیں' کل کے دیتے آج دو اسے طلاق اور گھر سے دفع یہ نہیں تم ہوگے فراز سلیم کیونکہ تم بھول رہے ہو کہ یہ گھر میرے نام ہے اور میں تم جیسی ناخلف اور گمراہ اولاد کے ساتھ رہنے کی بجائے اس پرائی بچی کے ساتھ رہنے کو ترجیح دوں گی جس نے صحیح معنوں میں میری بیٹی بن کر دکھایا۔ میرے گھر کا پردہ چاک نہیں کیا' میں آج سے بس اسی کی ماں ہوں۔ دفع ہوجاؤ تم اپنی مکروہ صورت لے کر یہاں سے' ہمیں کھلانے والا اللہ ہے' ہمیں تمہاری حرام کمائی نہیں چاہیے۔ ہاں حرام کاریوں کے بعد تمہاری حلال کمائی بھی حرام ہی ہے۔ میری بددعا ہے تم عمر بھر لوگوں کی ٹھوکروں کی زد میں رہو' ٹھیک اسی طرح جس طرح تم نے اس مظلوم کو اپنی ٹھوکروں کی زد میں رکھا۔" وہ کرسی' میز' صوفہ ہر چیز کو لاتیں مارتا مغلظات بکتا گھر سے باہر نکل گیا۔

❁......❁......❁

منیبہ شاہد کی بے بسی اور دکھ انتہا پر تھا۔ پہلی نظر میں وہ اسے پہچان ہی نہ پائی تھیں۔ ایک آنکھ سوجی ہوئی اور دوسرے گال پر نیل لیے اس کا چہرہ تو ان کے سامنے عیاں تھا لیکن باقی جسم اور روح پر جتنے گھاؤ ہوں گے وہ نہ تو آمنہ کے لیے دکھانا ممکن تھا نہ منیبہ شاہد کے لیے سہنا۔ انہوں نے بیل بجا کر پہلے چپراسی کو بلایا' دروازے کی طرف آمنہ کی پشت تھی۔ نوید بیگم بھی ساتھ ہی بیٹھی تھیں' چپراسی آیا تو منیبہ شاہد نے سختی سے کہا۔

"مس فریال سے کہیں کلاس کو مس دردہ کے حوالے کرکے دو منٹ میں میرے آفس میں آئیں۔" چپراسی چلا گیا تب بھی وہ خاموش ہی رہیں' ان کے پاس افسوس کرنے کو الفاظ ہی نہیں بچے تھے۔ ٹھیک دو منٹ کے اندر اندر فریال آفس میں داخل ہوئی' منیبہ شاہد نے کاٹ دار نگاہوں سے اس کا استقبال کیا اور آمنہ کی طرف اشارہ کیا جسے وہ دیکھ نہیں پائی تھی۔

"ان سے ملیے' یہ ہیں مسز آمنہ فراز اور یہ فراز صاحب کی والدہ جن کا ایک ہی بیٹا ہے۔" ان کے لہجے میں جو کچھ تھا اسے سمجھنے کے لیے کسی ڈگری کی ضرورت نہیں تھی۔ فریال کا چہرہ سفید پڑ گیا' نوید بیگم انتہائی تنفر لیے اس کے خوب صورت چہرے کو دیکھ رہی تھیں جبکہ آمنہ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کررہی تھی البتہ اس کے چہرے پر پڑے نیل فریال کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہے تھے اور وہ ان زخموں کے پس منظر سے واقف ہونے کے باوجود لرز گئی' منیبہ شاہد نے انٹرکام اٹھایا اور بولیں۔

"سائرہ! آپ ذرا میرے آفس میں آیئے۔" فریال نے چونک کر ان کی طرف دیکھا' انہوں نے اپنی پی اے کو کیوں بلوایا تھا وہ ڈر گئی۔ دو منٹ بعد ان کی پی اے سائرہ اندر آئی تو وہ بولیں۔

"آپ فریال کا ٹرمینیشن لیٹر تیار کردیں' ابھی اور اسی وقت پانچ منٹ کے اندر۔" سائرہ یکدم بوکھلا گئی۔

"جی میم!" اس کا انداز سوالیہ تھا۔

"میں نے فارسی نہیں بولی مس سائرہ! آپ لیٹر تیار کریں اور اس میں ٹرمینیشن کی وجہ ان کا بدترین کریکٹر بیان کرنا ہے۔" سائرہ کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں' فریال کا

Downloaded from https://paksociety.com

چہرہ تاریک ہوگیا وہ ایک لفظ منہ سے نکالنے کے قابل نہ تھی۔

"یس میم! اور ایکسپیرینس سرٹیفکیٹ؟"

"ہرگز نہیں انہیں صرف کریکٹر سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے۔" سائرہ حواس باختہ سی باہر نکل گئی۔ نوید بیگم نے چادر کی جھولی اٹھائی اور بولیں۔

"میری بددعا ہے کہ میرے اکلوتے بیٹے اور بجیوں جیسی بہو کی زندگی برباد کرنے والی تاعمر روئے اور تڑپے اسی طرح جیسے ہم تڑپے۔ اس کے سر کو کبھی سایہ نصیب نہ ہو کیونکہ اس نے میری اکلوتی بہو کے سر سے اس کی چھایا چھین کر اپنے سر پر سجانے کی کوشش کی ہے۔" منیبہ شاہد اپنی سسکیوں پر قابو نہ پاسکیں۔ فریال نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخوں کا گلا گھونٹا اور آنسو...... وہ ہنوز بت بنی بیٹھی تھی۔

فیضان کو کسی نے کہہ دیا تھا کہ شادی سے پہلے ملیحہ بھی اتنی ہی رنگین مزاج تھی جتنی اب فریال ہے۔ وہ جو اس کے دروازے تک جانے پر بھی شک کرتا تھا اس کے لیے ایک غیر مرد سے ایسی بات سننا تازیانے سے کم نہ تھا۔ سوئے اتفاق کہ روز روز کے جھگڑوں سے عاجز آکر ملیحہ نے سوچا اسے اپنی روش بدلنی چاہیے فیضان سے محبت سے پیش آنا چاہیے شاید اس طرح وہ نرم پڑ جائے۔

اسی سوچ کے تحت اس نے ساری کثیف سوچیں جھٹک کر شاور لیا اور اچھا سا لباس پہن کر ہلکا پھلکا سا میک اپ کرلیا۔ اب وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کررہی تھی اور پوری طرح پر امید تھی کہ اس طرح وہ فیضان کی محبت جیت لے گی لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ اس طرح اس نے اپنے قتل کا سامان خود کر ڈالا ہے۔ فیضان آیا تو اسے تیار ہوا سنورا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"بے حیا عورت کس کمینے کے لیے اتنا سنگھار کیا ہے۔" اس نے ملیحہ کو گدی سے دبوچ لیا۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں' طیش کے عالم میں اس نے اگلی دونوں طلاقیں ایک ساتھ اس کے منہ پر تھوک کی طرح دے ماریں۔ مار مار کر اس کی حالت اتنی بری کردی کہ وہ اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی نہ کہہ پائی حتیٰ کہ اس نے اسے بیڈ پر دھکا دیا تو وہ چلا اٹھی۔

"تم نے مجھے طلاق دے دی فیضان! مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔" فیضان نے انتہائی مکروہ قہقہہ لگایا اور اس پر جھکتے ہوئے بولا۔

"اب بھی جاکر ماں کو شکایت لگائے گی کہ میں نے طلاق دی ہے' کون ہے گواہ؟ نہیں دی میں نے کوئی طلاق۔ اب گزرے گی تیری اصل زندگی' بالکل ویسی جیسی تو اور تیری بہن چاہتی ہے حرام زندگی......!" خوف دہشت اور صدمے سے اس کی آنکھیں پھٹ پڑیں' وہ چیختی رہی' چلاتی رہی۔ منت کرتی رہی لیکن اس حیوان کو انسان بننا بھلا آتا ہی کب تھا۔ وہ تو ازل سے حلال کو حرام کرکے کھانے کا عادی تھا' وہ جانتی تو تھی سب کچھ اور پوری رضا سے اس دلدل میں آئی تھی۔

"کسی بھی مفتی سے فتویٰ لے لو جب وہ طلاق دے چکا تو ہوگئی طلاق۔ کوئی جھٹلائے گا اسے۔" وہ بری طرح چیخ رہی تھی۔

"فیضان یہی کہے جارہا ہے کہ اس نے طلاق نہیں دی' اس نے دو دن تک مجھے تشدد کا نشانہ بنایا کہ میں کہہ دوں کہ طلاق نہیں ہوئی لیکن میں حرام زندگی نہیں گزار سکتی امی! حرام زندگی کے یہ صرف دو دن میرے وجود پر بچھو بن کے رینگ رہے ہیں۔" وہ ہذیانی ہورہی تھی لیکن فضیلہ بیگم مکمل طور پر خاموش تھیں اور فریال لاتعلق۔ فیضان اسے سوچنے کا وقت دے کر دھمکی سمیت یہاں چھوڑ گیا تھا۔

اسے آئے ہوئے پچیس دن ہوچکے تھے اور اس تمام عرصے میں فضیلہ بیگم اور فریال نے اس سے کوئی بات نہ کی تھی۔ یہ ان کی ناراضی کا اظہار تھا لیکن وہ ان کی ایسی ناحق ناراضی کا مطلب سمجھ نہیں پارہی تھی۔ اسے یہ یقین کرنے میں دشواری ہورہی تھی کہ اس کی ماں اسے حرام زندگی پر مجبور کرنا چاہ رہی ہے۔ وہ روز صبح کہیں چلی جاتی تھیں پھر

Downloaded from https://paksociety.com

مایوس سی لوٹ آتی تھیں' دراصل وہ مختلف مفتیوں اور عالموں کے پاس جاجا کر اپنا مسئلہ بیان کرتی تھیں لیکن سب جگہ سے ایک ہی جواب ملتا تھا کہ طلاق واقع ہوگئی ہے بالآخر ایک جگہ سے انہیں من پسند فتویٰ مل گیا۔

اس روز وہ خوش خوش گھر لوٹیں' ایک پڑوسن نے انہیں بدھاوا دکھائی تھی اور اس نے بھی بے پروائی یوں دکھائی کہ جو خبر دو سال سے سننے میں نہیں آرہی تھی وہ طلاق کے بعد سنائی دے گئی۔ فیضان بچپن سے ہی حلال کو حرام میں تبدیل کرکے کھانے کا عادی تھا اس کی جوانی بھی اسی طرح گزر رہی تھی۔

اللہ نے اسے اولاد بھی حلال رشتے میں دی اور جب اس نے حلال عورت کو خود پر حرام کرکے تعلق جوڑا تو اسے اولاد کی خبر مل گئی۔ ملیحہ اس ستم ظریفی پر اشکبار تھی اور فضیلہ بیگم اسی خبر کی وجہ سے یہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہوگئیں۔ گھر پہنچتے ہی زرد چہرہ لیے بیٹھی مغموم سی ملیحہ کی گود میں لفافہ پھینکا تو وہ چونکی۔

"کیا ہے؟"

"تحریری فتویٰ۔" ملیحہ کو گویا کرنٹ لگا' اس نے تیزی سے لفافہ کھول کر پرچہ نکالا اور پڑھنا شروع کیا' گھبرا گئی۔

"امی یہ......"

"مصلحت......" انہوں نے وارننگ کے انداز میں انگلی اٹھائی۔

"مصلحت کو سمجھو ملیحہ! زندگی جذباتیت کے سہارے نہیں گزرتی۔ میرے سر پر کسی مرد کا سایہ نہیں' میرے سینے پر مونگ دلنے کو وہ بڑی جو بیٹھی ہے کافی ہے۔ میں تمہارا بوجھ نہیں اٹھا سکتی' نہ ہی اس آنے والی جان کا' اسے وہی سنبھالے جس کے کرتوت ہیں' تم جاؤ تمہارا میاں جانے۔ میں مزید تمہیں نہیں رکھ سکتی' دردوں سے بھری اس دنیا میں اگر ہمارے مسائل کا حل کسی دوسرے فرقے میں بھی ہے تو گوارا ہے۔ کسی کو یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ فیضان نے طلاق دی تھی اور جب کسی کو معلوم ہی نہیں ہوگا تو مسئلہ کیسا؟" وہ آنکھیں پھاڑے صدمے سے اپنی کم گوسی ماں کی شعلہ بیانی سن اور دیکھ رہی تھی۔

"پر امی! اللہ کو تو معلوم ہے نا' کیسا گناہ کروا رہی چلی ہیں مجھ سے۔" وہ بلک اٹھی' فضیلہ بیگم نجانے کون سا پتھر دل پر رکھے بیٹھی تھیں' چادر تہہ کرتے ہوئے بے نیازی سے بولیں۔

"فیضان کو میں نے فون کردیا تھا' وہ آتا ہی ہوگا۔ تم سامان سمیٹو اور اپنے گھر جاؤ۔" وہ ساکت و جامد اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی۔ کتنی دیر اسی طرح گزر گئی جب دھپ کی آواز کے ساتھ کوئی چیز اس کے پاس پہنچ گئی۔ وہ چونک کر حواس میں آئی اور اپنی دائیں جانب دیکھا' اس کے سامان کا بیگ بنا کر فضیلہ بیگم نے چادر سمیت لاکر اس کے پاس رکھ دیا تھا وہ پھر سے چیخنے لگی۔

"میں ایسا نہیں کرسکتی امی! یہ گناہ ہے اللہ کا واسطہ امی۔" وہ سرد تاثرات لیے پلٹیں اور شان سے دونوں ہاتھ اس کے آگے جوڑ کر بولیں۔

"معاف کردو ہمیں' جان چھوڑو ہماری اور جاؤ اپنے گھر۔" اور اس کی چیخیں اندر ہی دم توڑ گئیں' فیضان آیا اور اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس رات بہت خوفناک آندھی آئی' ہوا کے جھکڑ شائیں شائیں کر رہے تھے۔ کھڑکیاں' کنڈیاں توڑ توڑ کر کھل جاتی تھیں۔ بارش نہیں ہوتی تھی صرف خوفناک جھکڑ چلے تھے' دھول اڑ اڑ کر آنکھوں میں گھس رہی تھی اور تمام رات ایک ضعیف الاعتقاد ماں کے کمرے میں برسات ہوتی رہی۔

وہ چہرے کے گرد اچھی طرح اسکارف لپیٹے عبایا پہنے پرس اٹھاتے لاؤنج میں آئی۔ ناشتا میز پر موجود تھا' دونوں نفوس اس کے ہی انتظار میں تھے۔ وہ کرسی پر بیٹھی تو دونوں کی پلیٹوں میں باری باری آملیٹ اور بریڈ رکھی پھر کپوں میں چائے انڈیلی۔ اس کے چہرے پر بلا کا سکون تھا' طوفان کے ختم جانے کے بعد کا سکون۔

بوڑھی دکھیاری آنکھوں نے اس کے پاکیزہ وجود کی بلائیں لی تھیں' اس کا چہرہ آج بھی میک اپ سے عاری

Downloaded from https://paksociety.com

دھلا دھلا یا صاف شفاف تھا۔ معمول کی ہلکی پھلکی گپ شپ کے ساتھ ناشتے کا آغاز ہوا تھا' اس کی بچی اب پہلے کی طرح شوخیاں شرارتیں نہیں کرتی تھی لیکن وہ قدرے نارمل ہوگئی تھی۔ اپنی دادی کے ساتھ زیادہ وقت گزارتی تھی اور اپنے ننھے منے کام خود کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی تاکہ اس کی ممی پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔ اس کی ممی اب پہلے کی طرح اس کے ساتھ کھیلنے کا وقت نہیں نکال پاتی تھیں لیکن رات کو وہ اسے اپنی بانہوں میں سینے سے لگا کر سلاتی تھیں۔ اس کی ممی اب روتی تو نہیں تھیں لیکن کھلکھلا کر ہنستی بھی نہ تھیں۔ اب وہ لوگ پارک بھی نہیں جاتے تھے لیکن ویک اینڈ پر ممی اسے لان میں جھولا ضرور جھلاتی تھیں۔

یہ فراز کے چھوڑے ہوئے گھرانے کا طوفان کے بعد کا نقشہ تھا۔ منیبہ شاہد نے آمنہ کو اپنے اسکول میں جاب آفر کردی تھی' گیٹ کے پاس ٹیچرز کی موجودگی کا سلسلہ ختم کردیا گیا تھا۔ والدین میٹنگز میں صرف مائیں آتی تھیں اور بوجوہ کوئی ماں نہ آپاتی تو وہ آئندہ کسی روز آجاتی تھی یا اگر والد کو آنا پڑتا تو پرنسپل اپنے آفس میں ٹیچر کو بلا کر میٹنگ کرواتی تھیں۔

آمنہ اس حادثے سے قبل پردہ نہیں کیا کرتی تھی محض دوپٹہ اچھے طریقے سے پھیلا کر باہر نکلتی تھی لیکن اس حادثے کے بعد اس نے جانا کہ اسلام میں پردے کے احکامات اتنی سختی سے کیوں صادر ہوئے ہیں اگر ہر عورت پردے کا اہتمام کرنے لگ جائے تو کبھی کسی دوسری عورت کا گھر نہ اجڑے۔ اگر ہمارا معاشرہ اسلامی اقدار پر چلے تو کبھی بھی بگاڑ پیدا نہ ہو۔ عورت فتنہ ہے یہ بات اسی لیے کہی جاتی ہے کہ عورت کو اللہ پاک نے قدرتی طور پر نزاکت اور حسن سے نوازا ہے اس کی آواز میں خوب صورتی پیدا کی ہے سو اگر وہ اپنے روز و شب میں دین کے احکامات پر عمل نہ کرے تو فتنہ فساد پیدا ہونا یقینی ہے۔

وہ ناشتہ ختم کرکے برتن سمیٹ رہی تھی زنیا کمرے سے اپنا اسکول بیگ اٹھائے بھاگی تب نوید بیگم نے اسے مخاطب کیا۔

"تمہارے پردے کا فیصلہ مجھے اچھا لگا بیٹی! نہ تم طلاق یافتہ ہو نہ بیوہ لیکن خدا جانے کب تک تمہاری زندگی ان ہی عورتوں جیسی گزرنی ہے۔ اس لیے تمہارے لیے احتیاط بہت لازم ہے تمہیں نصیحت کی ضرورت نہیں کیونکہ وقت خود ہی تمہارے لیے ناصح ثابت ہوا ہے لیکن بس اتنا کہوں گی کہ اپنے وجود سے مزید دیے جلانے کی بھی کوشش کرنا کہ کل کوئی اور فراز پیدا نہ ہو۔" آمنہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں مگر وہ سارے آنسو حلق سے نیچے اتار کر مضبوط لہجے میں بولی۔

"ان شاء اللہ میرا وجود کسی کی بھی زندگی برباد کرنے کا سبب نہیں بنے گا۔ میں لڑکیوں کو بتاؤں گی کہ جاب ایسے بھی کی جاسکتی ہے۔ دیے سے مزید دیے جلتے ہیں یا نہیں یہ وقت اور حالات پر منحصر ہے لیکن کم سے کم میں اپنے حصے کا دیا تو جلا ہی سکتی ہوں۔ آج میرا پہلا دن ہے' دعا کیجیے گا میری زندگی اس نوکری سے ڈسٹرب نہ ہو' راہیں سہل ہوجائیں۔" زینیا کمر پر بیگ لٹکائے آچکی تھی' اس نے جھک کر نوید بیگم سے پیار لیا اور زینیا کی انگلی تھامے باہر نکل گئی۔

نوید بیگم تھاور گئیں' زندگیوں کی تنہا نہیں ہوئی تھیں اگر یہ تنہائی ان حوادث کے سبب نہ ہوتی تو یقیناً وہ مطمئن ہوتیں لیکن اب یہ مجبوری کے تحت تھا۔ فراز گھر سے جو نکلا تھا تو پھر لوٹا نہیں تھا۔ نہ وہ جانتی تھیں کہ وہ کہاں ہے نہ انہوں نے جاننے کی کوشش کی تھی' وہ جو آمنہ کو طلاق دینا چاہتا تھا' وہ بھی اب تک نہ دی تھی۔ آمنہ کے گھر والوں نے آکر کافی باتیں بنائی تھیں اور نوید بیگم سے ناراضی کا اظہار کیا تھا لیکن آمنہ نے خود ہی انہیں خاموش کرادیا تھا' اس نے صرف اتنا کہا تھا۔

"میرے ساتھ جو ہوا اچھا ہوا' فراز کی ہرجائی فطرت کھل کر سامنے آگئی۔ یہ دھوکا مجھے چار چھ بچوں کے بعد بڑھاپے میں لگتا تو سہارنا مشکل ہوتا۔ ان کی ماں کو چھوڑنے کہیں' آج میری سگی ماں میرے دکھ سے اتنی واقف نہیں جتنی یہ ہیں اور انہوں نے امی جان مجھے آپ کی کمی محسوس

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں ہونے دی۔ ان کا دکھ مجھ سے ہزار گنا زیادہ بڑا ہے انہیں اس بڑھاپے میں اکلوتے بیٹے نے پرائی عورت کی خاطر چھوڑ دیا اور ان کے سر پر شوہر کا سایہ بھی نہیں۔ بہن بھائی بھی اپنی زندگیوں میں مگن ہیں میرے پاس تو پھر بھی آپ سب ہیں اور میری بیٹی ہے۔ اس لیے ان کا سہارا میں بنوں گی میں ان کا ساتھ بھی نہیں چھوڑوں گی۔" آمنہ کی امی صرف روہی نہیں اس کے ابو نے پھر سوال اٹھایا۔

"تمہاری ساری بات اپنی جگہ درست ہے لیکن فراز نے تمہیں طلاق نہیں دی ہے۔ کل کلاں کو وہ واپس آجائے گا معافی مانگ لے گا تب پھر تم اس دھوکے باز پر اعتبار کرلوگی؟" آمنہ مسکرادی۔

"نہیں ابو جان! وہ گھر چھوڑ کر جاتا یا نہ جاتا میں نے اس سے ہر صورت طلاق لینے کا فیصلہ کرلیا ہے اور میں اس پر ہمیشہ قائم رہوں گی۔ جذباتیت کا دور گزر گیا آج میں معاف کردوں صرف اپنا سہاگ بچانے اور دنیا کی باتوں سے بچنے کی خاطر اور کل وہ پھر کسی عورت کے لیے مجھے لات مار کر چلا جائے نہ بھی جائے تب بھی میری ساری عمر خوف و خدشات کی نذر ہوجائے۔ نہیں ایسی زندگی نہیں چاہیے مجھے اس لیے وہ لوٹ کر آبا بھی تو اب یہ میری خواہش ہوگی کہ وہ مجھے آزاد کردے آپ لوگ بے فکر رہیں میں اب خواب نگری سے نکل آئی ہوں۔"

"اور اگر نویدہ بہن نے اسے معاف کردیا تو.....؟" اس کے ابو جان نے جونکتہ اٹھایا اس پر اس نے سوچا نہیں تھا لمحہ بھر کو وہ خاموش ہوئی پھر اسی اعتماد سے بولی۔

"تب پھر میں اپنی دنیا الگ بسالوں گی۔" نویدہ بیگم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر اب دبا دبا اطمینان نہیں تھا آمنہ کی امی تنک کر بولیں۔

"ہم مرگئے ہیں کیا؟ ہم نظر نہیں آتے تمہیں۔ ساس کے ساتھ زندگی گزارنا گوارا ہے ماں باپ کا خیال نہیں آتا؟" آمنہ شرمندہ ہوگئی۔

"ٹھیک ہے پھر میں آپ کے پاس آجاؤں گی۔" نویدہ بیگم تڑپ اٹھیں۔

"خدا گواہ ہے کہ میں آمنہ کی خاطر فراز کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گی ان تمام دنوں میں میں نے ایک بار بھی اسے یاد نہیں کیا جسے میں نے جنم دیا تھا۔ اس لیے آپ لوگ بے فکر رہیں ایسا آپ لوگوں کے پاس میری موت کے بعد ہی آئے گی۔"

"اللہ نہ کرے بہن! اللہ آپ کو لمبی عمر صحت و تندرستی عطا کرے۔ آمنہ خوش قسمت ہے کہ اسے آپ جیسی ساس ملی ورنہ ساسیں تو غلط بات میں بھی اپنی اولاد ہی کا ساتھ دیتی ہیں۔" آمنہ کی امی کا دل پسیج گیا۔ زندگی کی گاڑی اک انوکھے سے ڈھب پر رواں ہوگئی۔

❁.....❁.....❁

اسکول میں بھی اس واقعہ سے واقف سبھی کے لبوں پر فریال کے لیے لعنتی الفاظ ہوئے۔ منیبہ شاہد سمیت تمام اسٹاف نے آمنہ کو بے حد عزت و احترام سے نوازا تھا۔ اس کا انداز رکھ رکھاؤ رویہ اور محنت دنوں میں سب اس کے گرویدہ ہوئے اور چند ماہ میں ہی منیبہ شاہد نے اسے کوآرڈی نیٹر بنا دیا۔ زینیا کی تعلیم اور باقی تمام اخراجات اس کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے معاف کردیئے گئے تھے۔

اسکول انتظامیہ نے اس کا مکمل خرچ اپنے ذمہ لے لیا تھا یوں آمنہ کے گھر کا نظام اس کی تنخواہ سے بطریق احسن چل رہا تھا۔ اسے فراز یاد نہیں آتا تھا لیکن اپنی ادھوری زندگی کا دکھ پہروں رلاتا اور جگاتا تھا۔

❁.....❁.....❁

حصہ دوم

کہانی

نرس نے گلابی کپڑے میں لپٹی بچی اس کے حوالے کی تو اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"یہ..... یہ کیا....." نرس نے کندھے اچکا دیئے ڈاکٹر نے دیکھا تو اس کے پاس آکر تسلیاں دینے لگی۔

"شکر کرو بچی کی صحت ٹھیک ہے تم ٹھیک ہو اور کوئی بڑا

Downloaded from https://paksociety.com

مسئلہ نہیں ہوا۔ یہ تو کوئی اتنا بڑا مسئلہ ہی نہیں ہے جب بچی چار ماہ کی ہوجائے تو اسے لے آنا' ایک چھوٹی سی سرجری ہوگی اور سب نارمل ہوجائے گا۔"

وہ ڈاکٹر تھی اس کا تو کام ہی یہی تھا' وہ بتا رہی تھی لیکن وہ تو ماں تھی اتنی آسانی سے کیسے بہل جاتی۔ یکبارگی ذہن میں آواز گونجی تھی۔

"جب اللہ تجھے بیٹی دے گا اور تو اس کی پرورش میں مشکلات اٹھائے گی تب تو جانے گی کہ یہ کتنی بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ عورت بہت بڑا فتنہ ہے' عورت کا چہرہ بہت بڑا فتنہ ہے خصوصاً تب جب وہ چہرہ خوب صورت بھی ہو اور تو بھی خوب صورت ہے پر تو آج میری بات نہیں سمجھنی کل خود ہی سمجھ جائے گی تب میں نہیں ہوں گا۔" اور وہ واقعی سمجھ گئی تھی' اس کی بیٹی خوب صورت تھی لیکن خوب صورتی کو داغ یہ کہن...... وہ سوچ کر تھک جاتی۔

اس کے میاں مسعود نے دیکھا تو اس نے بھی تسلی ہی دی اور پھر چار ماہ پلک جھپکتے میں گزر دے۔ سرجری ہوئی اور سب ٹھیک ہوگیا لیکن اتنا بھی ٹھیک نہیں تھا' پہلی نظر میں ہی صاف پتا چل جاتا تھا لیکن کافی حد تک اطمینان تو ہوگیا تھا۔ اس کے بعد اللہ نے اسے ایک بیٹی اور دی' اب کے وہ بیٹی ہونے سے خوفزدہ ہوگئی۔ یہ بڑی سے بھی زیادہ خوب صورت تھی اور بے عیب خوب صورتی......

"عورت کا چہرہ بہت بڑا فتنہ ہے۔"

یہ جملہ ہمہ وقت اس کے دماغ میں چک پھیریاں کھاتا رہتا' جب سے اللہ نے اسے صاحب اولاد کیا تھا تب سے اس کا سکون چین کہیں کھو گیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ بے سکونی اب مرتے دم تک ہے۔ اب فطری طور پر اولاد نرینہ کی خواہش تھی لیکن اللہ نے انہیں مزید اولاد ہی نہ دی۔ کبھی کبھی اسے لگتا وہ الفاظ وہ جملے تنبیہ نہیں تھے بددعا تھے۔

وہ دل ہی دل میں خدشات کی پرورش کرتی رہتی' مسعود کو کچھ خبر نہ تھی۔ مسعود کی وسیع جائیداد تھی سو اسے کمانے کی خاص فکر نہ تھی۔ کئی دکانیں کرائے پر چڑھا رکھی تھیں سو گھر بیٹھ کر آرام سے کھا پی رہے تھے۔ ان کا فنی انتہائی قابل اعتبار اور اللہ کا عاجز بندہ تھا۔

مسعود بہت تھوڑی عمر لکھوا کر لایا تھا سو بچیاں بالترتیب نو اور دس برس کی تھیں جب ایک ایکسیڈنٹ میں وہ زخموں کی تاب نہ لاکر موقع پر چل بسا تب صحیح معنوں میں اسے اپنے اوپر آپڑنے والی کٹھنائیوں کا احساس ہوا جو بیٹیوں کے حوالے تک اسے گمان میں بھی نہ آئی تھیں۔

یہ کہانی ہے فریال اور ملیحہ کی...... وہ کہانی جو پس آئینہ تھی۔

فضیلہ بیگم عبادت گزار تہجد گزار درویش صفت باپ کی بیٹی تھیں اور ان کے گھر کے ماحول میں دین کا رنگ واضح تھا۔ وہ اللہ کے رنگ میں رنگے توکل سے لبریز لوگ تھے۔ مسعود فضیلہ کا چچازاد تھا لیکن ان کا ماحول بالکل الٹ تھا' ان کے پاس روپے پیسے کی ریل پیل تھی اور روپیہ اور حیا کو یکجا کم ہی دیکھا گیا ہے وہ بھی ایسے ہی تھے۔ مسعود فضیلہ کے حسن پر مر مٹا اور اس کے باپ نے ان کے گھر کی چوکھٹ ہی تھام لی۔ برائی اور بے حیائی کا چہرہ بہت خوب صورت ہوتا ہے' رنگ برنگا' پرکشش اس لیے لوگ اس کی طرف کھنچتے ہیں۔ بس یہی معاملہ فضیلہ کا بھی ہوا' وہ اس طرف کھنچنے لگی اور آغا جی نے اس کا جھکاؤ آن واحد میں محسوس کرلیا۔

وہ جہاندیدہ لوگوں کا زمانہ تھا جب وہ اولاد کی اٹھتی گرانی نگاہ سے اس کے دل کے اندر تک اتر جاتے تھے اور پھر حالات کے موافق فیصلہ کرتے تھے۔ اپنی ضد اور انا کے چکر میں نسلوں کو داؤ پر نہیں لگانے تھے' وہ جان گئے تھے کہ اس جوانی کے جوش میں یہ دونوں اچھا برا نہیں سمجھ پائیں گے۔ معاملہ بگڑنے سے قبل تجربہ کی ڈور ان کے ہاتھ میں تھما کر اپنی ہی کر لینے کا اختیار دے دینا بہتر ہے کیونکہ بسا اوقات انسان اس وقت تک سبق نہیں سیکھتا جب تک خود اس راہ پر قدم نہ دھر لے۔

یوں فضیلہ بیگم مسعود کی دلہن بن کر ان کے آنگن میں اتر آئیں اور جب انہوں نے اس رنگ برنگی دنیا کے تمام گر اپنا لیے' انہوں نے باپ کی تربیت کو بھلانے میں لمحہ نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

لگا تھا' پہلی بار اسے بے پردہ گھر سے باہر نکلتا دیکھ کر آغا جی نے کہا تھا۔

"جب اللہ تجھے بیٹی دے گا اور تو اس کی پرورش میں مشکلات اٹھائے گی تب تو جانے گی کہ یہ کتنی بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ عورت بہت بڑا فتنہ ہے' عورت کا چہرہ بہت بڑا فتنہ ہے خصوصاً تب جب وہ چہرہ خوب صورت بھی ہو اور تو بھی خوب صورت ہے پر تو آج میری بات نہیں سمجھتی' کل خود ہی سمجھ جائے گی تب میں نہیں ہوں گا۔"

اور فریال کی پیدائش پر وہ واقعی سمجھ گئی تھی لیکن اپنی روش پھر بھی نہیں بدلی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو ٹھوکر کھا کر بھی نہیں سنبھلتے نہ سبق سیکھتے ہیں۔ اس نے ساری عمر ٹھوکریں کھائی تھیں لیکن یہ طے تھا کہ اس نے ساری عمر نہیں سنبھلنا تھا پھر بیٹے کی شدید ترین خواہش دل میں دبائے حسرت بن گئی لیکن کسک نہ گئی۔

مسعود کی وفات کے بعد تن تنہا پہاڑ سی زندگی جوان ہوتی بچیوں کے ساتھ گزارنا فضیلہ بیگم کو بھیانک خواب کی مانند ڈراتا۔ لوگوں کے آگے خود پر ملمع چڑھا لیتی تھیں۔

عموماً ہوتا بھی یہی ہے کہ بیٹیوں کی مائیں جب چار لوگوں میں بیٹھتی ہیں تو غیر اختیاری سطح پوری ہو جانے پر فخر کا اظہار کرتی ہیں' بیٹیوں کی پرورش کے اجر و ثواب کے حوالے سے احادیث سناتی ہیں اور بیٹیوں سے ملنے والے ممکنہ سکھ گنواتی ہیں غرض کہ ہر ممکن طریقے سے خود کو صابر شاکر اور راضی برضا ظاہر کرنے کی پوری کوشش کرتی ہیں اور لوگوں کی واہ واہ سمیٹتی ہیں لیکن جب گھر کی تنہائی میں بیٹھی ہوں تو بیٹیوں کی فکرات' اخراجات اور مسائل کے علاوہ ان کا موضوع گفتگو کچھ اور ہو ہی نہیں۔

بچیاں بڑی ہوتی گئیں اور ان کی عمر کے ساتھ ساتھ فضیلہ بیگم کی فکرات بھی بڑھتی گئیں جب تک دونوں نا سمجھ تھیں تب تک مسئلہ نہ تھا۔ نہ فریال لوگوں کی نگاہوں میں اپنے لیے اترتا زہر محسوس کر پاتی تھی نہ اس کی وجہ سے آگاہ تھی۔ اس کے برعکس ذہن کے مطابق سب کچھ ٹھیک تھا لیکن یہ دنیا بڑی ظالم ہے۔ لوگ جب بات کرتے ہیں تو وہ یہ سوچ کر کرتے ہیں کہ ہم سچ بول رہے ہیں' حقیقت بیان کر رہے ہیں لیکن اپنے تئیں حقیقت بیان کرتے ہوئے وہ کتنوں کا دل چھلنی کر ڈالتے ہیں انہیں پتا بھی نہیں چلتا۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم بچوں کے سامنے بات کرتے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ یہ بچے ہیں اور ہماری بات نہیں سن رہے ہیں جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ہمیں ہی سن رہے ہوتے ہیں۔

فریال پر بھی خود آگہی کا در ایسے ہی ایک واقعے کے بعد کھلا تھا اور بڑے ہی بدنما طریقے سے کھلا تھا۔ پڑوس میں نئی فیملی آئی تھی فضیلہ بیگم نے چند دن ان کے گھر کھانا بھجوایا تاکہ وہ تسلی سے گھر سیٹ کر لیں۔ وہ آنٹی اتنی مشکور ہوئیں کہ پانچویں دن ہی کھیر کا بڑا سا پیالا لیے حاضر ہو گئیں اور برسوں فریال یہی سوچتی رہی کہ کاش وہ نہ آتیں' محض دس برس کی عمر میں اس کا بچپن تو رخصت نہ ہوتا۔

فریال سے ملتے ہی انہوں نے چونک کر اپنی عینک سیدھی کی اور بولیں۔

"ارے فضیلہ بہن...... یہ کیا ہوا اس بچی کو؟ ارے یہ تو وہی ہے' کیا کہتے ہیں جس بھلا اسے...... ہاں سورج گرہن!" فضیلہ بیگم کی مسکراہٹ پھیکی پڑی' فریال کے چہرے پر ناسمجھی کے تاثرات تھے۔

"تم جاؤ فریال! کھیلو بہن کے ساتھ۔" انہوں نے اسے منظر سے ہٹانے کی سعی کی۔ وہ بھی بظاہر تابعداری سے ہٹ گئی لیکن وہیں لاؤنج کے ایک کونے میں کھلونے بکھرا لیے۔ ملیحہ بھی ساتھ بیٹھ کر کھیلنے لگی۔ فضیلہ بیگم دس برس کی بچی کا ڈرامہ سمجھ نہ سکیں اور آنٹی دھم سے دل کڑا کر کے بیٹھ گئیں۔

"پتا نہیں بہن ڈاکٹرز تو گرہن کو نہیں مانتے لیکن جو بھی خدا بس مقدر کے کھیل ہیں' انسان تو بے بس ہے۔ ہم تو سرجری کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔"

"ارے وہ تو ہے لیکن اس کے باوجود اس کے چہرے پر نقص واضح ہے ارے بڑی ہو گی تو رشتوں میں بڑا مسئلہ ہوگا بہن! آج کل کون لیتا ہے ایسی لڑکیوں کو۔" آنٹی

Downloaded from https://paksociety.com

دسمبہ ضرورت سے زیادہ ہی صاف گو اور منہ پھٹ تھیں۔ فضیلہ بیگم کو شدید تاؤ آیا' دل چاہ رہا تھا منہ پر کہہ دیں "آپ کو اتنی ہمدردی آرہی ہے تو آپ کے بھی چار بیٹے ہیں کسی ایک کے لیے مانگ لینا" لیکن دل کی دل میں ہی دبالی۔ اس کے بعد جب تک وہ بیٹھی رہیں بس فریال کی صورت پر ہی افسوس کرتی رہیں اور فریال کا ننھا سا دل ڈوب ڈوب کر پاتال کی گہرائیوں میں گرتا ہی چلا گیا۔ وہ تھیں فریال مسعود کی زندگی کی پہلی دشمن' ان کے بعد اس نے تاعمر صرف دشمن بنائے۔

❁......❁......❁

وہ قدرتی طور پر کٹا ہوا اوپری ہونٹ لیے پیدا ہوئی تھی' اس خلاء سے اس کے مسوڑھے اور تالو صاف دکھائی دیتا تھا بظاہر یہ کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہ تھا' معمولی سی سرجری سے ہونٹ جوڑ دیا جاتا اور چہرہ نارمل ہو جاتا لیکن اس جوڑنے اور ٹانکا لگانے میں جو نشان اوپری ہونٹ پر بنتا ہے وہ تاعمر رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سرجری کی وجہ سے ناک میں بھی معمولی سا ٹیڑھا پن آجاتا ہے جس کے نتیجے میں بچے کی بول چال قدرے متاثر ہوتی ہے۔ اس کی بات سننے والے کو بہت غور سے سننے پر سمجھ آتی ہے اور بولنے والا ناک سے بولتا محسوس ہوتا ہے۔

اس ایک عیب کے علاوہ فریال مجسم حسن تھی لیکن یہ عیب اس کے حسن پر ٹیکے کی صورت تھا جیسے نظر اتارنے کو کالا بدنما ٹیکا لگا دیا جاتا ہے بالکل اسی طرح یہ عیب اس کی خوب صورتی کو ہلکا سا ماند کرتا تھا۔ اس عیب کے باوجود اگر تعصب' وہم اور پرائیلپن کی عینک اتار کر دیکھا جاتا تو وہ خوب صورت لگا کرتی تھی لیکن بھلا ہو دنیا والوں کا جو دلہن پسند کرتے وقت خصوصاً لڑکی کا بالکل یوں معائنہ کرتے ہیں جیسے قربانی کا جانور خرید رہے ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ عورت ہی عورت کی سب سے بڑی دشمن ہے' مرد تو بلاوجہ بدنام ہے۔

تو اس رات ملیحہ کے سو جانے کے بعد پہلی بار فریال اپنے چہرے کے اس نقش کا معائنہ کرنے آئینہ کے سامنے کھڑی ہوئی اور بس اس دن آئینہ اس کا دوسرا دشمن بنا۔ آئینہ نے اسے بتایا کہ وہ اب تک احمقوں کی جنت میں بس رہی تھی۔ آئینہ نے اسے بتایا کہ عکس کے بھی کئی رخ ہوتے ہیں ایک رخ وہ تھا جو وہ اب تک دیکھتی رہی تھی۔ دوسرا رخ اس نے آج دیکھا تھا اور یہی سب سے بھیانک تھا۔

کتنی ہی دیر وہ شہادت کی انگلی اپنے اوپری ہونٹ کے اس نشان پر پھیرتی رہی اور جائزہ لیتی رہی کہ یہ کس طرح اس کے حسن کو گہنا رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر دیکھا' سنجیدہ ہو کر دیکھا' غصے کی شکل بنا کر دیکھا' غرض ہر طرح کے زاویے اور پوز بنا بنا کر دیکھا لیکن دس سال کے عکس پر آج آنٹی دسمبہ کے بتائے چند لفظوں کا عکس حاوی ہو گیا تھا' اسے اپنا چہرہ بدصورت لگنے لگا تھا۔ اس نے بری طرح اس نشان کو رگڑ ڈالا ناک کو کھینچ کر سیدھا کرنے کی کوشش کی' ان کوششوں میں چہرے کا وہ حصہ سرخ ہو گیا اور مزید عجیب لگنے لگا۔ مایوسی' دکھ اور ناکامی نے مل کر اس کی آنکھوں میں پانی بھر دیا' دونوں ہاتھ پہلو میں ڈھیلے ڈھالے انداز میں گرائے وہ بے بسی سے آئینہ میں نظر آتے اپنے عکس کو گھورنے لگی۔ آنسو ٹپ ٹپ گالوں پر بہنے لگے' ناک سرخ ہو گئی وہ بے آواز روتی رہی۔

ملیحہ نے سوتے میں کروٹ بدلی تو وہ چونک کر مڑی' ملیحہ کا رخ اب اس کی طرف ہو گیا تھا۔ اس کے بال اس کے چہرے کے اطراف میں بکھرے تھے اور وہ بہت معصوم لگ رہی تھی۔ فریال کی نظر اس کے اوپری ہونٹ پر ٹھہر گئی' وہ تیزی سے اس کے قریب آئی اور غور سے دیکھنے لگی۔

"اس کا ہونٹ تو ٹھیک ہے پھر میرا کیوں.....؟" وہ مزید قریب ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ کسمسائی تو فریال پیچھے ہٹ گئی اور بس پھر وہ پوری رات اس نے آئینہ کے سامنے گزار دی۔ اسے آئینہ کے سچ سے نفرت ہو چکی تھی اور یہ تو ابھی بچپنے کے دن تھے وہ نہیں جانتی تھی کہ سب سے زیادہ اس کی برداشت کا امتحان تو جوانی میں ہونا ہے۔ آنٹی دسمبہ کے بتائے سچ نے اسے لمحوں میں بوڑھا کر دیا تھا' جوانی کے دور کا تو اس نے سوچا بھی تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

پھر یوں ہونے لگا کہ ہر جگہ جہاں وہ دونوں بہنیں اکٹھی جاتی تھیں وہاں ملیحہ کو پیار کر کے ساتھ چمٹایا جاتا اور وہی پیار بھری نظر جب فریال تک پہنچتی تو پھیکی پڑ جاتی اور وہ صاف محسوس کرلیتی کہ لوگوں کے انداز سے گرمجوشی قدرے ٹھنڈی پڑ جاتی۔ آپس میں چہ مگوئیاں شروع ہوجاتیں' اب یہ سب ہوتا تو پہلے سے ہوگا لیکن فریال نے محسوس اب کرنا شروع کیا تھا پھر وہ خاموش ہوتی چلی گئی۔ پڑھائی میں مگن رہتی اس کے کھیل اس کے مشاغل سب چھوٹ گئے بلوغت کو پہنچی تو اور سنجیدہ ہوگئی۔ اس سن میں یوں بھی لڑکیاں خاموش طبع ہوجاتی ہیں اس لیے کسی نے خاص محسوس نہیں کیا۔ ملیحہ اس کی پیاری بہن تھی اس سے دوستی برقرار تھی لیکن ایک کھنچاؤ ایک تناؤ سا پھر بھی اسے اپنے اور ملیحہ کے بیچ محسوس ہوتا تھا۔

اسکول میں ٹیچرز وہ واحد ہستیاں تھیں جو اسے دیکھ کر عجیب چہرے نہیں بناتی تھیں بلکہ مزید محبت و شفقت سے پیش آتی تھیں البتہ لڑکیاں اس عمر میں خاصی منہ پھٹ ہوتی ہیں وہ اکثر بے باکی سے سوال جڑ دیتی تھیں۔

"ارے فریال! یہ تمہارے ہونٹ پر ایسا نشان کیوں ہے؟ کوئی چوٹ لگی تھی آپریشن ہوا تھا کیا؟"

اور پھر اس نے اسکول کی دوستوں سے بھی ربط کم کردیا۔ ملیحہ کے علاوہ اس کی کوئی سہیلی نہ رہی' ملیحہ بھی کہ اب اس کے اس عیب کو محسوس کرنے لگی تھی مگر نہ اس نے کبھی جتایا نہ کوئی تذکرہ کیا بلکہ وہ ہمیشہ یہی تاثر دیتی کہ اسے معلوم ہی نہیں کہ اس کے چہرے پر کوئی نقص بھی ہے بس اسی لیے فریال اس کے ساتھ زیادہ آرام دہ محسوس کرتی تھی۔

کالج کی عمر کو پہنچ کر لڑکیاں اپنی زبان پر تھوڑا قابو پاچکی ہوتی ہیں' کون سی بات کب کہاں اور کیسے کرتے ہیں' وہ قدرے سمجھ دار ہوجاتی ہیں اس معاملے میں۔ ان کے دماغ میں ابھرنے والے سوالات پھسل کر زبان پر آنے سے تو رک جاتے ہیں' آنکھوں میں ضرور اتر آتے ہیں۔ فریال کا پلس پوائنٹ یہ تھا کہ وہ خوب صورت تھی اس لیے اسے صرف سوالات کا سامنا رہتا تھا تضحیک کا نہیں۔ یوں کالج میں پہنچ کر اس کی سہیلیاں بنے لگیں لیکن راتوں کو اٹھ کر آئینہ کے سامنے بیٹھ کر اس نشان کو رگڑنے کی عادت اب نشہ بن چکی تھی۔

❁.....❁.....❁

اس کے باپ کو حرام کمائی کی لت لگی ہوئی تھی اور یہ لت اتنی پرانی اور پکی تھی کہ حلال کا لقمہ پلیٹ میں اس کے آگے پیش کیا جاتا تو وہ اسے بھی حرام کیے بغیر نہیں کھاتا تھا۔ لفظ حرام کی کیٹیگری میں جتنے بھی کام آتے ہیں وہ سب اس کے روز کا معمول تھا۔

یہی اثر اس کے بیٹوں میں بھی منتقل ہوا تھا' فیضان' جو نعمان صاحب کا سب سے بڑا بیٹا تھا وہ بچپن سے ہی باپ کے نقش قدم پر چل نکلا تھا۔ باپ کو چند ایک ... بندی تھی' ماں کچھ عرصہ تو دولی بھنی رہی لیکن جب اس کی میکے اور سسرال کہیں بھی نہ سنی گئی تو اس نے بھی شرافت کا لبادہ اتار پھینکا اور اسی راہ پر لگ گئی جس پر شوہر اور بیٹے تھے۔ نعمان صاحب کوئی بہت بڑے بزنس مین نہ تھے بس کاروبار اچھا چلتا تھا لیکن بیوی کو استعمال کرکے انہوں نے اسے ترقی کے زینے عبور کروائے اور دن دگنی رات چوگنی نوٹ کمائے۔

وہ فضیلہ اور مسعود کے پڑوسی تھے اور ان کے آپس کے تعلقات اس سب کے باوجود بہت اچھے تھے۔ نعمان اور نورین کے تین بیٹے تھے اس لیے فریال اور ملیحہ بھی ان کے گھر نہیں جاتی تھیں البتہ فضیلہ اور نورین میں بے تحاشا دوستی تھی۔ نورین کو ملیحہ شروع ہی سے بہت پسند تھی لیکن انہوں نے کبھی کوئی ایسی بات نہ کی جو قبل از وقت ٹھہرا کر رد کردی جاتی۔

فیضان کی بے راہ روی کا یہ عالم تھا کہ شباب میں قدم رکھتے ہی اس کا اگلا قدم اس بازار میں پڑا تھا۔ انٹرنیٹ پر دوستیاں بنائیں' کالجز کے باہر چکر چلائے اور ہر جگہ اسے صنف نازک کا سب سے بیچ روپ دیکھنے کو ملا۔ ماں کی حرکتوں سے بھی وہ بخوبی واقف تھا اور عورت کی عزت

Downloaded from https://paksociety.com

انسان سیکھتا ہی اپنی ماں سے ہے جس کی ماں کو عزت نہ ملی ہو وہ بھلا اولاد کو عزت دینا کیسے سکھا سکتی ہے۔ سو گزرتے وقت کے ساتھ فیضان کے دل میں عورت کا مقام پستیوں کا شکار ہوتے ہوتے بالکل ہی ختم ہو گیا۔

❁……❁……❁

مسعود صاحب کے انتقال کے بعد نعمان صاحب اور نورین نے ہی ان کا ساتھ دیا۔ اب تک اگر فضیلہ بیگم کو ان کی حرکتوں کی وجہ سے ان سے تعلق رکھنے میں کچھ عار تھا تو وہ مجبوری کی بنا پر دور ہو گیا اور انہیں نورین کے قریب لانے کا سبب بنا۔

بچیوں کے کالج میں پہنچتے ہی رشتوں کی لائن لگ گئی مگر ملیحہ کے لیے اب یہ ایک نیا دور تھا جہاں اسکول والی منہ پھٹ لڑکیاں تو نہ تھیں لیکن انہیں کہتے ہوئے بکھرے کرنے والی عورتیں ان کی جگہ میدان میں آ چکی تھیں۔ بچپن سے جوانی میں جا کر جو عورت منہ پھٹ سے کچھ داری ہوتی ہے جوان بیٹوں کی ماں بن جانے کے بعد وہ منہ پھٹ دور پھر سے لوٹ آتا ہے جب وہ رشتے دیکھنے گھر گھر جانا شروع کرتی ہے۔ کالج کے دور میں فریال کو نئے سرے سے آنٹی وسیمہ جیسی عورتوں سے سابقہ پڑا۔

یہ وہ دور تھا جب جذبات جوبن پر ہوتے ہیں چاہے وہ شہزادیوں جیسی خوب صورت لڑکی ہو چاہے کالی بھجنگ لڑکی۔ اس کے لیے آنے والا ہر رشتہ خود بخود ملیحہ کی طرف رخ موڑ لیتا اور فضیلہ بیگم اس کے جذبات مجروح ہونے کے خیال سے صاف انکار کہلا دیتیں پر کالج میں لڑکیوں کی منگنیاں ہونے لگیں' پہلے وقتوں میں تو سادگی سے لڑکے والے آ کر انگوٹھی پہنا جاتے تھے لیکن اس دور میں جب فریال کالج میں تھی تب اونچے مہنگے پارلرز اور مہنگے فوٹو گرافرز کا ٹرینڈ چل نکلا تھا۔

ہر دوسرے دن کالج کی کوئی نہ کوئی لڑکی اپنی جہازی سائز بجی سجائی البم لے آتی اور فریال ان لڑکیوں کی صورت دیکھ کر رہ جاتی۔ عام سے نقوش دبتی ہوئی رنگت اور بالکل معمولی سی بھی کشش نہ رکھنے والی لڑکیاں البم میں ابھرا دکھائی دیتی تھیں۔ کئی دن تک وہ البم ڈیمانڈ پر منگوائی جاتی اور پورے کالج کی ہر کلاس حتیٰ کہ زیادہ چرچا ہوتا تو اسٹاف روم تک میں منگوائی جاتی اور منگنی شدہ محترمہ کی اترا ہٹ ساتویں آسمان پر ہوتی پھر جب تک شادی نہ ہو جاتی اس لڑکی کے قصے ختم نہ ہوتے۔ منگیتر کی کال پر ہونے والی تمام گفتگو من و عن دوستوں کو سنائی جاتی' چار دوستیں سناتیں تو اپنے اپنے طور پر ہر لڑکی مزید چار کو سناتی اور یوں پیدا استان منگیتر پورے کالج کو حفظ ہو کر رہتی۔

کالج کا دور ملیحہ کے لیے ڈراؤنا خواب ثابت ہو رہا تھا اور پھر...... انہی باتوں کو سوچتے سوچتے اس رات پہلی بار اس پر خود فراموشی کا پہلا دورہ پڑا۔

وہ چاندنی رات تھی چودہویں کا چاند اس کی کھڑکی سے نمایاں دکھائی دے رہا تھا اس کے دماغ میں لڑکیوں کے منگیتروں کی رومانٹک باتیں گھوم رہی تھیں پھر اسے وردہ کی باتیں یاد آئیں وردہ کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ بدقسمتی سے وہ فریال کی گہری دوست تھی جو فریال کو ہر وہ بات بتاتی جو کسی بھی شادی شدہ جوڑے کے بیڈ روم سے باہر نہیں نکلنی چاہیے۔ کل کی رات کا تازہ ترین قصہ وردہ نے اس سے شیئر کیا تھا۔

چاندنی رات میں آسمان پر وردہ اور اس کے شوہر کی شبیہ ابھرنے لگی پھر وہ شبیہہ حرکت کرنے لگی۔ اس کی آنکھیں یک ٹک وہ منظر دیکھ رہی تھیں' دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہیولے اس کے قریب آنے لگے مسلسل حرکت کرتے ہوئے یکا یک وہ حرکت اسے اپنے وجود پر محسوس ہونے لگی۔ سرسراہٹ بے چینی' خود فراموشی...... اس کے وجود پر لرزہ طاری ہو گیا۔ سانس اکھڑنے لگی وہ کھڑے قد سے نیچے زمین پر گر کر تڑپنے لگی اور پھر...... اس پانچ مرلے کے گھر کے در و دیوار نے اس کی دلدوز چیخیں سنیں' پہلی بار......

❁……❁……❁

فیضان کی بیرونی سرگرمیاں اتنی زیادہ تھیں کہ گلی محلے پر کبھی اس کی نظر ہی نہ پڑی۔ اس روز اتفاق سے اس کی نظر

Downloaded from https://paksociety.com

ملیحہ پر پڑ گئی اور وہ اس کے دل کو بھا گئی۔ ان دنوں کی بات ہے جب ملیحہ کے رشتوں کو مسلسل انکار کر کے فضیلہ بیگم تھک چکی تھیں اور اب سنجیدگی سے سوچ رہی تھیں کہ فریال کے انتظار میں ملیحہ کو بٹھائے رکھنا بے وقوفی ہے۔

آئے روز ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ آتا اور وہ لوگ فریال کو رد کر کے ملیحہ کے لیے پیغام ڈال جاتے اور ہر ایسے موقع پر انہیں فریال کی بگڑتی حالت سنبھالنا محال ہو جاتا۔ کالج سے بھی وہ بہت چھٹیاں کرنے لگی تھی۔ اس کے جنون کی ابتدا تو وہیں سے ہوئی تھی۔ وردہ کی برجستہ استاوٹ ہو گئی تو اس کے شوہر نے اس کی تعلیم چھڑوا دی۔ اب وہ کبھی کبھی فون کر لیا کرتی تھی پھر بچہ ہو جانے کے بعد وہ تعلق بھی کیا لیکن صرف ایک وہی تو نہ تھی۔ کبھی کوئی مووی، کبھی ڈرامہ، کبھی کسی اور سہیلی کا قصہ، کبھی سر بازار نظر آنے والا کوئی رومانٹک کپل...... اپنے جذبات کو سنبھال سنبھال کر خود کو سمجھا سمجھا کر وہ عمر کے انتیسویں سن تک آ پہنچی اور اس کے اندر موجود فرسٹریشن ابل ابل کر باہر آنے لگی۔

فیضان نے از خود ملیحہ کی طرف پیش قدمی کی تو وہ پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں جا گری۔ فضیلہ بیگم نے ایسے ایسے اعلیٰ رشتے ٹھکرائے کہ ملیحہ بھی بدظن ہو گئی اور اسے فیضان ہی ساری دنیا سے اعلیٰ و ارفع نظر آنے لگا۔ ملیحہ کی اس حرکت پر فریال اس سے بھی دور ہو گئی۔ ان کی راتوں کو جاگنے اور اپنا غم سنانے والی عادت پر پابندی سی لگ گئی تھی کیونکہ اب ملیحہ آدھی رات تک جاگ کر فیضان سے باتیں کرتی تھی۔ وہ بستر میں گھس کر نہایت آہستہ آواز میں باتیں کرتی۔ فریال کو سمجھ تو نہ آتی تھی لیکن بیچ بیچ میں اس کے قہقہے اس کے لہجے کی کھنک اور کبھی کبھی خمار آلود ہوتا لہجہ اس کا فشار خون بڑھا جاتا۔ اس کا وجود جلنے لگتا۔ وہ آدھی رات تک اس کے سونے کا انتظار کرتی اور جب وہ تھک ہار کر فون بند کر کے سو جاتی تب فریال اپنا غم منانی، روتی سسکتی کراہتی، کبھی جنونی ہو جاتی۔

بہت سے کے پاو بجے کمرے کے بند دروازے کے پیچھے بے خبری کی نیند سوئی فضیلہ بیگم کو نہ کوئی ہوش تھا نہ پروا کہ ان کی جوان اولادیں کس ڈھب پر چل نکلی ہیں۔ آدھی رات کو سوئی ہوئی ماں کی جاگی ہوئی بیٹیاں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے مقدروں کی قبریں تیار کرتی ہیں۔

فریال نے خود کو مصروف کرنے کے لیے اسکول میں جاب شروع کر لی۔ دوسری طرف بچے کا جھکاؤ ملیحہ کی طرف دیکھ کر نورین نے فضیلہ بیگم سے رشتے کی بات کر لی۔ فضیلہ بیگم ایسے گھرانے میں ہرگز نہ دیتیں لیکن ملیحہ کی وجہ سے انہیں راضی ہونا پڑا۔ اس سے ایک بار پھر انہیں آغا جی کی یاد نے بری طرح تڑپایا۔

"جب تو بیٹیوں کی پرورش میں مشکلات اٹھائے گی۔"

"میں نہیں ہوں گا۔"

"آج تو نہیں سمجھتی تب سمجھ جائے گی۔"

وہ کتنا سچ کہتے تھے اور انہوں نے بھی یہ الفاظ ان کی من مانی شادی پر ہی کہے تھے۔ آج وہی صورت حال تھی ملیحہ اور فیضان کے معاملے میں، مسعود نے بہرحال انہیں خوش رکھا تھا لیکن فیضان کے حوالے سے وہ بہت زیادہ تحفظات کا شکار تھیں بہرحال شادی ہو گئی اور ملیحہ کا بہت شاندار استقبال بھی ہوا۔ اس کی زندگی معمول پر آ گئی لیکن چند روز بیس دن بعد ہی سنا فیضان الگ ہو رہا ہے۔ فضیلہ بیگم بھاگی بھاگی گئیں تو وہاں سب کچھ نارمل تھا تو بھی ان کی پریشانی برقرار رہی۔

"ارے بہن کوئی پریشانی والی بات نہیں، فیضان کی خواہش ہے تو ہمیں بھلا کیوں اعتراض ہو گا۔ ہم اپنی اولاد کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتے، جہاں رہیں خوش رہیں، آپ بھی پریشان نہ ہوں۔" لیکن فضیلہ بیگم مطمئن نہیں ہوئی تھیں۔

وہ بڑی ماں تھیں بے پروا سہی لیکن ماں تھیں، دو دن خانہ کچھ تو بات تھی جو ایسے اچانک سب کچھ ہوا اور پھر ملیحہ نے یہ عقدہ بھی جلد ہی کھول دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"اور ذان اور ریحان مجھ سے کافی بے تکلف تھے' ان کے گھر کا ماحول ہی کافی کھلا ڈلا ہے اس میں میرا کیا قصور لیکن فیضان کو یہ بات ناگواری گزری اور اس نے مجھ پر ہی ہاتھ اٹھایا اور صاف کہہ دیا کہ مجھے تم پر اعتبار نہیں۔" علیمہ یوں کہہ رہی تھی جیسے کسی اجنبی کپل کے بارے میں بات کر رہی ہو لیکن اس کے اندر دل کو کیسے چرکے لگ رہے تھے یہ منظر وہ ماں کو نہیں دکھا سکتی تھی یوں شادی کے ٹھیک بیس دن بعد نعمان اور علیمہ کے بیچ اعتبار کی موت ہوگئی۔

❁ ❁ ❁

"اب تو تم جاب کر رہی ہو' اسٹاف میں بھی کوئی نہ کوئی مرد تو ہوں گے۔ بچوں کو چھوڑنے لینے والوں میں بھی کوئی نہ کوئی تو ہوگا' تم خود کو کچھ بدلو' کچھ خود ہاتھ پیر مارو۔ اپنے آس پاس نظر دوڑاؤ' دنیا جب یہ سلوک روا رکھے تو اپنا مقدر خود بنانا پڑتا ہے' چھین کر کھانا پڑتا ہے اور مجبوری میں سب جائز ہوتا ہے۔"

یہ الفاظ کسی سہیلی کے نہیں اس کی اپنی ماں کے تھے' وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ اس نے اب تک اس نہج پر نہیں سوچا تھا' فضیلہ بیگم کی بات پر اس کی سوچ اور نگاہ کا زاویہ یکلخت بدلا تھا اور پھر صحیح غلط' ایمان اور بے ایمانی کے بیچ ڈولتی اپنے جذبات کو دبا دبا کر اپنے نفس سے لڑتے جھگڑتے ایک روز وہ تھک گئی' ہار گئی' بے حس ہوگئی۔ اس کے اندر غیرت اور حیا کی موت واقع ہوگئی' اس نے اپنے ضمیر کو حقیقت کا زہر دے کر مار ڈالا اور پھر اس گھناؤنے کھیل کا آغاز ہوگیا' جس کے انت پھر ذلت کی کھائی کے سوا کچھ نہ تھا۔

سب سے پہلے ابتدا اکاؤنٹس منیجر سے ہوئی' جس نے چند بار لطف اٹھانے کے بعد نظروں کا زاویہ یوں بدلا جیسے جانتے نہیں کی عملی تفسیر ہو۔

اس کے بعد وہ ایک بچے کا چاچو تھا' جس کے ساتھ اس کا افیئر ابھی عروج پر پہنچا ہی تھا کہ اس بچے کے باپ نے شکایت لگادی' جس پر منیجر شاہد نے اعتبار نہیں کیا مگر وہ محتاط ہوگئی اور پھر اس لڑکے کا اسکول آنا بند ہوگیا۔

اس کے بعد داؤد کا قصہ شروع ہوا اور پھر فراز کا۔ صرف فراز تھا جس نے اس کی تمام امیدوں کو سو فیصد پورا کیا تھا' چاندنی راتوں میں اس کو پڑنے والے دوروں کا خاتمہ ہوگیا تھا کیونکہ اب اس کے جذبات کو سراہنے اور بانٹنے والا آ گیا تھا۔

دوسری طرف فیضان علیمہ کو مسلسل مار پیٹ کرتا' شروع شروع میں اس نے نور دین کو شکایت کی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر ہاتھ اٹھا دیئے کہ یہ تم دونوں کا آپس کا معاملہ ہے اس کا مزاج ایسا ہی ہے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ ہمارا بھی لحاظ نہیں کرتا' علیمہ نے رو رو کر اس کے مظالم کی داستان سنائی تو انہوں نے کھور پنا سے بس اتنا کہا۔

"تم اب اس کی محبوبہ نہیں ہو بیوی ہو' محبوبہ ہونے کے دور میں ہی تم نے اس کے دل میں اپنا مقام گرالیا تھا پھر اب وہ اعتبار کرے بھی تو کیسے۔ اب تمہیں ہی خود کو بدلنا ہوگا' بیوی بن کے رہو' گھریلو عورت بن کے رہو' چھچھل چھبیلی لڑکیوں والے ناز و انداز چھوڑو اور عزت دار عورتوں کے اطوار اپناؤ۔" انہوں نے اس کے منہ پر لفظوں کا طمانچہ دے مارا تو وہ سن رہ گئی لیکن اس کے بعد اس نے اپنی ناکامیوں پر فریال کو قصوروار ٹھہرانا شروع کردیا۔ فریال چاہ کر بھی کبھی کہہ نہ پائی کہ یہ تمہاری اپنی کرنی کے پھل ہیں اور فضیلہ بیگم بس خاموش تماشائی بنی ٹکر ٹکر دیکھتیں۔

❁ ❁ ❁

شادی ہوتے ہی فضیلہ بیگم کی تباہی کا سفر قدم قدم شروع ہوگیا تھا اور اب زندگی کے اس موڑ پر یہ سفر ایسی نہج پر آ چکا تھا جہاں سے انہیں تباہی کی دلدل کی گہرائیاں اور خوفناکیاں صاف نظر آنے لگی تھیں۔ وہ ایک ناکام عورت تھیں جنہوں نے ساری زندگی اپنی کسی کوتاہی سے کوئی سبق نہ سیکھا تھا اور مسلسل دل کے بتائے راستوں پر چلتی رہی تھیں۔ ایسے میں وہ اپنی اولاد کو اخلاقی اقدار بھلا کیسے سکھا تیں' نتیجتاً ان کی بیٹیوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اس دلدل میں قدم رکھا تھا۔

اس روز اسکول سے ریٹائرمنٹ ہونے کے بعد فریال

http://paksociety.com

پاک سوسائٹی پر مُوجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

Downloaded from https://paksociety.com

وہاں رکی نہیں تھی اور سیدھی گھر آئی تھی۔ گھر آ کر وہ کمرے میں بند ہوگئی تھی اور رات تک نہیں نکلی تھی۔ فضیلہ بیگم دروازہ بجا بجا کر ہار گئی تھیں اور یہ وہی رات تھی جب عرصے بعد پھر اس پر دورہ پڑا تھا اور اس کی ہذیانی چیخوں نے در و دیوار کو دہلا دیا تھا۔

اس کے کمرے کی کھڑکی سے چاند نظر آتا تھا آج چاند سرخ سرخ محسوس ہو رہا تھا۔ چمکتا ہوا' شاید سورج سے روشنی مستعار لیتے لیتے آج چاند طیش میں آ گیا تھا۔ وہ یک ٹک چاند کو دیکھ رہی تھی یکایک چاند پر سرخ سرخ بوندیں نمودار ہونے لگیں۔ چاند کی آنکھوں سے لہو ٹپکنے لگا' دیکھتے ہی دیکھتے پورا چاند سرخ ہوگیا یہاں تک کہ وہ سرخی اس کی آنکھوں میں اتر آئی۔ آنکھوں سے وہ چہرے پر پھیلی اور اس کی آنکھیں میں اتر آئی۔ آنکھوں سے وہ چہرے پر پھیلی اور اس کی آنکھیں انگارہ ہوگئیں' چہرے کے نقوش پر وحشت بکھر گئی' وہ میکانکی انداز میں اٹھی اور سنگھار میز کے آئینہ کے سامنے آ رکی۔ آئینہ تاریک تھا اس نے کمرے کی لائٹ جلائی' آئینہ سرخ ہوگیا اس کے نقوش پر زلزلہ اتر آیا۔ چہرہ...... قبیح چہرہ...... ہاں یہی چہرہ ہی تو تھا فساد کی جڑ......

جنگ کا منبع...... جس نے "سب جائز ہے" کا ٹیگ لگا کر اسے مطمئن کر رکھا تھا۔ پانچ مرلے کے اس چھوٹے سے گھر کے تمام در و دیوار نے اس کی دلدوز چیخیں سنی تھیں وہ ہر چیز اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھی۔ سارا ماضی کسی فلم سرپ کی طرح اس کی آنکھوں کے آگے مجسم ہو رہا تھا اس نے ڈیکوریشن پیس کی بوتل کھینچ کر آئینہ پر دے ماری بوتل چکنا چور ہوگئی اس کے دل کی طرح...... شیشے پر بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئیں اس کے وجود کی طرح بلکہ...... اس کے چہرے کی طرح...... ہاں اس کا چہرہ......

دھاڑ کی آواز کے ساتھ اس کی ماں نے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا' ساتھ وہ چٹخنی سے جڑ سے الگ ہوتی ہوئی دور جا گری تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا' ایک کی آنکھوں میں خون اترا تھا دوسری کی آنکھوں میں خوف۔ ایک ہی حرف کے فرق سے مفہوم کتنے الگ ہوجاتے ہیں' ایک کے چہرے پر انتقام تھا' دوسری کے چہرے پر بے بسی' ہاں کچھ چیزیں دونوں میں یکساں تھیں۔

ہاتھ دونوں کے خالی تھے' دل بھی خالی تھے۔ سانس دونوں کی دھونکنی کی طرح چل رہی تھی رنگت دونوں کی سرخ انگارہ تھی اور بال بکھرے تھے اور...... یہ ہذیانی چیخیں بھی دونوں نے عرصے بعد سنی تھیں۔

گھر سے نکالے جانے کے بعد فراز سیدھا فریال کے گھر آیا تھا۔ فضیلہ بیگم نے متورم آنکھوں اور ستے چہرے کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر خود بھی سامنے بیٹھ گئیں' ان کی مسلسل خاموشی سے اکتا کر وہ بولا۔

"آنٹی میں ابھی اور اسی وقت فریال سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔" فضیلہ بیگم نے ایک جھٹکے سے جھکا سر اٹھایا۔

"تو کیا تم نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی؟"

"نکاح کے کاغذات کے ساتھ ہی اس کے طلاق کے کاغذات بنواؤں گا' آپ فکر مت کریں میں وہ گھر چھوڑ آیا ہوں ہمیشہ کے لیے۔" فضیلہ بیگم کو ایک اور جھٹکا لگا۔

"گھر کیوں چھوڑا؟ وہ تمہارا اپنا گھر تھا ناں؟"

"نہیں وہ گھر میری ماں کے نام ہے اور وہ اسے اب آمنہ کے نام کرنے والی ہیں' اس کے مستقبل کے تحفظ کی خاطر لیکن آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میرا کاروبار بہت اچھا ہے اور میرا ذاتی ہے صرف ایک سال کے اندر اندر میں اس گھر سے دگنا خوب صورت گھر تعمیر کروانے کی سکت رکھتا ہوں' مجھ پر بھروسا کریں۔" وہ تیز تیز بول رہا تھا۔

"بھروسا......" یہ لفظ فضیلہ بیگم کو چابک کی طرح لگا' اسی وقت فریال ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اجڑی بدحال...... اس حالت میں اس کے چہرے کا نقص نمایاں ہو رہا تھا' چہرے پر چھائی نفرت اور کرختگی اس کے چہرے کو بدصورت بنا رہی تھی فراز اس کا یہ روپ دیکھ کر چونک گیا۔

وہ ایک ایک قدم اٹھاتی آگے آئی اور بولی۔

"کتنے سال بعد آپ ٹھیک اسی انداز میں کسی اور لڑکی کی ماں کو اپنی محبت اور بھروسے کا مان دے رہے ہوں گے اور میں تنہا آبلہ پا کھڑی ہوں گی یہ بھی بتانے جائیں۔"

فراز گنگ رہ گیا۔

"یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو فریال! کیا ہوا ہے؟"

"کل آپ کی بیوی کو دیکھا تھا' سوجی آنکھ اور نیلو نیل چہرے کے ساتھ تو سوچا پانچ چھ برس بعد شاید یہی حال میرے اس چہرے کا بھی ہو جائے جس پر پہلے ہی ایک گہن لگا ہوا ہے۔" فراز بری طرح چونکا۔

"آمنہ...... وہ کب آئی تمہارے پاس؟" اسے غصہ آنے لگا' فریال استہزائیہ ہنسی۔

"کیوں...... کیا پھر مار لگانے کا ارادہ ہے؟ فراز صاحب مرد کا ہاتھ عورت پر ایک بار اٹھ جائے نا تو پھر وہ اٹھتا ہی رہتا ہے۔ ہر اس عورت پر جو اس کی زندگی میں آئی ہے' کل آمنہ کو دیکھ کر مجھے اس میں اپنی بہن نظر آئی۔ وہ بہن جسے ہم نے کبھی پھولوں کی ٹہنی سے بھی نہ مارا تھا اور وہ آج اپنے شوہر سے ڈنڈوں' بیلٹ اور پائپوں سے مار کھاتی ہے اور بالکل ویسا ہی چہرہ لیے گھر آئی ہے جیسا میں نے کل آپ کی بیوی کو دیکھا' اگر مجھے بھی ایسی ہی زندگی ملنی ہے تو ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر۔ آپ چلے جائیں اور جا کر اپنی بیوی اور بچی کو اپنا لیں۔"

"فریال! ایسا کیوں سوچتی ہو میرا یقین کرو میں......"

"کس منہ سے یقین دلا رہے ہیں آپ فراز صاحب! چھوڑیں ساری باتیں اور یہ ساری توانائی اپنی بیوی کو منانے میں آزمائیں۔" وہ پلٹ کر اندر چلی گئی' فضیلہ بیگم بھی اٹھ گئیں' وہ تنہا رہ گیا۔

بال' وہ تنہا ہی تو رہ گیا تھا' واپس گھر کس منہ سے جاتا نہ وہ خود گیا نہ طلاق بھجوائی۔ کئی سال بعد فون کر کے ماں سے بات کرنے کی کوشش کی پر انہوں نے دو ٹوک انداز میں آمنہ کا مطالبہ دہرا دیا اور یہ بھی باور کرا دیا کہ وہ مر بھی جائے تو بھی اس مطالبے میں لچک پیدا نہیں ہو گی پھر وہ مر ہی تو گیا۔ اس نے خود کو کاروبار میں الجھا لیا' کاروبار پھیلتا گیا' وہ پیسہ سنبھالے نہ سنبھلتا۔ وہ نوٹ لاتا' اس فلیٹ میں جس میں وہ رہ گیا تھا۔ نوٹ ہوا میں اچھالتا اور قہقہے لگاتا' ساری رات ان نوٹوں سے کھیلتا' ہر کمرے میں جا جا کر بیٹھتا۔

گھر والوں کی آوازیں بنا بنا کر باتیں کرتا' شور مچاتا۔ رات یوں ہی بیت جاتی' دن چڑھے تک سوتا اور پھر خود پر سوٹ بوٹ کے ساتھ ساتھ کارپوریٹ ملمع چڑھا کر آفس کے لیے نکل جاتا' یہ تھے اس کے شب و روز۔

❁.....❁.....❁

فریال نے ایک دوسرے اسکول میں جاب کر لی' صبح سے دوپہر تک اسکول ٹائم ہوتا' دوپہر وہیں کھانا کھاتی اور سہ پہر سے مغرب تک اسی اسکول کے کوچنگ سینٹر میں پڑھاتی۔ جب گھر آتی تو بس کھانا کھا کر بستر پر لڑھک جاتی۔ صبح پھر کولہو کے بیل کی طرح کام پر لگ جاتی' یہ تھے اس کے شب و روز۔

❁.....❁.....❁

فیضان اور ملیحہ کو اللہ نے جڑواں بیٹیوں سے نوازا' وہ دن بھر اس حرام اولاد کو پالتی اور رات میں حرام تعلق نبھاتی۔ لوگوں کے خوف سے ہم اپنی زندگی کو تماشا بنا لیتے ہیں' کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ہم اپنی زندگی کے سارے فیصلے اسی ایک خوف کے زیر اثر کرتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے آخر میں لوگ بھی کہتے ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون۔

DOWNLOADED FROM
PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY